• سات سو گیارہویں رات

سات سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب علی کو دروازہ معلوم ہو گیا تو اس نے لڑکے کر پکڑ لیا اور چاہتا تھا کہ دینار چھین لے مگر ناکام رہا لڑکے سے کہنے لگا جا تو' انعام کا مستحق ہے کیونکہ تو چالاک' سمجھ دار اور بہادر ہے۔ اگر خدا نے چاہا اور میں خلیفہ کے ہاں سردار بن گیا تو تجھے اپنے ساتھیوں میں لے لوں گا۔ لڑکا چل دیا اور پارا علی مصری نے آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ احمد دنف نے کہا اے مکان دار' دروازہ کھول' یہ دستک پارا علی مصری کی ہے۔ مکان دار نے دروازہ کھولا' علی نے اندر آ کر احمد دنف کو سلام کیا' اس کے گلے لپٹ گیا' چالیسوں ساتھیوں نے بھی اسے سلام کیا۔ اس کے بعد احمد دنف نے اسے کپڑے پہننے کو دیئے اور کہا جب خلیفہ نے مجھے عہدہ دیا تھا اور میرے ساتھیوں کے لئے کپڑے عطا کئے تھے تو میں نے یہ جوڑا تیرے لئے رکھ چھوڑا۔ علی نے کپڑے پہن لئے تو انہوں نے اسے اپنے درمیان صدر میں بٹھایا اور کھانا حاضر کیا' سب نے کھایا' پھر شراب منگوائی اور سب نے پی اور صبح تک نشے میں پڑے رہے۔ اس کے بعد احمد دنف نے علی مصری سے کہا خبر دار بغداد میں ہرگز نہ نکلیو' اسی گھر میں بیٹھا رہیو۔ علی نے پوچھا یہ کیوں؟ کیا میں یہاں قید ہونے آیا ہوں؟ احمد دنف نے کہا بیٹا' بغداد کو مصر کی طرح نہ سمجھ۔ یہ بغداد خلافت کی جگہ ہے' یہاں بہت ٹھگ رہتے ہیں' ٹھگیاں یہاں سبزی کی طرح اگتی ہیں' چنانچہ تین دن تک علی گھر سے باہر نہیں نکلا' تین دن کے بعد احمد دنف نے اس سے کہا میں چاہتا ہوں کہ تجھے خلیفہ کی خدمت میں پیش کروں تا کہ وہ تیرا روزینہ مقرر کر دے۔ علی بولا جلدی کیا ہے! اس کا وقت بھی آ جائے گا۔ احمد نے زیادہ اصرار نہیں کیا۔

ایک روز جب کہ علی گھر میں بیٹھا ہوا تھا' اس کی طبیعت پریشان ہونے لگی اور دل

گھبرانے لگا۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ بغداد کا گشت لگانا چاہیے۔ طبیعت تو کچھ بہلے' وہ گھر سے نکلا اور سیر کرتا ہوا چلا۔ بازار کے بیچ میں اس نے ایک باورچی کی دکان دیکھی' وہاں جا کر کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر ہاتھ دھونے باہر آیا ہی تھا کہ اس نے دیکھا چالیس غلام فولادی خنجر لگائے اور فولادی لباس پہنے دو دو کر کے چلے جا رہے ہیں۔ اس جلوس کے آخر میں چال باز دلیلہ زرہ بکتر لگائے' فوج وردی پہنے ایک خچر پر سوار تھی۔ سر پر سونے کا پانی پھرا ہوا ایک خود تھا جس کا اوپر کا حصہ فولاد کا تھا۔ اس وقت دلیلہ دربار سے آ رہی تھی اور سرائے جا رہی تھی۔ پارا علی پر نظر پڑتے ہی وہ سوچ میں پڑ گی۔ اس نے دیکھا کہ لمبائی چوڑائی میں وہ احمد دنف سے مشابہ ہے' عبا' لمبی ٹوپی اور فولادی خنجر وغیرہ یہ ساری چیزیں ویسی ہی ہیں اور بہادری اس کے چہرے سے نمودار ہے۔ سرائے پہنچ کر وہ اپنی بیٹی زینب کے پاس گئی' رمل کی تختی لے کر دیکھا کہ اس کا نام علی مصری ہے اور اس کا ستارہ اس کے اور اس کی بیٹی کے ستارے پر غالب ہے۔ زینب نے کہا اماں' رمل کی تختی تو نے کیا دیکھنے کے لئے نکالی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ میں نے آج ایک جوان کو دیکھا ہے جو احمد دنف سے مشابہ ہے۔ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں اسے یہ پتہ چل جائے کہ تو نے احمد دنف اور اس کے ساتھیوں کے کپڑے اتار لئے ہیں اور وہ اس سورائے میں آ کر اپنے باپ اور اس کے چالیس ساتھیوں کا بدلہ لینے کی غرض سے ہمارے ساتھ کوئی چال نہ چلے۔ میرا یہ بھی خیال ہے کہ وہ احمد دنف کے ہی گھر ٹھہرا ہے۔ زینب نے کہا وہ ہوتا کون ہے! میرے خیال میں تجھے حساب سے بھی یہی معلوم ہوا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا بہترین لباس پہنا اور نکل کر شہر میں گھومنے لگی۔ لوگ اسے دیکھ کر اس سے عشق و محبت کی باتیں کرتے' وہ کسی سے وعدہ کرتی' کسی سے قسم کھاتی' کسی کو برا بھلا کہتی اور کسی سے راز و نیاز کی باتیں کرتی۔ اسی طرح وہ ایک گلی سے دوسری میں چلی جاتی' اتنے میں اس نے دیکھا کہ علی مصری سامنے آ رہا ہے۔ زینب نے اسے کاندھا

مارا اور اس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی' خدا آنکھ والوں کو زندہ رکھے! علی نے کہا تیر شکل کسی پیاری ہے! تو کس کی ہے؟ اس نے جواب دیا تیر طرح بانکے جوان کی۔ علی نے پوچھا تو شادی شدہ ہے یا کنواری؟ وہ بولی شادی شدہ۔ علی نے کہا میرے گھر یا تیرے گھر۔ زینب نے کہا' میں تاجر زادی ہوں اور میرا شوہر بھی تاجر ہے۔ سوائے آج کے عمر بھر گھر سے نہیں نکلی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے کھانا پکایا تھا اور کھانا چاہتی تھی کہ تو نظر آ گیا۔ اکیلے کھانے کو جی نہیں چاہا۔ کیا تو چاہتا ہے کہ میرا دل رکھ لے اور ایک نوالہ میرے ساتھ کھائے؟ علی نے کہا جسے دعوت دی جائے اسے قبول کرنی چاہیے۔ زینب ایک گلی سے دوسری میں ہوتی ہوئی جاتی تھی اور علی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

جاتے جاتے علی نے اپنے دل میں کہا' اب میں کیا کروں؟ میں تو پردیسی ہوں اور کہتے ہیں کہ جو پردیس میں زنا کرے' اسے خدا نامردار کرتا ہے۔ بہتر ہے کہ نرمی سے اسے ٹال دوں۔ یہ سوچ کر اسے زینب سے کہا یہ دینار لے اور کوئی دوسرا وقت مجھے بتا دے۔ زینب نے کہا قسم ہے اسم اعظم کی اس وقت تو تجھے میرے ہی ساتھ گھر چلنا ہو گا تاکہ میں تجھے پیار کروں۔ الغرض وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک دروازے پر پہنچے جس پر قفل پڑا ہوا تھا۔ زینب نے کہا قفل کھول۔ علی بولا کنجی کہاں ہے؟ زینب نے کہا کھو گئی۔ علی نے کہا قفل بغیر کنجی کے کھولنے والا مجرم ہوتا ہے اور حاکم اسے سزا دیتا ہے۔ علاوہ بریں مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ قفل بے کنجی کے کھلتا کس طرح ہے۔ زینب نے اپنی نقاب اٹھا دی اور علی حسرت بھری آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اب زینب نے اپنی نقاب قفل پر ڈال کر موسی کی ماں کا جادو پڑھا۔ وہ کھل گیا۔ زینب اندر گئی۔ علی پیچھے پیچھے ہو لیا' دیکھا کہ وہاں تلواریں اور دوسرے فولادی ہتھیار لٹکے ہوئے ہیں۔ لڑکی نے برقع اتار ڈالا اور اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ علی اپنے دل میں کہنے لگا جو کچھ خدا نے قسمت میں لکھا ہے وہ پورا

ہو کر رہے گا اور اس نے بڑھ کر چاہا کہ اس کے رخسار کا بوسہ لے لیکن اس نے اپنے رخسار پر ہاتھ رکھ لیا اور کہنے لگی پیار کی باتیں رات میں ہوتی ہیں۔ اس کے بعد وہ جا کر کھانا اور شراب لے آئی' دونوں نے مل کر کھایا پیا' پھر زینب نے کنوئیں میں سے لوٹا بھرا اور علی کے ہاتھوں پر پانی ڈال کر انہیں دھلایا۔ اب وہ یک بہ یک اپنا سینہ پیٹنے لگی اور کہا میرے شوہر کے پاس یاقوت کی ایک انگوٹھی تھی جس کو کسی نے اس کے پانچ سو دینار میں گروی رکھا تھا۔ وہ میری انگلی تھی' بڑی ہونے کی وجہ سے میں نے اس موم سے چپکا لیا تھا۔ انگلی سے کہیں نکل گئی۔ خیال ہوتا ہے کہ جب میں نے کنوئیں کی طرف منہ کر کے ڈول ڈالا ہے تو گر پڑی ہو گی۔ لیکن مضائقہ نہیں تو دروازے کی طرف منہ کر لے تا کہ میں کپڑے اتار کر کنوئیں میں اتر جاؤں اور انگوٹھی نکال لاؤں۔ علی نے کہا یہ میرے لئے شرم کی بات ہے کہ میرے ہوتے ہوئے تو کنوئیں میں اترے' ٹھہر میں اترتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے کپڑے اتار ڈالے' کمر سے رسی لپیٹ لی' زینب نے اسے کنوئیں میں اتار دیا اور کہنے لگی رسی چھوٹی پڑ گئی ہے تو اسے کھول کر اتر جا۔ علی نے رسی کھول ڈالی اور کنوئیں میں اتر گیا۔ کنوئیں میں پانی بہت تھا' لیکن وہ اس میں غوطے کھانے لگا اور کنوئیں کی تھاہ تک نہ پہنچ سکا۔ ادھر زینب نے اپنا برقع اوڑھا اور علی کے کپڑے سمیٹ اپنی ماں کے پاس چل دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو بارہویں رات

سات سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- زینب نے اپنی ماں کے پاس جا کر کہا' میں علی مصری کے کپڑے اتار لائی اور اسے امیر حسن کے

مکان کے کنوئیں میں ڈال آئی ہوں جہاں سے اس کا نکلنا مشکل ہے۔

اب امیر حسن مکان کے مالک کا حال سنو۔ جس وقت کا یہ واقعہ ہے وہ دربار میں تھا' لوٹا تو اس نے دیکھا کہ گھر کھلا پڑا ہے۔ سائیں سے کہنے لگا تو نے کھٹکا کیوں بند نہیں کیا؟ اس نے کہا اے میرے مولا! میں نے تو اسے اپنے ہاتھ سے بند کیا ہے۔ امیر بولا' پھر تو گھر میں ضرور چور گھسا ہے اور اندر جا کر ادھر ادھر ڈھونڈا کسی کو نہ پایا۔ اب سائیں سے کہا کہ لوٹا بھر لا' میں وضو کروں گا۔ سائیں نے ڈول لے کو کنوئیں میں ڈالا لیکن جب کھینچنے لگا تو بھاری معلوم ہوا۔ کنوئیں میں جھانک کر دیکھا تو ڈول میں کوئی بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔ وہ ڈول کو وہیں چھوڑ کر چلایا کہ اے میرے آقا' کنوئیں میں سے ایک بھوت نکل کر میری طرف آ رہا ہے۔ امیر حسن نے کہا جا کر چار ملاؤں کو بلا لا کہ وہ قرآن پڑھ کر بھوت کو بھگا دیں۔ ملا آئے تو اس نے کہا کنوئیں کے چارو طرف بیٹھ کر بھوت پر قرآن پڑھو۔ اس کے بعد غلام اور سائیں نے مل کر ڈول ڈالا' علی اس میں ہو بیٹھا اور اوپر آ کر کود ملاؤں کے بیچ میں بیٹھ گیا۔ وہ ایک دوسرے کو دھکیلنے اور بھوت! بھوت! کا شور مچانے گے۔ امیر حسن نے دیکھا تو وہ آدمی کا بچہ نکلا۔ پوچھا کیا تو چور ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ امیر بولا پھر تو کنوئیں میں کیوں اترا؟ اس نے کہا مجھے احتلام ہو گیا تھا' نہانے کی غرض سے دجلے میں غوطہ مارا لین پانی مجھے بہا کر زمین کے نیچے نیچے یہاں لے آیا اور میں اس کنوئیں میں آنکلا۔ امیر نے کہا سچ کہہ' علی نے اپنا سارا ماجرا شروع سے آخر تک سنا دیا۔ امیر نے اسے ایک جوڑا کپڑوں کا دے کر رخصت کر دیا۔ گھر جا کر اس نے ساری

سر گزشت احمد دنف سے بیان کی۔ احمد نے کہا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ بغداد میں ایسی عورتیں ہیں جو مردوں کو انگلیوں پر نچا دیتی ہیں۔ علی کتف الجمل نے کہا' میں تجھے اسم اعظم کی قسم دیتا ہوں' بتا تو سہی کہ تو مصر کے غنڈوں کا سردار کس طرح ہو گیا حالانکہ ایک لڑکی نے تیرے کپڑے اتار لئے۔ یہ بات اسے بہت بری معلوم ہوئی اور وہ شرمندہ ہوا۔

احمد دنف نے علی کو دوسرے کپڑے پہننے کے لئے دیئے۔ حسن شومان نے کہا تو اسے پہچانتا ہے؟ وہ بولا نہیں۔ حسن شومان کہنے لگا وہ زینب چال باز دلیلہ کی بیٹی ہے جو خلیفہ کی سرائے کی داروغہ ہے۔ تو کیا اے علی' تو اس کے جال میں پھنس گیا؟ اس نے کہا ہاں۔ حسن شومان نے کہا اے علی' اسی نے تیرے باپ اور اس کے ساتھیوں کے کپڑے اتار لئے ہیں۔ علی نے کہا یہ تمہارے لئے شرم کی بات ہے۔ حسن نے پوچھا آخر تو کیا چاہتا ہے؟ علی نے کہا اے شومان آخر کوئی تدبیر تو نکال کہ میں اس سے شادی کر سکوں۔ اس نے جواب دیا مرحبا! اگر تو میرے چلو سے پانی پیئے اور میرے جھنڈے کے نیچے چلے تو میں تیری مراد پوری کر دوں گا۔ علی نے کہا منظو ہے۔ حسن بولا اے علی! اپنے کپڑے اتار ڈال اور اس نے اتار ڈالے۔ حسن نے ایک دیگچی لے کر اس میں کوئی چیز الٹائی جو رال جیسی تھی اور علی کے بدن پر اسے مل دیا۔ اس کا رنگ حبشی غلاموں کا سا ہو گیا۔ اس میں سے تھوڑی سی اس کے ہونٹوں اور رخساروں پر چپڑ دی اور اس کی آنکھوں میں لال کاجل لگا کر غلاموں کا پہناوا اور اس کے ہاتھ میں کباب و شراب دے کر کہا سرائے میں ایک باورچی ہے' بالکل اسی صورت جا جسے بازار سے سوائے گوشت اور ترکاری کے اور کسی چیز کے لانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ تو جا کر اس سے نرمی سے پیش آ۔ غلاموں کی زبان میں اس سے گفتگو کر اور سلام کر کے کہہ کہ ایک مدت سے میں نے تجھے شراب خانے میں نہیں دیکھا۔ وہ کہے گا میں نوکر ہو گیا ہوں اور میرے سر چالیس غلاموں کا کھانا ہے' میں ان کے لئے دونوں وقت کا کھانا پکاتا ہوں' کتوں کا راتب کھلانا بھی میرے ذمے ہے۔ دو دستر خوان ایک

دلیلہ اور ایک اس کی بیٹی زینب کے لئے تیار کرنے پڑتے ہیں' مجھے فرصت کہاں تو کہیو کہ آ کباب کھائیں اور شراب پیئں اور کمرے میں جا کر اسے اتنی پلائیو کہ وہ بدمست ہو جائے۔ اس کے بعد اس سے پوچھیو کہ تجھے کتنے قسم کے کھانے پکانے ہیں' کتے کیا کھائیں گے۔ باورچی خانے کی کنجی کہاں ہے اور نعمت خانے کی کہاں۔ غلام ساری باتیں بتا دے گا کیونکہ متوالا وہ تمام باتیں کہہ دیتا ہے جسے ہوش کی حالت میں چھپاتا ہے۔ اس کے بعد تو اسے بھنگ پلائیو' اس کے کپڑے اتار کر پہن لیجیو۔ کمر میں چھریاں لگا کر ترکاری کی ٹوکری لے بازار جائیو اور گوشت' ترکاری خرید لائیو۔ باورچی خانے میں آ کر کھانا پکائیو۔ پھر کھانا ڈونگوں میں نکال کر سرائے میں دلیلہ کے پاس جائیو۔ لیکن کھانے میں بھنگ ہو تا کہ کتے' غلام' دلیلہ ار اس کی بیٹی زینب سب کے سب نشے میں چور ہو جائیں اس کے بعد حویلی کے اندر جا کر سارے کپڑے لے آئیو اور تو چاہتا ہے کہ تیری شادی زینب کے ساتھ ہو جائے تو چالیسوں پیغام بر کبوتر بھی۔

علی سرائے میں جا پہنچا۔ غلام نے باورچی کو سلام کیا اور کہنے لگا۔ میں نے مدت سے تجھے شراب خانے میں نہیں دیکھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں غلام اور کتوں کے لئے کھانا پکانے میں لگا رہتا ہوں۔ علی نے اسے لے جا کر خوب پلائی اور پوچھا کتنے قسم کا کھانا پکتا ہے؟ وہ بولا پانچ قسم کا دوپہر کو' اور پانچ قسم کا شام کو' کل مجھ سے چھٹی قسم کی فرمائش کی گئی ہے جو زردہ ہے۔ اور ساتویں قسم کو جو انار دانے ہیں۔ علی نے پوچھا' دستر خوان بچھانے کا کیا طریقہ ہے؟ غلام نے کہا پہلے زینب کے لئے دستر خوان بچھاتا ہوں' پھر کتوں کو اور سب کو پیٹ بھر گوشت دیا جاتا ہے جو رطل سے کم نہیں لیکن اتفاق سے کنجیوں کے بارے میں پوچھنا بھول گیا۔ اس کے بعد اس نے غلام کے کپڑے اتار کر خود پہنے اور ٹوکری لے کر بازار گیا' گوشت' ترکاری خریدی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو تیرہویں رات

سات سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ پارا علی مصری گوشت ترکاری لے کر لوٹا اور سرائے کے دروازے سے اندر آیا' دیکھا کہ دلیلہ بیٹھی ہوئی آنے جانے والوں کو غور سے دیکھ رہی ہے۔ علی نے چالیسوں غلاموں پر نظر ڈالی جو ہتھیار بند تھے اور وہ اپنا دل مضبوط کر کے داخل ہوا۔ دلیلہ نے اسے دیکھ کر پہچان لیا اور کہنے لگی اے چوروں کے سردار' واپس جا' کیا تو سرائے میں ٹھگنے آیا ہے؟ علی مصری نے جو غلاموں کے بھیس میں تھا' دلیلہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے داروغہ' تیرا کیا مطلب ہے؟ وہ بولی تو نے غلام باورچی کے ساتھ کیا کیا ہے؟ اسے مار ڈالا یا بھنگ پلا دی۔ علی نے کہا کون سا غلام باورچی؟ کیا یہاں میرے سوا اور بھی کوئی غلام باورچی ہے؟ دلیلہ بولی' تو جھوٹا ہے' تو پارا علی مصری ہے۔ علی نے غلاموں کے لہجے میں اے داروغہ' مصری لوگ گورے ہوتے ہیں یا کالے؟ اب میں نوکری نہیں کروں گا۔ دوسرے غلاموں نے پوچھا اے چچیرے بھائی' کیا قصہ ہے؟ دلیلہ نے کہا' یہ تمہارا چچیرا بھائی نہیں بلکہ پارا علی مصری ہے۔ اس نے یا تو تمہارے چچیرے بھائی کو بھنگ پلا دی ہے اور یا مار ڈالا ہے۔ وہ بولے نہیں یہ ہمارا چچیرا بھائی باورچی سعد اللہ ہے۔ دلیلہ نے کہا نہیں تمہارا چچیرا بھائی نہیں بلکہ علی مصری ہے جس نے اپنا رنگ بدل لیا ہے۔ علی بولا' علی کون؟ میں تو سعد اللہ ہوں؟ دلیلہ نے کہا میرے پاس اس کا توڑ ہے۔ وہ ایک مرہم لے آئی اور اس کی بانہوں میں لگا کر انہیں خوب رگڑا لیکن سیاہی نہ گئی۔ غلاموں نے کہا اسے جانے دے تا کہ وہ ہمارا کھانا تیار کرے۔ دلیلہ نے کہا اگر وہ تمہارا چچیرا بھائی ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ کل رات تم نے اس سے کس کھانے کی فرمائش کی تھی' وہ ہر روز کتنی قسم کے کھانے پکاتا ہے۔ غلاموں نے اس سے کھانوں کی قسموں اور کل رات کی فرمائش کے بارے میں پوچھا' اس نے کہا

مسور کی دال' چاول' شوربا' یخنی اور ماوردیہ' چھٹا کھانا زردہ ہے' ساتواں انار دانے اور یہی شام کا کھانا ہے۔ غلاموں نے کہا ٹھیک کہتا ہے۔ دلیلہ بولی' اچھا اس کے ساتھ جاؤ اگر اسے معلوم ہے کہ باورچی خانہ کہاں ہے اور نعمت خانہ کہاں تو وہ تمہارا چچیرا بھائی ہے ورنہ تم اسے قتل کر دینا۔

باورچی نے ایک بلی پال رکھی تھی' جب کبھی وہ اندر آتا تو بلی اسے باورچی کے دروازے پر کھڑی ملتی اور جونہی وہ اندر داخل ہوتا وہ اس کے کندھے پر چڑھ بیٹھتی۔ علی داخل ہوا اور بلی نے اسے دیکھا تو وہ کود کر اس کے کندھے پر جا بیٹھی۔ اس نے بلی کو نیچے گرا دیا۔ وہ اس کے آگے آگے باورچی خانے کی طرف چلی اور دروازے پر پہنچ کر رک گئی۔ علی نے کنجیاں اٹھا لیں اور یہ دیکھ کر کہ ایک کنجی پر پر چپکے ہوئے ہیں' پہچان گیا کہ یہ باورچی خانے کی کنجی ہو گی' سے کھول کر وہاں ترکاری رکھ دی اور نکل ایا۔ اب بلی پھر اس کے آگے آگے چلی اور نعمت خانے کے دروازے کا رخ کیا۔ علی نے دیکھا کہ وہ نعمت خانہ ہے اور کنجیاں اٹھا لیں' دیکھا کہ ایک کنجی پر چربی کے دھبے ہیں' سمجھ گیا کہ یہ نعمت خانے کی کنجی ہو گی' اسے کھولا۔ غلاموں نے دلیلہ کے پاس جا کر کہا کہ اگر وہ اجنبی ہوتا تو اسے کیا معلوم ہو تا کہ باورچی خانہ اور نعمت خانہ کہاں ہے' نہ وہ کنجیوں میں سے ہر جگہ کی کنجی پہچان سکتا۔ وہ ضرور ہمارا چچیرا بھائی سعد اللہ ہے۔ دلیلہ نے کہا کہ ان باتوں کا پتہ اسے بلی سے چلا اور کنجیوں کو اس نے قرینے سے پہچانا۔ میں ایسی باتوں کے پھندوں میں نہیں آتی۔ اب علی باورچی خانے میں گیا' دیکھا کہ اس کے گھر میں تمام کپڑے لٹکے ہوئے ہیں۔ وہاں سے آ کر اس نے دلیلہ کے لئے دستر خوان بچھایا' اسکے بعد غلاموں اور کتوں کو کھانا کھلایا۔ شام کے وقت بھی اس نے یہی کیا۔ سرائے کا دروازہ صبح اور شام سورج کے ساتھ کھلتا اور بند ہوتا تھا' لٰہذا علی نے کھڑے ہو کر آواز دی کہ اے مسافرو! غلام پہرے کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں اور ہم نے کتے کھول دیے ہیں۔ اگر کوئی شخص

باہر جانا چاہے تو اپنی جان اور مال کا خود ذمے دار ہے کسی اور کو الزام نہ دے۔ علی نے کتوں کو رات کا کھانا دے دیا اور اس میں زہر ملا دیا۔ جسے کھاتے ہی کتے مر گئے اور تمام غلاموں دلیلہ اور اس کی بیٹی زینب کو بھنگ کھلا دی۔ اس کے بعد اس نے سارے کپڑے سمیٹے، پیغام بر کبوتر لئے اور سرائے کھول کر نکل گیا اور اپنے گھر پہنچا۔ حسن شومان نے اسے دیکھ کر کہا کیا کر آیا؟ اس نے سارا ماجرا بیان کیا، حسن شومان نے اس کی بڑی تعریف کی، اٹھ کر اس کے کپڑے اتارے اور ایک بوٹی کو گھول کر اسے نہلایا، وہ پہلے کی طرح گورا چٹا ہو گیا۔ پھر علی غلام کے پاس گیا، اسے اس کے کپڑے پہنائے اور بھنگ کا نشہ توڑا۔ غلام اٹھ کر کنجڑے کی دکان پر گیا اور ترکاری لے کر سرائے لوٹا۔ یہ تھا جو پارا علی مصری کے ساتھ پیش آیا۔

اب چال باز دلیلہ کا ماجرا سنو۔ سرائے کا ایک تاجر اپنے کمرے سے نکل کر علی الصباح اس کے پاس اتر کر جا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ سرائے کا دروازہ کھلا پڑا ہے، غلام بھنگ کے نشے میں اور کتے مرے پڑے ہیں۔ وہ دلیلہ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ بھی بھنگ کے نشے میں پڑی ہوئی ہے۔ اس کی گردن میں ایک کاغذ لٹک رہا ہے اور سرہانے ایک اسپنج کا ٹکڑا بھنگ کے توڑ میں ڈوبا ہوا رکھا ہے۔ تاجر نے وہ ٹکڑا دلیلہ کے نتھنے میں رکھ دیا۔ وہ ہوش میں آ گئی اور کہنے لگی میں کہاں ہوں؟ تاجر نے کہا میں ابھی اتر کر آیا تھا دیکھا کہ سرائے کا دروازہ کھلا ہوا ہے تو اور غلام سب کے سب بھنگ کے نشے میں اور کتے مرے پڑے ہیں۔ دلیلہ نے وہ کاغذ اتارا، دیکھا اس میں لکھا ہوا ہے کہ کام سوائے علی مصری کے اور کسی کا نہیں۔ اس کے بعد اس نے غلاموں اور زینب کو بھنگ کا توڑ سنگھایا اور بولی میں نے کہا نہ تھا کہ وہ یقیناً علی مصری ہے، پھر وہ غلاموں سے کہنے لگی کہ یہ بات کسی سے کہنا نہیں اور اپنی بیٹی سے کہا میں نے تجھ سے کتنی بار کہا تھا کہ علی اپنا بدلہ لے کر چھوڑے گا۔ یہ اس مکر کا جواب ہے جو تو نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ وہ میرے ساتھ اس کے سوا بھی اور کچھ کر سکتا تھا لیکن اس نے صرف اسی پر بس کی کیونکہ وہ کوئی برائی نہیں چاہتا بلکہ اپنے ہمارے

درمیان محبت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد دلیلہ نے مردوں کا لباس اتر کر عورتوں کا لباس پہنا اور صلح کا رومال گردن میں باندھ کر احمد دنف کے گھر گئی۔ جب علی کپڑے اور پیغام بر کبوتر لے کر گھر میں داخل ہوا تو شومان نے مکان دار کو چالیس کبوتروں کی قیمت دے کر انہیں خرید لیا تا کہ وہ انہیں پکا کر لوگوں کو کھلائے۔ اب جبکہ دلیلہ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو احمد دنف بولا کہ یہ دستک تو دلیلہ کی ہے۔ اے مکان دار' اٹھ اور دروازہ کھول کر اسے اندر آنے دے۔ مکان دار نے جا کر دروازہ کھولا۔ وہ اندر آ گئی۔

اور شہر یار کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چودھویں رات

سات سو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- دلیلہ اندر آئی تو شومان نے کہا اے منحوس بڑھیا' تو یہاں کیوں آئی ہے؟ تو اور تیرا بھائی ماہی فروش زریق ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ بڑھیا بولی اے سردار' میں گنہگار ہوں' میری گردن تیرے سامنے حاضر ہے لیکن یہ بتا کہ تم میں سے کس شخص نے میرے ساتھ یہ چھل فریب کیا؟ احمد دنف بولا میرے بہترین شاگرد نے۔ بڑھیا نے کہا خدا کے لئے تو اس سے سفارش کر کہ وہ پیغام بر کبوتر مجھے دے دے۔ یہ تیرا میرے اوپر احسان ہو گا۔ حسن شومان نے علی سے کہا خدا تیرا برا کرے! ان کبوتروں کو تو نے کیوں پکایا؟ علی نے کہا میں کیا جانتا تھا کہ ہ پیغام بر کبوتر ہیں۔ احمد نے مکان دار سے کہا پکے ہوئے کبوتر لا' وہ لاے آیا۔ دلیلہ نے ایک بوٹی لے کر چبائی اور کہنے لگی یہ پیغام بر کبوتروں کا گوشت نہیں ہے' میں نے انہیں مشک کی گولیاں کھلائی ہیں اور ان کا گوشت بالکل مشک کی طرح ہو گیا ہے۔ شومان نے دلیلہ سے کہا اگر تو پیغام بر کبوتر واپس لینا چاہتی ہے تو علی مصری کی خواہش پوری کر دے۔ دلیلہ نے پوچھا اس کی کیا خواہش ہے؟ شومان نے جواب دیا' اپنی بیٹی کو اسے بیاہ دے۔ دلیلہ نے کہا میں ہر حالت میں زینب کی بھلائی چاہتی ہوں۔ اس پر حسن نے مصری سے کہا کبوتر اسے دے دے اور اس نے دے دیئے۔ بڑھیا بہت خوش ہوئی۔ شومان نے کہا ہمیں ٹھیک ٹھیک جواب لا کر دے۔ دلیلہ نے کہا اگر زینب سے شادی کرنا چاہتا ہے تو یہ چال جو وہ ہمارے ساتھ چلا' کوئی استادی نہیں۔ استادی تو جب ہے کہ وہ زینب کو اس کے ماموں سردار زریق سے طلب کرے جو اس کا سرپرست ہے اور جو آواز لگاتا ہے کہ چلو ٹکے سیر مچھلی۔ زریق نے اپنی دکان میں ایک تھیلی لٹکا رکھی تھی جس میں دو ہزار سونے کے دینار تھے۔ یہ سن کر سپاہی چلا اٹھے کہ اے عورت' تو کیا بک رہی ہے؟

تو چاہتی ہے کہ ہمارا بھائی علی مصری جان سے مارا جائے۔
اب دلیلہ وہاں سے روانہ ہوئی اور سرائے پہنچی اور اپنی بیٹی سے کہنے لگی' علی مصری

چاہتا ہے کہ تجھے اس سے بیاہ دوں۔ وہ خوش ہو گئی کیونکہ اسیے یہ بات بہت پسند آئی تھی کہ علی نے اس کی آبرو نہیں لی۔ اس نے ماں سے ساری باتیں تفصیل کے ساتھ پوچھیں۔ ماں نے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا میں نے اس سے یہ شرط کی ہے کہ وہ تیرے نکاح کا پیغام تیرے ماموں کے ذریعے سے بھیجے اور اس چال سے میں اسے مارنے کا سامان کر آئی ہوں۔ ادھر علی مصری نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ زریق کا کیا قصہ ہے اور وہ کون ہے؟ انہوں نے کہا وہ کل عراق کے لچوں کا سر غنہ ہے' پہاڑ میں نقب لگاتا ہے اور آسمان کے تارے توڑ لاتا ہے۔ آنکھوں میں سے سرمہ چرا لیتا ہے۔ اس فن میں اس کا جواب نہیں۔ لیکن وہ ان باتوں سے اب توبہ کر چکا ہے' مچھلیوں کی کان کھول رکھی ہے' مچھلیاں بیچ بیچ کر دو ہزار دینار بچائے ہیں۔ انہیں ایک تھیلی میں رکھ کر اس میں ریشم کی ڈوریاں باندھی ہیں اور ڈوری میں پیتل کی گھنٹیاں اور گھنگرو باندھ کر اسے دکان کے دروازے کے اندر تھیلی کے قریب ایک کھونٹی پر لٹکا دیا ہے۔ جب وہ دکان کھولتا ہے تو آواز لگاتا ہے کہ کہاں ہو تم اے مصر کے ٹھگو' عراق کے اٹھائی گیرو اور عرب کی سرزمین کے اچکو' ماہی فروش زریق نے تھیلی کو دکان کے باہر لٹکا دیا ہے۔ جو کوئی اپنی کارستانی دکھا کر اسے لے جائے' وہ اس کی ملکیت ہے۔ یہ سن کر اچکے لالچی آتے اور اسے لینا چاہتے ہیں' مگر لے نہیں سکتے کیونکہ جب وہ آگ جلاتا یا مچھلیاں تلتا ہے تو اپنے پاس رانگ کے گولے رکھ لیا ہے۔ اگر کوئی لالچ کا مارا آ جاتا ہے کہ اسے دھوکہ دے کر تھیلی اڑا لے تو وہ اس کی طرف رانگ کا گولہ پھینکتا ہے جس سے وہ شخص مر جاتا ہے یا کم از کم زخمی ہو جاتا ہے۔ اے علی' اگر تو وہاں جائے تو تیری مثال ایسی ہی ہو گی کہ کوئی شخص جنازے کو ٹٹولے اور یہ نہ معلوم ہو کہ میت کس کی ہے۔ وہ تیرے بس کا

نہیں۔ وہ اپنے آپ سے زیادہ تیری طرف سے خبر دار ہے۔ تو زینب کی شادی کا خیال دل سے نکال دے۔ جو شخص کسی چیز سے دست کش ہو جاتا ہے تو اس کے بغیر بھی زندہ رہتا ہی ہے۔ علی نے کہا اے لوگو! یہ میرے لئے شرم کی بات ہے' میں تو تھیلی لے کر ہی چھوڑوں گا' تم ذرا میرے لئے لڑکیوں کا لباس لے آؤ۔

لوگ اس کے لئے لڑکیوں کا لباس لے آئے۔ اس نے اسے پہن کر ہاتھ میں مہندی لگائی' چہرے پر نقاب ڈالی اور ایک بکری کا بچہ لے کر اسے ذبح کیا۔ اس کا خون جمع کر لیا' آنتیں نکال کر انہیں صاف کیا' ان میں خون بھرا اور ناف کے نیچے رکھ کر رانوں سے باندھ لیا۔ اوپر سے کپڑے اور جوتے پہن لئے اور چڑیوں کے پوٹے لے کر ان کی پستانیں بنائیں۔ ان میں دودھ بھر لیا اور اپنے پیٹ سے کپڑے باندھ کر ان کے اندر روئی رکھ کر موٹا کر لیا اور ایک کلف دار پٹی باندھ لی جو کوئی اسے دیکھتا "کہتا کہ کیسے خوبصورت کولہے ہیں! اتنے میں اسے ایک گدھے والا ملا' اس نے اسے ایک دینار دیا اور گدھے پر سوار ہو کر ماہی فروز زریق کی دکان کی طرف روانہ ہو گیا' دیکھا کہ تھیلی لٹک رہی ہے اور سونے کا رنگ اس میں سے جھلک رہا ہے۔ اس وقت زریق مچھلیاں تل رہا تھا۔ علی نے کہا' گدھے والے! یہ خوشبو کس چیز کی آ رہی ہے؟ وہ بولا زریق کی مچھلیوں کی۔ علی نے کہا' میں حاملہ عورت ہوں۔ یہ خوشبو سونگھ کر میرا جی بھر بھرا اٹھا ہے' جا اور اس سے ایک ٹکڑا مچھلی کا لے آ۔ گدھے والے نے زریق سے کہا کیا تو سویرا ہوتے ہی مچھلیوں کی خوشبو عورتوں کو سنگھانے لگتا ہے؟ میرے ساتھ امیر حسن شرالطریق کی بیوی ہے۔ اس کی ناک میں خوشبو پہنچی اور وہ حاملہ ہے' لا اس کے لئے ایک ٹکڑا مچھلی کا دے کیونکہ بچہ اس کے پیٹ میں کلبلا رہا ہے۔ زریق نے ایک ٹکڑا مچھلی کا تلنے کے لئے اٹھایا لیکن آگ بجھ چکی تھی۔ اس لئے وہ آگ جلانے اندر گیا' اتنے میں مصری نے ذرا آنتوں کا دبایا' وہ پھٹ گئیں اس کے پاؤں کے بیچ میں خون بہنے لگا وہ وہ چلانے لگا ہائے میرا پہلو! ہائے میری پیٹھ! گدھے والے نے پھر کر دیکھا کہ خون بہہ رہا ہے۔ وہ کہنے لگا' اے میری آقا! خیریت تو ہے۔

علی عورتوں کا بھیس تو بنائے ہی ہوا تھا کہنے لگا مجھے اسقاط ہو گیا۔ زریق نے دیکھا کہ خون جاری تھا تو وہ ڈر کر دکان کے اندر بھاگا۔ گدھے والے نے کہا اے زریق' خدا تیرا برا کرے! لڑکی کو اسقاط ہو گیا اور تو اس کے شوہر کے آگے پچ ہے۔ صبح ہی صبح تیرے ہاں سے مچھلیوں کی خوشبو مہکتی ہے اور جب میں نے کہا کہ لڑکی کے لئے ایک ٹکڑا مچھلی لے آ تو تو نہ لایا۔

گدھے والا تو اپنا گدھا لے کر چلتا بنا اور زریق جونہی دکان پر کے اندر بھاگا علی مصری نے اپنا ہاتھ تھیلی کی طرف بڑھایا لیکن اس نے تھیلی کو چھوا ہی تھا کہ اشرفیاں کھنکھنے لگیں۔ گھنٹیاں اور گھنگرو بجنے لگے۔ زریق بولا اے اچکے' تیری چال کھل گئی تو لڑکی بن کر مجھے ٹھگنے آیا ہے۔ اچھا اب سزا بھی بھگتتا جا۔ یہ کہہ کر اس نے رانگ کر گولا علی کو پھینک مارا' مگر وہ بچ گیا اور گولا کسی دوسرے کے جا لگا۔ لوگ اس کے اوپر چڑھ آئے اور کہنے لگے تو دکان دار ہے یا مارتے خاں؟ اگر تو دکان دار ہے تو تھیلی اتار دے تا کہ لوگ تجھ سے نجات پائیں۔ زریق نے کہا بسم اللہ' سر آنکھوں سے۔

علی گھر پہنچا تو شومان نے کہا تو نے کیا کیا؟ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا اس کے بعد اس نے عورتوں کے کپڑے اتار کر شومان سے کہا میرے لئے سیسوں کے کپڑے لا۔ وہ لے آیا' علی نے انہیں پہن لیا اور ایک پیالہ اور پانچ درہم لے کر ماہی فروز زریق کی دکان پر پہنچا۔ زریق نے کہا' استاد کیا چاہتا ہے؟ اس نے پانچ دہم ہاتھ پر رکھ کر دکھائے اور زریق اسے سینی پر سے مچھلیاں اٹھا کر دینے لگا۔ وہ بولا کہ میں تو گرم گرم مچھلیاں لو گا۔ زریق نے مچھلیاں کڑاہی میں ڈالیں' آگ بجھ چکی تھی۔ ' وہ دہکانے اندر گیا' علی مصری نے تھیلی کی طرف ہاتھ بڑھایا' گھنگرو اور گھنٹیاں بجنے لیگیں۔ زریق نے کہ اکہ سیس کے بھیس میں بھی تیری چال مجھ پر نہ چل سکی۔ تیرے دام اور پیالے کے پکڑنے کے انداز سے ہی میں تجھے پہچان گیا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو پندرہویں رات

سات سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ زریق نے کہا کہ میں دام اور پیالہ تھامنے کے انداز سے تاڑ گیا تھا کہ تو ہی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے رانگ کا گولا مصری کی طرف پھینکا۔ اب کے بھی اس نے زد خالی دی۔ رانگ کا گولا ایک ہانڈی میں جا پڑا۔ جس کے اندر گرم گرم قورمہ تھا' وہ ٹوٹ گئی اور اس کا شوربا ایک قاضی کے سر پر جا گرا جو ادھر اسے گزر رہا تھا اور اس کے سینے پر بہتا ہوا شرم گاہ تک جا پہنچا۔ قاضی کہنے لگا اے میری شرم گاہ! تو کس مصیبت میں مبتلا ہو گئی! اے بدبخت' یہ کارستانی تیرے ساتھ کس نے کی؟ لوگوں نے کہا اے ہمارے مولا' ایک بچے نے پتھر پھینکا تھا وہ آ کر ہانڈی کے لگا' خدا کا شکر ہے کہ زیادہ مصیبت نہ آئی۔ لیکن جب لوگوں نے پھر کر دیکھا تو وہ رانگ کا گولا تھا اور ماہی فروش زریق نے پھینکا تھا۔ لوگ پھر اس کے سر ہو گئے اور کہنے لگے اے زریق! اس کی جازت خدا نے نہیں دی ہے' یہ تھیلی اتار ڈال' اسی میں تیری بھلائی ہے۔ اس نے جواب دیا' خدا نے چاہا تو میں اسے اتار دوں گا۔ اب علی مصری گھر جا کر لوگوں سے ملا' انہوں نے پوچھا کہ تھیلی کہاں ہے؟ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ وہ بولے کہ تیری دو تہائی استادی تو بے کار گئی۔ علی نے اپنے کپڑے اتار کر تاجروں کا بھیس بدلا اور نکل کھڑا ہوا۔ راہ میں اسے ایک سپیرا دکھائی دیا جس کے پاس ایک تھیلے میں سانپ تھے اور ایک جھولی میں ضرورت کی چیزیں' اس سے کہا میں چاہتا ہوں کہ تو میرے بچوں کو کھیل دکھا' میں تجھے انعام دوں گا۔ گھر لا کر علی نے اسے کھانا کھلایا۔ بھنگ پلا کر اس کے کپڑے اتار لئے اور انہیں خود پہن کر ماہی فروش زریق کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر بین بجانے لگا۔ زریق نے کہا خدا تجھے بہت دے! مگر اس نے سانپ نکال کر زریق آگے ڈال دیئے۔ زریق سانپوں سے بہت ڈرتا تھا۔ وہ انہیں دیکھ کر دکان کے

اندر بھاگا۔ علی نے سانپوں کو اٹھا کر تھیلے میں ڈال لیا اور تھیلی کی طرف ہاتھ بڑھایا‘ ایک روز وہ اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ حلقے‘ گھنٹیاں اور گھنگرو بجنے لگے۔ زریق نے کہا‘ میرے ساتھ چالبازی کرتے کرتے اب سپیرا بن کر ایا ہے‘ یہ کہہ کر اس نے رانگ کا گولا پھینکا‘ اس وقت ایک سپاہی ادھر سے گزر رہا تھا جس کے پیچھے پیچھے اس کا سیس تھا۔ ڈھیلا سیس کے سر پر آ لگا اور وہ گر پڑا۔ سپاہی کہنے لگا‘ اسے کس نے گرایا ہے‘ لوگوں نے کہا چھت پر سے ایک پتھر گرا ہے۔ جب سپاہی چلا گیا تو دیکھا کہ یہ تو وہی رانگ کا گولا ہے اور زریق کے پاس جا کر کہا کہ اس تھیلی کو اتار ڈال۔ اس نے کہا کہ خدا نے چاہا تو میں اسے آج رات کو اتار لوں گا۔ علی زریق کے ساتھ چال بازیاں کرتا رہا یہاں تک کہ اس کے سات داؤ خالی گئے اور تھیلی ہاتھ نہ لگی۔

گھر آ کر اس نے سپیرے کے کپڑے اور اس کی چیزیں واپس کر دیں۔ اسے انعام دے کر پھر زریق کی دکان پر یا اسے کہتے سنا کہ اگر میں تھیلی کو آج رات دکان میں چھوڑ گیا تو وہ سیند لگا کر لے جائے گا۔ اس لئے میں اسے گھر لیتا جاؤں گا۔ یہ کہہ زریق نے دکان بند کر دی‘ تھیلی اتار کر قمیص کے اندر سینے پر رکھ لی اور چل دیا۔ علی اس کے پیچھے ہو لیا۔ جب زریق مکان کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ پڑوس میں خوشی منائی جا رہی ہے۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا گھر جا کر تھیلی اپنی بیوی کے سپرد کر دوں تو کپڑے بدل کر خوشی میں شامل ہوں۔ علی اس کے پیچھے پیچھے لگا ہوا تھا۔ زریق کی بیوی ایک حبشن وزیر‘ جعفر کی آزاد کر دہ کنیز تھی۔ اس کا ایک لڑکا عبد اللہ نام تھا۔ زریق نے اپنی بیوی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بیٹے کے ختنے اور شادی میں اس تھیلی کو خرچ کرے گا۔ زریق تیوری چڑھائے ہوئے اپنی بیوی کے پاس پہنچا۔ بیوی نے پوچھا تیری تیوری کیوں چڑھی ہوئی ہے؟ اس نے جواب دیا خدا نے ایک ٹھگ کو میرے پیچھے لگا دیا ہے جو سات بار اس تھیلی کو لے جانے کی کوشش کر چکا ہے لیکن اب تک اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ بیوی نے کہا میں اسے بیٹے کی شادی کے لئے اٹھا رکھوں۔ زریق نے تھیلی اس کے ہاتھ میں دے دی۔ علی مصری ایک کوٹھڑی میں چھپا ہوا

سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا۔ زریق نے اپنے کپڑے اتارے' دوسرا لباس پہنا اور کہنے لگا عبداللہ کی ماں' میں تو شادی میں جاتا ہوں' تو تھیلی کو حفاظت سے رکھیو۔ بیوی بولی ذرا سولے۔ وہ سو گیا علی اٹھا اور دبے پاؤں جا کر تھیلی اٹھالی اور اس گھر میں پہنچا جہاں شادی تھی۔ بیٹھ کر سیر دیکھنے لگا۔ زریق نے خواب میں دیکھا کہ ایک چڑھیا تھیلی کو لے گئی ہے۔ سہم کر جاگ پڑا اور عبداللہ کی ماں سے کہنے لگا' اٹھ کر تھیلی ڈھونڈ۔ وہ ڈھونڈنے لگی۔ اسے نہ ملی۔ منہ پیٹنے اور کہنے لگی۔ اے عبداللہ کی ماں' تو کیسی بد بخت ہے! ٹھگ تھیلی لے کر چلتا ہوا۔ زریق بولا واللہ سوائے علی کے اور کسی نے نہیں لی۔ میں اسے لا کر ہی چھوڑوں گا۔ بیوی نے کہا اگر تو نہ لایا تو میں دروازے میں قفل لگا دوں گی اور تجھے رات بھر باہر سڑک پر پڑا رہنا ہو گا۔

اب زریق شادی میں گیا۔ دیکھا کہ شاطر علی بیٹھا تماشا دیکھ رہا ہے۔ دل میں کہا یہی تھیلی لے اڑا ہے۔ یہاں سے یہ احمد دنف کے گھر جائے گا۔ وہیں چل کر اس سے سلٹنا چاہیے۔ چنانچہ وہ علی سے پہلے وہاں جا پہنچا اور چھت پر چڑھ کر گھر کے اندر اتر گیا۔ دیکھا کہ سب پڑے سوتے ہیں۔ اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ زریق نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا مصری۔ زریق نے کہا تھیلی لے آیا ہے؟ علی سمجھا کہ یہ شومان ہے کہنے لگا ہاں لے آیا ہوں' دروازہ کھول۔ وہ بولا جب تک میں اسے دیکھ نہ لوں دروازہ نہیں کھول سکتا کیونکہ مجھ میں اور تیرے باپ میں شرط لگی ہے۔ علی نے کہا ہاتھ بڑھا دیا۔ زریق نے دروازے کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا دیا۔ علی نے اسے تھیلی دے دی۔ زریق جدھر سے آیا تھا۔ اسی طرف سے نکل کر چل دیا اور شادی میں شریک ہو گیا۔ علی دروازے سے کھٹکھٹانا شروع کیا۔ لوگ جاگ اٹھے اور کہنے لگے۔ یہ تو علی مصری کی دستک معلوم ہوتی ہے۔ مکان دار نے دروازہ کھول کر پوچھا۔ تھیلی لایا ہے؟ علی بولا شومان' زیادہ مذاق نہ کر' کیا میں نے دروازے کے پیچھے سے تجھے تھیلی نہیں دی ہے؟ تو نے کہا تھا کہ میں نے قسم کھائی ہے جب تک تو مجھے تھیلی نہ دکھائے

گا' دروازہ نہ کھولوں گا۔ شومان نے کہا خدا کی قسم! میں نے نہیں لی۔ یہ زریق کی چالا کی ہے۔ وہ تجھ سے لے گیا۔ علی نے کہا میں اسے بے لائے نہ چھوڑوں گا۔ اور علی مصری پھر شادی میں جا پہنچا اور مسخرے کو یہ کہتے سنا کہ شاباش اے عبداللہ کے باپ! تیرے بیٹے کی قسمت زبردست ہے۔ علی اپنے دل میں کہنے لگا اب میری قسمت پھر جاگی اور زریق کے گھر گیا۔ پیچھے کی دیوار پھاند کر اندر جا اترا۔ دیکھا کہ اس کی بیوی سو رہی ہے۔ اسے بھنگ سنگھا دی۔ اس کے کپڑے پہن کر بچے کو گود میں لے لیا۔ ادھر ادھر ڈھونڈ کر ایک ٹوکری لی جس میں عید کی مٹھائی آئی ہو گ جسے زریق نے اٹھا رکھا تھا۔ اتنے میں زریق گھر پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ شاطر علی نے عورت کے انداز سے جواب دیا اور پوچھا دروازے پر کون ہے؟ زریق نے کہا عبداللہ کا باپ۔ علی بولا میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تو تھیلی نہ لائے گا' دروازہ نہ کھولوں گی۔ زریق نے کہا میں تھیلی لے آیا ہوں۔ علی بولا پہلے مجھے دے دے۔ اس نے کہا ٹوکری لٹکا کر لے لے۔ علی نے ٹوکری لٹکا دی اور زریق نے تھیلی اس میں رکھ دی۔ علی نے تھیلی اٹھا لی بچے کو بھنگ سنگھا کر بغل میں مارا اور بیوی کو جگا دیا۔ پھر جدھر سے آیا تھا' نکل گیا۔ گھر پہنچ کر اپنے آدمیوں کو تھیلی اور بچہ دکھایا' سب اس کی تعریف کرنے لگے۔ علی نے انہیں مٹھائی دی' سب نے کھائی اور شومان سے کہا کہ یہ بچہ زریق کا بیٹا ہے۔ اسے اپنے پاس چھپا رکھ۔ شومان نے اسے چھپا دیا۔ ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور اسے مسلم پکوا کر اس پر کپڑا لپیٹ دیا اور اسے لاش سا بنا دیا۔

ادھر زریق نے پہلے تو دیر تک انتظار کیا پھر زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ بیوی نے کہا تھیلی لے کر آیا ہے؟ وہ بولا کیا تو نے ابھی ٹوکری لٹکا کر اسے نہیں لیا؟ بیوی نے کہا میں نے ٹوکری لٹکائی نہ تھیلی دیکھی' نہ اسے لیا۔ زریق کہنے لگا۔ واللہ شاطر علی مجھ سے پہلے آ کر اسے لے اڑا اور اندر جا کر دیکھا تو نہ مٹھائی ہے' نہ بچہ۔ وہ ہائے میرا بچہ کہہ کر چلانے لگا۔ بیوی اپنا سینہ پیٹنے اور کہنے لگی میرا اور تیرا انصاف وزیر

کے سامنے ہو گا' میرے بچے کو اسی شاطر نے مارا ہے جو تیرے ساتھ ٹھگی کرتا تھا اور یہ سب تیری کارستانی ہے۔ زریق نے کہا میں اس کا ذمے دار ہوں اور گلے میں صلح کا رومال باندھ کر نکلا۔ احمد دنف کے گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ مکان دار نے دروازہ کھولا۔ زریق اندر گیا۔ شومان نے پوچھا' کیسے آنا ہوا؟ اس نے کہا تم لوگ علی مصری سے سفارش کر دو کہ وہ میرا بیٹا مجھے دے دے۔ میں تھیلی سے ہاتھ دھوتا ہوں۔ شومان بولا اے علی' خدا تیرا بھلا کرے! تو نے مجھ یہ کیوں نہ کہا کہ یہ زریق کا بیٹا ہے۔ زریق نے پوچھا اس کے ساتھ کیا ماجرا ہوا؟ شومان بولا ہم نے اسے منقہ کے دانے کھانے کو دیئے تھے۔ اس کا دم گھٹ گیا اور وہ مر گیا۔ یہ کیا پڑا ہے۔ زریق ہائے میرا بیٹا کہہ کر رونے لگا اور بولا اب میں اس کی ماں کو کیا جواب دوں گا! پھر اس نے اٹھ کر کفن ہٹایا اور مسلم بکری کے بچے کو دیکھ کر کہنے لگا۔ اے علی تو نے تو میرا دم خشک کر دیا تھا۔ اس کے بعد لوگوں نے اس کا بیٹا سے دے دیا۔ احمد دنف نے کہا تو نے شاطروں کے واسطے تھیلی لٹکا رکھی تھی کہ جو اسے لے جائے' اسی کی وہ ملکیت ہے لہٰذا وہ اب علی مصری کی ہو گئی۔ زریق بولا' میں نے تھیلی اسے بخش دی۔ علی نے کہا اپنی بھانجی زینب کے لئے تو اسے قبول کر لے۔ اس نے قبول کیا۔ لوگوں نے کہا ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں تو زینت کی شادی علی مصری سے کر دے۔ اس نے جواب دیا کہ سوائے محبت کے میرا حکم اس پر نہیں چلتا اور اس نے اپنا بیٹا اور تھیلی لے لی۔ شومان نے کہا ہمارا پیغام تجھے منظور ہے؟ اس نے جواب دیا اس شخص کے لئے منظور ہے جو اس کا مہر ادا کر سکے۔ شومان نے پوچھا اس کا مہر کیا ہے؟ اس نے کہا زینب نے قسم کھائی ہے کہ اس کے سینے پر وہی شخص چڑھ سکتا ہے جو یہودی عذرہ کی بیٹی قمر کے کپڑے اور گہنا اس کے لئے لے آئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو سولھویں رات

سات سو سولھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ زریق نے شومان سے کہا' زینب نے قسم کھائی ہے کہ اس کے سینے پر وہی شخص چڑھے گا جو یہودی

عذرہ کی بیٹی قمر کے کپڑے' تاج' پیٹی اور چپل لے آئے۔ علی مصری بولا اگر میں اس کے کپڑے وغیرہ آج ہی رات کو نہ لے آیا تو زینب کے پیغام کے قابل نہیں۔ شومان نے کہا اے علی' اگر تو نے قمر پر کوئی چال چلی تو مارا جائے گا۔ علی نے پوچھا کیوں؟ لوگوں نے کہا یہودی عذرہ جادوگر' مکار اور دغاباز ہے' اس کے قبضے میں جنات ہیں' شہر کے باہر اس کا ایک محل ہے جس کی اینٹیں سونے اور چاندی کی ہیں۔ یہ محل صرف اس وقت دکھائی دیتا ہے جب یہودی اس کے اندر ہو جہاں وہ باہر نکلا محل نظروں سے غائب ہوا۔ اس کی بیٹی کا نام قمر ہے جن کپڑوں کا ذکر ہے' انہیں عذرہ کسی طلسمی خزانے سے لایا ہے۔ وہ انہیں سونے کی سینی میں رکھ کر محل کے جھروکے کھول دیتا ہے اور کہتا ہے! کہاں ہیں مصر کے استاد ٹھگ' عراق کے غنڈے اور عجم کے اچکے' جو یہ کپڑے لے جائے وہی ان کا مالک ہے۔ تمام شاطر طرح طرح کی استادیاں دکھا چکے ہیں لیکن اب تک تو وہ کسی کے ہاتھ نہیں آئے بلکہ اس نے الٹا انہیں جادو سے بندر اور گدھا بنا دیا۔ علی بولا' میں ان کپڑوں کو نہیں چھوڑوں گا اور زینب کی منہ دکھائی وہی کپڑے ہوں گے۔ یہ کہہ کر علی مصری یہودی کی دکان کی طرف چل کھڑا ہوا۔ دیکھا وہ ناک بھوں چڑھائے بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے پاس ترازو' بٹے' سونا' چاندی اور کسوٹیاں رکھی ہوئی ہیں اور قریب ہی ایک خچر بندھا ہوا ہے۔ تھوڑی دیر بعد یہودی نے دکان بند کی۔ سونے چاندی کو دو تھیلیوں میں رکھا اور دونوں تھیلیوں کو ایک خرجی میں ڈال کر خچر پر رکھ دیا اور سوار ہو گیا۔ چلتے چلتے شہر کے باہر پہنچا۔ علی اس کے پیچھے پیچھے لگا ہوا تھا۔ یہودی کو اس کی خبر نہ تھی' اب یہودی نے ایک تھیلی میں سے

جو اس کی جیب میں تھی' کچھ مٹی نکالی اور اس پر منتر پڑھ کر ہوا میں اڑا دیا۔ شاطر علی کو ایک محل دکھائی دینے لگا جس کا جواب نہ تھا۔ خچر یہودی کو لئے ہوئے اس کے زینے چڑھ گیا۔ اتنے میں خچر کے پاس ایک جن آیا جو یہودی کے قبضے میں تھا' اس نے خرجی کو خچر پر سے اتار لیا اور خچر نظروں سے غائب ہو گیا۔

یہودی محل میں جا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد علی نے دیکھا کہ یہودی نے سونے کا ایک ڈنڈا منگوایا اور اس میں ایک سونے کی سینی سونے کی زنجیروں سے لٹکا کر کپڑے اس کے اندر رکھ دیئے۔ علی دروازے کے پیچھے سے اسے دیکھ رہا تھا کہ یہودی نے پکار کر کہا' کہاں ہیں مصر کے لچے' عراق کے ٹھگ اور عجم کے اٹھائی گیرے؟ جو کوئی اپنی استادی سے کپڑے لے جائے' وہ ان کا مالک ہے۔ اس کے بعد پھر اس نے منتر پڑھا اور کھانے کا دستر خوان آموجود ہوا' وہ کھا چکا تو دستر خوان خود بخود اٹھ گیا۔ دوبارہ منتر پڑھا' شراب کی کشتی آ گئی اور اس نے شراب پی۔ علی نے دل میں کہا بس اسی نشے کی حالت میں وہ کپڑے کھو بیٹھے گا اور اس کے پیچھے سے آ کر فولادی تلوار کھینچ لی۔ یہودی نے اس طرف کچھ پڑھ کر کہا اے ہاتھ مع تلوارے کے رک جا اور وہ تلوار لئے ہوئے ہاتھ ہوا میں رک گیا۔ پھر علی نے اپنا بایاں ہاتھ بڑھایا وہ بھی تھم ہو کر رہ گیا۔ یہی کیفیت اس کے دہنے پاؤں کی ہوئی اب وہ محض ایک پاؤں پر کھڑا تھا۔ اس کے بعد یہودی نے جادو اتار لیا اور وہ پہلے جیسا ہو گیا۔ یہودی نے رمل کھینچ کر معلوم کیا کہ اس کا نام پارا علی مصری ہے۔ اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا آ تو کون ہے اور کیوں آیا ہے؟ اس نے جواب دیا میں احمد دنف کا شاگرد علی مصری ہوں۔ میں نے دلیل محتالہ کی بیٹی زینب کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔ لڑکی والے مہر میں تیری بیٹی کے کپڑے مانگتے ہیں اس لئے اگر تو اپنی سلامتی چاہتا ہے تو مجھے کپڑے دے دے اور مسلمان ہو جا۔ یہودی بولا تیرے مرنے کے بعد۔ بہت لوگوں نے کپڑے لینے کی خاطر طرح طرح کی چالیں چلیں لیکن وہ مجھ سے کپڑے نہ لے سکے۔ اگر

تو میری نصیحت مانے تو اپنی کان لے کر بھاگ جا۔ وہ لوگ کپڑے محض اس لئے مانگتے ہیں کہ تو مارا جائے۔ اور میں یہ نہ دیکھ چکا ہوتا کہ تیری تقدیر' میری تقدیر پر غالب ہے تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ علی کو بڑی خوشی ہوئی کہ اس کی تقدیر' یہودی کی تقدیر پر غالب ہے اور وہ کہنے لگا میں تو کپڑے لے کر اور تجھے مسلمان بنا کر ہی چھوڑو گا۔ یہودی نے کہا کیا یہی اور بس یہی آرزو ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔

یہودی نے ایک پیالہ لیا اس میں پانی بھرا' کوئی منتر پڑھ کر کہنے لگا کہ دمیوں کی صورت سے گدھے کی صورت میں ہو جا اور ہو پانی اس پر چھڑک دیا۔ وہ واقعی کھروں اور لمبے کانوں والا گدھا ہو گیا اور گدھے کی طرح ریکنے لگا۔ پھر یہودی نے اس کے آس پاس ایک کنڈلی کھینچ دی جو چار دیواری کا کام دینے لگی۔ اور خود بیٹھ کر صبح تک شراب پیا کیا۔ صبح ہوئی تو کہنے لگا آج میں تجھ پر ہی سوار ہوں گا اور خچر کو ستانے دوں گا۔ یہ کہہ کر یہودی نے کپڑے مع سینی' ڈنڈے اور زنجیروں کے تہہ خانے میں بند کر دیئے' باہر آ کر گدھے پر کوئی افسوں پھونکا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ یہودی نے اس کے اوپر خرجی رکھی اور سوار ہو گیا' محل کی عمارت آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ یہودی سوار ہو کر اپنی دکان پر پہنچا اور چاندی سونے کی دونوں تھیلیاں اس الماری میں رکھ دیں جو اس کے آگے تھی۔ علی گدھے میں شکل میں بندھا کھڑا تھا لیکن وہ سن اور سمجھ سکتا تھا اگرچہ بول نہ سکتا تھا۔ اتنے میں ایک سوداگر زادہ وہاں آیا جو زمانے کا مارا ہوا تھا اور جس کے لئے سوائے سقہ گری کے اور کوئی پیشہ باقی نہ رہا تھا۔ وہ اپنی بیوی کا گہنا لے کر یہودی کے پاس آیا تھا کہنے لگا کہ اس گہنے کے دام مجھے دے دے کہ میں ایک گدھا خریدوں۔ یہودی نے پوچھا اسے کس چیز کے لادنے کام میں لائے گا؟ سوداگر زادے نے کہا استاد میں اس پر دریا کا پانی لایا کروں گا تا کہ اسے بیچ کر اپنا گزارہ کروں۔ یہودی بولا' یہ میرا گدھا لے جا۔ سوداگر زادے نے گہنا اس کے ہاتھ بیچنا منظور کر لیا۔ یہودی نے داموں کا ایک حصہ گدھے کی قیمت میں ادا کر ہاتھ بیچنا منظور کیا۔ یہودی نے داموں کا ایک حصہ گدھے کی قمیت میں ادا کر دیا

اور باقی اسے نقد دے دیا۔ سوداگر زادہ' علی مصری کو لے کر جو جادو کے زور سے گدھا بنا ہوا تھا' چھر چل دیا۔ علی اپنے دل میں کہنے لگا اگر گدھے والے نے تیرے اوپر کاٹھی

اور مشک رکھی اور روز دس چکر لگائے تو آرام درکنار تو مر جائے گا۔ گھر پہنچ کر سقے کی بیوی اس کے آگے چارا ڈالنے کے لئے آئی۔ اس نے زور سے ٹکر ماری کہ وہ چت گر پڑی۔ گدھا اس کے اوپر چڑھ بیٹھا۔ اپنی تھوتھنی اس کے سر پر رگڑ نے لگا۔ وہ عضو لٹکا دیا جو اسے باپ سے ملا تھا۔ عورت چلانے لگی۔ پڑسیوں نے آ کر اسے مارا اور عورت کے سینے سے اتارا۔ اتنے میں اس کا شوہر آ گیا جو پانی بھرنے کے لئے جانے والا تھا۔ بیوی نے کہا یا تو تو مجھے طلاق دے دے یا اس گدھے کو اس کے مالک کے پاس واپس کر آ۔ شوہر نے پوچھا کیا بات پیش آئی؟ بیوی نے کہا یہ گدھے کی صورت میں شیطان ہے' وہ میرے اوپر چڑھ بیٹھا۔ اگر پڑوسی نہ آ گئے ہوتے اور اسے میرے سینے پر سے نہ ہٹایا ہوتا تو وہ میرے ساتھ بری حرکت کر چکا ہوتا۔ شوہر گدھے کو لے کر یہودی کے پاس گیا۔ یہودی نے پوچھا تو گدھے کو کیوں واپس کرنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ اس نے میری بیوی کے ساتھ بری حرکت کی ہے۔ یہودی نے اس کا دام لوٹا دیئے اور وہ چلا گیا۔ اس کے بعد اس نے علی سے کہا' اے بدبخت تو نے اس کے ساتھ ایسی دھوکے بازی کی کہ وہ تجھے واپس دے گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو سترہویں رات

سات سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- یہودی نے کہا' تو نے اس کے ساتھ ایسی دھوکہ بازی کی کہ وہ تجھے واپس دے گیا۔ لیکن چونکہ تو

گدھا رہنا پسند کرتا ہے اس لئے میں تیری وہ گت بناؤں گا کہ سب چھوٹے بڑے ہنسیں گے۔ یہ کہہ کر یہودی اس پر سوار ہو کر شہر کے باہر چل دیا اور خاک کی چٹکی لیکر اس پر کچھ پڑھا اور ہوا میں اڑا دیا۔ محل دکھائی دینے لگا۔ یہودی نے اوپر جا کر گدھے پر سے خرجی اتاری اور مال کی دونوں تھیلیاں لے کر ڈنڈا نکالا اور کپڑوں کو سینی میں رکھ کر اس ڈنڈے پر لٹکا دیا اور روز کی طرح پکار کر کہنے لگا کہاں ہیں تمام ملکوں کے اٹھائی گیرے؟ کس کی ہمت ہے کہ ان کپڑوں کو لے جائے؟ پھر اس نے پہلے دن کی طرح منتر پڑھا اور دستر خوان اس کے سامنے حاضر ہو گیا' پھر دوبارہ کچھ پڑھا' شراب آ پہنچی اور وہ پی کر مست ہو گیا۔ پھر اس نے ایک پیالہ لیا اور اس پر کچھ دم کر کے گدھے پر چھڑک دیا اور کہا اس شکل سے پھر پہلی شکل میں آ جا۔ وہ پہلے کی طرح انسان ہو گیا۔ یہودی نے کہا اے علی' نصیحت مان لے اور میرے شر سے بچ۔ زینب سے شادی کرنے کی تجھے کوئی ضرورت نہیں' نہ میری بیٹی کے کپڑے لینے کی کیونکہ یہ تیرے لئے آسان نہیں۔ لالچ چھوڑ دینا تیرے لئے بہتر ہے ورنہ میں تجھے جادو سے ریچھ یا بندر بنا دوں گا اور ایک جن کو تیرے اوپر مقرر کروں گا وہ تجھے کوہ قاف پھینک آئے۔ علی نے کہا اے عذرہ! میں نے تو کپڑے لینے کی قسم کھائی ہے' انہیں لے کر چھوڑوں گا اور تو مسلمان ہو جا' ورنہ میں تجھے مار ڈالو گا۔ یہودی بولا اے علی تو مثل اخروٹ کے ہے جو بغیر توڑے کھایا جا سکتا اور ایک پیالے میں پانی لے کر اس پر کچھ پڑھا اور علی پر چھڑک دیا اور کہا ریچھ ہو جا' وہ فوراً ریچھ ہو گیا۔ پھر اس نے اس کے گلے میں طوق ڈالا' اس کا منہ باندھا اور اور لوہے کی ایک کھونٹی

گاڑ کر اسے باندھ دیا اور خود کھانا کھانے اور ایک اک دو دو نوالے اسے بھی کھلانے لگا۔ پھر پیالے کا بچا کچھا پانی اس پر انڈیل دیا۔

صبح ہوئی تو یہودی اٹھ کر سینی مع کپڑوں کے اتار لی اور ریچھ کو اپنے پیچھے پیچھے دکان لے چلا۔ علی سب کچھ سن سکتا تھا' سمجھ سکتا تھا' مگر بول نہ سکتا تھا۔ اتنے میں یہودی کی دکان پر ایک تاجر آیا اور کہنے لگا' استاد کیا تو یہ ریچھ میرے ہاتھ بیچے گا؟ میری ایک بیوی ہے جو میری چچیری بہن ہے۔ اس کے لئے یہ تجویز کیا گیا ہے وہ ریچھ کا گوشت کھائے اور اس کی چربی بدن پر ملے۔ یہودی خوش ہو گیا اور اپنے دل میں سوچا کہ میں اسے ضرور بیچ ڈالوں گا تا کہ یہ ذبح ہو جائے اور میرا اس سے پیچھا چھوٹے۔ علی اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا ہی مجھے بچائے تو تو بچائے! یہ شخص تو مجھے ذبح کرنے پر تلا ہوا ہے۔ یہودی نے تاجر سے کہا میں تجھے یہ ریچھ مفت دیتا ہوں۔ تاجر اسے لے کر قصاب کے پاس گیا اور بولا اپنے چھرے لے کر میرے ساتھ چل۔ قصاب چھرے لے کر اس کے ساتھ ہو لیا اور ریچھ کو باندھ کر ذبح کرنے کے لئے چھرا تیز کرنے لگا۔ علی مصری قصاب کو اپنی طرف آتا دیکھ کر بھاگا اور ہوا میں اڑنے لگا۔

اڑتے اڑتے محل پر یہودی کے پاس جا اترا۔ یہ اس طرح پیش آیا کہ جب یہودی ریچھ کو تاجر کے حوالے کر کے گھر گیا تو اس کی بیٹی نے پوچھا کہ کیا گزری؟ یہودی نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ لڑکی نے کہا کہ کسی جن کو بلا تا کہ میں اس سے پوچھوں کہ آیا جو شخص اچکے پن پر تلا بیٹھا ہے' یہی علی مصری ہے یا کوئی اور شخص۔ یہودی نے جادو کیا' جن آیا تو اس سے پوچھا بتا یہی علی مصری ہے یا کوئی اور شخص جو اچکا پن کرنا چاہتا ہے؟ جن جا کر اسے اٹھا لایا اور کہنے لگا یہی علی مصری ہے' قصاب اس کی ٹانگیں باندھ کر چھرا تیز کر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ ذبح کرے جو میں اٹھا لایا۔ یہودی نے پانی کا ایک پیالہ لیا اور کچھ پڑھ کر تھوڑا سا ریچھ پر چھڑک دیا اور کہنے لگا پھر اپنی انسانی صورت اختیار کر لے اور وہ پہلے کی طرح انسان ہو گیا۔

یہودی کی بیٹی قمر نے جو ولی کو خوش روجوان دیکھا تو اس پر عاشق ہو گئی' علی بھی اس

سے محبت کرنے لگا۔ قمر نے کہا اے بد بخت! تو میرے کپڑوں کے پیچھے کیوں پڑا ہے جو میرے باپ نے تیری یہ گت بنا رکھی ہے؟ علی بولا میں نے قسم کھائی ہے کہ میں

انہیں لے جاؤں تا کہ فریبی زینب کے ساتھ میرا بیاہ ہو جائے۔ قمر بولی کہ اوروں نے بھی میرے باپ کے ساتھ بڑی بڑی چالیں چلی ہیں تا کہ میرے کپڑے لے جائیں لیکن ناکام رہے۔ لالچ چھوڑ دے۔ علی نے کہا میں تو انہیں لے کر چھوڑوں گا اور اگر تیرا باپ مسلمان نہ ہوا تو اسے مار ڈالوں گا۔ قمر کے باپ نے کہا اس کم بخت کو دیکھ جو خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد اس نے علی سے کہا کہ اب میں جادو سے تجھے کتا بنا دوں گا اور ایک پیالہ لے کر جس پر طلسمات کندہ تھے اور جس میں پانی بھرا ہوا تھا' کچھ پڑھا اور تھوڑا سا پانی اس پر چھڑک دیا اور کہنے لگا کہ کتا بن جا' وہ کتا بن گیا۔ یہودی اور اس کی بیٹی صبح تک شراب پیتے رہے۔ پھر اٹھ کر سینی اور کپڑے اتار لئے اور خچر سوار ہو کرتے پر جادو کیا' وہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ کتے راہ میں اس پر بھونکتے یہاں تک کہ وہ ایک کباڑیے کی دکان پر پہنچا۔ کباڑیے نے اٹھ کر کتوں کو اس کے پاس سے بھگایا اور وہیں اس کے پاس لیٹ کر سو گیا۔ یہودی نے جب پھر کر دیکھا تو اسے نہ پایا۔ ادھر کباڑیے نے اٹھ کر دکان بند کر اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ کتا اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ جب کباڑیا اپنے گھر پہنچا اور اس کی بیٹی کی نظر کتے پر پڑی تو اس نے اپنا منہ ڈھانک لیا اور باپ سے کہنے لگی کہ ابا تو غیر مردوں کو اپنے ساتھ لئے گھر میں چلا آتا ہے؟ اس نے کہا بیٹی' یہ کتا ہے بیٹی بولی یہ علی مصری ہے' یہودی نے اس پر جادو کیا ہے۔ کباڑیے نے اس کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہا تو سچ مچ علی مصری ہے؟ اس نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ کباڑیے نے بیٹی سے پوچھا' یہودی نے اس پر کیوں جادو کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اپنی بیٹی قمر کے کپڑوں کی وجہ سے میں اس کا جادو توڑ سکتی ہوں۔ کباڑیے نے کہا اگر اس میں کوئی بھلائی ہو تو فوراً توڑ دے۔ لڑکی

نے کہا اگر وہ میرے ساتھ شادی کرنا منظور کرے تو میں اسے چھڑا دوں گی۔ علی نے سر کے اشارے سے کہا' ہاں لڑکی نے ایک نقی پیالہ لیا اور منتر پڑھنے لگی۔

اتنے میں کسی کے چیخنے کی سی آواز آئی اور پیالہ اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ پھر دیکھا تو اس کے باپ کی کنیز تھی۔ جس نے چیخ ماری تھی۔ وہ کہنے لگی اے میری آقا! کیا میرے تیرے درمیان یہی عہد و پیمان تھا؟ یہ فن میں نے ہی تجھے سکھایا ہے اور تونے وعدہ کیا تھا کہ بغیر میرے مشورے کے کوئی بات نہ کرے گی اور یہ کیا جو تیرے ساتھ شادی کرے گا' میرے ساتھ بھی کرے گا۔ ایک رات وہ میرے ساتھ سوئے گا اور ایک رات وہ تیرے ساتھ۔ لڑکی نے کہا' ٹھیک ہے۔ کنیز کی یہ باتیں سن کر کباڑیے نے کہا بیٹی اور اس کنیز کو کس نے سکھایا ہے؟ بیٹی نے کہا ابا' اس نے تو مجھے سکھایا ہے اور اسے کس نے سکھایا ہے' یہ میں اس سے پوچھ کر بتاؤں گی۔ اس نے کنیز سے پوچھا تو اس نے کہا اے میرے آقا سن' جب میں عذرہ یہودی کے پاس تھی تو جب کبھی وہ جادو پڑھا کرتا' میں چھپ کر سنا کرتی۔ وہ دکان جاتا تو میں کتابیں کھول کر پڑھتی یہاں تک کہ میں جادو میں ماہر ہو گئی۔ ایک دن یہودی نشے کی حالت میں مجھ سے ہم بستری کا خواہش مند ہوا۔ میں نے انکار کیا اور کہا کہ تو مسلمان ہو جا۔ اس نے انکار کیا۔ میں نے کہا اچھا مجھے سلطانی بازر لے چل۔ وہاں اس نے مجھے تیرے ہاتھ بیچا اور میں نے تیرے ہاں آ کر تیری بیٹی کو جادو سکھایا اور اس سے یہ شرط کی کہ وہ بغیر میرے مشورے کے جادو نہ کرے اور جو اس سے شادی کرے' مجھ سے بھی کرے۔ ایک رات میرے ساتھ سوئے اور ایک رات اس کے ساتھ۔ اب کنیز نے ایک پیالہ پانی لے کر اس پر کچھ پڑھا اور تھوڑا سا کتے کے اوپر چھڑک دیا اور کہنے لگی' اپنی انسانی صورت اختیار کر لے۔ وہ پہلے کی طرح انسان ہو گیا۔ کباڑیے نے اسے سلام کیا اور اس کے جادو کا سبب پوچھا۔ اس نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• سات سو اٹھارہویں رات

سات سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب علی آپ بیتی کہہ چکا تو کباڑیے نے پوچھا تو میری بیٹی اور کنیز پر اکتفا کرے گا۔ اس نے جواب دیا' میں زینب کو ضرور لوں گا۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔ کنیز نے دریافت کیا کون ہے؟ جواب آیا یہودی کی بیٹی قمر' کیا علی مصری تمہارے ہاں ہے؟ کباڑیے کی بیٹی نے کہا اے یہودی کی بچی' ہے تو یہیں' تو کیا کرے گی؟ اے کنیز' جا کر دروازہ کھول دے۔ کنیز نے دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر آ گئی۔ جب اس کی نظر علی پر پڑی اور علی کی اس پر تو وہ کہنے لگا اے کتے کی بچی! تو یہاں کیوں آئی ہے؟ اس نے کہا میں اقرار کرتی ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور اقرار کرتی ہں کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ سلم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ وہ مسلمان ہو گئی اور پوچھا کہ اسلام کے دین میں مرد عورتیں کو مہر دیتے ہیں یا عورتیں مردوں کو۔ علی نے جواب دیا مرد عورتوں کو۔ قمر نے کہا مگر میں اپنی طرف تجھے مہر دیتی ہوں اور وہ میرے کپڑے' ڈنڈا' زنجیریں اور میرے باپ کا سر ہے جو تیرا اور خدا کا دشمن تھا۔ باپ کو قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب اس نے علی کو جادو کے زور سے کتا بنا دیا تو قمر نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اس سے کہہ رہا ہے کہ مسلمان ہو جا اور وہ مسلمان ہو گئی۔ آنکھ کھلی تو اس نے اپنے باپ کے سامنے اسلام پیش کیا۔ وہ نہ مانا اور لڑکی نے اسے بھنگ پلا کر مار ڈالا۔ علی نے اس سے ساری چیزیں لے لیں اور کباڑیے سے کہا کہ کل ہم سب خلیفہ کے پاس حاضر ہوں گے اور میں تیری بیٹی اور کنیز سے نکاح کروں گا۔ یہ کہہ کر وہ خوش خوش وہاں سے نکلا اور سارا سامان لئے ہوئے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

جاتے جاتے وہ ایک حلوائی کے پاس سے گزرا جو تالیں بجا بجا کر کہہ رہا تھا کہ سوائے

بزرگ خدا کے نہ کسی میں طاقت ہے نہ قوت' لوگ اپنی ساری کوشش حرام کمائی میں صرف کرتے ہیں اور اس سے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ خدا کے لئے یہ مٹھائی چکھتا جا۔ علی نے ایک ٹکڑا لے کر چکھا' اس میں بھنگ ملی ہوئی تھی۔ اس طرح حلوائی نے اسے بھنگ کھلا دی اور اس سے کپڑا' ڈنڈا اور زنجیریں لے کر مٹھائی کے صندوق میں رکھ دیں۔ صندوق اور مٹھائی کی سینی اٹھا کر چل دیا۔ اتنے میں اسے ایک قاضی ملا۔ اس نے پکار کر کہا اے حلوائی' ادھر آ۔ حلوائی رک گیا۔ اپنی گھڑونچی زمین پر رکھ کر سینی اس کے اوپر رکھ دی۔ اور کہنے لگا کیا چاہتا ہے؟ قاضی نے کہا مٹھائی' پھر شکر پارے اور ان میں سے تھوڑی تھوڑی دوسری چیزیں اپنے ہاتھ میں لے کر بولا' اس مٹھائی اور شکر پاروں میں ملاوٹ ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی جیب سے مٹھائی نکالی اور حلوائی سے کہا دیکھ یہ کیسی اچھی ہے! اس کو چکھ اور اسی بنا۔ حلوائی نے اسے چکھا' اس میں بھنگ ملی ہوئی تھی۔ اس طرح حلوائی کو بھنگ کھلا کر اس کی گھڑونچی' صندوق اور کپڑے وغیرہ لے لئے اور حلوائی کو کو گھڑونچی کے نیچے بند کر کے سب چیزیں لے احمد دنف کے گھر چل دیا۔ قاضی کے بھیس میں خود احمد شومان تھا۔ اکی وجہ یہ تھی کہ جب سے علی کپڑے لینے کی قسم کھا کر گھر سے نکلا تھا' اس وقت سے وہ غائب تھا۔

احمد دنف نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جا کر اپنے بھائی علی مصری کی خبر لاؤ۔ وہ سب اس کی تلاش کرنے لگے اور حسن شومان قاضی کا بھیس بدل کر کپڑے لے آرا۔ ادھر چالیسواں سپاہی شہر کے گلی کوچوں میں گشت لگا رہے تھے کہ علی کتف الجمل ان سے الگ ہو کر ایک جگہ لوگوں کی بھیڑ میں گھس گیا۔ دیکھا کہ علی بھنگ کے نشے میں پڑا ہوا ہے۔ اس کا نشہ اتارا۔ ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے پاس ایک بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ علی کتف الجمل نے کہا ہوش میں آ جا۔ اس نے پوچھا' میں کہاں ہوں؟ علی کتف الجمل نے اور اس کے ساتھیوں نے جواب دیا۔ ہم نے تجھ بھنگ کے نشے میں پڑا ہوا پایا ہے' معلوم نہیں کہ تجھے کس نے بھنگ دے دی۔ علی

نے کہا مجھے ایک حلوائی نے بھنگ کھلا دی او ساری چیزیں لے گیا ہے۔ گھر پہنچ کر وہ احمد دنف سے ملے جس نے ان کا خیر مقدم کیا اور کہنے لگا' اے علی! کیا تو کپڑے لے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا میں کپڑے وغیرہ اور یہودی کا سر لایا تو تھا لیکن راستے میں ایک حلوائی نے مجھے بھنگ کھلا کر سب چیزیں لے لیں۔ یہ کہہ کر اس اس نے سارا ماجرا تفصیل کے ساتھ کہہ سنایا اور آخر میں کہنے لگا اگر وہ حلوائی مجھے پھر دکھائی دیا تو میں اسے اس کا مزہ چکھاؤں گا۔

اتنے میں حسن شومان ایک کوٹھڑی میں سے نکلا اور کہنے لگا اے علی! کیا تو سامان لے آیا؟ اس نے جواب دیا' میں سارا سامان اور یہودی کا سر لا رہا تھا کہ راہ میں ایک حلوائی نے مجھے بھنگ کھلا کر کپڑے وغیرہ لے لئے اور نہ معلوم وہ کدھر چلتا ہوا۔ ذرا مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ کہاں رہتا ہے' میں اسے ٹھیک کر دوں گا۔ کیا تو مجھے بتا سکتا ہے کہ حلوائی کہاں گیا؟ شومان بولا مجھے معلوم ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور ایک کوٹھڑی کھول دی۔ دیکھا کہ حلوائی بھنگ کے نشے میں پڑا ہوا ہے' اس کا نشہ دور کیا۔ حلوائی نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا کہ علی مصری' احمد دنف اور چالیسواں شاطر اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ گھبرا کر پوچھا' میں کہاں ہوں؟ مجھے کون پکڑ لایا ہے؟ شومان بولا' میں تجھے پکڑ لایا ہوں۔ علی مصری نے کہا اے دغاباز' تو میرے ساتھ یہ حرکتیں کرتا ہے اور اس سے ذبح کرتا چاہتا ہی تھا کہ حسن شومان نے کہا ہاتھ کھینچ لے' وہ اب تیرا رشتے دار ہو گیا ہے۔ علی نے کہا رشتے دار کہاں سے ہوا۔ اس نے جواب دیا یہ زینت کا بھانجا احمد لقیط ہے۔ علی نے کہا اے لقیط' یہ تو نے کیا کیا؟ اس نے جواب دیا میری نانی دلیلہ محتالہ نے مجھے حکم دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک روز ماہی فروش زریق نے میری نانی سے مل کر کہا کہ علی مصری بڑا استاد شاطر ہے' وہ ضرور یہودی کو قتل کر کے کپڑے لے آئے گا۔ اس پر اس نے مجھے بلا کر کہا اے احمد' تو علی مصری کو پہچانتا ہے؟ میں نے کہا' ہاں پہچانتا ہوں۔ میں نے ہی اسے احمد دنف کے گھر کا پتہ بتایا تھا۔ نانی نے کہا جا اور اپنا جال

بچا اور اگر علی کپڑے لے کر آتا ہو تو کسی چال بازی سے انہیں اڑا لے۔ میں شہر کی گلیوں میں چکر لگا رہا تھا تو میری نظر ایک حلوائی پر پڑی۔ میں نے اسے دس دینار دے کر اس کے کپڑے اور مٹھائی اور سارا سامان لے لیا۔ اس کے بعد جو گزرا' وہ تجھے معلوم ہے۔ علی نے احمد لقیط سے کہا کہ اپنی نانی اور ماہی فروش زریق کے پاس جا کر کہہ دے کہ میں سارا سامان اور یہودی کا سر لے آیا ہوں اور وہ دونوں کل خلیفہ کے دربار میں مجھ سے زینب کا مہر لے لیں۔ احمد دنف اس پر بڑا کوش ہوا اور کہنے لگا اے علی' تربیت تجھ پر ضائع نہیں ہوئی۔ صبح ہوئی تو علی مصری نے کپڑے' سینی ڈنڈا اور سونے کی زنجیریں لیں اور ایک نیزے پر عذرہ یہودی کے آگے زمین چومی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو انیسویں رات

سات سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ علی مصری' احمد دنف اور اس کے ساتھیوں نے خلیفہ کے سامنے زمین چومی۔ خلیفہ نے دیکھا کہ ایسا بہادر جوان گرد و پیش کے لوگوں میں ایک بھی نہیں۔ پوچھا یہ کون ہے؟ احمد دنف نے کہا اے امیر المومنین! یہ مصر کے جوانوں کا سردار پارا علی مصری اور میرے جوانوں میں سے بہترین ہے۔ خلیفہ کو اس سے محبت ہو گئی کیونکہ اس کی پیشانی سے بہادری کے آثار نمودار تھے۔ علی نے اٹھ کر یہودی کا سر خلیفہ کے آگے رکھ دیا۔ اور عرض کیا' اے امیر المومنین! تیرے ہر دشمن کا حشر یہی ہو! خلیفہ نے پوچھا' یہ کس کا سر ہے؟ علی نے کہا عذرہ یہودی کا۔ خلیفہ نے پوچھا اسے کس نے قتل کیا؟ علی مصری نے شروع سے آخر تک سارا ماجرا بیان کر دیا۔ خلیفہ نے کہا میرے خیال میں تو نے اسے قتل نہیں کیا ہے وہ جادو گر تھا۔ علی نے کہا اے امیر المونین' خدا نے اسے میرے ہاتھ قتل کیا ہے۔ خلیفہ نے والی کو یہودی کے محل بھیجا' اس نے دیکھا کہ یہودی بغیر سر کے پڑا ہوا ہے۔ لوگ اسے جنازے پر رکھ کر خلیفہ کے سامنے لے گئے اور اس نے حکم دیا کہ لاش جلا دی جائے۔ اتنے میں یہودی کی بیٹی قمر آئی اور خلیفہ کے سامنے زمین چوم کر کہنے لگی۔ میں عذرہ یہودی کی بیٹی قمر ہوں اور مسلمان ہو گئی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اسلام کا اعادہ خلیفہ کے سامنے کیا اور کہنے لگی تو میری سفارش کر دے کہ پارعلی مصری میرے ساتھ شادی کرے۔ قمر نے خلیفہ کو اپنا وکیل بنایا کہ وہ اس کی شادی علی سے کرا دے۔ خلیفہ نے علی مصری کو یہودی کا محل مع تمام چیزوں کے جو اس میں تھیں بخش دیا اور کہا مانگ کیا مانگتا ہے۔ علی نے کہا میں یہ مانگتا ہوں کہ میں تیرے دربار میں رہوں اور تیرے دستر خوان پر کھانا کھاؤں۔ خلیفہ بولا اے علی! تیرے ساتھی بھی ہیں؟ اس نے جواب دیا میرے چالیس ساتھی ہیں لیکین

وہ مصر میں ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا اے علی' تیرا یہاں کوئی گھر بار بھی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ حسن شومان نے کہا اے امیر المومنین! میں اسے اپنا گھر مع تمام چیزوں کے جو اس کے اندر ہیں بخشتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا اے حسن! تیرا گھر تیرے ہی پاس رہے گا اور خزانچی کو حکم دیا کہ معمار کو دس ہزار دینار دے کر اس کے لئے ایسا گھر بنوا دے جس میں چار چبوترے ہوں اور اس کے ساتھیوں کے لئے چالیس کوٹھڑیاں۔

اس کے بعد خلیفہ نے پوچھا اے علی! کیا تیری اور کوئی حاجت رہ گئی ہے کہ اسے پورا کروں۔ اس نے جواب دیا جہاں پناہ! ج ہاں دلیلہ سے سفارش کر دیجئے کہ وہ اپنی بیٹی زینب کا نکاح میرے ساتھ کر دے اور مہر میں یہودی کی لڑکی کے کپڑے اور دوسرا سامان لے لے۔ دلیلہ نے خلیفہ کی سفارش مان لی۔ کپڑے' ڈنڈا اور سونے کی زنجیریں لے لیں اور زینب کا نکاح نامہ علی کے نام لکھ دیا' اسی طرح کباڑیے کی بیٹی' کنیز اور یہودی کی بیٹی قمر کا نکاح نامہ علی کے نام لکھا گیا۔ خلیفہ نے علی کے لئے روزینہ' صبح صبح شام کا دستر خوان' مشاہرہ اور گھوڑوں کے لئے دانہ چارا مقرر کر دیا۔ تیس دن تک علی مصری جشن اور خوشیاں مناتا رہا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں کے نام جو مصر میں تھے' خط بھیجا۔ اس میں لکھا کہ تم لوگ ضرور یہاں چلے آؤ' اور میرے ساتھ جشن مناؤ۔ میں نے چار کنواری لڑکیوں سے شادی کی ہے۔ تھوڑی مدت کے بعد اس کے چالیسوں ساتھی آ گئے اور سب نے مل کر خوشیاں منائیں۔ علی نے انہیں اپنے گھر میں رکھا' ان کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ انہیں بھی خلیفہ کے سامنے پیش کیا اور خلیفہ نے انہیں خلعت عطا کئے۔ اس کے بعد ڈومنیوں نے زینب کی منہ دکھائی کی رسم ادا کی۔ علی مصری اس کے ساتھ ہم بستر ہوا۔ دیکھا کہ وہ ایک ایسا موتی ہے جو ابھی تک بندھا نہیں اور ایسی بچھیری ہے جس پر ابھی تک کوئی دوسرا سوار نہیں ہوا' پھر باقی تین لڑکیوں کے ساتھ بھی ہم بستر ہوا۔ انہیں بھی بے حس حسین و جمیل پایا۔ ایک رات جبکہ علی مصری کا پہرا محل میں تھا' خلیفہ نے کہا اے علی!

میں چاہتا ہوں کہ تو اپنی سر گزشت شروع سے لے کر آخر تک سنا دے۔ علی نے سارا ماجرا کہہ سنایا جو اسے دلیلہ محتالہ' زینب نصابہ اور ماہی فروش زریق کے ساتھ پیش آیا تھا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ یہ قصہ لکھ کر شاہی خزانے میں رکھ دیا جائے۔ کاتبوں نے سارا ماجرا لکھ لیا اور دوسرے واقعات کے ساتھ ساتھ رکھ دیا تا کہ خیر لبشر کی امت اسے پڑھے۔ اس کے بعد وہ سب عیش و عشرت کے ساتھ دن کاٹنے لگے یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی' پاک اور بزرگ خدا ان تمام باتوں کو بہتر جانتا ہے۔

○ ارد شیر اور حیات النفوس کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------- یہ بھی ایک کہانی ہے کہ شیراز میں ایک بڑا بادشاہ سیف اعظم شاہ تھا۔ بڑھاپا آنے تک اس کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک بار اس نے حکیموں اور طبیبوں کو اکٹھا کر کے ان سے کہا' میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور تم میری حالت اور حکومت کے احوال و انتظام سے خوب واقف ہو' مجھے ڈر ہے کہیں میرے بعد میری رعیت کا حال تباہ نہ ہو جائے کیونکہ ابھی تک میرے کوئی لڑکا نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا ہم جڑی بوٹیوں سے تیرے لئے ایک دوا تیار کرتے ہیں' اگر خدا کو منظور ہے تو اس سے تجھے فائدہ ہو گا۔ انہوں نے دوا تیار کی' بادشاہ اسے کھا کر اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا اور خدا کا کرنا کہ وہ حاملہ ہو گئی' بس خدا جس چیز سے کہہ دیا ہے کہ ہو جا وہ ہو جاتی ہے۔ جب حمل کے دن پورے ہو چکے تو چاند سا خوبصورت لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے ارد شیر رکھا۔ وہ پلنے بڑھنے لگا اور علم و ادب کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں تک کہ اس کی عمر پندرہ سال کی ہو گئی۔ عراق میں ایک بادشاہ ملک عبد القادر تھا' اس کی ایک بیٹی تھی چودھویں رات کے چاند جیسی۔ اس کا نام حیات النفوس تھا۔ اسے مردوں سے اتنی نفرت تھی کہ کیا مجال جو کوئی اس کے آگے کسی مرد کا نام

تو لے۔ کئی ایرانی بادشاہوں نے اس کے باپ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا اور باپ نے اس سے ذکر کیا لیکن اس نے کہہ دیا کہ اگر تو ضد کرے گا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔ جب شہزادی کی خبر اردشیر کو پہنچی تو اس نے اپنے باپ سے اس کا ذکر کیا۔ باپ ہر روز اس سے وعدہ کرتا کہ میں تیری شادی اس سے کرا دوں گا۔ آخر اس نے اپنے وزیر کو لڑکی کے باپ کے پاس پیغام لے کر بھیجا۔ اس نے انکار کر دیا۔ وزیر ملک عبد القادر کے پاس سے لوٹ آیا اور اپنے بادشاہ کو خبر دی کہ تیرا مقصد پورا نہیں ہوا۔ بادشاہ پر بہت گراں گزرا' اسے طیش آ گیا۔ وہ کہنے لگا کہ میں کسی بادشاہ سے کوئی خواہش کروں اور وہ اسے پورا نہ کرے! اس کے بعد اس نے لشکر میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ خیمے نکالے جائیں اور لڑائی کا اہتمام کیا جائے۔ خواہ اس میں قرضہ ہی کیوں نہ لینا پڑے اور کہا میں اس وقت تک نہ لوٹوں گا جب تک کہ ملک عبد القادر کا ملک تباہ نہ کر ڈالوں' اس کا لشکر قتل نہ کر دوں' اس کا نام و نشان نہ مٹا دوں اور مال و دولت نہ لوٹ لاؤں۔ یہ خبر ردشیر کو ملی تو وہ اپنے باپ کے پاس گیا اور زمین چوم کر کہنے لگا اے زبردست! یہ تکلیف نہ کر۔

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو بیسویں رات

سات سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- شہزادے نے باپ سے کہا کہ یہ تکلیف نہ اٹھا۔ اپنے لشکر اور سرماؤں کو لے جا' اپنا مال برباد نہ کر۔ تو اس سے زیادہ طاقت ور ہے۔ اس لئے اگر تو اس پر چڑھائی کرے گا تو اس کا تمام مملک تباہ کر دے گا۔ اس کے لشکر اور سورماؤں کو قتل کر ڈالے گا' ماں و دولت لوٹ لے گا اور اسے بھی مار ڈالے گا۔ جب شہزادی کو یہ خبر ہو گی کہ اسی کی وجہ سے یہ ساری بلا نازل ہوئی ہے تو وہ بھی اپنی جان دے دے گی اور اس کے مرتے ہی میں بھی مر جاؤں گا۔ اس کے بعد میں ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا۔ بادشاہ نے پوچھا بیٹا! تو پھر تیری کیا رائے ہے؟ اس نے جوب دیا میں اپنے دل کی خاطر خود جاؤں گا' تاجروں کا بھیس بدل کر اس تک پہنچنے کی صورت نکالوں گا اور دیکھوں گا کہ کس طرح میری مراد بر آتی ہے۔ باپ نے کہا' کیا تو نے یہی دل میں ٹھان لی ہے؟ اس نے کہا ابا جان' ہاں۔ بادشاہ نے وزیر کو بلا کر کہا میرے بیٹے اور جگر پارے کے ساتھ جا اور حاجت روائی میں اس کی مدد کر' اس کی دیکھ بھال رکھ اور اسے اپنی صائب رائے سے چلا تو اس کے لئے بجائے میرے ہے۔ وزیر نے کہا سر آنکھوں سے۔ اس کے بعد بادشاہ نے اپنے بیٹے کو تین لاکھ سونے کے دینار' ہیرے' جواہرات' زیور' مال اور ذخیرے وغیرہ دیئے۔ پھر شہزادہ اپنی ماں کے پاس گیا اور اس کے ہاتھ چوم کر کہا' میرے لئے دعا کر۔ اس نے دعا کی اور اٹھ کر اپنا خزانہ کھولا اس میں سے ہار' گہنے' لباس اور وہ نایاب چیزیں جو پرانے بادشاہوں کے زمانے سے چلی آتی تھیں' اور جو بے بہا تھیں' اسے دیں۔ اب شہزادے نے مملوک' غلام اور چوپائے وغیرہ جنہیں وہ راستے کے لئے چاہتا تھا' لے کر تاجروں کا بھیس بدلا۔ وزیر اور اس کے ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ شہزادے نے اپنے والدین' اہل و عیال اور رشتے داروں کو خدا حافظ کہا اور وسب چل دیئے۔ دن رات جنگل بیابان طے کرنے لگے۔ راہ کٹھن معلوم ہونے لگی تو وہ

اشعار گا گا کر اپنا دل بہلانے لگا‘ مگر اس کے بعد وہ غش کھا کر گر گیا۔ وزیر نے اس پر گلاب چھڑکا‘ کچھ دیر بعد اسے ہوش آیا تو وزیر نے کہا‘ اے شہزادے! صبر سے کام لے‘ صبر کا نتیجہ خوشی ہے اور تو تو اپنی مراد ہی کی طرف جا رہا ہے۔ وزیر اسے سمجھاتا اور تسلی دیتا رہا یہاں تک کہ اس کی گھبراہٹ جاتی رہی اور وہ تیز تیز چلنے لگے۔ چلتے چلتے شہزادہ پھر اپنی محبوبہ کو یاد کر کے اشعار پڑھنے‘ بلک بلک کر رونے اور محبت نے جو مصیبت اس پر ڈھائی تھی‘ اس کی شکایت کرنے لگا۔ وزیر نے پھر اسے سمجھایا‘ تسلی دی اور وعدہ کیا کہ وہ اپنی مراد ضرور پائے گا۔ تھوڑے دن اور چلنے کے بعد ایک روز سورج نکلنے کے بعد انہیں ایک سفید شہر دکھائی دینے لگا۔

وزیر نے شہزادے سے کہا‘ اے شہزادے! بالک خوش ہو جا‘ دیکھ یہ سفید شہر وہی ہے جہاں تو جانا چاہتا ہے۔ یہ سن کر شہزادہ پھولا نہ سمایا۔ سفید شہر میں داخل ہو کر دونوں نے پوچھا کہ مال دار تاجروں کی سرائے کہاں ہے؟ لوگوں نے پتہ بتا دیا۔ انہوں نے وہاں جا کر تین کوٹھڑیاں کرائے پر لیں۔ کنجیاں لے کر انہیں کھولا‘ ان میں اپنا مال و اسباب رکھ کر وہاں ٹھہر گئے۔ اور آرام کیا۔ اس کے بعد وزیر سوچنے لگا کہ شہزادے کے لئے کیا تدبیر کرنی چاہیے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اکیسویں رات

سات سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- شہزادے کے لئے تدبیر سوچ کر وزیر نے کہا میرے دل میں ایک بات آئی ہے اور میرا خیال ہے کہ اگر خدا کو منظور ہے تو میں تیرے لئے بھلائی ہو گی۔ شہزادہ بولا' اے نیک رائے وزیر! جو تیرے دل میں آیا ہے کر خدا کرے تیری رائے ٹھیک ہو! وزیر نے کہا' میں چاہتا ہوں کہ تیرے لئے ایک دکان کرائے پر لوں جو بزازوں کے بازار میں ہو اور تو اس میں بیٹھ' چونکہ خاص و عام ہر شخص کو بازار جانے کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے جب تو دکان پر بیٹھے گا' لوگوں کی نظر تجھ پر پڑے گی تو ان کے دل تیری طرف مائل ہو جائیں گے اور تیری مطلب براری میں آسانی ہو گی کیونکہ تو خوبصورت ہے' آنکھیں تجھے دیکھ کر خوش ہوتی ہیں۔ شہزادے نے کہا جو تیری مرضی۔ صلاح کر کے وزیر اور شہزادہ دونوں بہترین کپڑے پہن اور جیب میں ہزار دینار کا توڑا رکھ' شہر کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ لوگ انہیں دیکھتے' شہزادے کے حسن کی تعریفیں کرتے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اس جوان کو گندے پانی سے پیدا کیا' کیسا عالی شان ہے وہ اللہ جو خوبصورت سے خوبصورت چیزیں پیدا کرتا ہے! لوگ اسی طرح کی باتیں کرتے اور کہتے کہ یہ انسان تو ہو نہیں سکتا' ضرور کوئی فرشتہ ہو گا۔ کوئی کہتا کہ ہو نہ ہو جنت کا دربان رضوان' جنت کے دروازے سے غافل ہو گیا اور اس میں سے یہ لڑکا بھاگ نکلا ہے۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے بزازوں کے بازار تک گئے۔ وہ دونوں وہاں پہنچ کر ٹھہر گئے۔

ایک شان دار بڈھا ان کے پاس آیا' انہیں سلام کیا۔ دونوں نے سلام کا جواب دیا۔ بڈھے نے کہا' اے میرے آقا! کیا تم کچھ چاہتے ہو۔ کہو تو میں اسے پورا کر کے عزت حاصل کروں؟ وزیر نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں بازار کا چودھری ہوں۔

وزیر نے کہا اے بوڑھے! سن' یہ جوان میرا بیٹا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے لئے اس بازار میں ایک دکان کرائے پر لوں تا کہ وہ اس میں بیٹھ کر خرید و فروخت اور لین دین سیکھے اور تاجروں کے رسم و رواج سے اسے واقفیت ہو۔ چودھری فوراً جا کر ایک دکان کی چابی لے آیا اور دلالوں سے کہا کہ اس میں جھاڑوں دو' انہوں نے جھاڑو دے کر اسے صاف ستھرا بنا دیا۔ وزیر نے دکان کے لئے ایک موٹا گدا منگوایا جس میں شتر مرغ کے پر بھرے ہوئے تھے' اس پر ایک چھوٹا سا سجادہ بچھایا' جس کے ارد گرد زری کا کام تھا۔ پھر ایک تکیہ لگا کر جو سامان وہ ساتھ لایا تھا' اس میں سے اتنا لے آیا کہ دکان بھر جائے دوسرے دن جوان نے آ کر دکان کھولی' گدے پر بیٹھ گیا اور غلاموں کو عمدہ عمدہ کپڑے پہنا کر اپنے سامنے دکان کے اوپر اور دو نہایت خوبصورت حبشی غلاموں کو دکان کے نیچے کھڑا کیا۔ وزیر اس سے یہ کہہ کر کہ راز فاش نہ کیجیو کہیں تیری حاجت بر آری میں خلل نہ پڑ جائے اور جو معاملہ گزرے' فوراً مجھ سے کہیو' یہ کہہ کر وزیر سرائے چلا گیا۔ لڑکا دکان پر بیٹھتا تو ایسا معلوم ہوتا گویا چودھویں رات کا چاند نکلا ہوا ہے لوگ اس کا اور اس کے حسن کا بیان ایک دوسرے سے سنتے اور بے ضرورت اس کے پاس جاتے' اس کا حسن و جمال' قد قامت دیکھتے اور خدا کی پاکی بیان کرتے جس نے اسے پیدا کیا۔ ایسا خوبصورت بنایا' یہاں تک کہ لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے اس بازار میں جانا مشکل ہو گیا۔ شہزادہ دائیں بائیں دیکھتا اور لوگوں کو اپنے اوپر فریفتہ دیکھ کر حیران ہوتا دل میں کہتا کاش دربار کے مصاحبوں میں سے بھی کوئی ملتا اور شہزادی کا ذکر کرتا! لیکن نہ کسی نے خود شہزادی کا ذکر کیا' نہ یہ پوچھ سکا۔

اب اس کا دل گھبرانے لگا۔ وزیر ہر روز اسے دلاسہ دیتا اور کہتا کہ صبر سے بیٹھا رہ' تیری مراد ضرور بر آئے گی۔ اس طرح ایک مدت گزر گئی۔

ایک دن وہ دکان میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شاندار' باوقار بڑھیا آئی جو شریف زادیوں کے کپڑے پہنے ہوئے تھی اور اس کے پیچھے پیچھے دو چاند سی خوبصورت کنیزیں تھیں۔

بڑھیا دکان پر ٹھہر کو جوان کو دیکھنے لگی اور بولی پاک ہے وہ ذات جس نے اس مکھڑے

کو اس کاریگری کے ساتھ بنایا۔ اس کے بعد بڑھیا نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دے کر اسے اپنے پاس بٹھایا۔ بڑھیاں نے پوچھا' اے خوش رو جوان! تو کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے کہا' مائی ہند کا' سیر کرنے کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔ بڑھیا بولی' تیرے قدم مبارک ہوں! تیرے پاس کیا کیا سامان اور کپڑے ہیں۔ مجھے کوئی ایسی چیز دکھا جو بادشاہوں کے قابل ہو۔ یہ سن کر جوان نے کہا' کیا تو کوئی نہایت نفیس چیز دیکھنا چاہتی ہے کہ میں اسے دکھاؤں؟ میرے پاس ہر درجے کے لوگوں کے قابل چیزیں ہیں۔ بڑھیا نے کہا بیٹا! میں ایسی چیز دیکھنا چاہتی ہوں جو قیمتی' خوبصورت اور اعلیٰ ہو۔ جواب نے کہا بتا تو سہی کس کے لئے خریدنا چاہتی ہے تا کہ خریدار کا درجہ معلوم کر کے اس کے قابل چیزیں پیش کروں۔ بڑھیاں بولی' بیٹا' تو ٹھیک کہتا ہے۔ میں اپنی آقا حیات النفوس کے لئے چاہتیں ہوں جو اس ملک کے بادشاہ عبد القادر کی بیٹی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سٹپٹا گیا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے چپکے سے ہاتھ پیچھے بڑھا کر ایک توڑا نکالا جس میں سو دینار تھے اور بڑھیا کو دے کر کہا یہ تیرے کپڑوں کی دھلائی کے لئے ہے۔ پھر اس نے ایک بقچے کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس میں سے ایک جوڑا کپڑوں کا نکالا۔ جس کی قیمت دس ہزار دینار بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو گی اور کہنے لگا۔ یہ من جملہ ان چیزوں کے ہے جو میں تمہارے ملک میں لایا ہوں۔ بڑھیا اسے دیکھ کر حیران ہو گئی اور بولی اے نیکیوں کے پتلے! یہ کتنے کا ہے؟ اس نے جواب دیا' مفت! بڑھیا نے شکریہ ادا کر کے پھر وہی سوال کیا۔ جوان نے کہا خدا کی قسم! میں اس کے دام نہ لوں گا۔ اگر شہزادی اسے قبول نہ کرے تو تیری نذر ہے اور میری طرف سے تیری دعوت ہے۔ خدا کا شکر ہے اس نے مجھے تجھ سے ملایا۔ اگر مجھے کبھی تجھ سے کام پڑے تو تو ضرور میری مدد کرے گی۔ بڑھیا اس خوش گفتاری' انتہائی کرم اور خوش سلیقگی پر حیران ہو گئی اور پوچھا' اے میرے آقا! تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا' اردشیر۔ بڑھیا بولی' عجیب نام ہے۔ ایسا نام تو شہزادوں کا ہوتا ہے اور تو تو سوداگر کے لباس میں ہے۔ جوان نے کہا' میرے باپ نے پیار سے میرا یہ

نام رکھا ہے اور محض نام سے تو کسی بات کا پتہ نہیں چلتا۔

بڑھیا شہزادے کی ہر بات سن کر متعجب ہوئی جاتی تھی۔ اس نے پھر کہا' بیٹا! اپنی چیزوں کے دام لے لے۔ شہزادہ قسم کھا کر کہنے لگا میں کچھ نہ لوں گا۔ بڑھیا بولی میاں' دنیا میں سب سے بڑی چیز سچائی ہے' یہ کرم جو تو میرے ساتھ کر رہا ہے' اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہے۔ اپنا حال اور بھید مجھ سے کہہ دے۔ اگر تیری کوئی آرزو ہوئی تو اس کے پورا کرنے میں' میں تیری مدد کروں گی۔ یہ سنتے ہی اس نے اپنا ہاتھ بڑھیا کے ہاتھ میں دے دیا اور اس سے قسم لی کہ وہ راز فاش نہ کرے گی۔ پھر اس نے اپنا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ یہ کہ وہ شہزادی کو چاہتا ہے اور اس کی وجہ سے کس بلا میں گرفتار ہے۔ بڑھیا سر دھننے لگی اور کہا یہ ضرور سچ ہے مگر عقل مند کہہ گئے ہیں کہ اگر کوئی یہ چاہے کہ لوگ اس کی اطاعت کریں تو ایسی بات نہ کہے جو کوئی کر نہ سکے۔ بیٹا' تیرا نام تاجر ہے' اگر تیرے پاس تمام خزانوں کی کنجیاں ہی کیوں نہ ہوں تاہم رہے گا تو تاجر ہی' اگر تو اپنے درجے سے بڑھ کر چاہتا ہے تو کسی قاضی یا امیر کی بیٹی کو پیغام دے' اس کی کیا وجہ ہے کہ تو اتنے بڑے بادشاہ کی بیٹی چاہتا ہے؟ وہ اب تک پاک باکرہ لڑکی ہے گو دنیا کی چیزوں کی اسے بالکل خبر نہیں' عمر بھی اس نے سوائے اپنے محل کے اور کچھ نہیں دیکھا لیکن باوجود کم سنی اور ان سب باتوں کے وہ عاقل' سمجھ دار' ذکی اور فطین ہے۔ اس کی عقل تیز' اس کا ہر کام نیک اور رائے صائب ہے۔ اپنے باپ کی وہ اکلوتی بیٹی ہے اور وہ اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے' ہر روز سویرے آ کر اسے صبح بخیر کہتا ہے اور سارے محل والے اس کا ادب لحاظ کرتے ہیں۔ بیٹا کسی کی مجال نہیں کہ کوئی اس سے ایسی بات کہہ سکے۔ میں تو کسی شمار ہی میں نہیں۔ بیٹا! میں دل و جان سے تجھ سے محبت رکھتی ہوں اور میرا جی تو یہی چاہتا ہے کاش تیری رسائی اس تک ہو جائے لیکن یہ آرزو دیوانہ پن ہے۔ ہاں ایک بات ہے شاید خدا اس کے ذریعے تیرا علاج کر دے۔ حاجت براری کے لئے

میں اپنا جان و مال تجھ پر صدقے کرنے کے لئے تیار ہوں۔ شہزادے نے کہا بڑی بی' وہ کیا ہے؟ اس نے کہا کسی وزیر یا امیر کی بیٹی مجھ سے مانگ اور میں تیرا سوال پورا کر دوں گی کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کوئی ایک پھلانگ میں زمین سے آسمان پر پہنچ جائے۔ لڑکے نے ادب اور سنجیدگی سے کہا۔ تیری سمجھ کیا کیا کہنا۔ خوب سمجھی کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کسی کا سر دکھتا ہو تو وہ اپنے ہاتھ میں پٹی باندھ لے؟ بڑھیا بولی بیٹا' نہیں' لڑکے نے کہا اسی طرح میرا دل بھی سوائے اس کے اور کسی کو نہیں چاہتا۔ میں اس کی محبت کا مارا ہوں۔ خدا کی قسم اگر مجھے کوئی مدد کرنے والا نہ ملا تو میں مر جاؤں گا۔ میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ میرے پردیسی ہونے اور آنسو بہانے پر رحم کر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو بائیسویں رات

سات سو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- اردشیر نے کہا' میرے پردیسی ہونے اور آنسو بہانے پر رحم کھا۔ بڑھیا بولی' بیٹا خدا کی قسم تیری باتیں

سن کر میرا دل پھٹا جاتا ہے لیکن کوئی تدبیر میری سمجھ میں نہیں آتی۔ شہزادے نے کہا مہربانی کر کے میرا خط تو لے جا کر اس کے ہاتھ میں دے دے۔ بڑھیا کو ترس آ گیا' بولی اچھا لکھ دے' میں اس تک پہنچا دوں گی۔ یہ سن کر مارے خوشی کے وہ پھولا نہ سمایا' قلم' دوات اور کاغذ منگوا کر شہزادی کے نام خط لکھا۔ اسے بند کر کے چوما اور بڑھیا کو دے دیا۔ اس کے بعد اس نے صندوق کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس میں سے ایک دوسرا دینار کا توڑا نکال کر اسے دیا۔ اور کہا انہیں باندیوں میں تقسیم کر دیجیو۔ بڑھیا نے لینے سے انکار کیا اور کہا بیٹا! مال کی وجہ سے میں تیری مدد پر آمادہ نہیں ہوئی۔ شہزادے نے شکریہ ادا کر کے کہا' تجھے یہ لینا پڑے گا۔ بڑھیا نے توڑا لے لیا۔ اس کے ہاتھ چوم کر روانہ ہو گئی اور شہزادی کے پاس جا کر کہا' اے میری آقا! میں تیرے لئے ایک ایسی چیز لائی ہوں جو شہر میں کسی کے پاس نہ ہو گی اور ایسے خوش رو نوجوان کے پاس سے لائی ہوں جس کا جواب دنیا بھر میں نہ ہو گا۔ شہزادی نے کہا' اے میری ماما! وہ جوان کہاں سے آیا ہے؟ بڑھیا نے کہا' ہند سے۔ اس نے مجھے یہ کپڑے دیئے ہیں جن میں زری کا کام ہے اور ایسے ایسے موتی اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں جن کی قیمت کسریٰ اور قیصر کے ملکوں کے برابر ہے۔

جونہی اس نے کپڑے نکالے۔ ان کی چمک سے سارا محل جھلملا اٹھا۔ ان کی ساخت نہات نفیس تھی اور ان میں افراط سے ہیرے جواہرات ٹنکے ہوئے تھے۔ سارے محل والے انہیں دیکھ کر دنگ ہو گئے۔ شہزادی نے انہیں غور سے دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ ان کی قیمت اس کے باپ کی سلطنت کی پورے سال کی آمدنی ہے۔ وہ ماما

سے پوچھنے لگی اے ماما! یہ کپڑے اسی کے پاس سے لائی ہے یا کسی اور سے؟ بڑھیا نے جواب دیا اسی کے پاس سے۔ شہزادی نے کہا' یہ تاجر ہمارے شہر کا ہے یا پردیسی؟ بڑھیا نے کہا اے میری آقا' وہ پردیسی ہے اور تھوڑے ہی دن ہوئے ہ ہمارے شہر میں آیا ہے۔ خدا کی قسم اس کے پاس بہت نوکر چاکر ہیں۔ وہ بڑا خوش رو جوان اور سڈول بدن کا ہے' اس کا اخلاق بہت وسیع اور وہ دریا دل ہے۔ اس سے زیادہ خوبصورت سوائے تیرے دنیا میں اور کوئی نہیں۔ شہزادی نے کہا یہ عجیب بات ہے کہ ایسا جوڑا جس کی قیمت داموں میں ادا نہ کی جا سکے' ایک تاجر کے پاس ہو۔ اے ماما' بتا تو سہی وہ اس کی کیا قیمت مانگتا ہے؟ بڑھیا بولی اے میری آقا! خدا کی قسم اس نے اس کی کوئی قیمت نہیں بتائی ہے بلکہ مجھ سے یہی کہا ہے کہ میں اس کی کوئی قیمت نہ لوں ا۔ یہ میری طرف سے شہزادی کے لئے تحفہ ہے کیونکہ یہ اور کسی کی شان کے قابل نہیں۔ اس نے وہ دام پھیر دیئے ہیں جو تو نے میرے ہاتھ بھیجے تھے اور قسم کھائی ہے کہ وہ اسے نہیں لے گا بلکہ مجھ سے اس نے کہا اگر شہزادی اسے قبول نہ کرے تو یہ جوڑا تیری نذر ہے۔ شہزادی نے کہا خدا کی قسم! یہ بڑا احسان اور بڑی مہربانی ہے' مگر میں اس کے انجام سے ڈرتی ہوں' کہیں اس میں کوئی نقصان پوشیدہ نہ ہو۔ تو نے اس سے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ اگر اسے کوئی خواہش ہو تو ہم پورا کر سکتے ہیں؟ ماما نے کہا میں نے پوچھا اور اس کی خواہش دریافت کی۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں مجھے یہ خط یا ہے اور کہا ہے کہ اسے شہزای کو دے دیجیو۔ شہزادی نے خط لے کر کھولا اور آخر تک پڑھا۔ پڑھتے ہی اس کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ ہوش جاتے رہے اور اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ بڑھیا سے کہنے لگی کہ خدا تیرا برا کرے! یہ کتا جو ایسی بات شہزادی سے کہتا ہے اسے کیا سزا دینی چاہیے؟ مجھ میں اور کتے میں کیا مناسبت جو وہ مجھے ایسی بات لکھتا ہے۔ قسم ہے بزرگ خدا' زمزم اور حطم کے پروردگار کی اگر مجھے خدا کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس کی مشکیں کس کر ناک اور کان کاٹ کر اسے

بوچا کر دیتی او اسی بازار میں جہاں اس کی دکان ہے' اسے سولی دے دیتی۔
یہ باتیں سن کر بڑھیا کے منہ پر ہوائیں اڑنے لگیں۔ اس کا بدن کانپنے لگا۔ اس کی

زبان بند ہو گئی اس نے دل مضبوط کر کے کہا' اے میری آقا! خیر تو ہے؟ خط میں
کون سی ایسی بات ہے کہ تو پریشان ہو گئی؟ کیا اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس
سے وہ اپنی ناداری کی شکایت کرتا ہو اور تیری مہربانی سے اس ظلم کو دور کرنا چاہتا
ہو جو اس پر ٹوٹا پڑا ہے۔ شہزادی نے کہا' نہیں بلکہ اس میں اشعار اور بری باتیں ہیں'
لیکن اے ماما! یہ کتا تین حالتوں سے خالی نہیں۔ یا تو اس کی عقل جاتی رہی ہے' وہ
پاگل ہو گیا ہے یا خود کشی سے خالی نہیں۔ یا کسی قوت والے اور طاقتور نے اسے
آمادہ کیا ہے کہ وہ مجھ سے اپنی مراد پوری کرے۔ اگر یہ نہیں تو اس نے سنا ہے
کہ میں اس شہر کی رنڈیوں میں سے ہوں جو اپنے طالب کے ساتھ رات دو رات سویا
کرتی ہیں' ورنہ اس نے میرا سر پھیرنے کے لئے ایسے رذیل اشعار کیوں لکھے! بڑھیا نے
کہا' اے میری آقا! تیرا کہنا بالکل ٹھیک ہے' لیکن تو اس جاہل کتے کی پروا کیوں کرتی
ہے؟ تو تو مضبوط' اونچے اور محفوظ قلعے کی رہنے والی ہے جہاں نہ پرندہ پر مار سکے' نہ
ہوا کا گزر ہو اور وہ تو بالکل پاگل ہے' لیکن اسے خط کا جواب دے۔ اس میں اسے
خوب ڈانٹ' ہر طرح سے برا بھلا کہہ' اسے موت دے ڈرا اور یہ لکھ کہ اے تاجروں
کے کتے' تو مجھے کہاں سے جانتا ہے جو ایساخط لکھنے کی جرات ہوئی؟ تو تو عمر بھر ایک
درہم یا دینار کمانے کے جنگل جنگل پریشان پھرا کرتا ہے۔ خدا کی قسم ! اگر تو ہوش میں
نہ آیا اور تیرا نشانہ نہ ٹوٹا تو اسی بازار کے دروازے پر' جہاں تیری دکان ہے' میں تجھے
سولی پر چڑھا دوں گی۔ شہزادی نے کہا' میں ڈرتی ہوں کہ اگر میں نے لکھا تو اسے
اور امید بندھ جائے گی۔ بڑھیا بولی' وہ ہوتا کون ہے اور اس کی حقیت کیا ہے کہ
ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے! لکھنے کا مقصد تو یہی ہے کہ وہ امید چھوڑ دے اور ڈر
جائے۔ بڑھیا نے شہزادی کو ایسی پٹی پڑھائی کہ اس نے دوات اور کاغذ منگوا کر خط

لکھ دیا اور اسے لپیٹ کر بڑھیا کے حوالے کیا۔ بڑھیا خط لے کر چل دی اور لڑکے کی دکان پر پہنچ کر اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو تئیس ویں رات

سات سو تئیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک بادشاہ! بڑھیا نے جوان کو خط دے کر کہا اپنے خط کا جواب لے اور پڑھ' مگر سن لے کہ وہ تیرا خط پڑھ کر بہت لال پیلی ہوئی' میں اس کا غصہ ٹھنڈا کرتی رہی' یہاں تک کہ اس نے جواب لکھ دیا۔ جوان نے خط پڑھا اور اس کا مطلب سمجھ کر رونے لگا۔ بڑھیا کا دل بہت کڑھا۔ اس نے کہا بیٹا' خدا نہ کرے کہ تیری آنکھ روئے اور تیرا دل غمگین ہو' تو نے خط لکھا تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس نے جواب دیا؟ وہ بولا والدہ' میں اس سے بڑھ کر اور کیا تدبیر کر سکتا تھا لیکن وہ مجھے قتل کرنے اور سولی دینے کی دھمکی دیتی ہے اور خط لکھنے سے منع کرتی ہے۔ خدا کی قسم میرے لئے زندگی سے بہتر موت ہے۔ مہربانی کر کے یہ ایک خط اور پہنچا دے۔ بڑھیا نے کہا لکھ' جواب لانا میرے ذمے ہے۔ خدا کی قسم میں تجھ پر اپنی جان قربان کر دوں گی اور تجھے خوش کرنے کے لئے مرنے سے بھی نہ جھجکوں گی۔ شہزاد نے اس کا شکریہ ادا کیا' اس کے ہاتھ چومے اور ایک دوسرا خط لکھ کر بڑھیا کو دے دیا اور دو توڑے جن میں دو سو دینار تھے' اس کے آگے رکھ دیئے۔ بڑھیا نے ان کے لینے سے انکار کیا مگر شہزادے نے اسے قسم دی۔ وہ انہیں لے کر کہنے لگی میں تیری مراد پوری کر کے رہوں گی' خواہ تیرے دشمن کتنے ہی ناراض کیوں نہ ہوں۔ یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گئی اور حیات النفوس کے پاس پہنچ کر اسے خط دیا۔ حیات النفوس نے کہا اب تو ہم خط و کتابت قائم ہو گئی ہے اور تو آنے جانے لگی ہے۔ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں ہمارا راز فاش نہ ہو جائے اور ہماری بدنامی نہ ہو۔ بڑھیا نے کہا اے میری آقا! یہ کیسے؟ کس کی مجال ہے کہ ایسی باتیں کرے! شہزادی نے بڑھیا سے خط لے کر پڑھا' اس کا مطلب سمجھی اور ہاتھ

پر ہاتھ مار کر کہنے لگی ہم کس بلا میں گرفتار ہو گئے؟ نا معلوم نہیں یہ لڑکا کہاں سے آیا ہے؟ بڑھیا نے کہا اے میری آقا! خدا کی قسم اسے ایک اور خط لکھ اور پہلے سے زیادہ برا بھلا کہہ اور لکھ کہ اس کے بعد تو نے اور کوئی خط لکھا تو تیری گردن اڑا دوں گی۔ شہزادی نے کہا ماما' میں جانتی ہوں کہ اس سے یہ معاملہ ختم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بہتر ہے کہ خط و کتابت بند کر دی جائے' اگر گزشتہ ڈانٹ ڈپٹ کافی نہیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گی۔ بڑھیا نے کہا ایک خط لکھ کر سارا معاملہ صاف کر دے۔ شہزادی نے دوات اور کاغذ منگوا کر نہایت سخت خط لکھا اور لپیٹ کر بڑھیا کو دے دیا' مگر شہزادی کا عجب حال تھا۔

بڑھیا خط لے کر چل دی۔ جوان کے پاس پہنچ کر اسے دے دیا۔ اس نے خط لے کر پڑھا اور سر جھکا کر انگلی سے زمین پر لکیر کھینچنے لگا' زبان سے ایک لفظ نہ نکالا۔ بڑھیا نے کہا بیٹا! تجھے کیا ہو گیا ہے' نہ تو بات کرتا ہے نہ جواب دیتا ہے؟ اس نے کہا' میں کیا کہوں! وہ مجھ پر ناراض ہو رہی ہے' اس کی سخت دلی اور نفرت بڑھتی جاتی ہے۔ بڑھیا نے کہا جو تیرا جی چاہے' جواب دے' میں خط پہنچا دوں گی۔ تیرا دل ضرور خوش کروں گی اور تم دونوں کو ملا کر چھوڑوں گی۔ جوان نے اس کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے ہاتھ چومے اور خط لکھ کر لپیٹا اور بڑھیا کے حوالے کر کے اسے تین دو دینار دیئے اور کہا کہ یہ تیری ہاتھ دھلائی ہے۔ بڑھیا نے شکریہ ادا کیا اور وہاں سے روانہ ہو کر شہزادی کے پاس پہنچی اور اسے خط دے دیا۔ اس نے لے کر آخر تک پڑھا' اسے پھینک کر کھڑی ہو گئی اور اپنے چپل پہن کر جن پر سونے کا کام تھا' موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ اپنے باپ کے محل میں پہنچی۔ مارے غصے کے وہ پسینے پسینے ہو رہی تھی' کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ اس سے اس کا سبب پوچھے۔ محل میں پہنچ کر اس نے اپنے باپ کو پوچھا' باندیوں اور کنیزوں نے جواب دیا کہ اے آقا' وہ تو سیر و شکار کی غرض سے باہر گیا ہوا ہے۔ شہزادی یہ سن کر پھاڑ کھانے والے شیر کی طرح لوٹی اور تین پہر تک کسی سے بات نہ کی۔ یہاں تک کہ اس کا غصہ

ٹھنڈا ہوا اور چہرے کے بل جاتے رہے۔
بڑھیا نے دیکھا کہ شہزادی کی کدورت جاتی رہی' غلہ اتر گیا تو وہ اس کے پاس آئی اور ہاتھ چوم کر کہا اے میری آقا! تو نے کہاں قدم رنجہ فرمایا تھا؟ شہزادی بولی باپ کے محل میں۔ بڑھیا نے کہا کیا اور کوئی تیرا منشا پورا نہیں کر سکتا؟ شہزادی بولی میں تو اس لئے گئی تھی کہ باپ سے سارا ماجرا کہوں جو اس تاجر کتے کے ساتھ گزرا ہے اور اصرار کروں کہ وہ اسے اور اس کے تمام آدمیوں کو پکڑ کر ان کی دکان پر سولی دے دے۔ ایک پردیسی تاجر کو بھی ہمارے شہر میں نہ چھوڑے۔ بڑھیا بولی بس اتنی بات کے لئے تو اپنے باپ کے پاس گئی تھی؟ شہزادی نے کہا ہاں لیکن وہ یہاں پر موجود نہیں ہے بلکہ سیر و شکار کے لئے گیا ہوا ہے۔ اب میں اس کے لوٹنے کی راہ دیکھ رہی ہوں۔ بڑھیا بولی اے میری آقا! خدا خدا کر' اتنی بڑی عقل مند ہو کر ایسی فضول باتیں جو کسی پر ظاہر نہیں کرنی چاہئیں' اس سے کہنے گئی تھی۔ شہزادی نے کہا کیوں؟ بڑھیا بولی فرض کر کہ بادشاہ تجھے اپنے محل میں مل جاتا اور تو اس سے یہ باتیں کہتی اور وہ حکم دیتا کہ تمام تاجر اپنی دکانوں پر پھانسی دے دیئے جائیں' مگر جب لوگ دیکھتے اور پوچھتے کہ انہیں کیوں پھانسی دی گئی' تو انہیں جواب ملتا کہ یہ لوگ بادشاہ کی بیٹی کو خراب کرنا چاہتے تھے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چوبیسویں رات

سات سو چوبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑھیا بولی انہیں جواب ملتا کہ ہ لوگ بادشاہ کی بیٹی کی آبروہ لینا چاہتے تھے۔ سوچ تو سہی اگر ایسا ہوا تو لوگ طرح طرح کے قصے گھڑیں گے۔ کہیں گے شہزادی دس روز تک اپنے محل سے غائب رہ کر ان کے ساتھ رہی یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئے اور بعض کچھ اور کہیں گے۔ اے میری آقا! آبرو کی مثال دودھ کی سی ہے' ذرا سی گرد اسے گدلا کر دیتی ہے یا شیشے کی سی کہ اگر وہ ایک بار ٹوٹ جائے تو پھر نہیں جڑتا۔ خبردار! ایسی بات نہ اپنے باپ سے کیجیو' نہ کسی اور سے' کہیں تیری آبرو کو بٹہ نہ لگے۔ اے میری آقا! لوگوں کو خبر دینے سے تیرا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ ان میری باتوں کو اچھی طرح تول لے اور اگر پھر بھی تیری سمجھ میں یہ ٹھیک نہ اتریں تو جو تیرا جی چاہے کر۔ شہزادی نے بڑھیا کی باتیں سنیں اور ان پر غور کیا تو انہیں ٹھیک پایا۔ وہ کہنے لگی کہ ماما جو کچھ تو نے کہا بالکل ٹھیک ہے لیکن غصے کی وجہ سے مجھے اپنے دل پر قابو نہ رہا تھا۔ بڑھیا بولی خدا کے نزدیک تیری نیت صاف ہے کیونکہ ابھی تک تو نے اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا ہے۔ اب ایک بات باقی رہتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں اس کمینے تاجر کتے کی بے شرمی پر چپ نہ رہنا چاہیے بلکہ اسے خط لکھ کہ اے کمینے تاجر! اگر بادشاہ اس وقت یہاں موجود ہوتا تو میں تجھے اور تیرے تمام پڑوسیوں کو سولی پر چڑھوا دیتی' بہر حال ایک روز ایسا ہی ہو کر رہے گا۔ تیرا نام و نشان مٹا دوں گی۔ خط میں تو اسے خوب ڈانٹیو ڈپٹیو تا کہ وہ اس سے باز آ جائے اور اپنی بے ہوشی سے چونک پڑے۔ شہزادی نے کہا کیا ایسی بات لکھنے سے وہ اپنی حرکت سے باز آ جائے گا؟ بڑھیا نے کہا آئے گا کیسے نہیں! میں بھی تو اس سے کہوں گی اور سارے واقعے کی خبر دوں گی۔

شہزادی نے دوات اور کاغذ منگوا کر خط لکھا اور بڑھیا کو دے کر کہا ماما! اس کتے کو تو بھی ان باتوں سے منع کر دے تا کہ مجھے اس کا سر کاٹ کر گنہگار نہ بننا پڑے۔

بڑھیا بولی' اے میری آقا! میں اس کے سارے دعوے رد کر دوں گی اور خط لے کر چل دی۔ جوان کے پاس پہنچ کر اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ بڑھیا نے اسے خط دے دیا۔ شہزادے نے خط لے کر پڑھا اور سر ہلا کر کہا انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اب میں کیا کروں؟ میرا صبر ختم ہو گیا' میرا جسم بیمار ہے۔ بڑھیا بولی' اپنے دل کو سمجھا' خدا کوئی نہ کوئی راستہ نکال دے گا۔ جو تیرے جی میں آئے لکھ' میں جواب لے آؤں گی۔ گھبرا نہیں اور دل میں نہ کڑھ۔ اگر خدا نے چاہا تو میں تم دونوں کو ملا کر دم لوں گی۔ اس نے بڑھیا کو دعا دی' خط لکھ کر اسے دے دیا اور ایک توڑا اس کے حوالے کیا جس میں چار سو دینا تھے۔ بڑھیا روانہ ہو گئی اور شہزادی کے پاس پہنچ کر اسے خط دینے لگی لیکن اس نے نہ لیا اور کہا اب یہ خط کیسا؟ بڑھیا بولی یہ اس خط کا جواب ہے جو تو نے اسے تاجر کتے کو لکھا تھا۔ سشہزادی نے کہا میں نے تو تجھے سمجھا دیا تھا کہ اسے منع کر دیجیو۔ بڑھیا نے کہا ٹھیک ہے اور یہ سی کا تو جواب ہے۔ شہزادی نے خط لے کر آخر تک پڑھ اور بڑھیا کی طرف مخاطب ہو کر بولی کیا یہی تیری لن ترانیوں کا نتیجہ ہے۔ بڑھیا نے کہا اے میری آقا' کیا اس نے جواب میں نہ نہیں لکھا کہ وہ توبہ کرتا ہے اور پچھلی باتوں کی معافی مانگتا ہے؟ شہزادی نے کہا واللہ! ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ اور زیادتی ہے۔ بڑھیا نے کہا اے میری آقا! اسے خط لکھ اور تو دیکھ لے گی کہ میں اس کے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ شہزادی نے کہا اب میں نہ خط کی ضرورت سمجھتی ہوں نہ جواب کی۔ بڑھیا بولی جواب ضرور دے تا کہ میں اسے برا بھلا کہوں اور اس کی امیدوں پر پانی پھیروں۔ شہزادی نے کہا بغیر خط کے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دے۔ بڑھیا بولی اسے ڈانٹنے ڈپٹنے اور اس کی امیدوں پر پانی پھیرنے کے لے ضروری ہے کہ خط ساتھ ہو۔ شہزادی نے دوات اور کاغذ منگوا کر خط لکھا اور بڑھیا کے سامنے پھینک دیا۔ بڑھیا اسے اٹھا کر جوان کے

پاس گئی' اس نے خط لے کر پڑھا اور اسے معلوم ہو گیا کہ شہزادی کو اس پر بالکل ترس نہیں آتا' بلکہ اس کا غصہ بڑھتا جاتا ہے۔ اور اس کا وصال نا ممکن ہے۔

اب اس نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ وہ اس خط میں اسے بد دعائیں دے اور ایا ہی خط لکھ کر اس نے بڑھیا کے حوالے کیا اور اسے ایک اور توڑا دیا جس میں پانچ سو دینار تھے۔ بڑھیا خط لے کر چل دی اور شہزادی کے پاس پہنچ کر اسے دے دیا۔ جب اس نے خط پڑھ اااور اس کا مطلب سمجھا تو اسے زمین پر پٹک کر کہنے لگی' اے بد ذات بڑھیا! بتا کہ تو یہ چھل فریب میرے ساتھ کیوں کرتی ہے اور اس کی طرف داری پر کیوں تلی ہوئی ہے؟ میں نے خط پر خط لکھ او تو برابر ہمارے خطوط لاتی اور لے جاتی ہی۔ یہاں تک کہ ہمارے درمیان باقاعدہ خط و کتابت ہونے ہو گی اور داستانیں شروع ہو گئیں۔ ہر بار تو یہی کہتی رہی کہ میں اس کی بد ذاتی کو بند کر دوں گی اور سوال جواب کا خاتمہ کر دوں گی۔ تو ایسی باتیں اس لئے کرتی رہی کہ میں اسے خط لکھوں' تو ہمارے دریمان کٹناپا کرے اور میر آبرو پر دھبہ لگائے۔ اے غلامو پکڑو اس بڑھیا کو اور خوب مارو۔ انہوں نے بڑھیا کو اتنا مارا کہ اس کے سارے بدن سے خون بہنے لگا اور وہ غش کھا کر گر پڑی۔ پھر شہزادی نے باندیوں سے کہا کہ اس کی ٹانگیں پڑک کر کھینچتے ہوئے لے جاؤ۔ وہ اسے کھینچ کر محل کے کنارے تک لے گئیں۔ شہزادی نے حکم دیا کہ ایک باندی اس کے پاس کھڑی رہے' جب اسے ہوش آئے تو اس سے کہے کہ شہزادی نے قسم کھائی ہے کہ اب تو پھر اس محل میں لوٹ کر قدم نہ رکھے گی اور اگر تو آئی تو شہزادی تجھے ضرور بالضرور قتل کرادے گی۔ بڑھیا کو ہوش آیا تو باندی نے شہزادی کا حکم اسے سنا دیا۔ بڑھیا نے کہا سر آنکھوں سے۔

اس کے بعد باندیاں ایک ٹوکرا لے آئیں۔ شہزادی نے ایک حمال کو حکم دیا کہ بڑھیا کو اس کے گھر پہنچا آئے۔ حمال اسے اٹھا کر گھر پہنچا آیا۔ شہزادی نے اس کے پیچھے ایک طبیب روانہ کیا اور اس سے کہ کہ بڑھیا کا علاج نہایت مہربانی سے کیجیو تا

کہ وہ اچھی ہو جائے۔ طبیب نے حکم کی تعمیل کی۔ بڑھیا اچھی ہو گئی تو پھر جوان کے پاس پہنچی۔ بڑھیا کے اتنی مدت تک نہ آنے کی وجہ سے وہ سخت پریشان تھا اور اس کی خیر خبر کا مشتاق۔ جونہی اس نے بڑھیا کو دیکھا' وہ کھڑا ہو گیا' دوڑ کر اس کے پاس گیا ار سلام کیا لیکن اس نے دیکھا کہ بڑھیا بیمار سی معلوم ہوتی ہے۔ اس کا حال پوچھا۔ بھیا نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ جوان کو اس پر سخت افسوس ہوا اور وہ ہاتھ ملنے لگا اور کہا خدا کی قسم تیری حالت پر مجھے سخت افسوس ہے' لیکن تو یہ تو بتا کہ اسے مردوں کے ساتھ اتنی دشمنی کیوں ہے؟ بڑھیا نے کہا بیٹا سن۔ اس کا ایک باغ ہے جس سے زیادہ خوبصورت زمین کے پردے پر نہ ہو گا۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ جب وہ باغ میں سو رہی تھی کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ باغ میں گی ہے۔ ایک چڑی مار نے وہاں جال پھیلا کر اس کے آس پاس گیہوں چھڑک دیئے ہیں اور خود دور بیٹھا ہوا دیکھ رہا ہے کہ جال میں کیا پھنستا ہے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی ہو گی کہ چڑیاں آ کر گیہوں چگنے لگیں اور ایک نر جال میں پھنس گیا اور پھڑپھڑانے لگا۔ یہ دیکھ کر ساری چڑیاں اڑ گئیں۔ ان میں اس کی مادی بھی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ مادہ لوٹ کر آئی' جال کے پاس جا کر دیکھا کہ کسی حلقے میں نر کا پاؤں پھنسا ہوا ہے اور اس پر اتنی چونچیں ماریں کہ پھندا ٹوٹ گیا اور نر چھوٹ گیا۔ ادھر یہ ہو رہا تھا۔ ادھر چڑی مار کو پینک آ گئی تھی۔ پینک سے اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ جال ٹوٹا پڑا ہے۔ اس کی مرمت کر کے دوبارہ گیہوں چھڑک دیئے اور جال سے دور جا بیٹھا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر چڑیا جمع ہوئیں اور ان میں وہ نر مادہ بھی تھے۔ سب چڑیاں دانے چگنے لگیں۔ اس بار مادہ جال میں پھنس گئی اور پھڑپھڑانے لگی۔ ساری چڑیں اڑ گئیں اور اس کا نر بھی جسے اس نے چھڑایا تھا' چڑیوں کے ساتھ چلتا ہوا اور پھر لوٹ کر نہ آیا چڑی مار نشے میں تھا' بہت دیر کے بعد جاگا۔
جاگا تو اس نے دیکھا کہ مادہ جال میں پھنسی ہوئی ہے' وہ اس کے پاس گیا اور اسے

جال سے نکال کر ذبح کر ڈالا۔ شہزادی ڈر کر جاگ پڑی اور کہنے لگی۔ مردوں کی ذات کس قدر بے وفا ہے! مرد تکلیف میں ہوتا ہے تو عورت کے محبت کے مارے اپنی جان تک قربان کر دیتی ہے۔ اس کے بعد جب تقدیر سے عورت مصیبت میں پھنس جاتی ہے تو وہ اسے چھوڑ کو چل دیتا ہے اوراس کے چھڑانے کی کوشش نہیں کرتا۔ عورت کا کیا دھرا سب بے کار جاتا ہے۔ لعنت ہو خدا کی اس پر جو مردوں پر بھروسہ کرے کیونکہ وہ عورتوں کے احسانوں کو بھول جاتے ہیں۔ بس اس دن سے شہزادی کو مردوں سے نفرت ہو گئی۔ شہزادے نے کہا کیا وہ کبھی باہر نہیں نکلتی؟ بڑھیا نے کہا بیٹا کبھی نہیں، مگر اس کا ایک باغ ہے اس سے بہتر سیر و تفریح کی جگہ شاید ہی دینا پر پردے پر ہو۔ ہر سال جب اس میں پھل آتے ہیں تو وہاں جاتی ہے اور محض ایک دن اس کی سیر کرتی ہے، وہیں باغ کی بارہ دری میں رات گزارتی ہے اور چور درواز سے باغ میں جاتی ہے۔ جو باغ سے لگا ہوا ہے۔ میں تجھے ایک بات بتانا چاہتی ہوں، خدا نے چاہا تو اس میں تیری بھلائی ہو گی۔ پھل پکنے میں ایک مہینے ہے۔ جب شہزادی وہاں سیر کرنے جائے گی، میری رائے ہے کہ تو آج ہی سے باغبان کے پاس جانا شروع کر دے تا کہ تیرے اور اس کے درمیان دوستی اور محبت ہو جائے۔ ورنہ وہ کسی کو بھی اس میں جانے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ شہزادی کے محل سے ملا ہوا ہے۔ جب اس کے آنے کا وقت ہو گا تو میں دو روز پہلے تجھے خبر کر دوں گی، تو دستور کے موافق باغ میں جائیو اور کسی ترکیب سے رات بھر وہیں ٹھہرا رہیوں تا کہ جب شہزادی آئے تو، کہیں نہ کہیں چھپا ہو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چھیویں رات

سات سو چھیویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑھیا نے کہا تو چھپا رہیو اور جب شہزادی کو دیکھو تو نکل کر اس کے سامنے آ جائیو۔ جونہی اس کی نظر تجھ پر پڑے گی' اسے تجھ سے محبت ہو جائے گی' اور محبت کے آگے کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ بیٹا یقین کر کہ تجھے دیکھتے ہی اس کا دل تجھ پر آ جائے گا کیونکہ تو خوش رو جوان ہے۔ اس لئے بیٹا' خوش ہو اور گھبرا نہیں' میں تجھے اس سے ملا کر چھوڑوں گی۔ شہزادے نے اس کے ہاتھ چومے اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ اسے تین تھان اسکندریہ کے ریشم کے دیئے اور تین تھان اطلس کے جن کے رنگ ایک دوسرے سے مختلف تھے اور ہر تھان کے ساتھ ایک ایک ٹکڑا قمیصوں' ایک ایک پاجاموں کے لئے' ایک ایک رومال کے لئے اور استر کے لئے بعلبکی کپڑا۔ اس طرح سے کہ تین جوڑے پورے ہو گئے اور ہر جوڑا دوسرے سے بہتر تھا۔ اس کے بعد اس نے اسے ایک توڑا دیا جس میں چھ سو دینار تھے اور کہا یہ سلائی کے دام ہیں۔ بڑھیا نے ساری چیزیں لے لیں اور بولی بیٹا کیا تو چاہتا ہے کہ میرے گھر کا راستہ تجھے معلوم ہو جائے اور تیرے گھر کا مجھے؟" اس نے جواب دیا' ہاں۔ اس نے ایک غلام کو اس کے ساتھ کر دیا تا کہ وہ اس کا گھر دیکھ آئے۔ اور اپنی رہائش کی جگہ اسے بتا دے۔ بڑھیا چلی گئی تو شہزادے نے غلاموں سے کہا' دکان بڑھاء اور وزیر کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا جو اس کے اور بڑھیا کے درمیان پیش آیا تھا۔ شہزادے کی باتیں سن کر وزیر نے کہا بیٹا! اگر حیات النفوس باہر آئے' مگر تجھے منظور نہ کرے تو تو کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا پھر تو سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ میں قول و فعل کی طرف توجہ کروں' اپنی جان پر کھیل کر غلاموں کے درمیان میں سے اسے اچک لوں اور گھوڑے پر اپنے پیچھے بٹھا کر جنگل بیابان کی طرف اڑ جاؤں۔ پھر اگر میں صحیح سلامت نکل گیا

تو میری مراد بر آئی اور اگر مارا گیا تو اس رزیل زندگی سے چھٹکارا ملا۔ وزیر نے کہا بیٹا! اس کے کے ساتھ تو دنیا میں کس طرح گزارا کر سکتا ہے۔ ہمارا ملک یہاں سے اتنی دور ہے کہ ہم بھاگ کر وہاں پہنچ نہیں سکتے۔ علاوہ ازیں تو ایسی حرکت ایسے بڑے بادشاہ کے ساتھ کس طرح کر سکتا ہے جس کے ماتحت ایک لاکھ سوار ہیں' وہ تو اپنی فوج بھیج کر ہمارا راستہ روک دے گا۔ یہ تو کوئی معقول بات نہ ہوئی جسے عقل مند لوگ کریں۔ شہزادے نے کہا اے با تدبیر وزیر تو پھر کیا کرنا چاہیے۔ میں تو بہر حال مرنے والا ہوں؟ وزری نے کہا کل تک صبر کر' ہم کل سویرے اس باغ کو چل کر دیکھیں گے اور باغبان سے باتیں کریں گے۔

صبح ہوئی تو وزیر اور شہزادہ ایک ہزار دینار جیب میں ڈال کر چل کھڑے ہوئے۔ باغ میں پہچنے' دیکھا کہ اس کی دیواریں اونچی' ستون مضبوط' درخت بہ کثرت' نہریں لبریز اور پھل نفیس ہیں۔ پھول مہک رہے ہیں اور چڑیا چہک رہی ہیں۔ گویا وہ جنت کا ایک باغ ہے۔ دروازے کے اندر ایک بہت بوڑھا شخص چوکی پر بیٹھا ہوا ہے۔ جونہی اس کی نظر ان دونوں پر پڑی تو ان کے وقار اور شان کو دیکھ کر اس نے سلام کیا اور کھڑا ہو گیا۔ دونوں نے سلام کا جواب دیا' باغبان نے کہا' اے میرے آقاؤ' شاید تم کسی ضرورت سے آئے ہو جس کے پورا کرنے کی میں عزت حاصل کر سکتا ہوں۔ وزیر بولا بڑے میاں' سنو ہم پردیسی ہیں' گرمی سخت پڑ رہی ہے اور ہمارا گھر بڑی دور شہر کے اس کنارے ہے۔ مہربانی کر کے یہ دو دینا لو' کھانے کے لئے کوئی چیز لے آؤ اور باغ کا دروازہ کھول کر ہمیں کہیں سائے میں بٹھا دو' جہاں ٹھنڈا پانی ہو تا کہ ہمیں گرمی سے نجات ملے۔ جب تم کھانا لے کر آ جاؤ گے تم ہم سب مل کر کھائیں گے اور ستا کر اپنی راہ لیں گے۔ یہ کہہ کر وزیر نے اپنا ہاتھ جیب میں ڈالا اور دو دینار دنکال کر باغبان کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ باغبان کی عمر ستر سال کی ہو گئی تھی لیکن کبھی اس نے اپنے ہاتھ میں سیی چیز نہ دیکھی تھی۔ دو دینار دیکھ کر اس کے ہوش اڑ

گئے۔ اس نے فوراً اٹھ کر دروازہ کھول دیا اور انہیں لے جا کر ایک درخت کے نیچے بٹھا دیا جو بہت گنجان اور پھل دار تھا اور کہنے لگا۔ یہیں بیٹھے رہنا' باغ کے اندر ہرگز نہ جانا کیونکہ ہواں سے ایک چور دروازہ شہزادی حیات النفوس کے محل کو جاتا ہے' انہوں نے جواب دیا ہمیں کہیں جانے آنے سے کیا واسطہ' اسی جگہ بیٹھے رہیں گے۔

اب بوڑھا باغبان وہ چیزیں خریدنے چل دیا جن کا انہوں نے حکم دیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک حمال کو لئے ہوئے لوٹا' جس کے سر پر ایک تللا ہو بھیڑہ اور روٹیاں تھیں۔ سب نے مل کر کھانا اور کچھ دیر باتیں چیتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد وزیر اٹھ کر باغ میں دائیں بائیں نظر دوڑانے لگا۔ دیکھا کہ اس میں ایک اونچی بارہ دری ہے' مگر پرانی ہو گئی ہے' دیوار کی سفیدی جھڑ گئی ہے' اس کے کھمبے گرے پڑے ہیں۔ پوچھا بڑے میاں' یہ باغ تیرا ہے یا تو یہاں نوکر ہے؟ اس نے جواب دیا اے میرے مولا' یہ میرا نہیں ہے' میں تو نوکر ہوں اور اس کی نگہ بنی کرتا ہوں۔ وزیر نے کہا تجھے کیا تنخواہ ملتی ہے؟ باغبان بولا اے میرے آقا' ایک دینار مہنہ۔ وزیر نے کہا یہ ان لوگوں کا ظلم ہے' خصوصاً اگر تو بال بچوں والا ہے۔ بوڑھے نے کہا اے میرے آقا' خدا کی قسم میرے آٹھ بال بچے ہیں اور نواں میں ہوں۔ وزیر نے کہا لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم واللہ اے مسکین! میں تیرے ساتھ ہمدردی رکھتا ہوں' لیکن اگر کوئی تیرے بال بچوں کی وجہ سے تیرے ساتھ نیکی کرے تو تو کیا کہے گا؟ بوڑھا بولا اے میرے مولا اگر تو بھلائی کرے تو وہ تیرے لئے خدا کے پاس جمع رہے گی۔ وزیر نے کہا سن' یہ باغ تو بہت اچھا ہے اور اس میں یہ بارہ دری بھی ہے' مگر وہ پرانی اور بوسیدہ ہو چکی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی مرمت کرا کے اس پر سفیدی اور خوبصورت رنگ و روغن پھرا دو تا کہ باغ میں اس محل سے زیادہ خوبصورت اور کوئی چیز نہ ہو۔ جب باغ کا مالک آ کر دیکھے گا کہ اس کی مرمت ہو کر یہ نہایت خوبصورت ہو گیا ہے تو وہ تجھ سے پوچھے گا کہ کس نے مرمت کرائی ہے؟ اگر وہ پوچھے تو اس سے کہیو

کہ اے میرے مولا! میں نے اس کی مرمت کرائی ہے کیونکہ میں نے دیکھا کہ وہ اجاڑ پڑا ہے' نہ تو اس سے کسی کو فائدہ پہنچتا ہے نہ کوئی یہاں اٹھ بیٹھ سکتا ہے۔ اس کی خراب حالت دیکھ کر میں نے اس پر دام خرچ کئے اور اس کی مرمت کرائی۔

اگر وہ پوچھے تیرے پاس دام ہاں سے آئے جو تونے اس پر خرچ کئے تو کہیو میں نے اپنے دام لگائے کہ تیرے سامنے سرخ رو اور انعام کا مستحق ہوں۔ اس کے بعد لازم ہے کہ وہ تیرے دام کام کے مناسب تجھے انعام دے گا۔ کل میں معماروں' سفیدی کرنے والوں اور رنگ چڑھانے والوں کو بلا کر اسے درست کرا دوں گا اور جو تجھ سے وعدہ کیا ہے' تجھے دوں گا۔ اس کے بعد وزیر نے اپنی جیب سے پانچ سو دینار کی ایک تھیلی نکالی اور باغبان سے کہا انہیں لے کر اپنے بال بچوں پر خرچ کر تا کہ وہ مجھے اور میرے بیٹے کو دعائیں دیں۔ شہزادے نے اس کا سبب پوچھا تو وزیر نے جواب دیا کہ اس کا نتیجہ عنقریب دیکھ لے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## سات سو چھبیس ویں رات

سات سو چھبیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ اتنا سونا دیکھ کر بوڑھے کے ہوش جاتے رہے' وہ وزیر کے قدموں پر گر پڑا' انہیں چومنے لگا' اسے اور اس کے بیٹے کو دعائیں دیں۔ جب وہ چلنے لگے تو باغبان نے کہا' کل میں تمہاری راہ دیکھوں گا۔ خدا کرے کہ ہم کبھی آپس میں جدا نہ ہوں۔ نہ دن میں نہ رات میں۔ دوسرے روز وزیر وہاں آیا اور معماروں کے چودھری کو بلوایا۔ وہ حاضر ہوا تو وزیر اسے لے کر باغ میں گیا۔ باغبان اسے دیکھ کر خوش ہو گیا' وزیر نے مزدوروں کی مزدوری اور عمارت کا سامان دیا۔ انہوں نے محل کو بنا کر اور سفیدی اور رنگ و روغن لگا کر تیار کر دیا تو وزیر نے رنگ سازوں سے کہا کہ اے استادو! میری بات کان دھر کر سنو او میرا مطلب سمجھو۔ میرا ایک ایسا ہی باغ ہے' ایک روز رات کے وقت جب میں سو رہا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک چڑی مارنے جال بچھایا' اس کے آس پاس گیہوں چھڑک دیئے چڑیاں گیہوں چگنے کے لئے جمع ہو گئیں اور ایک نر جال میں پھنس گیا۔ تمام چڑیاں یہ دیکھ کر بھاگیں۔ من جملہ ان کے اس نر کی مادی بھی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد مادہ اکیلی لوٹی اور اس حلقے کو کاٹ ڈالا جس میں اس کے نر کا پاؤں پھنسا ہوا تھا اور نر آزاد ہو کر اڑ گیا۔ چڑی مار اس وقت سو رہا تھا' جب وہ جاگا تو اس نے دیکھا کہ جال کٹا پڑا ہے۔ اس نے اس کی مرمت کر کے دوبارہ گیہوں ڈال دیئے اور خود دور جا کر بیٹھ گیا اور یہ راہ دیکھنے لگا کہ جال میں کوئی شکار پھنسے۔ اب پھر چڑیاں وہاں پہنچیں' ان میں وہ مادہ بھی تھی۔ یہ مادہ جال میں پھنس گئی۔ باقی سب چڑیاں اڑ گئیں۔ انہی کے ساتھ اس کا نر بھی اڑ گیا اور پھر لوٹ کر نہ آیا۔ چڑی مارنے آ کر مادہ کو پکڑ لیا اور اسے ذبح کر ڈالا۔ نر جب چڑیوں کے ساتھ اڑ گیا تھا تو ایک شکاری پرندے نے اسے شکار کر لیا' اسے مار کر اس کا خون پی گیا اور گوشت

کھا ڈالا۔ میں چاہتا ہوں کہ جس طرح میں نے تم سے یہ خواب بیان کیا ہے اسی طرح عمدہ رنگ میں اس کی تصویر کھینچ دو اور تصویر میں اسی باغ کی دیوار درخت اور پرندے ہوں' نیز چڑی اور اس کا جال اور نر کا سارا ماجرا ہو جو اسے شکاری پرندے کے ساتھ پیش آیا۔ اگر اس تفصیل کے مطابق تم نے تصویر بنائی اور میں نے اسے دیکھ کر پسند کیا تو میں مزدوری کے علاوہ تمہیں اتنا دوں گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔

رنگ سازوں نے یہ باتیں سنیں تو انہوں نے بہت عمدہ رنگ سے پورا نقشہ تیار کر دیا۔ تصویر تیار ہو گئی تو وزیر کو خبر کی۔ وزیر یہ دیکھ کر کہ انہوں نے ہو بہو خواب کی مطابق تصویر بنائی ہے خوش ہو گیا' ان کا شکریہ ادا کیا اور انہیں بہت کچھ انعام دیا۔ اس کے بعد شہزادہ جیسے آیا کرتا تھا آیا اور اس محل کے اندر گیا' اسے معلوم نہ تھا کہ وزیر نے کیا کیا ہے۔ جب اس نے وہ تصوری دیکھی جس میں باغ' چڑی مار' جال اور چڑیاں تھیں وہ نر بھی تھا جسے شکاری پرندہ اپنے پنجوں میں دبائے ہوئے اس کا خون پی رہا اور گوشت کھا رہا تھا تو اس کے ہوش جاتے رہے۔ اس نے وزیر سے جا کر کہا اے با تدبیر وزیر! میں نے آج ایسی چیز دیکھی ہے اگر وہ سوئی سے آنکھ کے کویوں میں لکھی جائے تو عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے عبرت ہو گی۔ وزیر نے پوچھا' اے میرے آقا وہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ شہزادی نے خواب میں کیا دیکھا ہے جس کی وجہ سے وہ مردوں سے نفرت کرنے لگی ہے؟ وزیر نے کہا ہاں۔ شہزادہ بولا۔ اے وزیر' میں نے اسے رنگین تصویر میں اس طرح دیکھا کہ گویا وہ میرا ہی خواب ہے۔ اور میں نے ایک اور بات بھی پائی جو اب تک شہزادی کے علم میں نہیں اور اس کی نظر سے نہیں گزری' اسی سے مجھے مطلب بر آری کی امید ہے۔ وزیر نے کہا بیٹا' وہ وہ کیا؟ شہزادہ بولا جب مادہ جال میں پھنس گئی اور نر اس کے پاس اڑ گیا' پھر لوٹ کر نہ آیا تو ایک شکاری پرندے نے اسے پھاڑ کھایا اور اس کا خون پی گیا۔ کاش شہزادی پورا خواب دیکھتی کہ نر کو شکاری پرندے نے شکار کر لیا تھا' یہی

وجہ تھی کہ وہ لوٹ کر نہ آیا اور مادہ کو جال سے نہ چھڑا سکا! وزیر نے کہا اے نیک نہاد شہزادے! یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے۔
شہزادہ اس رنگین تصویر پر تعجب کرتا اور کہتا کہ ہائے شہزادی نے اس خواب کو آخر تک کیوں نہ دیکھا! کاش شہزادی یہ خواب آخر تک دیکھتی یا اب دوبارہ پورا خواب دیکھ لے! وزیر نے کہا جب تو نے مجھے اس بارہ دری کے بنانے کا سبب پوچھا تھا تو میں نے جواب دیا تھا کہ تجھے اس کا سبب معلوم ہو جائے گا۔ میں نے ہی یہ کام کیا ہے اور رنگ سازوں کو حکم دیا ہے کہ خوابکی تصویر کھینچ دیں اور نر کو شکاری پرندے کے ساتھ اس طرح رکھیں گویا اس نے اس کا خون چوس لیا اور گوشت کھا ڈالا ہے تا کہ جب شہزادی آئے' اس تصویر کو دیکھے اور اس کی نظر نر پر پڑے کہ شکاری پرندے نے اسے مار ڈالا ہے تو وہ اسے معذور سمجھے اور مردوں کی دشمنی سے باز آجائے۔
یہ سن کر شہزادے نے وزیر کے ہاتھ چومے' اس کا شکریہ ادا کیا اور کہنے لگا واقعی تو ملک اعظم کا وزیر ہونے کے قابل ہے۔ خدا کی قسم اگر میری مراد بر آئی اور خوش و خرم بادشاہ کے پاس لوٹا تو اس سے ضرور اس کا ذکر کروں گا تا کہ وہ تجھ پر اور زیادہ مہربان ہو جائے' تیرا رتبہ بڑھ جائے اور وہ ہمیشہ تیری بات مانے۔ اس پر وزیر نے اس کے ہاتھ اور دونوں بوڑھے باغبان کے پاس گئے اور اس سے کہنے لگے۔ یہ جگہ کیسی خوب صورت ہو گئی! بوڑھے نے جواب دیا' یہ تمہارے ہی اقبال کی بدولت ہے۔ انہوں نے کہا اے مالی! اگر اس باغ کے مالک تجھ سے پوچھیں کہ یہ محل کس نے بنوایا ہے تو کہیو کہ میں نے اور اس پر اپنے دام خرچ کئے ہیں۔ ایسا کہنے سے تجھے مال و دولت ہاتھ آئے گا۔ بوڑھے نے کہا بسر و چشم۔ شہزادے نے اپنی آمد و رفت بوڑھے کے پاس نہ چھوڑی۔ یہ تو وزیر اور شہزادے کا ماجرا ہوا ادھر خط و کتابت کے بند ہو جانے اور بڑھیا کے نہ آنے کی وجہ سے حیات النفوس بڑی خوش تھی' اس کا خیال تھا کہ جوان اپنے وطن چلا گیا۔ ایک روز باپ کے پاس سے ایک سینی آئی جس کے

اوپر سر پوش تھا۔ اس نے سرپوش اٹھایا تو دیکھا کہ سینی میں عمدہ عمدہ پھل ہیں' وہ کہنے لگی کیا پھلوں کا موسم آ گیا ہے؟ لوگوں نے کہا' ہاں۔ شہزدی بولی کیا اچھا ہوتا اگر

ہم باغ کی سیر کرتے!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو ستائیں ویں رات

سات سو ستائیں ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ شہزادی نے کہا' کیا اچھا ہوتا کہ ہم باغ کی سیر کرتے تو باندیوں بولیں' اے ہماری آقا تیرے قربان' باغ کی سیر کے لئے تو ہمارا بھی جی للچاتا ہے۔ شہزادی بولی کیا کیا جائے؟ ہر سال تو ماما ہمیں سیر کرانے لے جاتی اور شاخ شاخ کا حال بتاتی تھی۔ اب میں نے اسے مار کر اپنے پاس آنے سے منع کر دیا ہے۔ میں اپنے کئے پر شرمندہ ہوں وہ ہے تو آخر میری ہی ماما اور اس کی تربیت کا میرے اوپر حق بھی ہے لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم... یہ سن کر باندیاں اٹھ کھڑی ہوئی اور زمین چوم کر کہنے لگیں اے آقا! خدا کے لئے معاف کر دے اور اسے بلوا لے۔ شہزادی بولی میرا دل بھی جی یہی چاہتا ہے لیکن تم میں سے کون اسے لینے جائے گا؟ میں نے اس کے لئے ایک نہایت عمدہ خلعت تیار کیا ہے۔ دو باندیاں آگے آئیں جن میں سے ایک کا نام بلبل تھا اور دوسری کا سواد العین تھا۔ دونوں شہزادی کو خاص منہ چڑھی' دونوں حسین و جمیل تھیں' وہ کہنے لگیں' اے شہزادی ہم جائیں گے۔ شہزادی نے کہا جیسی تمہاری مرضی! انہوں نے ماما کے دروازے پر جا کر دستک دی اور اندر آ گئیں۔ پہچان کر ماما نے انہیں گلے لگایا اور خوش آمدید کہا۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد انہوں نے کہا ماما' شہزادی نے تجھے معاف کر دیا ہے اور اب وہ تجھ سے راضی ہے۔ ماما نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا خواہ مجھے موت ہی کا گھونٹ کیوں نہ پینا پڑے۔ کیا تم بھول گئی ہو کہ دوست اور دشمن دونوں کے سامنے مجھے سزا دی گئی۔ میرے کپڑے خون میں لت پت ہو گئے اور قریب تھا کہ پیٹتے پیٹتے میں مر جاتی۔ پھر انہوں نے مرے ہوئے کتے کی طرح مجھے پاؤں پکڑ کر کھینچا اور دروازے کے باہر پھینک آئے۔ خدا کی قسم میں اس کے پاس ہرگز نہ جاؤں گی۔ میں اس کا

منہ دیکھنا تک گوارا نہیں کرتی۔ کنیزوں نے کہا ہماری کوشش کو اپنے لیے بیکار نہ بنا۔ تیری مہربانی کو کیا ہو گیا جو تو ہم پر کرتی تھی۔ دیکھ تو سہی تیرے پاس کون آیا ہے۔ کیا تو چاہتی ہے کہ کوئی ایسا آئے جس کا رتبہ شہزادی کے نزدیک ہم سے بڑھ کر ہو؟ بڑھیا نے کہا خدا نہ کرے! میں جانتی ہوں کہ میرا رتبہ تم سے کم ہے۔ اگر شہزادی نے مجھے اپنی لونڈیوں اور باندیوں میں بڑھا چڑھا کر نہ رکھا ہوتا تو ایسی بات کس طرح ہوتی۔ میں بڑی سے بڑی کنیز پر غلبہ کروں اور وہ مارے ڈر کے مر جائے۔ دونوں کنیزوں نے کہا اب بھی وہی تیری عزت باقی ہے' اور بغیر کسی واسطے کے تجھے راضی کرنا چاہتی ہے۔ بڑھیا نے کہا اگر تم نہ آئی ہوتیں تو میں ہرگز اس کے پاس نہ جاتی' خواہ وہ مجھے قتل کرنے کا حکم کیوں نہ دے دیتی۔ اس پر دونوں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

اب بڑھیا نے فوراً اٹھ کر اپنے کپڑے بدلے' دونوں کنیزوں کے ساتھ چل کھڑی ہوئی اور شہزادی کے پاس پہنچی۔ شہزادی اسے دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی۔ ماما نے کہا اللہ' اے شہزادی' قصور میرا ہے یا تیرا؟ شہزادی نے کہا میں قصور وار ہوں تو مجھے معاف کر دے اور مجھ سے راضی ہو جا۔ اے ماما خدا کی قسم تیری قدر میرے دل میں بہت زیادہ ہے اور تیری تربیت کا حق بھی میرے اوپر ہے۔ لیکن تو جانتی ہے کہ خدا نے اپنے بندوں کو چار چیزیں عطا کی ہیں۔ خلق' عمر' رزق اور موت۔ اور کوئی شخص قسمت کے لکھے کو مٹا نہیں سکتا۔ اس وقت مجھے اپنے اوپر قابو نہ رہا تھا۔ میں اپنے آپ کو روک نہ سکی اور اب میں اپنے کئے پر پشیمان ہوں۔ یہ سن کر بڑھیا کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اس نے اٹھ کر شہزادی کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ شہزادی نے کہا' ماما ہمارے باغ اور پھلوں میوؤں کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا اے میری آقا! واللہ شہر میں تو میں نے بہت سے پھل دیکھے ہیں' لیکن اس کی تحقیق کر کے میں آج ہی تجھے جواب دوں گی۔ اس انتہائی عزت کو حاصل کرنے کے بعد وہ شہزادی کے پاس سے رخصت ہوئی اور شہزادے کے پاس پہنچی۔ شہزادہ اسے دیکھ کر خوش ہو گیا' اسے گلے سے لگا

لیا۔ اسے بے حد تسلی ہوئی‘ کیونکہ وہ اسے دیکھنے کا بے حد مشتاق تھا۔ اس کے بعد بڑھیا نے اس سے وہ سارا ماجرا بیان کیا کہ جو اسے شہزادی کے ساتھ پیش آیا تھا اور اس سے یہ بھی کہا کہ شہزادی فلاں روز باغ میں جانا چاہتی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اٹھائیس ویں رات

سات سو اٹھائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بڑھیا نے آ کر شہزادے کو خبر دی کہ شہزادی فلاں روز باغ میں آنے والی ہے تو اس نے یہ بھی پوچھا کہ جو کچھ میں نے تجھ سے باغبان کے بارے میں کہا تھا وہ تو نے کیا یا نہیں' اسے انعام دیا یا نہیں؟ شہزادے نے جواب دیا ہاں' وہ میرا دوست بن گیا ہے جو کچھ میری مرضی ہو گی' وہ کرے گا۔ دل سے اس کی خواہش ہے کہ وہ میری کوئی خواہش پوری کر سکے۔ اس نے یہ بھی بیان کیا کہ وزیر کے حکم سے وہاں کیا کیا ترمیم ہوئی ہے اور شہزادی کے خواب کی تصویر بنائی گئی۔ چڑی مار' جال اور شکار پرندے کا قصہ بھی بیان کیا۔ یہ سن کر بڑھیا بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ وزیر کو اپنے دل میں جگہ دے جو کچھ اس نے کیا ہے اس سے اس کی ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ تیری مطلب بر آری میں وہ تیرا مددگار ہے۔ بیٹا فوراً اٹھ کر حمام جا اور بہترین پوشاک پہن' اس سے بڑھ کر پھر کبھی موقع نہیں ملے گا۔ اور باغبان کے پاس جا کر کوئی ترکیب چل کہ وہ تجھے باغ میں رات بھر رہنے دے کیونکہ اگر اسے زمین کے برابر بھی سونا دیا جائے تو وہ کسی کو باغ کے اندر نہ گھسنے دے گا۔ اندر جا کر تو چھپ جائیو تا کہ کوئی تجھے دیکھ نہ پائے اور اس وقت تک چھپا رہیو کہ میں یہ نہ کہوں اے پوشیدہ مہربانیوں والے' جس چیز سے ہم ڈرتے ہیں' اس سے ہمیں بچا۔ یہ سنتے ہی نکل آئیو اور درختوں کے پیچھے کھڑے ہو جائیو تا کہ شہزادی حیات النفوس کی نظر تجھ پر پڑ جائے۔ تیرے حسن کے آگے چاند شرماتا ہے' تیرے محبت اس کے جوڑ جوڑ میں بیٹھ جائے گی' تیری مراد بر آئے گی اور غم جاتا رہے گا۔ جوان نے کہا بسر و چشم اور ہزار دینار کا ایک توڑا نکال کر اسے دیا جسے لے کر وہ چل دی۔

شہزاد فوراً جا کر حمام جا کر نہایا' عجمی بادشاہوں کا لباس پہنا اور ایک ایسی پٹی کمر سے باندھی جس میں طرح طرح کے قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ ایسا عمامہ باندھا جو

سرخ سونے کے کلابتوں سے بنا ہوا تھا۔ جس میں موتیوں اور ہیروں کی جھالر تھی۔ اس کے رخسار گلاب جیسے تھے۔ ہونٹ سرخ اور آنکھیں غزالوں کی سی' چال متوالی' حسن و جمال اس پر چھایا ہوا تھا' اس کے لچک دار قد کے آگے شاخیں شرمندہ تھیں۔ بن سنور کر اس نے اپنی جیب میں ایک ہزار دینار کا توڑا رکھا اور باغ کے دروازے پر جا کر دستک دی۔ باغبان نے آ کر دروازہ کھولا اور نہایت ادب سے سلام کیا' اس نے دیکھا کہ شہزادے کا چہرہ اترا ہوا ہے۔ اس کا سبب پوچھا۔ شہزادے نے کہا بڈھے مالی' سن۔ میرا باپ مجھے بہت چاہتا ہے' آج سے پہلے کبھی اس نے مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ مجھ میں اور اس میں کچھ جھگڑا ہو گیا تھا' اس پر اس نے مجھے برا بھلا کہا اور طمانچے اور ڈنڈے مارے اور مجھے گھر سے نکال دیا۔ میرا کوئی دوست تو یہاں ہے نہیں۔ میں زمانے کی مصیبت سے ڈرتا ہوں کیونکہ ماں باپ کا غصہ کوئی چھوٹی چیز نہیں۔ چچا' میں تیرے پاس آیا ہوں کیونکہ میرا باپ تجھے جانتا ہے اور تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ شام تک مجھے یہاں رہنے دے اور اگر اس وقت تک خدا مجھ میں اور اس میں صلح نہ کرا دے تو رات کو بھی مجھ پر احسان کیجیو۔ بوڑھے کو یہ سن کر کہ اس کے اور اس کے باپ کے درمیان یہ ماجرا پیش آیا ہے' بڑا افسوس ہوا۔ وہ کہنے لگا اے میرے آقا' اگر تیری اجازت ہو تو میں جا کر تیرے باپ سے ملوں اور دونوں میں ملاپ کرا دوں۔ جوان نے کہا چچا' میرا باپ تیرے بس کا نہیں۔ اگر اس کے غصے کی حالت میں تو ملاپ کرانا چاہے گا تو وہ تیری ایک نہ سنے گا۔ بوڑھے نے کہا تو پھر اے میرے آقا' میرے گھر چل اور میرے بال بچوں کے ساتھ رات گزار' کوئی برا نہیں مانے گا۔ جوان نے کہا چچا ناراضگی کے وقت میں اکیلا ہی رہنا چاہتا ہوں۔ بوڑھے نے کہا یہ میں کیسے گوارا کر سکتا ہوں کہ میرا گھر موجود ہو اور تو باغ میں اکیلا سوئے۔ جوان نے کہا چچا' جب تک اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہو جائے میں عمدہ ایسا کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس

کی عادت معلوم ہے۔ اس میں اسے کوئی اعتراض نہیں ہو گا اور وہ مجھ سے جلد راضی ہو جائے گا۔ تو بوڑھے نے کہا اچھا اگر تو ضد کرتا ہے تو میں تیرے سونے کے لئے ایک بچھونا اور اوڑھنے کے لے لحاف لے آتا ہوں۔ شہزادے نے کہا چچا' اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بوڑھا اٹھا' باغ کا دروازہ کھول دیا اور بچھونا اور لحاف لے آیا۔

یہ تو شہزادے کا قصہ ہوا' ادھر بڑھیا نے جا کر شہزادی کو خبر دی کہ درختوں کے پھل پک گئے ہیں' شہزادی نے کہا ماما۔ کل میرے ساتھ چل کر باغ کی سیر کر لیکن کسی کو باغبان کے پاس بھیج کر کہلا کہ ہم کل باغ میں آئیں گے۔ ماما نے اسے کہلا بھیجا کہ شہزادی کل باغ میں آئے گی' سقوں' مزدوروں کو باہر نکلا دیجیو اور کسی کو باغ کے اندر نہ آنے دیجیو۔ باغبان کو شہزادی کا یہ پیغام پہنچا تو اس نے نالیاں وغیرہ ٹھیک ٹھاک کیں اور جوان کے پاس جا کر کہا شہزادی اس باغ کی مالکہ ہے۔ اے میرے آقا! میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں۔ یہ تیرا ہی گھر ہے اور تو ہی میرا روزی رساں' مگر یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ شہزادی حیات النفوش کل سویرے باغ میں آئے گی۔ اس نے حکم دیا ہے کہ باغ میں کسی کو رہنے نہ دوں تا کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے۔

میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ کل صبح باغ سے نکل جائیو۔ شہزادی عصر تک یہاں ٹھہرے گی' اس کے بعد تو مہینوں اور برسوں یہاں رہ سکتا۔ شہزادے نے کہا شاید تجھے ہماری طرف سے کوئی تکلیف پہنچی ہے۔ وہ بولا میرے مولا! خدا کی قسم کوئی تکلیف نہیں پہنچی بلکہ ہمیشہ بھلائی ملی ہے۔ جوان نے کہا اگر ایسا ہے تو اب بھی تجھے بھلائی ہی ملے گی۔ میں اس باغ میں چھپ جاؤں گا اور جب تک شہزادی اپنے محل میں لوٹ نہ جائے' مجھے کوئی دیکھ نہیں سکے گا۔ باغبان نے کہا اگر اس نے کسی شخص کا سایہ بھی دیکھ لیا تو وہ میری گردن اڑا دے گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو انتیس ویں رات

سات سو انتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ----- گابان نے کہا کہ اگر شہزادی نے کسی کا سایہ بھی دیکھ پایا تو وہ میری گردن اڑا دے گی۔ تو جواب بولا میں ہرگز ہرگز اپنے آپ کو ظاہر نہ کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ آج تیرے پاس بال بچوں پر خرچ کرنے کے لئے کچھ تنگی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے تھیلی میں ہاتھ ڈالا اور اس میں سے پانچ سو دینار نکال کر کہنے لگا۔ لے یہ اشرفیاں اپنے بال بچوں پر خرچ کر تا کہ تجھے ان کی طرف سے اطمینان ہو جائے۔ بوڑھے کی نظر سونے پر پڑی تو اس کا دل ٹھنڈا ہو گیا' شہزادے کو چھوڑ کر چل دیا اور کہتا گیا کہ خبردار باغ میں پھریو' چلیو نہیں۔

یہ تو باغبان اور شہزادے کی سرگزشت ہوئی۔ اب شہزادی کی روداد سنو۔ جب دوسرا دن ہوا اور اس کی کنیزیں اس کے پاس آئیں تو اس نے حکم دیا کہ وہ چور دروازہ کھولا جائے جو بارہ دری والے باغ میں کھلتا ہے اور خود شاہانہ پوشاک پہنی جس میں چھوٹے بڑے موتی اور ہیرے ٹنکے ہوئے تھے۔ پوشاک کے نیچے ایک ہلکی قمیص تھی جس میں یاقوت لگے ہوئے تھے۔ ان سب کے نیچے وہ چیز تھی جس کی تعریف سے زبان عاجز ہے' دل متحیر اور جس کی چاہت میں بزدل بھی بہادر ہو جاتے ہیں۔ اس کے سر پر سرخ سونے کا تاج تھا۔ جن پر سرخ سونے کا کام تھا قیمتی قیمتی رنگ اور قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ اس نے بڑھیا کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا چور دروازے سے نکل چل۔ بڑھیا نے دیکھا کہ باغ باندیوں اور کنیزوں سے بھرا ہوا ہے' وہ پھل کھا رہی اور نہروں کو گدلا کر رہی ہیں' کھیل کود اور ہنسی مذاق میں مشغول ہیں۔ وہ شہزادی سے کہنے لگی تو بڑی عقلمند اور سمجھ دار ہے۔ تجھے خوب معلوم ہے کہ ان لونڈیوں کی ضرورت باغ میں نہیں۔ اگر اپنے باپ کے محل سے باہر جاتی تو ان کا تیرے جلوس میں ہونا

عزت کا باعث ہوتا۔ یہاں تو اے میری آقا' تو چور دروازے سے باغ میں جا رہی ہے جہاں کسی کی نظر تیرے اوپر نہیں پڑ سکتی۔ شہزادی نے کہا ماما تو ٹھیک کہتی ہے۔

اچھا اب کیا کرنا چاہیئے؟ بڑھیا بولی باندیوں کو حکم دے کہ وہ لوٹ جائیں۔ شہزادی نے حکم دیا کہ سب باندیاں لوٹ جائیں۔ پھر ماما نے کہا ابھی تو اور نوکر چاکر باقی ہیں۔ یہی بس کی گانٹھ ہوتے ہیں۔ انہیں بھی واپس کر دے' اپنے ساتھ صرف دو کنیزیں رہنے دے' جن سے مذاق کر سکیں۔ اس کے بعد جب ماما نے دیکھا کہ شہزادی پر اس کا افسوس چل گیا تو کہنے لگی اب ہماری خوب سیر ہو گی۔ آ باغ میں چل۔ شہزادی چور دروازے سے نکل کر باہر آئی۔ دونوں کنیزیں اس کے آگے آگے تھیں' وہ ان سے ہنسی مذاق کرتی اور اپنی قبا میں مٹکتی جاتی تھی۔ ماما بڑھ بڑھ کر اسے درخت دکھاتی اور میوے کھلاتی۔ اس طرح سے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلتی پھرتی بارہ دری کے پاس پہنچ گئی۔

جب شہزادی کی نظر بارہ دری پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ وہ بالکل نئی ہو گئی ہے۔ ماما سے کہنے لگی دیکھ تو سہی اس باہ دری کی مرمت ہو گئی اور دیواروں پر سفیدی پھر گئی ہے۔ ماما نے کہا اے میری آقا! اس بارے میں میں نے سنا تھا کہ باغبان نے چند تاجروں سے کپڑے لئے ہیں اور انہیں بیچ کر اس نے اینٹیں' چونا' قلعی اور پتھر وغیر خریدے ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ تو ان کا کیا کرے گا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس بارہ دری کی مرمت کرائی ہے۔ جو ٹوٹی پڑی تھی۔ پھر بوڑھے نے ایک روز کہا تاجر مجھ پر تقاضا کرتے ہیں اور میں ان سے کہتا ہوں کہ شہزادی کو باغ میں آ لینے اور اسے دیکھ کر پسند کر لینے دو۔ شہزادی آئے گی اور مجھے کچھ مرحمت فرمائے گی تو میں تمہارا قرضہ ادا کر دوں گا۔ میں نے باغبان سے پوچھا کہ آخر تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے دیکھا کہ وہ گر گئی ہے' اس کے کھمبے ٹوٹے پڑے ہیں۔ سفیدی اتر گئی ہے اور کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ اس کی

مرمت کرادے' اس لئے میں نے خود قرض لے کر اس کی مرمت کرادی' مجھے امید ہے کہ شہزادی اپنے رتبے کے موافق میرے کام کی داد دے گی۔ میں نے بھی اس سے کہا کہ شہزادی سرتاپا نیکی اور بھلائی ہے۔ بیٹی! اس نے سب کچھ اس لئے کیا ہے کہ اسے تیرے احسان کی امید ہے۔ شہزادی نے کہا خدا کی قسم اس نے محض مروت کی بنا پر یہ کام کیا ہے' یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ خزانچی کو بلا۔ ماما نے خزانچی کو آواز دی' وہ فوراً شہزادی کے پاس حاضر ہوا۔ شہزادی نے اسے حکم دیا کہ باغبان کو دو ہزار دینار دے دے۔ بڑھیا نے باغبان کے پاس ایک آدمی بھیجا' اس نے جا کر باغبان سے کہا کہ شہزادی کی خدمت میں حاضر ہو۔ یہ پیغام سن کر باغبان کانپنے لگا۔ اس کی طاقت نے جواب دے دیا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ ضرور شہزادی کی نظر جوان پر پڑ گئی ہے اور آج میری شامت آ گئی۔ باغبان وہاں سے اپنے گھر گیا' اپنی بیوی اور بچوں کو یہ خبر سنائی۔ انہیں وصیت کی اور رخصت ہوا۔ وہ سب رونے پیٹنے لگے۔

اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ چل کر شہزادی کے پاس پہنچا۔ اس کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں' قریب تھا کہ وہ زمین پر دھڑ سے گر پڑے۔ بڑھیا سمجھ گئی اور کہنے لگی بوڑھے! زمین چوم کر خدا کا شکریہ ادار کر اور گڑگڑا کر شہزادی کو دعا دے' میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ تو نے ہی ٹوٹے ہوئے محل کی مرمت کرائی ہے' وہ خوش ہو گئی اور اس کے بدلے اس نے تجھے دو ہزار دینار انعام دیئے ہیں۔ خزانچی سے لے لے۔ شہزادی کو دعا دے اور اس کے آگے زمین چوم کر چلتا بن۔ ماما کی باتیں سن کر باغبان نے دو ہزار دینار لئے' شہزادی کے آگے زمین چوم کر اپنے گھر چلا گیا۔

اس کے بال بچے خوش ہو گئے اور اس شخص کو دعائیں دینے لگے جس کی وجہ سے انہیں یہ تمام چیزیں ملیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو تیسویں رات

سات سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ باغبان کے بال بچے اس شخص کو دعائیں دینے لگے جس کی وجہ سے انہیں یہ دولت ملی تھی۔ ادھر بڑھیا نے شہزادی سے کہا اے میری آقا! یہ محل کتنا خوبصورت ہو گیا ہے' نہ اس سے صاف سفیدی میری نظر سے گزری ہے اور نہ ہی اس سے خوبصورت رنگ و روغن۔ دیکھیں تو اسی ان نے اندر اور باہر دونوں طرف سے مرمت کی ہے یا فقط باہر سفید ہے اور اندر سیاہ۔ آ اندر چلیں۔ ماما آگے آگے اور شہزادی پیچھے پیچھے اندر گئیں دیکھا کہ اندر بھی نہایت عمدہ رنگ و روغن اور سنہرا کام ہے۔ شہزادی دائیں بائیں دیکھتی ہوئی بارہ دری کے صدر میں پہنچی۔ اور وہاں دیر تک نظر جمائے دیکھتی رہی۔ ماما! تاڑ گئی کہ وہ اس خواب کی تصویر دیکھ رہی ہے' اس نے دونوں کنیزوں کو اپنے ساتھ لیا تا کہ شہزدی کی توجہ اس طرف نہ بٹنے پائے۔ خواب کی تصویر دیکھنے کے بعد شہزادی بڑھیا کی طرف متوجہ ہوئی' متعجب ہو کر کہنے لگی' ماما! آ تجھے ایک عجیب و غریب چیز دکھاؤں۔ جو اگر سوئی سے آنکھ کویوں پر لکھی جائے تو عبرت حاصل کرنے والے اس سے عبرت حاصل کریں گے۔ بڑھیا بولی۔ اے میری آق۱۰ وہ کیا؟ شہزادی نے کہا بارہ دری کے صدر میں جا کر دیکھ اور جو تجھے دکھائی دے' مجھ سے کہیو۔ بڑھیا نے اندر جا کر تصویر کو غور سے دیکھا اور باہر آ کر بولی' واللہ اے میری آقا' یہ تو وہی باغ چڑی مار' جال اور وہی تمام چیزیں ہیں۔ جنہیں تو نے خواب میں دیکھا تھا۔ ساتھ یہ بھی ہے کہ نر کا پھر لوٹ کو اپنی مادہ کے پاس نہ آنا اور اسے جال سے نہ چھڑانا کس وجہ سے ہوا۔ میں دیکھتی ہوں کہ وہ شکار پرندے کے پنجے میں پھنسا ہوا ہے۔ جس نے اسے مار کر اس کا خون پی لیا ہے اور گوشت چبا کر کھا گیا ہے۔ اے میری آقا۔ اب کھلا کہ وہ واپس آ کر اپنی مادہ کو جال سے کیوں نہ چھڑا سکا۔ لیکن اے میری آقا! تعجب کی

بات تو یہ ہے کہ تصویر کس طرح کھنچ گئی۔ اگر تو بھی اس کی تصویر کھینچنا چاہتی تو ہر گز نہ کھینچ سکتی۔ خدا کی قسم یہ عجیب و غریب بھید ہے جو تاریخ کی کتابوں میں لکھا

جائے گا۔ اے میری آقا! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں جو انسانوں کے ساتھ ہیں معلوم ہوا کہ نر مظلوم ہے' اور ہم نے اس پر ظلم کیا' اس کے واپس نہ آنے پر اسے برا بھلا کہا' اس لئے انہوں نے نر کی طرف داری کی اور اس کی مجبوری ظاہر کر دی۔

دیکھ وہ کیا شکاری پرندنے کے پنجوں میں مردہ پڑا ہے۔

شہزادی بولی ماما' اس چڑیا پر قضا و قدر مسلط ہو گئی تھی' مگر ہم نے اس پر ظلم کیا۔

بڑھیا نے کہا اے میری آقا! دشمنوں کا فیصلہ خدا کے سامنے ہو گا۔ اے میری آقا! سچ ظاہر ہو گیا اور نر کی مجبوری ہمیں معلوم ہو گئی۔ اگر وہ شکاری پرندے کے پنجوں میں نہ پھنسا ہوتا جس نے اسے مار کر اس کا خون چوس لیا اور گوشت کھا ڈالا تو وہ مادہ کے پاس لوٹ کر جانے میں ہرگز دیر نہ کرتا بلکہ فوراً جا کر اسے جال سے چھڑاتا لیکن موت کا کوئی علاج نہیں۔ مرد کی تو یہ خاصیت ہے کہ وہ خود بھوکا رہتا ہے اور بیوی کو کھلاتا ہے' خود ننگا رہتا ہے' اسے کپڑے پہننے کو دیتا ہے۔ اپنے خاندان کو ناراض کر کے اسے خوش رکھتا ہے۔ ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہے' انہیں نہیں دیتا اور اسے دیتا ہے۔ بیوی اس کے سارے بھید اور را جانتی ہے۔ پل بھر اس سے الگ نہیں رہ سکتی۔ اگر وہ ایک رات بھی موجود نہیں ہوتا تو اس کی آنکھ بند نہیں ہوتی' اس کے لئے شوہر سے زیادہ عزیز اور کوئی نہیں ہوتا۔ وہ ماں باپ سے زیادہ اسے چاہتی ہے۔ جب دونوں سوتے ہیں تو گلے لپٹ کو سوتے ہیں۔ اس کا ہاتھ اس کی گردن کے نیچے ہوتا ہے اور اس کا ہاتھ اس کی گردن کے نیچے۔ یہ اس کے بوسے لیتا ہے اور وہ اسے کے۔ ایک بادشاہ نے اپنی بیوی کے ساتھ یہاں تک کیا کہ جب وہ بیمار ہو گئی تو اس کے ساتھ زندہ دفن ہو گیا۔ وہ اسے اتنا چاہتا تھا کہ اس نے اپنے لئے موت کو ترجیح دی۔ اسی طرح ایک بادشاہ بیمار ہو کر مر گیا لوگ اسے دفن کرنے کے لئے گئے تو بیوی نے اپنے خاندان والوں سے کہا کہ مجھے بھی اسی کے ساتھ دفن ہو جانے

دو' ورنہ میں اپنی جان دے دوں گی اور میرا خون تمہاری گردن پر ہو گا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ وہ باز نہ آئے گی تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور وہ اپنی محبت اور پیار کی وجہ سے اس کے ساتھ قبر میں کود پڑی۔ بڑھیا نے مردوں اور عورتوں کے اتنے قصے بیان کئے کہ رہی سہی مردوں کی دشمنی بھی شہزادی کے دل سے نکل گئی۔ جب بڑھیا سمجھ گئی کہ مردوں کی محبت اس کے دل میں بیٹھ گئی ہے تو وہ کہنے لگی۔ اب باغ کی سیر کا وقت آیا ہے اور دونوں بارہ دری سے نکل کر درختوں کے درمیان ٹہلنے لگیں۔ شہزادے نے آنکھ اٹھائی تو اس کی نظر شہزادی پر جا پڑی' اس نے عجیب پیاری پیاری شکل دیکھی۔ قد سڈول تھا' رخسار گلابی' آنکھیں کالی کالی اور ادائیں دل لبھانے والی۔

اس کے ہوش جاتے رہے' وہ اس کی طرف دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ اس کے قدم لڑکھڑانے لگے تھے اور محبت حد سے بڑھ گئی۔ وہ دل و جان سے اس پر نثار تھا اور اس کے دل میں عشق کی آگ بھڑک رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گیا اور غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ نظر سے غائب ہو چکی ہے۔ اور درختوں کی اوٹ میں پہنچ گئی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اکتیس ویں رات

سات سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ جب شہزادے نے دیکھا کہ وہ آنکھوں سے اوٹ ہو گئی ہے تو وہ آہیں بھرنے لگا۔ ادھر بڑھیا اسے لئے ہوئے اس جگہ پہنچی جہاں شہزادہ تھا اور کہنے لگی اے پوشیدہ مہربانیوں والے' بچا ہمیں اس چیز سے جس سے ہم ڈرتے ہیں۔ یہ اشارہ سن کر شہزادہ باہر نکل آیا اور متعجب ہو کر درختوں کے درمیان ٹہلنے لگا اس کے قد پر ڈالیاں خار کھاتی تھی۔ اس کی پیشانی پسینے پسینے ہو رہی تھی اور دونوں رخسار شفق کی طرح چمک رہے تھے۔ پاک ہے خدا کی ذات جس نے کیا کیا چیزیں پیدا کیں! شہزادی نے نظر اٹھا کر دیکھا تو شہزادہ اس کے سامنے تھا' اس کی نظر وہیں جم کر رہ گئی' وہ اس کا حسن و جمال' قد و قامت اور آنکھیں دیکھنے لگی جو غزالوں کی تھیں۔ اس کے ہوش جاتے رہے' عقل سلب ہو گئی اور اس کی آنکھوں کا تیر اس کے دل میں جا کر لگا۔ اس نے بڑھیا سے کہا' اے ماما! یہ خوش رو سڈول جوان یہاں کہاں سے آیا؟ بڑھیا بولی اے میری آقا! کہاں؟
شہزادی نے جواب دیا وہ کیا درختوں کے درمیان ہیں ۔ بڑھیا دائیں بائیں دیکھنے لگی' گویا اسے اس کی خبر تک نہ تھی اور کہا اس جوان کو اس باغ کا راستہ کس نے بتایا۔
حیات النفوس نے کہا'اس جوان کا حال کون ہمیں بتا سکتا ہے؟ پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو پیدا کیا لیکن ماما! بتا تو سہی تو اس جوان کو جانتی ہے؟ ماما نے کہا یہ وہی جوان ہے جو میرے ذریعے سے تیرے ساتھ خط و کتابت کرتا تھا۔ شہزادی اس کی محبت میں ڈوب تو چکی ہی تھی کہنے لگی۔ ماما یہ جوان کیسا حسین ہے اور اس کا ناک نقشہ کتنا خوبصورت ہے! میرے خیال میں اس سے زیادہ خوش رو دنیا کے پردے پر کوئی نہ ہو گا۔
جب بڑھیا نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ شہزادی نوجوان کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے

تو کہنے لگی اے میری آقا! میں نے کہا نہ تھا کہ وہ حسین اور خوش رو جوان ہے۔
شہزادی بولی' ماما! بادشاہوں کی بیٹیوں کو دنیا کی بالکل خبر نہیں ہوتی۔ نہ وہ دنیا والوں کے حالت سے واقف ہوتی ہیں اور نہ وہ کسی سے ملتی جلتی یا لین دین رکھتی ہیں۔ اے ماما! اس تک کیوں کر رسائی ہو اور میں کیا منہ لے کر اس کے پاس جاؤں۔ میں اس سے کیا کہوں اور خدا جانے وہ کیا کہے؟ بڑھیا نے کہا اب میں کیا تدبیر کر سکتی ہوں! تو نے تو ہم سب کو پریشانی میں ڈال دیا۔ شہزادی نے کہا ماما اگر عشق میں کوئی مر سکتا ہے تو میں مر جاؤں گی' مجھے اپنے مرنے کا یقین آ چکا ہے اور یہ سب محبت کی آگ کا کرشمہ ہے۔ بڑھیا نے یہ باتیں سنیں اور دیکھا کہ وہ محبت سے گھائل ہو چکی ہے تو کہنے لگی' اے میری آقا! اس کا تیرے پاس آنا تو نا ممکن ہے اور تو بھی اس کے پاس کسی طرح نہیں جا سکتی کیونکہ تو ابھی کم سن ہے لیکن میرے ساتھ ساتھ چل' میں آگے آگے ہوں گی' اس کے پاس پہنچ کر میں اس سے بات چیت کروں گی' اس طرح سے تجھے شرمندگی اٹھانی نہیں پڑے گی اور آنکھ جھپکتے ہی تم دونوں میں محبت ہو جائے گی۔ شہزادی نے کہا اچھا آگے آگے چل' جو خدا نے مقدر کر دیا ہے' وہ پھر نہیں سکتا تھا۔ ماما اور شہزادی شہزادے کے پاس پہنچیں جو وہاں بیٹھا ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند۔ دونوں اس کے پاس پہنچ گئیں تو بڑھیا نے کہا اے جوان! دیکھ تیرے پاس کون آیا ہے۔ وہ عالی شان بادشاہ کی بیٹی حیات النفوس ہے۔
اس کی اس عزت افزائی اور اپنے پاس آنے کا شکریہ ادا کر۔ اٹھ کر آداب بجا لا اور اس کے سامنے سر و قد کھڑا ہو جا۔ جوان فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں اور دونوں بے پئے مست ہو گئے' جوان کی محبت اور تمنائیں دوبالا ہو گئیں۔
شہزادی نے اپنے ہاتھ بڑھائے' جوان نے اپنے۔ اور دونوں بڑے اشتیاق کے ساتھ گلے لپٹ گئے۔ عشق نے انہیں اتنا مغلوب کر دیا کہ دونوں غش کھا کر زمین پر گر پڑے اور دیر تک پڑے رہے۔ بڑھیا ڈری کہ کہیں بدنامی نہ ہو اس لئے اس نے انہیں بارہ

دری کے اندر داخل کر دیا اور خود دروازے پر بیٹھ گئی اور کنیزوں سے کہا تم اس فرصت کو غنیمت سمجھو' باغ میں جاؤ' کھیلو کودو۔ شہزادی سو رہی ہے۔ یہ سن کر کنیزیں سیر کرنے چلی گئیں۔ جب دونوں کو ہوش آیا تو انہوں نے دیکھا کہ وہ بارہ دری کے اندر ہیں' جوان بولا اے حسینوں کی سر تاج' یہ خیال ہے یا خواب؟ اور پھر دونوں گلے لپٹ گئے۔ متوالوں کی طرح محبت کا شکوہ شکایت کرنے لگے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

سات سو بتیس ویں رات

سات سو بتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ دونوں محبت کا شکوہ شکایت کرنے لگے۔ شہزادی نے جوان کو سینے سے لگا لیا' ان کا منہ اور ماتھا چومنے لگی۔ اس کی جان میں جان آئی۔ وہ عشق کے ظلم' محبت کے جور' انتہائی شوق و تمنا اور ان تمام واقعات کو بیان کرنے لگا جو اس کی سخت دلی کی وجہ سے پیش آئے تھے۔ شہزادی بے تاب ہو گئی'اس کا سر کھل گیا' کالی رات اور اس میں دودھویں رات کا چاند نظر آنے لگا' وہ کہنے لگی۔ اے میرے پیارے اور میری تمنا خدا کرے کہ اب ہم میں جدائی نہ ہو اور فراق کی گھڑیاں پھر لوٹ کر نہ آئیں! اس کے بعد دونوں گلے لپٹ گئے اور رونے لگے۔ اسی طرح دونوں میں راز و نیاز کی باتیں ہو رہی تھیں کہ عصر کی اذان ہو گئی اور ان کے درمیان سوائے ان باتوں کے اور کچھ نہ ہوا۔ جب دونوں رخصت ہونے لگے تو شہزادی نے کہا اے میرے پیارے' آنکھ کے تارے' جدائی کا وقت آ گیا ہے۔ اب یہ بتا کہ پھر کب ملنا ہو گا؟ جوان کے دل میں ایک تیر سا لگا۔ وہ کہنے لگا خدا کے لئے جدائی کا نام نہ لے۔ اور وہ بارہ دری سے نکل گئی۔ جوان نے پھر کر دیکھا تو وہ آہیں بھر رہی ہے جس سے پتھر بھی پگھل جائے! اس کے آنسو مینہ کی طرح جاری تھے۔ کچھ دیر بعد وہ پھر لوٹ کر آئی اور جوش محبت میں اسے گلے لگا لیا' اس کے دل میں وہ آگ لگی ہوئی تھی جسے سوائے بوس و کنارے کے اور کوئی چیز نہ بجھا سکتی تھی۔ کہنے لگی کہ محبوب کے بارے میں صبر کرنا چاہئے نہ کہ بے صبری۔ میں ملنے کی کوئی نہ کوئی تدبیر نکال لوں گی۔ یہ کہہ کر وہ چل دی لیکن اسے یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ پاؤں کہاں پڑ رہے ہیں۔ بہرحال وہ اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔ ادھر جوان کا یہ حال تھا کہ مارے محبت کے اس کی نیند جاتی رہی۔ ادھر شہزادی

کا کھانا پینا بند ہو گیا' صبر جاتا رہا وہ بیمار پڑ گئی۔
صبح ہوئی تو اس نے ماما کو بلوایا۔ ماما نے آ کر دیکھا کہ اس کی حالت کچھ اور ہی ہے۔

شہزادی نے کہا میرا حال نہ پوچھ۔ جو کچھ مجھ پر گزری ہے' تیری وجہ سے گزری ہے۔
اس کے بعد وہ کہنے لگی کہ میرا پیارا کہاں ہے؟ بڑھیا نے کہا اے میری آقا! وہ تیرے پاس سے کب گیا ہے؟ کیا رات ہونے سے پہلے چلا گیا؟ شہزادی نے کہا' کیا ممکن ہے کہ میں ایک پل بھی صبر کر سکوں۔ جا اور کسی ترکیب سے اسے فوراً مجھ سے ملا ورنہ قریب ہے کہ میری روح نکل جائے۔ ماما نے کہا اے میری آقا' صبر کر میں تیرے لئے ایک ایسی ترکیب نکالنے والی ہوں کہ کسی کو خبر تک نہ ہونے پائے۔ شہزادی نے کہا قسم ہے بزرگ خدا کی اگر تو آج اسے نہ لئے آئی تو میں بادشاہ سے جا کر کہہ دوں گی کہ تو نے ہی مجھے اس مصیبت میں ڈالا ہے اور وہ تیری گردن اڑا دے گا۔ بڑھیا نے کہا خدا کے لئے مجھے سوچ سمجھ کر کام کرنے دے' یہ بڑا خطر ناک معاملہ ہے۔ اسی طرح بڑھیا نے خوشامد کر کے اسے تین دن تک روکا۔ اس کے بعد شہزادی کہنے لگی۔ ماما یہ تین دن مجھ پر ایسے گزرے ہیں جیسے تین سال۔ اگر چوتھا دن بھی گزر گیا اور تو اسے میرے پاس نہ لائی تو میں کوشش کر کے تجھے قتل کرا دوں گی۔ یہ سن کر بڑھیا وہاں سے روانہ ہو گئی اور اپنے گھر پہنچی۔
جب چوتھا دن ہوا تو اس نے شہر کی مشاطاؤں کو بلوایا اور ان سے کہا کہ عمدہ رنگ مجھے لا دو جن سے کنواری لڑکیاں رنگی جاتی ہیں۔ وہ بہترین سے بہترین رنگ لے آئیں۔
اب بڑھیا نے جوان کو بلوایا' وہ آیا تو بڑھیا نے اپنا صندوق کھول کر اس میں سے ایک بقچہ نکالا۔ جس میں زنانے کپڑے تھے۔ ان کی قیمت پانچ ہزار دینار ہو گی اور ایک پگڑی نکالی جس کی جھالر جواہرات کی تھی اور کہنے لگی بیٹا' کیا تو حیات النفوس سے ملنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ بڑھیا نے ایک موچنا نکال کر اس کے بال نوچے' سرمہ لگایا پھر اس کے کپڑے اتار کر اس کے دونوں ہاتھوں پر ناخنوں سے لے کر کاندھوں تک اور تلووں سے رانوں تک نقش و نگار سے آراستہ کیا۔ جسم کو رنگا' وہ ایسا معلوم

ہونے لگا جیسے مر مر کی تختیوں پر لال گلاب۔ اس کے بعد اس نے اسے دھویا' پونچھا اور اس کے لئے نیچے اوپر پہننے کے کپڑے لے آئی۔ ان شاہی کپڑوں کو پہنا کر بڑھیا نے اس کے پگڑی باندھی' نقاب ڈالی' اسے چلنا سکھایا اور کہا کہ بایاں پاؤں آگے بڑھا اور دایاں پیچھے ہٹا۔ جوان نے ایسا ہی کیا جیسا کہ بڑھیا نے کہا اور اس کے آگے آگے چلنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جنت سے کوئی حور آ گئی ہے۔ اب بڑھیا بولی کہ دل مضبوط کر کیونکہ تو شاہی محل میں جا رہا ہے جس کے دروازے پر فوج اور نوکر چاکر سب ہی ہوں گے۔ اگر تو ذرا بھی جھجکا یا گھبرایا تو وہ تیرا جھاڑا لیں گے اور تجھے پہچان جائیں گے' ہم بلا میں گرفتار ہو جائیں گے اور مارے جائیں گے۔ اگر تو ایسا نہیں کر سکتا تو ابھی بتا دے۔ جوان نے کہا مجھے ان باتوں کا کوئی ڈر نہیں۔ تو گھبرا نہیں' بے دھڑک چلی چل۔ بڑھیا آگے آگے ہو گئی اور وہ محل کے دروازے پر پہنچ گئے۔ جو نوکروں چاکروں سے بھرا ہوا تھا۔ اور وہ پھر کر دیکھنے لگی کہ جواب گھبرا تو نہیں گیا ہے۔ دیکھا تو اس پر بالکل اثر نہیں تھا۔ بڑھیا وہاں پہنچی۔ تو بڑے دربان نے اسے دیکھ کر پہچان لیا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ بڑھیا کے پیچھے پیچھے ایک لڑکی ہے جسے دیکھ کر عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ بڑھیا تو ماما ہے مگر جو لڑکی اس کے پیچھے ہے' اس جیسی حسن' جمیل اور خوبرو تو ہمارے ملک بھر میں کوئی نہ ہو گی۔ کہیں یہ شہزادی حیات النفوس تو نہیں۔ لیکن وہ تو پردے میں رہتی ہے' کبھی باہر نہیں نکلتی۔ معلوم نہیں وہ نکلی کیسے اور نکلی بھی تو بادشاہ کے حکم سے یا بے حکم۔ دربان اس کی تحقیق کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور تقریباً تیں غلام اس کے ساتھ ہو لئے۔ یہ دیکھ کر بڑھیا کے ہوش اڑ گئے۔ وہ "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھنے اور دل میں کہنے لگی کہ اب ہماری جانیں گئیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو تینتیسویں رات

سات سو تینتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بڑھیا نے کہا کہ اب ہماری جانیں گئیں اور بڑے دربان نے اسے سنا تو وہ گھبرایا کیونکہ

وہ جانتا تھا کہ شہزادی کی کیا شان ہے اور یہ کہ بادشاہ اس کی ہربات مانتا ہے۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ شاید بادشاہ نے ماما کو حکم دیا ہو کہ وہ شہزادی کو کسی ضرورت کے لئے باہر لے جائے اور وہ نہ چاہتی ہو کہ کسی کو اس کی خبر ہو۔ اگر میں نے اسے ٹوکا تو اس کے دل میں میری طرف سے کینہ پیدا ہو جائے گا' وہ کہے گی کہ یہ غلام میرا حال دریافت کرنے کے لئے مجھے ٹوکتا ہے اور مجھے قتل کرانے کے پیچھے پڑ جائے گی۔ مجھے اس کی ضرورت ہی کیا ہے! یہ سوچ کر وہ لوٹ گیا اور تیسوں غلام بھی اس کے ساتھ پھاٹک کی طرف چلنے لگے بلکہ انہوں نے لوگوں کو پھاٹک پر سے ہٹا دیا۔ ماما اندر داخل ہوئی اور سر کے اشارے سے سلام کیا۔ تیسوں غلام ٹھہر گئے اور نہایت ادب سے اس کے سلام کا جواب دیا۔ بڑھیا شہزادے کو لئے ہوئے آگے بڑھی اور ایک دروازے سے دوسرے میں گزرتی ہوئی ساری منزلیں طے کر لیں اور خدا نے اس کی پردہ پوشی کی' وہ دونوں ساتویں دروازے پر پہنچ گئے جو بڑے محل کا دروازہ تھا۔ اس محل میں بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ یہیں سے کنیزوں کے کمروں' حرم سرا اور شہزادی کے محل کا راستہ تھا۔ بڑھیا ٹھہر گئی اور کہنے لگی۔ بیٹا! اب ہم یہاں تک پہنچ گئے اور پاک ہے وہ ذات جس نے ہماری پردہ پوشی کی بیٹا ملاقات رات سے پہلے نہیں ہو سکتی کیونکہ رات ہی ڈرنے والوں کی پردہ پوش ہے۔ اس نے کہا تو ٹھیک کہتی ہے' پھر اب کیا کرنا چاہئے؟ بڑھیا نے کہا اس اندھیری کوٹھڑی میں چھپ جا۔ جوان اس اندھیری جگہ جا کر بیٹھ گیا' بڑھیا کہیں چلی گئی۔ شام ہوئی تو وہ اس کے پاس آئی اور اسے وہاں سے لے کر محل میں داخل ہوئی۔ چلتے چلتے دونوں حیات النفوس

کے کمرے کے دروازے پر پہنچے۔ بڑھیا نے دستک دی۔ ایک کم سن لونڈی نے آ کر پوچھا کون ہے دروازے پر؟ بڑھیا نے جواب دیا میں۔ لونڈی نے جا کر اپنی آقا سے اجازت مانگی کہ ماما آ جائے۔ شہزادی نے کہا' دروازہ کھول کر اسے اور جو کوئی اس کے ساتھ ہو اسے بھی اندر بلا لا۔ دونوں اندر آئے تو بڑھیا نے دیکھا کہ حیات النفوس نے مجلس کا کمرہ تیار اور قندیلیں آراستہ کر رکھی ہیں۔ چوکیوں اور چبوتروں پر قالینیں بچھی ہوئی' تکئے لگے ہوئے ہیں۔ قندیلوں میں شمعیں روشن' دستر خوان پر میوے مٹھائیاں چنی ہوئی ہیں' مشک' عود اورر عنبر کی خوشبوئیں پھیل رہی ہیں اور شہزادی قندیلوں کے بیچ میں بیٹھی ہوئی ہے۔ ان سب کی روشنی اس کے آگے پھیکی پڑ گئی ہے۔ ماما کو دیکھتے ہی اس نے کہا اے ماما! میرے دل کا پیار کہاں ہے۔ اس نے کہا اے میری آقا' وہ مجھے ملا نہ کہیں دکھائی دیا لیکن میں اس کی سگی بہن کو لائی ہوں جو حاضر ہے۔ شہزادی بولی تو پاگل تو نہیں ہو گئی' میں اس کی بہن کو لے کر کیا کروں گی؟ کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ اگر کسی کے سر میں درد ہو تو وہ ہاتھ پر پٹی باندھ لے! بڑھیا بولی نہیں لیکن اے میری آقا' دیکھ تو سہی اگر وہ تجھے پسند آئے تو اپنے پاس رہنے دیجیو' یہ کہہ کر اس نے شہزادے کی نقاب اٹھا دی۔ شہزادی نے اسے پہچان لیا' اٹھ کر سینے سے لگا لیا۔ شہزادہ اس سے لپٹ گیا دونوں غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ اس کے بعد شہزادی اس کے منہ پر بوسے دینے لگی اور ہزار سے زیادہ بوسے لئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چونتیس ویں رات

سات سو چونتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بوسہ بازی کے بعد شہزادی بولی کیا یہ صحیح ہے کہ میں تجھے اپنے گھر میں دیکھ رہی ہوں اور تو میرے ساتھ بیٹھا ہوا مجھے پیار کر رہا ہے؟ رات اسی طرح گزر گئی اور سویرا ہوتے ہی اس نے شہزادے کو اپنی حرم سرا میں چھپا دیا۔ پھر جب رات ہو گئی تو اسے نکالا اور دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے' شہزادہ بولا میں چاہتا ہوں کہ اپنے وطن جا کر باپ سے تیرا ذکر کروں تا کہ وہ اپنے وزیر کو نکاح کے پیغام لے کر تیرے باپ کے پاس بھیجے۔ شہزادی نے کہا پیارے' مجھے ڈر ہے کہ تو اپنی حکومت اور اپنے وطن میں جا کر مجھے بھول جائے گا اور میری محبت تیرے دل سے نکل جائے گی یا تیرا باپ اس بات پر راضی نہ ہو گا اور میں جان دے دوں گی۔ بہتر یہ ہوتا کہ تو میرے ہی ساتھ رہتا' میرے قبضے سے باہر نہ ہوتا' میں تیرا مکھڑا دیکھتی رہتی اور تو میرا۔ یہاں تک کہ میں کوئی ترکیب نکال کر ایک رات تیرے ساتھ چل کھڑی ہوتی' ہم دونوں تیرے وطن پہنچ جاتے کیونکہ اپنے خاندان والوں سے میں ناامید ہو چکی ہوں۔ شہزادے نے کہا بسر و چشم اور مے نوشی میں لگ گئے۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ انہیں شراب میں بڑا مزہ آیا۔ وہ صبح تک جاگتے رہے۔ اسی روز کسی بادشاہ نے اس کے پاس تحفے بھیجے تھے جس میں نایاب جواہرات کا ایک ہار بھی تھا۔ جواہرات کی تعداد اتنی تھی۔ اور جن کی قیمت کسی بادشاہ کا خزانہ بھی ادا نہ کر سکتا تھا۔ بادشاہ نے کہا یہ ہار محض میری بیٹی حیات النفوس کے قابل ہے اور ایک غلام کو آواز دی جس کے دانت ایک بار شہزادی نے غصے میں آ کر تڑوا ڈالے تھے۔ اس سے کہا کہ یہ ہار لے کر حیات النفوس کو دے اور کہیو کہ ایک بادشاہ نے اسے تیرے باپ کے پاس بطور ہدیے کے بھیجا ہے۔ اس کی قیمت داموں میں ادا نہیں

کی جا سکتی' اسے پہن کے' غلام اسے لے چلا اور کہنے لگا خدا کرے اس کے بعد دنیا میں تجھے اور کوئی چیز نصیب نہ ہو' تو نے ہی میرے دانت تڑوا ڈالے ہیں۔ کمرے کے

دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ وہ بند ہے اور بڑھیا دروازے پر سو رہی ہے۔ اس نے بڑھیا کو جگایا تو وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی' کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا بادشاہ نے مجھے ایک ضرورت سے اپنی بیٹی کے پاس بھیجا ہے۔ بڑھیا نے کہا کنجی موجود نہیں ہے' ذرا ٹھہر کر آئیو۔ میں جا کر کنجی لے آؤں۔ غلام بولا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں لوٹ کر بادشاہ کے پاس چلا جاؤں! بڑھیا کنجی لینے کے بہانے سے چل دی لیکن راہ میں اس پر اتنا ڈر طاری ہوا کہ وہ اپنی جان لے کر بھاگ گئی۔

بڑھیا کے آنے میں دیر ہوئی تو غلام ڈرا کہ کہیں بادشاہ کے پاس لوٹنے میں مجھے دیر نہ ہو جائے۔ اس نے دروازے کو ہلایا اور دھکا دیا۔ کھٹکا نکل گیا اور دروازہ کھل گیا۔ غلام اندر داخل ہوا اور ساتویں دروازے پر پہنچ کر جھانکا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہاں نہایت نفیس فرش بچھا ہوا ہے' شمعیں اور صراحیاں رکھی ہوئی ہیں۔ غلام کو بڑا اچنبھا ہوا بڑھ کر تخت کے پاس گیا جس پر ریشم کا پردہ پڑا ہوا تھا اور جواہرات کی جھالر لگی ہوئی تھی۔ جونہی اس نے وہ پردہ اٹھایا تو حیرت کی انتہا نہ رہی۔ شہزادی سو رہی ہے اور اس کی بغل میں اس سے زیادہ حسین ایک جوان ہے۔ وہ خدا کی بزرگی بیان کرنے لگا جس نے اسے ذلیل پانی سے پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا کیا خوب! مردوں سے دشمنی اور یہ کرتوت! یہ شخص اسے ملا کہاں سے؟ میرا خیال ہے کہ اسی کی وجہ سے شہزادی نے میرے دانت تڑوائے ہیں۔ اس نے پردہ چھوڑ دیا اور دروازے کی راہ لی۔ اتنے میں شہزادی گھبرا کر اٹھ بیٹھی اور کافور غلام کو دیکھ کر اسے آواز دی لیکن اس نے جواب تک نہ دیا۔ اب وہ تخت پر سے اتر پڑی اور دوڑ کر کافور کا دامن پکڑ لیا' اسے اپنے سر پر رکھا۔ اس کے پاؤں چومنے لگی اور کہا کہ جو بات خدا نے پوشیدہ رکھی ہے' اسے طشت ازبام نہ کر۔ غلام نے کہا خدا نہ تیری پردہ پوشی کرے نہ اس

شخص کی جو تیری پردہ پوشی کرے! تو نے میرے دانت تڑوائے ہیں اور مجھ سے کہا ہے کہ کوئی میرے سامنے مردوں کا نام نہ لے۔ یہ کہہ کر غلام نے اپنا دامن چھڑایا' بھاگ کر باہر چلا گیا۔ دونوں کو اندر بند کر کے دروازے میں قفل ڈال دیا۔ اور ایک غلام کو پہرے پر بٹھا کر بادشاہ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ نے پوچھا: ہار حیات النفوس کو دے آیا؟ اس نے کہا خدا کی قسم تو ان سب سے زیادہ مستحق ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیا ہوا؟ جلد بتا۔ وہ بولا میں تجھ سے محض تنہائی میں کہہ سکتا ہوں۔ بادشاہ بولا' بلا تنہائی کے کہہ۔ غلام نے کہا میں شہزادی حیات النفوس کے پاس گیا تو دیکھتا ہوں کہ کمرے میں فرش بچھا ہوا ہے۔ وہ سو رہی ہے اور اس کی آغوش میں ایک جوان ہے۔ میں نے دونوں کو اندر چھوڑ کر دروازے میں قفل ڈال دیا اور تیرے پاس حاضر ہوا ہوں۔

یہ سنتے ہی بادشاہ تلوار کھینچ لی اور غلاموں کے سردار کو آواز دے کر کہا اپنے ساتھیوں کو لے کر حیات النفوس کے پاس جا' اسے اور جو کوئی اس کے ساتھ ہو دونوں کو مع تخت کے اٹھا لا لیکن انہیں چادر سے ڈھانک دینا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو پینتیس ویں رات

سات سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بادشاہ نے کہا کہ دونوں کو میرے پاس لے آ تو وہ غلام مع اپنے ساتھیوں کے وہاں گیا' جب وہ داخل ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ حیات النفوس کھڑی ہے۔ روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئی ہیں اور شہزادے کا بھی یہی حال ہے۔ غلاموں کے سردار نے جوان سے کہا جس طرح تو تخت پر لیٹا ہوا تھا' لیٹ جا اور اسی طرح شہزادی بھی لیٹ جائے۔ شہزادی ڈری اور شہزادے سے کہنے لگی اب مخالفت سے کوئی فائدہ نہیں' اس لئے دونوں لیٹ گئے۔ غلام انہیں اٹھا کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے چادر اٹھائی' تو شہزادی اٹھ کھڑی ہوئی' بادشاہ نے اس کی طرف دیکھا اور چاہتا ہی تھا کہ اس کی گردن اڑا دے' اتنے میں شہزادہ آگے بڑھ کر بادشاہ کے سینے سے لپٹ گیا اور کہنے لگا' بادشاہ اس کا کوئی گناہ نہیں گناہ میرا ہے۔ اس سے پہلے مجھے قتل کر۔ بادشاہ نے چاہا کہ اسے قتل کر دے لیکن حیات النفوس باپ کے قدموں میں گر پڑی اور کہنے لگی' مجھے قتل کر دے' مگر اسے قتل نہ کر کیونکہ وہ ملک اعظم کا بیٹا ہے جس کا حکم دنیا کی لمبائی چوڑائی پر چلتا ہے۔ اپنی بیٹی کی باتیں سن کر بادشاہ بڑے وزیر کی طرف مخاطب ہوا جو بس کی گانٹھ تھا اور اس سے کہا اے وزیر! تیری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ وزیر بولا میرا کہنا یہ ہے کہ جو بھی اس حالت میں پھنسا ہوا ہوتا ہے' وہ جھوٹ بولنے پر مجبور ہوتا ہے۔ ان کی یہی سزا ہے کہ پہلے انہیں طرح طرح کی تکلیف دی جائے اور پھر گردن اڑا دی جائے۔ بادشاہ نے جلاد کو بلوایا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر آ پہنچا۔ بادشاہ نے کہا پکڑو اس حرام زادے کو اور اس کی گردن اڑا دو۔ اس کے بعد اس چھوکری کی' پھر دونوں کو جلا دو اور دوبارہ ان کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھنا۔ یہ سن کر جلاد نے شہزادی کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔ لیکن بادشاہ نے اسے ڈانٹا اور کوئی چیز

جو اس کے ہاتھ میں تھی' اس زور سے پھینک ماری کہ قریب تھا' وہ مر جائے اور کہنے لگا اے کتے! میں غضب ناک ہوں اور تو اس کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ پکڑ اس کے بال اور کھینچ تا کہ وہ منہ کے بل گر پڑے۔ جلاد نے ایسا ہی کیا اور اسے منہ کے بل کھینچنے لگا۔ اسی طرح جوان کو بھی کھینچا۔ یہاں تک کہ وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں گردن اڑائی جاتی تھی۔ جوان کے دامن میں سے ایک دھجی پھاڑ کر اس کی آنکھیں باندھ دیں' تلوار کھینچ لی جو بہت تیز تھی اور شہزادی کو پیچھے ہٹا دیا تا کہ کوئی اس کی سفارش کرے' جوان کی طرف متوجہ ہوا اور تین بار تلوار ہلائی۔ تمام فوجی لوگ رونے اور خدا سے دعائیں مانگنے لگے کہ ان کی سفارش منظو ہو جائے۔ جلاد نے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ ایک گرد اٹھی اور چاروں طرف پھیل گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب ایک مدت تک جوان کے باپ کو بیٹے کی خبر نہیں معلوم ہوئی تو ہو ایک بڑا لشکر تیار کر کے خود ہی اس کی تلاش میں نکلا۔ جب بادشاہ عبد القادر نے گرد اٹھتی دیکھی تو پوچھا کیا خبر ہے اور یہ گرد کیسی ہے جس سے آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا؟ بڑا وزیر بادشاہ کے پاس سے اٹھ کر اس گرد کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ لوگ ٹڈیوں کی طرح جمع ہیں جن کا گننا ناممکن ہے اور جن کے مقابلے میں کوئی مدد کارگر نہیں ہو سکتی۔ پہاڑ گھاٹیاں اور ٹیلے ان سے بھرے ہوئے ہیں۔ وزیر نے بادشاہ کے پاس آ کر ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ نے کہا جا کر اس لشکر کی خبر لا اور پوچھ کہ وہ ہمارے ملک میں کیوں آئے ہیں اور ان کا سردار کون ہے؟ اس سے میرا سلام کہیو اور آنے کا سبب دریافت کیجیو۔ اگر اسے کوئی ضرورت ہے تو ہم پورا کرنے کے لئے حاضر ہیں۔ اگر وہ کسی بادشاہ سے بدلہ لینا چاہتا ہے تو ہم اس کے ساتھ ہیں اور اگر وہ کوئی ہدیہ چاہتا ہے تو ہم ہدیہ دینے کے لئے تیار ہیں کیونکہ یہ لوگ بے شمار ہیں اور بڑا لشکر ہے' ہمیں ڈر ہے کہ کہیں وہ ہمارے ملک پر قبضہ نہ کرے۔

وزیر چل دیا اور صبح سے شام تک خیموں' سپاہیوں اور سرادروں کے درمیان چلتے چلتے ان

لوگوں کے پاس پہنچا جن کی تلواریں سنہری اور خیمے ستارے دار تھے۔ اس کے بعد وہ امیروں' وزیروں' حاجبوں اور نوجوانوں کے قریب پہنچا آخر وہ بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔ دیکھا کہ وہ بہت بڑا بادشاہ معلوم ہوتا ہے' جونہی درباریوں پر اس کی نظر پڑی' انہوں نے کہا کہ زمین چوم! وزیر زمین چوم کر کھڑا ہو گیا' انہوں نے دوسری بار اور پھر تیسری بار چلا کر وہی کہا۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور چاہتا ہی تھا کہ کھڑا ہو تو مارے ہیبت کے دھڑ سے گر پڑا۔ اس کے بعد جب وہ بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوا تو کہنے لگا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ خدا تجھے ہمیشہ قائم رکھ' تیری حکومت بڑھائے اور عزت زیادہ کرے! بادشاہ عبد القادر نے تجھے سلام بھیجا ہے اور تیرے آگے زمین چوم کر پوچھنا چاہتا ہے کہ تو کس مہم پر آیا ہے۔ اگر تو کسی بادشاہ سے بدلہ لینے جا رہا ہے تو وہ بھی تیرے ساتھ ہے اور اگر تجھے اور کوئی ضرورت ہے جسے وہ پورا کر سکتا ہے تو وہ ہر طرح سے حاضر ہے۔ بادشاہ نے کہا اے پیغام بر اپنے آقا کے پاس جا کر کہہ کہ ملک اعظم کا ایک بیٹا ہے جو مدت سے غائب ہے' نہ اس کی خیر خبر معلوم ہوتی ہے نہ پتہ چلتا ہے۔ اگر وہ اس شہر میں ہے تو میں اسے لے کر چلا جاؤں گا اور اگر اس کا ذرا بھی بال بیکا ہوا ہو گا اور تمہارے ہاں اس پر کوئی مصیبت آئی ہو گی تو میں تمہارا ملک تباہ کر دوں گا' تمہارا مال لوٹ لوں گا' تمہارے مردوں کو قید کر لوں گا اور عورتوں کو باندیاں بنا لوں گا۔ قبل اس کے کہ تیرے بادشاہ پر بلا نازل ہو' فوراً جا کر اسے خبر پہنچا۔ وہ جانے لگا تو حاجبوں نے چلا کر کہا کہ زمین چوم! زمین چوم! اس سے بیس مرتبہ زمین چھوائی۔ وہ اٹھا تو اس کی روح منہ تک آ گئی تھی۔ وہ بادشاہ کے دربار سے چلا تو راستے بھر اس بادشاہ کا معاملہ اور فوجوں کی کثرت پر سوچتا رہا یہاں تک کہ اپنے بادشاہ عبد القادر کے پاس جا پہنچا۔ اس کا رنگ فق تھا اور مارے ڈر کے وہ کانپ رہا تھا۔ اس حالت میں اس نے بادشاہ سے سارا ماجرا بیان کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چھتیں ویں رات

سات سو چھتیں ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب وزیر نے بادشاہ عبد القادر سے سارا ماجرا بیان کیا تو وہ گھبرا گیا' اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔

رعیت کے بارے میں ڈرا اور کہنے لگا اے وزیر! اس بادشاہ کا بیٹا آخر کون ہو سکتا ہے؟ اس نے جواب دیا اس کا بیٹا وہی ہے جسے تو نے قتل کئے جانے کا حکم دیا ہے' مگر شکر ہے خدا کا جس نے اس کے قتل کئے جانے میں جلدی نہیں کی ورنہ اس کا باپ ہمارا ملک تباہ کر ڈالتا اور ہمارا مال لوٹ لیتا۔ بادشاہ نے کہا تو نے دیکھا کہ تیری رائے کیسی بری تھی۔ تو نے ہمیں اس کے قتل کا مشورہ دیا تھا۔ بتا کہ اس بڑے بادشاہ کا بیٹا کہاں ہے؟ وزیر نے کہا اے عالی قدر بادشاہ! تو تو اس کے قتل کا حکم دے چکا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ کے ہوش اڑ گئے اور اس کے دل سے یہ آواز نکلی کہ مردو دو! جلاد کو جا کر دیکھو' کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ قتل کر چکا ہو۔ لوگ فوراً جلاد کو بلا لائے۔ جلاد نے حاضر ہوتے ہی کہاں جہاں پناہ! تیرے حکم کے مطابق میں جوان کی گردن اڑا دی ہے۔ بادشاہ نے کہا کتے! اگر یہ سچ نکلا تو میں تیری بھی وہی گت بناؤں گا۔ جلاد نے کہا اے بادشاہ! تو نے ہی تو حکم دیا تھا کہ میں بغیر دوبارہ پوچھے اسے قتل کر دوں۔ بادشاہ نے کہا' میں غصے میں تھا۔ اپنے مرنے سے پہلے سچ بول۔ وہ بولا بادشاہ وہ زندہ ہے۔ بادشاہ خوش ہو گیا۔ اس کے دل کو اطمینان ہوا اور اس نے کہا اسے یہاں لا۔ شنزادہ آیا تو بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے منہ کو بوسہ دیا اور کہا بیٹا! میں خدا سے معافی مانگتا ہوں کہ میں نے تیرے ساتھ یہ برتاؤ کیا' کہیں اپنے باپ ملک اعظم سے کوئی ایسی بات نہ کر دیجیو جس سے میری بے عزتی ہو۔ لڑکے نے پوچھا' جہاں پناہ ملک اعظم کہا ہے؟ اس نے جواب دیا تیری وجہ سے آیا ہوا ہے۔ لڑکے نے

کہا قسم ہے تیری عزت کی میں اس وقت تیرے پاس سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ میں اپنی اور تیری بیٹی کی آبرو کو اس الزام سے بری نہ کر لوں جو تو نے ہم لگایا ہے۔ وہ اب تک پاک اور کنواری ہے۔ دائیوں کو بلوا کر بھی اس کا معائنہ کرا لے' اگر اس کا کنوار پن ٹوٹ گیا ہے تو میں اپنا خون تجھ پر حلال کرتا ہوں اور اگر اس میں اب تک کنوار پن باقی ہے تو میری اور اس کی بے گناہی کا صاف صاف اقرار کر۔

بادشاہ نے دائیوں کو بلوایا۔ انھوں نے شہزادی کا معائنہ کیا تو دیکھا کہ وہ پاک صاف ہے اور بادشاہ کو یہ خبر سنا کر اس سے انعام مانگا۔ بادشاہ نے انہیں انعام دیا اور اپنی پوشاک اتار کر انہیں دے دی۔ اسی طرح اس نے تمام حرم سرا والیوں کو انعام دیا' لوگوں نے خوشبو کی سینیا لا کر درباریوں کو عطر لگایا اور سبھوں کو بے حد خوشی ہوئی۔ اب بادشاہ نے جوان کو گلے لگایا اور اس کے ساتھ بڑی عزت اور احترام اور کا برتاؤ کیا۔ اپنے خاص غلاموں کو حکم دیا کہ اسے حمام لے جائیں۔ جب وہ حمام سے نکلا تو بادشاہ نے اسے نفیس کپڑے پہنائے' اس کے سر پر ہیروں کا تاج رکھا' ریشم کا پٹکا باندھا' جس میں سرخ ہونے کا کام تھا' موتی اور جواہرات ٹنکے ہوئے تھے۔ اس کے بعد اس نے شہزادے کو ایک نایاب گھوڑے پر سوار کیا جس کے اوپر سونے کی زین تھی۔ جواہرات سے مرصع۔ اور درباریوں اور ملک کے رئیسوں کو حکم دیا کہ اس کے ہمراہ جا کر اسے اس کے باپ کے پاس پہنچا آئیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے کہا کہ اپنے باپ ملک اعظم سے کہیو کہ بادشاہ عبد القادر تیرے حکم کے تابع ہے اور ہربات میں تیرا فرمانبردار۔ جوان نے کیا یہ تو میں بہر حال کہوں گا اور وہ رخصت ہو کر باپ کے پاس پہنچا۔ بیٹے کو دیکھتے ہی باپ نہال ہو گیا۔اٹھ کر چند قدم بڑھا اور اسے گلے سے لگا لیا اور لشکر میں خوشی کے نعرے بلند ہو نے لگے۔ اس کے بعد تمام وزیر' لشکری اور سردار حاضر ہوئے' شہزادے کے آگے زمین چومی اور اس کے آنے پر بہت خوش ہوئے۔ بڑا جشن منایا اور شہزادے نے بادشاہ عبد القادر کے شہر والوں کو بھی اجازت دے دی

کہ وہ ملک اعظم کے لشکر والوں کے ساتھ خوشی میں شامل ہوں اور کوئی ان کی روک ٹوک نہ کرے تا کہ وہ اس کی فوجوں اور شان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ جو شخص بازار آیا جایا کرتا تھا اور اس سے پہلے جوان کو وہاں بیٹھا دیکھا کرتا تھا' وہ اس بات پر نہایت تعجب کرتا تھا کہ باوجود اس درجے اور شرافت کے ایسا کام جوان نے کیوں کیا لیکن وہ کہتے تھے کہ محبت بری بلا ہے۔ شہزادی کی محبت نے اس سے یہ سارے کوتک کرائے۔

اب اس کی بے شمار فوج کا چرچا لوگوں سے ہوا یہاں تک کہ اس کی خبر حیات النفوس کو بھی ملی اور اس نے محل پر چڑھ کر دیکھا کہ تمام پہاڑ فوجوں سے بھرے پڑے ہیں۔ شہزادی اپنے باپ کے محل میں نظر بند تھی۔ اور لوگ اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں بادشاہ اس کے بارے میں کیا فیصلہ کرتا ہے۔ آیا خوش ہو کر اسے آزاد کر دیتا ہے یا قتل اور جلائے جانے کا حکم دیتا ہے۔ حیات النفوس کی نظر اس پر پڑی اور اسے معلوم ہوا کہ یہ شہزادے کے باپ کی فوجیں ہیں تو ہوہ ڈری کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شہزادہ مجھے بھول جائے۔ باپ کے ساتھ ہو کر مجھے اپنے دل سے نکال ڈالے اور میرا باپ مجھے قتل کر دے۔ یہ سوچ کر اس نے شہزادے کے پاس ایک لونڈی بھیجی جو اس کے گھر کا کام کیا کرتی تھی اور اس سے کہا کہ شہزادے اردشیر کے پاس جا کر کہو کہ میری آقا تجھے سلام بھیجتی ہے اور وہ بادشاہ کے حکم سے محل میں نظر بند ہے' اسے معلوم نہیں کہ اس کا باپ اسے معاف کر دینا چاہتا ہے یا قتل کرنا' وہ تجھ سے درخواست کرتی ہے کہ اسے بھولیو نہیں' نہ اسے چھوڑ کر چلتا بنیو کیونکہ آج تو بڑا آدمی ہے۔ اگر تو کسی بات کی طرف اشارہ بھی کرے تو کسی کی مجال نہیں کہ وہ اسے نہ مانے۔ اگر تو یہ مناسب سمجھتا ہے کہ اسے اس کے باپ سے چھڑا کر اپنے ساتھ لے جائے تو تیرا احسان ہو گا' کیونکہ یہ ساری بلا تیری ہی وجہ سے اس پر ٹوٹی ہے اور اگر تو یہ مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ تیری غرض اس سے پوری ہو چکی ہے تو اپنے باپ ملک اعظم سے کہہ دیجئے کہ اس کی سفارش اس کے باپ سے کر

دے اور بے اسے آزاد کرائے یہاں سے نہ جائے اور اس کے باپ سے وعدہ لے لے کہ وہ اس کے ساتھ برابر برتاؤ نہ کرے، اس کے قتل کا خیال دل سے نکال دے۔

بس یہ آخری پیغام ہے، خدا تجھے کبھی نامراد نہ کرے! والسلام!

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو سینتیس ویں رات

سات سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب لونڈی نے شہزادی کا پیغام ارد شیر کو سنایا تو وہ رونے لگا اور بولا سن' حیات النفوس میری آقا ہے' میں اس کا غلام اور اس کی محبت کا بندہ۔ میں نہ لذت وصل کو بھول سکتا ہوں' نہ فراق کے زمانے کی تلخی کو۔ شہزادی کے قدم چوم کر اس سے کہیو کہ میں تیرے متعلق اپنے باپ سے گفتگو کروں گا۔ وہ تیرا پیغام لے کر اسی وزیر کو بھیجے گا جو پہلے آیا تھا اور تیرا باپ مخالفت نہیں کر سکے گا۔ اگر تیرا باپ تجھے بلوا کر تجھ سے پوچھے تو انکار نہ کیجیو کیونکہ میں بغیر تیرے وطن نہیں لوٹوں گا۔ لونڈی نے جا کر شہزادی کے ہاتھ چومے اور یہ پیغام سنا دیا۔ وہ مارے خوشی کے رونے لگی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ ادھر جب شہزادہ رات کے وقت اپنے باپ سے تنہائی میں ملا' باپ نے سارا حال پوچھا شہزادے نے تمام باتیں شروع سے لے کر آخر تک بیان کیں تو بادشاہ نے کہا بیٹا! اب تو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لئے کیا کروں؟ اگر تو اسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے تو میں اس کا ملک تباہ کر دوں گا' اس کا مال لوٹ لوں گا اور اس کے گھر والوں کو ذلیل کر ڈالوں گا۔ شہزادہ بولا' ابا جان! میں یہ نہیں چاہتا۔ اس نے میرے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہیں جس کی یہ سزا ہو بلکہ میں شہزادی سے نزدیکی حاصل کرنا چاہتا ہوں' میری خواہش ہے کہ تو ایک ہدیہ تیار کر کے اس کے باپ کے پاس بھیج' لیکن ہدیہ نفیس ہو اور اسی وزیر کے ہاتھ بھیج جو بڑا دانش مند ہے۔ باپ نے خزانے میں سے جو پرانے زمانے سے چلا آتا تھا عمدہ عمدہ چیزیں چن کر بیٹے کو دکھائیں جنہیں اس نے بہت پسند کیا۔ پھر وزیر کو بلا کر اس کے حوالے کر دیں اور اس سے کہا یہ چیزیں بادشاہ عبد القادر کے پاس لے جا کر اس کی بیٹی کو میرے بیٹے کے لئے طلب کرو اس سے کہہ یہ ہدیہ قبول کر اور جواب دے۔ وزیر بادشاہ عبد القادر کی طرف روانہ ہو گیا۔

شہزادے کے چلے آنے کے بعد بادشاہ عبدالقادر بہت غمگین اور ملول تھا اور اسی دھیان میں پریشان کہ اب اس کا ملک تباہ ہوا اور مال لوٹا گیا' وزیر پہنچا' سلام کر کے زمین چومی۔ بادشاہ کھڑا ہو گیا اور اس کا احترام کیا' مگر وزیر جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے پاؤں پر گر پڑا اور کہاں جہاں پناہ' معاف کر' تجھ جیسا شخص مجھ جیسے شخص کے لئے کھڑا ہو' میں تیرے نوکروں کا بھی ادنیٰ غلام ہوں۔ اے بادشاہ سن' شہزادے نے اپنے باپ سے باتیں کی ہیں۔ تیری چند عنایتوں اور مہربانیوں کا ذکر کیا ہے۔ بادشاہ تیرا شکر گزار ہے اور اس نے تیرے اس غلام کے ہاتھ جو تیرے سامنے کھڑا ہے' ایک ہدیہ بھیجا ہے تجھے سلام کیا ہے اور خاص طور پر تیرا احترام کیا ہے۔ بادشاہ کو یقین نہیں آیا' کیونکہ اس پر بہت خوف طاری تھا۔ پھر جب ہدیہ اس کے سامنے رکھا گیا تو اس نے دیکھا کہ یہ ہدیہ اتنا بے بہا ہے کہ دنیا کا کوی بادشاہ اسے خرید نہیں سکتا تو اسے اپنی کم مائیگی محسوس ہونے لگی' اس نے اٹھ کر خدا کی حمد و ثنا کی اور شہزادے کا شکریہ ادا کیا' اب وزیر نے کہا اے مہربان بادشاہ' کان دھر کر سن۔ ملک اعظم تیرے پاس آیا ہے تجھ سے رشتہ کرنا چاہتا ہے اور میں یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ اس کے بیٹے کی شادی تو اپنی بیٹی حیات النفوس سے' جو پاک دامن' شریف زادی اور خزانے کا ہیرا ہے' کر دے' اگر تجھے یہ منظور ہے اور تو اس پر راضی ہے تو مہر کے بارے میں مجھ سے بات چیت کر لے۔ یہ سن کر بادشاہ نے کہا جہاں تک میرا تعلق ہے' مجھے انکار نہیں بلکہ وہ میرے نزدیک بہترین بات ہے۔ اب رہی لڑکی' وہ بالغ' سمجھ دار اور اپنی جان کی مالک ہے۔ اتنا کہہ کر اس نے غلاموں کے سردار کی طرف مخاطب ہو کر کیا میری بیٹی کے پاس جا اور یہ باتیں سنا آ۔ سردار حرم سرا میں پہنچ کر شہزادی کے پاس گیا اور اس کے ہاتھ چوم کر بادشاہ کا پیغام سنایا اور کہا تو کیا جواب دیتی ہے؟

وہ بولی سر آنکھوں سے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو اڑتیسویں رات

سات سو اڑتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ شہزادی کا جواب لے کر غلاموں کا سردار واپس آیا اور بادشاہ کو سنایا۔ بادشاہ بڑا خوش ہوا' ایک نفیس خلعت منگوا کر وزیر کو دیا۔ دس ہزار دینار انعام دیئے اور اس سے کہا کہ بادشاہ کو یہ پیغام پہنچا دے اور اس سے اجازت مانگ کہ میں اس کے پاس حاضر ہوں۔ وزیر بادشاہ عبد القادر سے رخصت ہو کر ملک اعظم کے پاس پہنچا اور اسے جواب پہنچایا اور ساری باتیں بیان کیں۔ شہزادے کا باپ بھی خوش ہو گیا اور شہزادے کا تو یہ حال تھا کہ مارے خوشی کے پھولا نہیں سماتا تھا۔ اس کے بعد ملک اعظم نے اجازت دے دی کہ بادشاہ عبد القادر اس سے آ کر ملے۔ دوسرے ہی دن بادشاہ عبد القادر سوار ہو کر ملک اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عبد القادر کا خیر مقدم کیا' بڑی آؤ بھگت کی' سلام کیا' دونوں بیٹھ گئے' شہزادہ ان کے سامنے کھڑا رہا۔ اب بادشاہ عبد القادر کے ایک خاص مقرر نے اٹھ کر نہایت فصیح و بلیغ تقریر کی جس میں اس شہزادے کو اس کی مطلب براری پر مبارک باد کی کہ اس کی شادی شہزادیوں کی سر تاج سے ہو گئی۔ جب مقرر تقریر کر کے بیٹھ گیا تو ملک اعظم نے ایک صندوق منگوایا جو موتیوں اور جواہرات سے بھرا ہوا تھا جس میں پچاس ہزار دینار بھی تھے اور بادشاہ عبد القادر سے کہنے لگا اس معاملے میں جو طے ہو چکا ہے' میں اپنے بیٹے کی طرف سے وکیل ہوں۔ بادشاہ عبد القادر نے مہر لینا قبول کر لیا اور من جملہ ان کے پچاس ہزار دینار بھی تا کہ وہ انہیں اپنی بیٹی اور شہزادیوں کی سرتاج حیات النفوس کے ولیمے میں صرف کرے۔

اسی وقت قاضی اور گواہ بلوا لئے گئے۔ انہوں نے بادشاہ عبد القادر کی بیٹی اور ملک اعظم کے بیٹے اردشیر کا نکاح نامہ مرتب کر دیا۔ یہ ایک ایسا دن تھا کہ سارے دوست خوش' دشمن اور حاسد ناراض تھے۔ اس کے بعد ولیمے اور دعوتیں ہونے لگیں۔ پھر شہزادہ

شہزادی کے ساتھ ہم بستر ہوا' اس نے دیکھا کہ وہ ایسا موتی ہے جو ابھی تک چھیدا نہیں گیا۔ ایسی بچھڑی ہے جس پر کوئی دوسرا چڑھا نہیں اور وہ پاک لاثانی اور خزانے کا ہیرا ہے۔ یہ ساری باتیں اس نے شہزادی کے باپ سے بھی کہہ دیں۔ ملک اعظم نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ چلنے سے پہلے تو کچھ اور بھی چاہتا ہے؟ اس نے کہا اے بادشاہ! ہاں میں اس وزیر سے بدلہ لینا چاہتا ہوں جس نے ہمارے ساتھ برابر برتاؤ کیا ہے اور اس غلام سے جس نے ہمارے اوپر جھوٹ الزام لگایا۔ ملک اعظم نے فوراً بادشاہ عبد القادر کے پاس قاصد بھیجا کہ وزیر اور غلام بھیج دے۔ اس نے بھیج دیا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو ملک اعظم نے حکم دیا کہ انہیں شہر کے دروازے پر پھانسی دے دی جائے۔ کچھ دن ٹھہرنے کے بعد انہوں نے بادشاہ عبد القادر سے اس کی بیٹی کے لئے سفر کی اجازت مانگی۔ اس نے اپنی بیٹی کے لئے سفر کی تیار کر کے اسے سرخ سونے کے تخت پر بٹھایا جس میں موتی اور ہرے جڑے ہوئے تھے اور جسے اصیل گھوڑے کھینچتے تھے۔ شہزادی نے اپنی ساری کنیزیں' نوکر چاکر ساتھ لئے' ماما بھی بھاگ جانے کے بعد پھر اس کے پاس لوٹ آئی تھی اور اس کی وہی پہلی سی عزت تھی۔ ملک اعظم اور اس کا بیٹا دونوں سوار ہوئے۔ اور بادشاہ عبد القادر اور اس کی تمام رعیا بھی اس کے داماد اور بیٹی کی رخصتی دیکھنے کے لئے آئے۔ یہ دن بہترین دنوں میں سے تھا۔ سرحد پار ہونے لگے تو ملک اعظم نے اپنے سمدھی سے قسم دے کر کہا کہ وہ اپنے ملک کو لوٹ جائے اور وہ ملک اعظم کو سینے سے لگا کر اس کی پیشانی کو بوسہ دے کر' اس کے کرم اور احسان کا شکریہ ادا کر کے رخصت ہو گیا اور کہتا گیا کہ میری بیٹی تیرے سپرد ہے۔ ملک اعظم اور اس کے بیٹے سے وداع ہونے کے بعد وہ اپنی بیٹی کے پاس گیا' اسے گلے سے لگایا۔ بیٹی نے باپ کے ہاتھ چومے' دونوں رونے لگے' پھر بادشاہ عبد القادر اپنے ملک کو لوٹ گیا اور شہزادہ' اس کی بیوی اور اس کا باپ منزلیں طے کرتے ہوئے اپنے وطن

پہنچے وہاں دوبارہ جشن منایا گیا اور نہات عمدہ عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے یہاں تک کہ لذتوں کو کر کرا اور صحبتوں کو درہم برہم' محلوں کو ویران اور قبروں کو آباد کرنے والی موت آ پہنچی۔ یہ اس کہانی کی انتہا ہے۔

○ گلنار بحریہ اور اس کے بیٹے بدر باسم کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------ لوگ یہ کہانی بھی بیان کرتے ہیں کہ پرانے زمانے میں عجم میں شہرمان نامی ایک بادشاہ تھا اور جس کی حکومت خراسان پر تھی۔ اس کی سو کنیزیں تھیں لیکن اس کے نہ کوئی لڑکا ہوا' نہ لڑکی۔ ایک دن وہ بیٹھا افسوس کر رہا تھا کہ میری زندگی کا بڑا حصہ گزر چکا ہے اور خدا نے کوئی بیٹا نہیں دیا جو میرے ملک کا وارث بنے۔ جس طرح کہ میں اپنے باپ دادا کا وارث ہوا ہوں۔ اسی سوچ اور غم و پریشانی کے عالم میں تھا کہ ایک غلام آیا اور اس نے کہا اے میرے آقا! دروازے پر ایک کنیز ہے جو کسی تاجر کے ساتھ آئی ہے۔ اس سے زیادہ حسین ہماری نظر سے تو گزری نہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کنیز اور تاجر کو اندر بلا لا' وہ دونوں اندر آ گئے۔ بادشاہ نے دیکھا کہ وہ مثل ردینی نیزے کے ہے اور ایک ریشمی قبا پہنے ہوئے جس میں سونے کی جھالر ہے۔ جونہی تاجر نے اس کا چہرہ کھولا' سارا محل اس کے حسن سے چمک اٹھا اور اس کی سات لٹیں پاؤں تک لٹک پڑیں جیسے گھوڑوں کی دمیں۔ اس کی آنکھیں سرگیں تھیں' کولہے بھاری' کمر پتلی' وہ بیماروں کی دوا تھی اور آہ بھرنے والوں کا علاج۔ اس کا حسن و جمال اور قدو قامت دیکھ کر بادشاہ حیران رہ گیا اور تاجر سے پوچھا بڑے میاں! یہ کنیز کتنے کی ہے؟ تاجر نے کہا' اے میرے آقا! میں نے اس کے مالک سے دو ہزار دینار میں اسے خریدا تھا' تین سال سے اس کے ساتھ سفر کر رہا ہوں اور یہاں پہنچنے تک میں اس پر تین ہزار دینار خرچ کر چکا ہوں۔ اب یہ کنیز

تیری نذر ہے۔ بادشاہ نے اسے ایک عمدہ خلعت عطا کیا' دس ہزار دینار دینے کا حکم دیا۔ تاجر نے بادشاہ کے ہاتھ چومے' اس کی مہربانی اور احسان کا شکریہ ادا کر کے چل دیا۔ بادشاہ نے کنیز کو بناؤ سنگار کرنے والیوں کے حوالے کیا اور ان سے کہا کہ اس کی آراستگی و پیراستگی کرو' اسے سنوار کر ایک سجے ہوئے کمرے میں رکھو۔ حاجبوں کو حکم دیا کہ جن جن چیزوں کی اسے ضرورت ہو' اس کے کمرے میں منتقل کر دو۔ ملک کا وہ حصہ جہاں بادشاہ کی محل سرا تھی' سمندر کے کنارے واقع تھا اور اس کے دار السلطنت کا نام مدینہ بیضا تھا۔ کنیز کمرے میں پہنچا دی گئی۔ اس کمرے کے جھروکے سمندر کی طرف تھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

سات سو انتالیسویں رات

سات سو انتالیسویں رات ہوئی اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بادشاہ کنیز کے پاس گیا تو کنیز نے اس سے کوئی بات نہ کی بلکہ اس کی طرف متوجہ بھی نہ ہوئی۔ بادشاہ کو خیال ہوا شاید وہ ایسے لوگوں کے ساتھ رہی ہے جنھوں نے شعور اور تمیز اسے بالکل نہیں سکھایا لیکن وہ بادشاہ نے دیکھا کہ کنیز حسن و جمال اور قد و قامت کے لحاظ سے لا جواب ہے' اس کا چہرہ ایسا ہے جیسے پورے چاند کا دائرہ یا جیسے صاف آسمان پر چمکتا ہوا سورج' اس کی آنکھیں چندھیانے لگیں اور وہ خدا کی پاکی بیان کرنے لگا جس کی قدرت اتنی بڑی ہے۔ پھر وہ آگے بڑھ کر کنیز کے پاس بیٹھ گیا' اسے سینے سے لگایا' اپنی گود میں بٹھایا۔ اس کے ہونٹ چوسے جو شہد سے بھی زیادہ میٹھے تھے۔ اس کے بعد بادشاہ نے عمدہ عمدہ کھانوں کا دستر خوان چنوائے۔ خود بھی کھایا اور اسے بھی نوالے بنا بنا کر دیتا رہا یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئی تا ہم اس نے کوئی بات نہ کی۔ بادشاہ اس سے باتیں کرتا اور اس کا نام پوچھتا لیکن وہ چپ تھی۔ نہ بات کرتی نہ جواب دیتی بلکہ سر نیچا کئے بیٹھی رہی۔ جو چیز اسے بادشاہ کے غصے سے بچاتی وہ اس کا حسن و جمال اور ناز و انداز تھا۔ بادشاہ اپنے دل میں کہتا پاک ہے وہ خدا جس نے اس کنیز کو پیدا کیا۔ وہ کیسی پیاری ہے؟ لیکن وہ بولتی کیوں نہیں' ہاں ہر چیز کی قدرت تو خدا ہی کو ہے۔ اب بادشاہ نے لونڈیوں سے پوچھا کہ تم نے بھی اسے بولتے سنا؟ انھوں نے جواب دیا' جب سے وہ آئی اس وقت تک نہ ہم سے اس نے بات کی نہ ہم نے اس کو بولتے سنا۔ بادشاہ نے چند کنیزوں بلا کر کہا کہ اس کے آگے گائیں اور اس کا دل بہلائیں ممکن ہے کہ وہ باتیں کرنے لگے کنیزوں نے طرح طرح کے راگ گائے اور باجے بجائے یہاں تک کہ مجلس والے سب مزے میں آ گئے لیکن لڑکی چپ چاپ ان کی طرف دیکھتی رہی' نہ ہنسی نہ بولی۔ اس سے بادشاہ کو بڑی پریشانی

ہوئی۔ اس نے کنیزوں کو رخصت کر دیا اور لڑکی کے ساتھ رہ گیا' اپنے کپڑے اتارے اور اس کے بھی۔ دیکھا کہ اس کا بدن ایسا ہے جیسے چاندی کا ڈھلا ہوا ٹکڑا۔ وہ اور زیادہ چاہنے لگا۔ اس کے بعد بادشاہ نے اٹھ کر اس کا کنوار پن زائل کیا' معلوم ہوا کہ وہ اس وقت تک بالکل باکرہ تھی' اور زیادہ خوش ہوا اپنے جی میں کہنے لگا یا اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک کنیز اتنی سڈول اور خوبصورت ہو اور تاجر اسے یونہی چھوڑ دیں۔

غرض کہ بادشاہ بالکل اسی کنیز کا ہو رہا۔ باقی تمام کنیزوں کو بالکل چھوڑ دیا۔ اس طرح ایک سال گزر گیا گویا وہ ایک دن تھا لیکن اس نے کوئی بات نہ کی۔ ایک دن جب کہ مارے محبت کے بادشاہ کی حالت بہت خراب تھی' وہ کہنے لگا اے دلوں کی تمنا' تیری محبت میرے دل میں سب سے زیادہ ہے اور تیری وجہ سے میں نے تمام لونڈیوں' کنیزوں' عورتوں اور باندیوں کو چھوڑ رکھا ہے' فقط تیرا ہو گیا ہوں۔ ایک سال تک صبر بھی کیا ہے اور خدا سے دعا مانگتا رہا ہوں کہ وہ تیرا دل نرم کر دے اور تو مجھ سے باتیں کرے۔ اگر تو گونگی ہے تو اشارے سے بتا دے تا کہ میں تیری گفتگو سے نا امید ہو جاؤں۔ میں خدا سے امید کرتا کہ وہ مجھے تجھ سے ایک بیٹا عطا کرے جو میرے بعد ملک کا مالک ہو کیونکہ میں اکیلا ہوں۔ میرا کوئی وارث نہیں اور میری عمر زیادہ ہو چکی ہے۔ میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں اگر تجھے مجھ سے محبت ہے تو مجھے جواب دے۔ لڑکی سر نیچا کر کے سوچنے لگی پھر سر اٹھایا اور بادشاہ کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ بادشاہ کو ایسا معلوم ہوا کہ کمرے میں بجلی چمک گئی اور لڑکی بولی اے باہمت بادشاہ اور دلیر شیر' خدا نے تیری دعا منظو کر لی ہے' میں تجھ سے حاملہ ہو گئی ہوں اور بچہ پیدا ہونے کا وقت قریب ہے لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ لڑکا ہو گا یا لڑکی۔ اگر مجھے تجھ سے حمل نہ رہ گیا ہوتا تو میں ایک بات بھی نہ کرتی۔ بادشاہ نے یہ باتیں سنیں تو مارے خوشی کے اس کی باچھیں کھل گئیں' خوش ہو کر وہ اس کا سر چومنے لگا اور کہا شکر ہے خدا کا کہ اس نے مجھے وہ تمام چیزیں عطا کر دیں جن کی مجھے آرزو

تھی۔ اول تو تیرا بات کرنا' دوسرے تیرا کہنا کہ تو مجھ سے حاملہ ہے۔ اب بادشاہ بے حد خوش خوش اس کے پاس سے اٹھ کر باہر آیا' تخت پر بیٹھا اور وزیر سے کہا خدا کے شکریے میں غریبوں' فقیروں اور ناداروں کو ایک لاکھ دینار صدقہ دے۔ بادشاہ نے جو کہا تھا' وزیر نے اس کی تعمیل کی۔

اس کے بعد بادشاہ پھر لڑکی کے پاس گیا اور اس کے پاس بیٹھ کر اسے سینے سے لگا لیا اور کہنے لگا اے میری آقا اور میرے دل و جان کے مالک تو پورے ایک سال سے میرے ساتھ رہتی سہتی اور سوتی جاگتی رہی' پھر یہ خاموشی کیسی تھی؟ آج سے پہلے تو نے مجھ سے بات تک نہ کی' آخر اس چپ رہنے کا سبب کیا تھا؟ لڑکی نے کہا' جہاں پناہ! سن میں مسکین پردیسن اور شکستہ دل ہوں' میری ماں' میرا خاندان اور بھائی بند مجھ سے چھوٹ گئے ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ اس کا مقصد سمجھ گیا اور بولا تیرا یہ کہنا کہ تو مسکین ہے' بے جا ہے کیونکہ میری ساری ملکیت' مال و دولت اور گھر بار سب تیری خدمت میں ہیں حتیٰ کہ میں بھی تیرا غلام ہو گیا ہوں۔ ہاں تیری یہ بات کہ تو اپنی ماں' اپنے خاندان اور بھائی بندوں سے جدا ہو گئی ہے' مگر اس کا علاج نا ممکن نہیں' بتا کہ وہ کہاں ہیں' میں انہیں تیرے پاس بلا دوں گا۔ لڑکی نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سن میرا نام گلنار بحریہ ہے۔ میرا باپ بحری بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔ جب وہ فوت ہو چکا تو اس کا ملک ہمارے قبضے میں آیا۔ اسی حالت میں ایک بادشاہ نے ہم پر حملہ کیا اور ہمارا ملک چھین لیا۔ میرا ایک بھائی ہے' اس کا نام صالح ہے۔ میری ماں بھی بحری عورتوں میں سے ہے۔ مجھ میں اور میرے بھائی میں کچھ جھگڑا ہو گیا' میں نے قسم کھائی کہ میں کسی بری آدمی کے پاس چلی جاؤں گی۔ یہ کہہ کر میں سمندر سے نکلی اور ایک جزیرے کے کنارے چاندنی رات میں آ کر بیٹھ گئی۔ ادھر سے ایک شخص گزرا' مجھے اپنے گھر لے گیا اور چاہا کہ میرے ساتھ برا کام کرے' لیکن میں نے اس کے سر پر اس زور سے گھونسا مارا کہ وہ مرتے مرتے بچا۔ اس نے مجھے لے جا کر اس شخص کے ہاتھ بیچا جس سے تو نے مجھے خریدا ہے' وہ بڑا

نیک' پارسا' دین دار' امین اور بامروت شخص ہے اگر تو دل سے مجھے نہ چاہتا اور مجھے اپنی تمام کنیزوں پر ترجیح نہ دیتا تو میں تیرے پاس ایک لمحہ بھی نہ ٹھہرتی بلکہ اس جھروکے کے راستے سمندر میں کود پڑتی' اپنی ماں اور اپنے لوگوں کے پاس چل دیتی' مگر میں شرماتی تھی کہ تیرا حمل لے کر ان کے پاس جاؤں' وہ میری طرف سے بد گمانی کریں' میرا کہنا سچ نہ مانیں' خواہ میں کتنی ہی قسمیں کھاؤں اور ان سے کہوں کہ تو نے مجھے ترجیح دی ہے۔ یہ ہے میری کہانی اور بس!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چالیسویں رات

سات سو چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ شہرمان نے گلنار بحریہ کی باتیں سنیں تو اس کا شکریہ ادا کیا' اس کا ماتھا چوما اور کہنے لگا اے میری آقا اور میری آنکھ کا نور! میں ایک دم کے لئے بھی تیری جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر تو چلی گئی تو میں مر جاؤں گا۔ اچھا اب کیا کرنا چاہئے؟ لڑکی نے کہا اے میرے آقا! ولادت کا زمانہ قریب آ گیا ہے اور یہ ضروری ہے کہ اس وقت میرے خاندان والے آ کر میرے ساتھ رہیں' کیونکہ خشکی کی عورتیں سمندر کی لڑکیوں کے بچے پیدا کرانے کا طریقہ نہیں جانتیں اور نہ سمندر کی عورتیں خشکی والیوں کے بچے جنانے کا طریقہ جانتی جانتی ہیں۔ میرے لوگ آ جائیں گے تو وہ مجھے دیکھ کر خوش ہو جائیں گے اور میں انہیں دیکھ کر۔ بادشاہ نے پوچھا کیا وہ پانی میں چلتے ہیں اور بھیگتے نہیں؟ لڑکی نے جواب دیا جیسے تم لوگ خشکی پر چلتے ہو ویسے ہی ہم ان طلسمات کے زور سے جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی پر کندہ ہیں' پانی پر چل سکتے ہیں' لیکن اے بادشاہ' جب میرے خاندان والے اور بھائی بہن آئیں گے تو میں ان سے کہوں گی تو نے مجھے داموں سے خریدا ہے' میرے ساتھ بھلائی اور احسان کیا ہے' تجھے چاہئے کہ ان کے سامنے میری تصدیق کرے' باقی باتیں تو وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ تو بادشاہ ہے اور شاہی خاندان سے ہے۔ یہ سن کر بادشاہ بولا اے میری آقا! جو تیرا جی چاہے کہ میں ہر بات میں تیرا فرمانبردار ہوں۔ لڑکی نے کہا جہاں پناہ! سن جب ہم سمندر میں چلتے ہیں تو ہماری آنکھیں کھلی ہوتی ہیں' ہمیں سمندر کی تمام چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور ان سے کچھ ضرر نہیں پہنچتا۔ ہمیں سورج' چاند' تارے اور آسمان اسی طرح دکھائی دیتے ہیں' جیسے زمین پر' اور یہ بھی سن لے کہ سمندر میں بے حد قسم کی مخلوقات ہیں جن کی صورتیں شکلیں خشکی کی مخلوقات سے

مختلف ہیں اور تجھے یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ خشکی کی تمام چیزیں پانی کی چیزوں سے بہت کم ہیں۔ اس پر بادشاہ کو بڑا اچنبھا ہوا۔

اس کے بعد لڑکی نے اپنے کندھے کے پاس دو دو ٹکڑے قماری عود کے نکالے اور ان میں سے ایک ٹکڑا توڑ کر انگیٹھی میں ڈال دیا۔ سیٹی بجائی اور کچھ پڑھنے لگی جو کسی کی سمجھ میں نہ آ سکتا تھا۔ بادشاہ کے دیکھتے دیکھتے' ایک دھواں اٹھا' لڑکی نے کہا اے میرے مولا' اٹھ کر ایک کمرے میں چھپ جا کہ تو میرے بھائی بندوں' ماں اور خاندان والوں کو دیکھے اور وہ تجھے نہ دیکھ سکیں۔ میں انہیں ابھی بلانا چاہتی ہوں اور تو ابھی اسی جگہ عجیب و غریب نظارہ دیکھے گا۔ بادشاہ فوراً اٹھ کر ایک کمرے میں چلا گیا اور دیکھنے لگا کہ وہ کیا کرتی ہے۔ لڑکی دھونی دیتی اور جادو پڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ سمندر میں جھاگ اٹھنے لگی' پانی کو جنبش ہوئی اور اس میں سے ایک حسین جوان نکلا۔ جیسے پورا چاند۔ اس کی پیشانی چمک دار تھی۔ رخسار سرخ' دانت موتیوں اور جواہرات کی طرح وہ اپنی بہن سے بے حد مشابہ تھا۔ اس کے بعد ایک بوڑھی عورت نکلی جس کے بال کھچڑی تھے۔ اس کے بعد پانچ لڑکیاں اور چاند جیسی تھیں اور گلنار سے مشابہ۔ بادشاہ نے دیکھا کہ وہ جوان' بڑھیا اور لڑکیاں پانی سے گزرتی ہوئی جھروکے کے پاس پہنچیں۔ جونہی گلنار کی نظر ان پر پڑی' وہ اٹھ کھڑی ہوئی' اس نے بڑی خوشی سے ان کا خیر مقدم کیا۔ انھوں نے گلنار کو جو دیکھا تو پہچان لیا۔ پاس آ کر اس کے گلے لپٹ گئیں' چیخیں مار مار کر رونے لگیں اور کہا اے گلنار! تو نے چار سال سے ہمیں کیوں چھوڑ رکھا ہے۔ ہمیں یہ بھی خبر نہیں کہ تو ہے کہاں؟ خدا کی قسم تیری جدائی کی وجہ سے ہمارے آگے دنیا تنگ تھی۔ ہمیں ایک دن بھی نہ کھانا بھایا نہ پینا بلکہ ہم دن رات تیری تمنا میں روتے رہے۔ اس کے بعد لڑکی اپنے بھائی' ماں چچیری بہنوں کے ہاتھ چومنے لگی۔

تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد انھوں نے اس کی حالت اور سرگزشت پوچھی' اس نے کہا سنو'

تمہیں چھوڑ کر میں سمندر سے نکل اور ایک جزیرے کے کنارے جا کر بیٹھ گئی۔ وہاں سے ایک شخص مجھے لے گیا اور ایک تاجر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ وہ تاجر مجھے لے کر شہر میں آیا اور مجھے دس ہزار دینار میں یہاں کے بادشاہ کے ہاتھ فروخت کیا۔ بادشاہ مجھ سے ہم بستر ہوا' میری وجہ سے اس نے اپنی تمام لونڈیوں' کنیزوں اور بیویوں کو چھوڑ دیا' اپنا گھر بار اور شہر کی حکومت چھوڑ کر وہ فقط میرا ہو گیا۔ لڑکی کی باتیں سن کر بھائی نے کہا شکر ہے خدا کا کہ اس نے ہمیں تجھ سے ملا دیا لیکن بہن! میں چاہتا ہوں کہ تو ہمارے ساتھ وطن اور گھر والوں کے پاس چلے۔ اس کے بھائی کی یہ باتیں سنتے ہی بادشاہ کے ہوش جاتے رہے وہ ڈرا کہ کہیں وہ اپنے بھائی کی بات مان نہ لے او میں اس کی محبت کا مارا اسے روک نہ سکوں۔ اس کی جدائی کا خیال کر کے وہ بہت گھبرایا' لیکن گلنار بولی۔ بھائی واللہ! جس شخص نے مجھے خریدا ہے' وہ اس شہر کا بادشاہ ہے اور بڑا بادشاہ' دانش مند' بے حد سخی اور شریف۔ وہ مجھے بڑی عزت اور احترام سے رکھتا ہے۔ وہ بڑا با مروت اور مال دار ہے مگر نہ اس کے کوئی لڑکا نہ لڑکی۔ اس کا میرے اوپر بڑا احسان ہے' کوئی بھلائی نہیں جو اس نے میرے ساتھ نہ کی ہو۔ جب سے میں آئی ہوں' اس وقت سے آج تک میں نے کوئی ایسی بری بات اس کے منہ سے نہیں سنی جس سے میرا دل دکھا ہو۔ وہ ہمیشہ میرے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا رہا اور بے میرے مشورے کے کوئی کام نہیں کرتا' میں اس کے ساتھ نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کر رہی ہوں اور یہ بھی بات ہے کہ اگر میں اس سے جدا ہوئی تو وہ مر جائے گا۔ کیونکہ وہ دم بھر بھی میری جدائی گوارا نہیں کرتا۔ اس کا مجھ پر اتنا احسان ہے کہ میں بھی اس کی محبت میں جان دے دوں گی۔ اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو وہ بھی مجھے اتنی اچھی طرح سے نہ رکھتا جیسے کہ یہ بڑا اور جلیل القدر بادشاہ رکھتا ہے اور تم لوگ یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ میں اس سے حاملہ ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے سمندر کے بادشاہ کی بیٹی بنایا اور میرے شوہر کو خشکی کا سب سے بڑا بادشاہ۔ خدا نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا بلکہ جو لیا' اس سے بہتر دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اکتالیسویں رات

سات سو اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ گلنار نے اپنے بھائی سے کہا کہ خدا نے جو لیا' اس سے بہتر دیا۔ بادشاہ کے نہ کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی۔ میں خدا سے دعا مانگتی ہوں کہ وہ مجھے ایک بیٹا عطا کرے تا کہ وہ اس بڑے بادشاہ کے مکانوں' محلوں اور ملک کا وارث بنے۔ یہ باتیں سن کر اس کے بھائی اور چچیری بہنوں کا دل ٹھنڈا ہوا' انھوں نے کہا اے گلنار' تو جانتی ہے کہ ہم تجھے کتنا عزیز رکھتے ہیں اور کس قدر چاہتے ہیں یہاں تک کہ تجھ سے زیادہ عزت اور احترام کسی اور کا نہیں کرتے اور تجھے یقین ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ تو آرام سے رہے اور تجھے کوئی تکلیف نہ ہو۔ لہٰذا اگر تو تکلیف میں ہو تو ہمارے ساتھ اپنے ملک و وطن کو چل اور اگر تجھے یہاں عیش و آرام ہے' تو عزت اور خوشی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہے ہماری تو بس یہی ہماری مراد اور تمنا ہے۔ ہماری تو یہی آرزو ہے کہ تو جہاں رہے خوش رہے۔

گلنار نے کہا خدا کی قسم! میں بہت خوشی' آرام اور عزت و آبرو کی زندگی بسر کرتی ہوں۔ بادشاہ نے یہ سنا تو وہ خوش ہو گیا اس کے دل کو اطمینان ہوا۔ وہ اس کا شکر گزار ہوا اور اس کی محبت پہلے سے زیادہ اس کے دل میں جا گزیں ہو گئی اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ بھی مجھے ایسا ہی چاہتی ہے جیسے میں اسے چاہتا ہوں اور وہ آرزو مند ہے کہ اپنا بیٹا دیکھے جو میرے نطفے سے ہونے والا ہے۔ اس کے بعد گلنار بحریہ نے لونڈیوں کو حکم دیا کہ دستر خوان بچھائیں اور طرح طرح کا کھانا چنیں۔ گلنار نے خود باورچی خانے میں جا کر کھانے نکالے' باندیوں نے کھانے اور مٹھائیاں اور پھل لا کر پیش کیے اور گلنار اور اس کے خاندان والے کھانے لگے۔

پھر انھوں نے کہا' اے گلنار! تیرے آقا سے ابھی تک ہمارا تعارف نہیں ہوا۔ ہم بغیر اس کی اجازت کے اس کے مکان میں آئے ہیں' اسے ہماری خبر تک نہیں تو اس کی

مہر بانیوں کی اتنی تعریف کر رہی ہے اور اس سے ملاقی نہیں۔ علاوہ اس کے تو نے اس کا کھانا ہمارے سامنے پیش کیا اور ہم نے کھایا ہے حالانکہ ہماری اس سے ملاقات تک نہیں ہوئی۔ نہ اس نے ہمیں دیکھا' نہ ہم نے اسے' نہ وہ ہمارے پاس آیا نہ اس نے ہمارے ساتھ کھانا کھایا' نہ ہمارے اور اس کے درمیان روٹی اور نمک کا واسطہ ہوا۔ یہ کہہ کر سب نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ گلنار پر خفا ہونے لگے اور ان کے نتھنوں سے مشعل کی طرح آگ نکلنے لگی۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کے ہوش اڑ گئے۔

گلنار نے اٹھ کر ان کا غصہ ٹھنڈا کیا اور اس کمرے میں آئی جہاں اس کا آقا بادشاہ تھا اور کہنے لگی اے میرے آقا تو نے دیکھا اور سنا کہ میں نے کس طرح تیرا شکریہ ادا کیا اور اپنے لوگوں کے سامنے تیری کتنی تعریف کی۔ اور تو نے یہ بھی سنا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ بادشاہ بولا میں نے سب کچھ دیکھا اور سنا' خدا تجھے اس کا اچھا بدلہ دے۔ خدا کی قسم اس مبارک گھڑی سے پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ تو میری محبت کی اتنی قدر کرتی ہے۔ اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ تو مجھ سے محبت کرتی ہے۔ لڑکی نے کہا اے میرے آقا' احسان کا بدلہ تو احسان ہے۔ تو نے میرے اوپر احسان کیا' مجھے نعمتوں سے مالا مال کر دیا اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ تو مجھے بے حد پیار کرتا ہے۔ تو نے میرے ساتھ بڑی بڑی بھلائیاں کی ہیں اور اپنی تمام پیاری چیزیں چھوڑ کر میرا ہو گیا ہے۔ تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تو میرے اوپر احسان اور مہربانی کرے اور میں چاہوں کہ تجھ سے جدا ہو جاؤں اور تجھے چھوڑ کر چلتی بنوں۔ اب میں چاہتی ہوں تو مہربانی فرما کر چل اور میرے عزیزوں کو سلام کرتا کہ وہ تجھ سے ملیں اور تو ان سے ملے' تیرے اور ان کے درمیان محبت اور اخلاص پیدا ہو جائے۔ جہاں پناہ! میرے بھائی' ماں اور چچیری بہنوں کو تجھ سے بے حد محبت ہو گئی ہے۔ میں نے ان سے تیری تعریف کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم بغیر بادشاہ سے ملے اور اسے سلام کیئے نہ جائیں گے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تجھے دیکھیں اور تجھ سے مانوس ہوں۔ بادشاہ نے کہا سر آنکھوں سے' میں بھی یہی چاہتا ہوں۔

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور ان کے پاس جا کر نہایت ادب سے سلام کیا۔ وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑی عزت کے ساتھ اس سے ملے۔ بادشاہ نے ان کے ساتھ بیٹھ کر دستر خوان پر کھانا کھایا' اس کے بعد بادشاہ اور وہ لوگ تیس دن تک ساتھ رہے' پھر ان کا ارادہ ہوا کہ اپنے وطن اور گھر بار کی راہ لیں اور بادشاہ اور ملکہ گلنار بحریہ کی اجازت لے کر نہایت عزت اور احتام کے ساتھ رخصت ہوئے۔ گلنار کے حمل کا زمانہ پورا ہو چکا تھا۔ ولادت کا وقت آ گیا۔ اس کے ہاں لڑکا ہوا جیسے چودھیوں رات کا پورا چاند۔ بادشاہ بہت خوش ہوا کیونکہ عمر بھر نہ اس کے لڑکا ہوا تھا نہ لڑکی۔ سات دن تک برابر جشن منائے گئے اور سب کو بڑی خوشی اور مسرت ہوئی۔ ساتویں روز ملکہ گلنار کی ماں' بھائی اور کل چچیری بہنیں آئیں کیونکہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ گلنار کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو بیالیسویں رات

سات سو بیالسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب گلنار کے اولاد ہوئی تو اور اس کے رشتے دار اس کے پاس آئے تو بادشاہ نے ان کا خیر مقدم کیا' ان کے آنے پر بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا میں نے سوچا تھا کہ اپنے بیٹے کا نام نہیں رکھوں گا جب تک کہ تم نہ آ جاؤ۔ اب تم جو چاہو' اس کا نام رکھو۔ انھوں نے اس کا نام بدر باسم رکھا۔ سب نے یہ نام پسند کیا۔ اس کے بعد انھوں نے بچے کو اس کے ماموں صالح کے حوالے کیا اور وہ اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر محل میں ادھر ادھر ٹہلتے ٹہلتے محل سے نکل کر سمندر میں اتر گیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ وہ اس کے بیٹے کو لے کر سمندر کی تھاہ میں غائب ہو گیا تو وہ اسے ہاتھ دھو بیٹھا اور رونے پیٹنے لگا۔ گلنار اس کی یہ حالت دیکھ کر کہنے لگی جہاں پناہ! ڈرو نہیں' اپنے بیٹے پر غمگین نہ ہو۔ میں اسے تجھ سے زیادہ چاہتی ہوں' وہ تو میرے بھائی کے ساتھ ہے' سمندر کی پروا نہ کر اور بیٹے کو ڈوبنے کا ڈر اپنے دل سے نکال دے۔ اگر میرے بھائی کو یہ معلوم ہوتا کہ بچے کو نقصان پہنچے گا تو وہ ایسا ہرگز نہ کرتا۔ اگر خدا نے چاہا تو وہ تیرے بیٹے کو صحیح و سالم لے کر ابھی تیرے پاس آ جائے گا۔ دم بھر بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ سمندر میں جنبش ہوئی اور شہزادہ اپنے ماموں کے ساتھ صحیح و سالم نکل آیا۔ صالح بچے کو ہاتھوں پر لئے ہوئے اڑا اور ان کے پاس آ پہنچا۔ بچہ رویا نہ ڈرا۔ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ اس کے بعد بچے کے ماموں نے بادشاہ کی طرف دیکھ کر کہا شاید تو ڈرا ہو گا کہ کہیں بچے کو کچھ نقصان نہ پہنچ جائے کیونکہ میں اسے لے کر سمندر کے اندر چلا گیا تھا۔ بادشاہ نے کہا اے میرے آقا! ہاں۔ میرے دل میں بڑی دھکڑ پکڑ تھی' میرا خیال تھا کہ وہ ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا۔ ماموں نے کہا اے خشکی کے بادشاہ! میں نے اس کی آنکھوں میں ایک سرمہ لگایا ہے جس

کا پتہ محض ہمیں لوگوں کو ہے اور اس پر وہ طلسم پڑھا ہے جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہا السلام کی انگوٹی پر کندہ ہے۔ ہمارے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ہم اس کے ساتھ یہی کرتے ہیں۔ اب وہ جس سمندر میں چاہے' چلا جائے نہ اسے ڈوبنے کا ڈر ہے نہ دم گھٹنے کا۔ جس طرح تم لوگ خشکی پر چلتے ہو' ہم لوگ سمندر میں چلتے ہیں۔

یہ کہہ کر صالح نے اپنی جیب سے ایک صندوقچی نکالی جس پر طلسمات کندہ تھے اور مہر لگی ہوئی تھی۔ اس کا مہر توڑ کر اسے الٹ دیا' اس میں سے قسم قسم کے یاقوت اور ہیرے پروئے ہوئے نکل پڑے۔ من جملہ ان کے تین سو چھڑیں زمرد کی تھیں اور تین سو نلیاں جن میں شتر مرغ کے انڈوں کے برابر ہیرے' جن کی چمک کے آگے سورج اور چاند مات تھے۔ اور کہنے لگا جہاں پناہ! یہ ہیرے اور یاقوت میری طرف سے تیرے لئے ہدیہ ہیں۔ پہلی بار ہم اس کے لئے کوئی ہدیہ نہ لا سکے کہ ہمیں خبر ہی نہ تھی کہ گلنار کہاں ہے' نہ اس کا پتہ نشان ہیں معلوم تھا نہ تو اس کی کوئی اطلاع ملی تھی۔ لیکن جب ہم نے دیکھا کہ تو اس سے رشتہ قائم کر چکا ہے اور ہم سب ایک ہو گئے ہیں تو ہم اب یہ ہدیہ لے کر آئے ہیں اگر خدا کو منظور ہے تو ہم ہمیشہ ایسا ہی ہدیہ لایا کریں گے کیونکہ جتنے خشکی پر کنکر پتھر ہیں اس سے زیادہ ہمارے ہاں ہیرے اور یاقوت ہیں۔ ہم ان میں سے اچھے اور برے کی تمیز کر سکتے ہیں۔ ہمیں وہ راستے جگہیں معلوم ہیں جہاں وہ پائے جاتے ہیں۔ اور وہ ہمیں آسانی سے مل جاتے ہیں۔ اتنے ہیرے اور یاقوت دیکھ کر بادشاہ کے ہوش اڑ گئے۔ وہ کہنے لگا خدا کی قسم ان میں سے ایک ایک ہیرے کی قیمت میرے ملک کے برابر ہے۔ پھر بادشاہ نے صالح کا شکریہ ادا کیا اور ملکہ گل نار کی طرف دیکھ کر کہنے لگا' میں تیرے بھائی کے آگے شرماتا ہوں۔ اس نے مجھے ایسا ہدیہ عطا فرمایا ہے جس سے تمام دنیا والے عاجز ہیں۔ گل نار نے اپنے بھائی کا شکریہ ادا کیا۔ اس نے جواب دیا کہ جہاں پناہ! پہلے تو تو نے ہی ہمارے اوپر احسان کیا ہے اور اس لئے ہمارا فرض تھا کہ ہم تیرا شکریہ ادا کریں۔ تو نے میری بہن پر

احسان کیا ہے اور ہم نے تیرے گھر آ کر تیری روٹی کھائی ہے۔ جہاں پناہ! اگر ہم ایک ہزار سال تک منہ کے بل کھڑے ہو کر بھی تیری خدمت کریں تب بھی تیرا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ یہ تیری نیک دلی کا بدلہ جو کچھ ہم نے دیا ہے' کم ہے۔ بادشاہ نے مسکرا کر اس شکریہ ادا کیا۔

بادشاہ کے ہاں اپنی ماں اور چچیری بہنوں کے ساتھ چالیس دن تک ٹھہرنے کے بعد صالح نے اپنے بہنوئی بادشاہ کے آگے زمین چومی۔ بادشاہ بولا صالح' کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا جہاں پناہ! تو نے ہمارے اوپر بڑی مہربانیاں کی ہیں' اب ہماری درخواست ہے کہ ہم پر یہ احسان کر' ہمیں جانے کی اجازت دے دے۔ ہمیں اپنا گھر بار' وطن اور اہل و عیال یاد آ رہے ہیں۔ لیکن ہم تیری' اپنی بہن اور بھانجے کی خدمت میں حاضر ہوتے رہا کریں گے۔ جہاں پناہ! ہمارا دل تم لوگوں کو چھوڑنے کو نہیں چاہتا' مگر کیا کیا جائے! ہم سمندر میں پلے بڑھے ہیں' خشکی پر ہمارا جی نہیں لگتا۔ یہ سن کر بادشاہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے صالح بحری' اس کی ماں اور چچیری بہنوں کو رخصت کیا وہ سب رونے لگے اور انہوں نے کہا' ہم عنقریب پھر آئیں گے اور تمہیں کبھی نہ چھوڑیں گے بلکہ ہر تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد ملاقات کیا کریں گے۔

اس کے بعد وہ اڑے اور سمندر میں اتر کر غائب ہو گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو تینتالیس ویں رات

سات سو تینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ سمندر میں وہ لوگ غائب ہو گئے۔ اب بادشاہ گلنار کی اور زیادہ آؤ بھگت کرنے لگا۔ بچہ بڑھنے پلنے لگا۔ اس کا ماموں' نانی' ممانی اور ماں کی چچیری بہنیں بادشاہ کے ہاں اکثر آتیں' مہینے دو مہینے ٹھہر کر اپنے گھر چلی جاتیں۔ لڑکا عمر کے ساتھ حسن و جمال میں بھی ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ اس کی عمر پندرہ سال ہو گئی' وہ خوب روئی اور قد و قامت میں یکتا ہو گیا۔ تاریخ' نحو' لغت' وغیرہ ہر علم میں پوری قابلیت حاصل کر لی۔ نیزہ بازی' شہ سواری اور ان تمام فنون میں جن کی ضرورت شہزادوں کو ہوتی ہے' کمال پیدا ہو گیا۔ شہر والوں میں نہ کوئی مرد ایسا تھا' نہ عورت جس کی زبان پر اس کی تعریف نہ ہو کیونکہ وہ جمال اور کمال دونوں میں لاثانی تھا' اسی وجہ سے بادشاہ بھی اسے بہت پیار کرتا تھا۔

ایک روز بادشاہ نے وزیروں' امیروں منصب داروں اور سرداروں کو اکٹھا کر کے انہیں قسم دی کہ وہ اس کے بعد اس کے بیٹے بدر باسم کو بادشاہ بنائیں۔ سب نے نہایت خوشی سے قسم کھائی۔ سب کے دل میں بادشاہ کی محبت تھی۔ ہر ایک کے ساتھ وہ احسان کرتا' نرمی سے پیش آتا اور ایسا کام بھی نہ کرتا جس میں رعیت کی بھلائی نہ ہو۔

اس کے بعد دوسرے دن بادشاہ مع منصب داروں' تمام امرا اور سرداروں کے شہر گیا' واپسی میں محل کے قریب پہنچ کر بادشاہ اپنے بیٹے کی عزت افزائی کے لئے گھوڑے سے اتر پڑا' پیدل چلنے لگا۔ اس کے امرا اور منصب دار تھوڑی دور تک باری باری اس کا دامن ہاتھ میں لے کر چلتے محل کے دروازے پر پہنچے۔ اب بیٹا گھوڑے سے اتر' اس کے باپ اور تمام امرا نے اسے سینے سے لگا کر شاہی تخت پر بٹھایا۔ سب اس کے سامنے کھڑے ہو گئے اور بدر باسم حکومت کرنے لگا۔ اس نے ظالموں کو معزول اور

نصاف پسندوں کو والی بنانا شروع کیا۔ اسی طرح وہ ظہر کے قریب تک حکومت کرتا رہا اور پھر تخت سے اتر کر تاج پہنے ہوئے اپنی ماں گلنار بحریہ کے پاس گیا' اس وقت وہ چاند سا معلوم ہوتا تھا۔ جونہی اس کی ماں نے اسے اور بادشاہ کو اپنے سامنے دیکھا تو اٹھ کر اسے بوسہ دیا اور بادشاہ ہونے کی مبارک باد' اور خدا سے دعا مانگی کہ وہ اور اس کا باپ دیر تک زندہ رہیں اور انہیں دشمنوں پر فتح نصیب ہو! اب وہ عصر تک اپنی ماں کے پاس بیٹھ کر آرام کرتا رہا۔ پھر سوار ہو کر امرا کے ساتھ چل دیا اور میدان میں پہنچ کر اپنے باپ اور امرا کو ہتھیاروں کے کرتب دکھائے اور عشاء کے وقت سب کے ساتھ میں لوٹا۔ یہ اس کا روزانہ کا معمول تھا کہ پہلے میدان جاتا' وہاں سے پلٹتا تو رعیا کے کاروبار میں مشغول ہو جاتا' امیر اور غریب کے درمیان انصاف کرتا۔
اسی طرح سے ایک سال گزرنے کے بعد اس نے سیر و شکار کے لئے جانا شروع کر دیا اور ان شہروں اور صوبوں میں دورہ کرنے لگا جو اس کی حکومت میں تھے۔ ان میں امن و اطمینان پیدا کیا۔ اور وہ تمام کاروائیاں کیں جو بادشاہ کیا کرتے ہیں۔ عزت' بہادری اور انصاف کرنے میں یکتا ہو گیا۔
انہی دنوں میں اتفاق سے بدر باسم کا باپ بادشاہ یکا یک اتنا بیمار پڑا کہ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اسے یہ معلوم ہوا کہ اب میں اس دنیا سے رخصت ہو کر دوسری دنیا میں جانے والا ہوں اور بیماری نے اتنا زور پکڑا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گیا اس نے بیٹے کو بلا کو وصیت کی کہ رعایا کی خبر گیری سے غافل نہ رہیو' ماں کے ساتھ اچھا سلوک کیجیو اور تمام منصب داروں اور زیر دستوں کا خیال رکھیو۔ اسی طرح اس نے امرا' وزرا کو بھی دوبارہ قسم دی کہ وہ اس کے بیٹے کی اطاعت کریں گے اور ان سے خوب مضبوط عہد و پیمان باندھا۔ اسی بیماری میں اس کا انتقال ہو گیا۔ خدا اس پر رحم کرے! اس کے بیٹے باسم' اس کی بیوی گلنار' تمام امیروں اور وزیروں اور سرداروں کو بہت افسوس ہوا' انہوں نے اس کی تجہیز و تکفین کی۔ پورے ایک مہینے تک اس کا سوگ کرتے رہے۔ اس کے بعد گلنار کا بھائی صالح' اس کی ماں اور چچیری بہنیں آئیں۔ بادشاہ

کے مرنے پر سب نے تعزیت کی اور کہا، اے گلنار اگرچہ بادشاہ مر گیا ہے لیکن اس نے ایک سعادت مند بیٹا چھوڑا ہے اور جس نے ایسا بیٹا چھوڑا ہو، وہ مرتا نہیں، بیٹا بے نظیر اور بہادر شیر ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چوالیسویں رات

سات سو چوالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ نہوں نے کہا' بیٹا بے نظیر' بہادر شیر اور آب و تاب والا چاند ہے' پھر امر ااور سرداروں نے بادشاہ بدر باسم کے پاس آ کر کہا اے بادشاہ! بادشاہوں پر جتنا افسوس کیا جائے' بجا ہے لیکن سوگ تو کچھ عوتوں پر ہی پھبتا ہے۔ تو اپنے باپ پر سوگ کر کے اپنا اور ہمارا دل غمگین نہ کر' وہ تو مر گیا لیکن تجھے چھوڑ گیا ہے اور جو تجھ جیسے کو چھوڑے' وہ مرتا نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے نرم نرم باتیں کر کے اسے تسلی دی اور حمام گئے۔ وہ حمام سے نکلا تو اس نے نہایت نفیس پوشاک پہنی جس کا تانا سونے کا تھا اور جس میں ہیرے اور یاقوت ٹنکے ہوئے تھے۔ وہ سر پر شاہی تاج رکھ کر تخت پر بیٹھا اور رعیت کے کاروبار میں مشغول ہو گیا' قوی اور ضعیف میں انصاف کرنے لگا اور امیر سے غریب کا حق دلایا۔ لوگ اس سے بڑی محبت کرنے لگے۔ ایک سال تک یہی حالت رہی۔ اس کے بحری رشتے دار اکثر آتے جاتے رہتے جس سے اسے بہت خوشی ہوتی اور آنکھیں ٹھنڈی رہتیں۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ صالح گلنار کے پاس آیا' اسے سلام کیا۔ وہ اٹھی' بھائی کو گلے لگا کر اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا بھائی' تیرا مزاج کیسا ہے؟ اماں اور چچیری بہنوں کا کیا حال ہے؟ وہ بولا بہن' وہ سب بخیر و عافیت ہیں۔ مزے سے ہیں اور سوائے تیرے دیدار کے انہیں کسی بات کی کمی نہیں۔ اس کے بعد گلنار بھائی کے لئے کھانا لائی۔ اس نے کھانا کھایا' پھر دونوں میں باتیں ہونے لگیں۔ باتوں باتوں میں بادشاہ بدر باسم اس کے حسن و جمال' قد و قامت ' شہ سواری' عقل اور آداب کا ذکر آ گیا۔ اس وقت بادشاہ بدر باسم تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ماموں اس کی باتیں کر رہے ہیں تو وہ سونے کا بہانہ کر کے لیٹ گیا اور ان کی باتیں سننے لگا۔ صالح کو اپنی بہن گلنار

سے کہتے سنا کہ تیرے بیٹے کی عمر سترہ سال ہو چکی ہے اور ابھی تک اس کا بیاہ نہیں ہوا' مجھے ڈر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے کوئی بیٹا ہی پیدا نہ ہو' اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس کا بیاہ کسی بحری شہزادی سے کرا دوں جو اسی کی طرح حسین و جمیل ہو۔ گلنار بولی ان کا نام ایک ایک کر کے لے۔ میں ان سب کو جانتی ہوں۔ وہ ایک ایک کا نام لیتا جاتا اور گلنار کہتی جاتی کہ یہ مجھے اپنے بیٹے کے لئے پسند نہیں' میں اس کا بیاہ کسی ایسی سے کرنا چاہتی ہوں جو حسن و جمال' عقل و دین' ادب و مروت' سلطنت اور حسب نسب میں اس کے برابر ہو صالح بولا میں سو سے زیادہ لڑکیاں بتا چکا ہوں لیکن ان میں سے تجھے کوئی پسند نہیں' اب محض ایک بحری شہزادی باقی رہ گئی ہے' مگر بہن یہ دیکھ لے کہ تیرا بیٹا سو رہا ہے یا نہیں۔ اس نے جا کر دیکھا۔ بیٹا اسے سوتا ہوا دکھائی دیا اور اس نے آ کر کہا وہ سو رہا ہے' تو کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس کے سونے نہ سونے سے تیرا کیا مقصد ہے؟ صالح نے کہا بہن میرے خیال میں ایک بحری شہزادی آئی ہے جو تیرے بیٹے کے لئے مناسب ہو گی مگر مجھے ڈر ہے کہیں وہ جاگتا نہ ہو' میں شہزادی کا ذکر کروں' تیرا بیٹا اس کی محبت میں گرفتار ہو جائے اور وہ اسے مل نہ سکے پھر وہ ہم' اور اس کے تمام امرا مصیبت میں پھنس جائیں اور پریشان ہوں۔

صالح کی بہن نے یہ باتیں سنیں تو کہنے لگی' کہہ تو سہی یہ لڑکی کون ہے اور اس کا نام کیا ہے۔ وہ کون سی بحری لڑکی ہے جسے میں نہیں جانتی خواہ وہ بادشاہوں کی بیٹی ہو یا کسی دوسرے کی؟ اگر میں دیکھوں گی کہ وہ اس کے قابل ہے تو اس کے باپ کے پاس پیغام بھیجوں گی چاہے اس میں میرا تمام مال و دولت ہی خرچ کیوں نہ ہو جائے۔ آخر کہہ تو سہی ڈر نہیں' میرا بیٹا سو رہا ہے۔ بھائی نے پھر کہا کہیں وہ جاگتا نہ ہو۔ گلنار بولی بھائی کہہ' باتیں نہ بنا اور خوف نہ کر۔ وہ بولا واللہ بہن' تیرے بیٹے کے لئے بادشاہ سمندل کی بیٹی شہزادی جوہرہ کے سوا اور کوئی مناسب نہیں۔ وہ حسن و جمال' خوب روئی اور تم اوصاف میں اس کے ہم پلہ ہے اور اس سے زیادہ خوبصورت

نہ سمندر میں کوئی ہے اور نہ ہی خشکی پر' وہ حسین' خوش قامت اور سڈول ہے' اس کے رخسار سرخ' پیشانی روشن' دانت ہیروں کی طرح' آنکھیں پیاری پیاری' کولہے بھاری' کمر پتلی اور چہرہ خوبصورت ہے۔ جب وہ دیکھتی ہے تو نیل گائیں اور غزال شرمندہ ہو جاتے ہیں اور جب وہ چلتی ہے تو بید کی شاخ اس پر حسد کرنے لگتی ہے۔ جب وہ نقاب اٹھاتی ہے تو سورج اور چاند شرما جاتے ہیں اور جو اسے دیکھتا ہے' گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اس کے ہونٹ میٹھے اور پہلو نرم نرم ہیں۔ گلنار نے کہا بھائی تو سچ کہتا ہے۔ جب ہم چھوٹے تھے تو وہ میری سہیلی تھی۔ میں نے کئی بار اسے دیکھا ہے۔ آج ہم ایک دوسرے کو پہچان نہ سکیں گے کیونکہ ہم اس سے دور جا پڑے ہیں اور اٹھارہ سال سے اسے نہیں دیکھا۔ واللہ سوائے اس کے اور کوئی میرے بیٹے کا جوڑ نہیں۔ جب بدر باسم نے باتیں سنیں اور شروع سے آخر تک اس کی سمجھ میں آ گیا جو صالح نے شہزادی جوہرہ کے متعلق کہا تھا جو بادشاہ سمندل کی بیٹی تھی تو اسے اس نادیدہ کے ساتھ عشق ہو گیا۔ انہیں تو یہ خیال تھا کہ وہ سو رہا ہے مگر اس کے دل میں جوہرہ کی محبت کی آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ ایسے سمندر میں ڈوب گیا تھا جس کا نہ کنارہ تھا' نہ تھاہ۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو پینتالیسویں رات

سات سو پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ادھر صالح اور گلنار میں یہ باتیں ہو رہی تھیں' ادھر بدر باسم شہزادی کی محبت میں گرفتار ہو چلا جاتا تھا۔ صالح نے اپنی بہن گلنار کی طرف مخاطب ہو کر کہا بہن' خدا کی قسم! سمندر کے بادشاہوں میں نہ اس کے باپ سے زیادہ بے وقوف کوئی ہے نہ' طاقتور اس لئے جب تک اس کا باپ ہمارا پیغام منظور نہ کرے' اپنے بیٹے سے لڑکی کا بالکل ذکر نہ کیجیو۔ اگر اس نے مہربانی کر کے منظور کر لیا تو ہمیں خدا کا شکر گزار ہونا چاہئے لیکن اگر اس نے رد کر دیا اور اپنی بیٹی کا نکاح تیرے بیٹے سے نہ کیا تو پھر ہم کسی اور جگہ پیغام بھیجیں گے۔ گلنار نے اپنے بھائی صالح کی بات سن کر کہا' تیری رائے بہت ٹھیک ہے۔ اس کے بعد وہ چپ ہو گئے اور جا کر سو رہے۔ بدر باسم کے دل میں شہزادی جوہرہ کے عشق کی آگ بھڑکتی رہی لیکن اس نے اپنا بھید کسی سے نہ کیا۔ شہزادی کا نام نہ ماں کے آگے لیا نہ ماموں کے آگے اگرچہ وہ اس کی محبت کے انگاروں پر تڑپ رہا تھا۔ جب صبح ہوتی تو بادشاہ اور اس کا ماموں دونوں حمام گئے۔ نہا کر وہاں سے نکلے تو انہوں نے شراب پی' کھانا کھایا تو بادشاہ بدر باسم' اس کی ماں اور ماموں نے کھایا۔ کھا کر ہاتھ دھوئے اس کے بعد صالح اٹھا' بادشاہ بدر باسم اور اس کی ماں سے کہا تم لوگوں کی اجازت سے میں اپنی ماں کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ بہت دن ہو گئے ہیں' ان کا جی مجھ میں لگا ہوا ہو گا' وہ میری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔ بادشاہ بدر باسم نے کہا' ماموں صالح! آج کے دن اور ٹھہر جا' اس نے اس کا کہنا مان لیا۔ وہ بولا ماموں میرے ساتھ باغ میں چل۔ دونوں باغ میں جا کر ٹہلنے اور چہل قدمی کرنے لگے۔ بادشاہ بدر باسم ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور چاہتا تھا کہ ذرا ستانے کو سو جائے لیکن وہ باتیں یاد کر کے جو اس کے ماموں صالح نے لڑکی کی تعریف میں

بیان کی تھیں اور اس کے حسن و جمال کا خیال کر کے زار زار رونے اور آہیں بھرنے لگا۔

یہ کہہ کر اس نے ماموں صالح کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور کہنے لگا "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ------ ولا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم" پھر بولا بیٹا' کیا تو نے وہ تمام باتیں سنیں ہیں جو میں نے اور تیری ماں نے شہزادی جوہرہ کے متعلق کی ہیں اور اس کی تعریف کی ہے؟ بدر باسم نے کہا ماموں' ہاں اور صرف تمہاری باتیں ہی سن کر میں اس پر عاشق ہو گیا ہوں۔ میرا دل اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے اور میں بے قرار ہوں۔

ماموں نے کہا بھانجے' اچھا تو آ ہم چل کر تیری ماں سے سارا قصہ بیان کریں اور اس سے اجازت لیں کہ میں تجھے اپنے ساتھ لے جا کر شہزادی جوہرہ کو تیر پیغام دوں۔ اس سے رخصت ہونا ضروری ہے' اگر میں بغیر اس کی اجازت کے تجھے لے جاؤں گا' وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی اور حق بجانب ہو گی کیونکہ اب ایک بار وہ خود میری وجہ سے ہم سے جدا ہوئی اور اب بھی میں ہی تم دونوں کی جدائی کا سبب ہو رہا ہوں' پھر یہ بھی ہے کہ شہر بغیر بادشاہ کے رہ جائے گا' کوئی رعایا کا حال دیکھنے بھالنے والا نہ ہو گا' ملک کی حالت خراب ہو جائے گی اور وہ تیرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

اپنے ماموں صالح کی یہ باتیں سن کر بدر باسم نے کہا ماموں' سن' اگر میں نے اپنی ماں سے رائے لی تو وہ مجھے ہر گز ایسا نہ کرنے دے گی' اس لئے میں ہرگز اس کے پاس جا کر اس کی رائے نہیں لوں گا۔ یہ کہہ کر وہ ماموں کے آگے رونے لگا اور کہا میں ماں سے بالکل نہ کہوں گا بلکہ تیرے ساتھ چلوں گا اور پھر لوٹ کر آ جاؤں گا۔

صالح حیران پریشان ہو گیا اور کہنے لگا میں دعا کرتا ہوں کہ خدا ہر حال میں ہماری مدد کرے! صالح نے اپنے بھانجے کی یہ حالت دیکھی اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ اپنی ماں کے پاس نہیں جانا چاہتا بلکہ الگ ہی الگ اس کے ساتھ چلنا چاہتا ہے تو اس نے اپنی انگلی سے ایک انگوٹھی اتاری جس پر خدا کے کئی نام کندہ تھے۔ اور اسے بادشاہ بدر باسم کو دے کر کہا' اسے اپنی انگلی میں پہن لے تا کہ تو ڈوبنے ' بحری جانوروں

او مچھلیوں کی ایذا سے محفوظ رہے۔ بدر باسم نے اپنے ماموں صالح سے وہ انگوٹھی لے کر اپنی انگلی میں پہن لی۔ اور دونوں نے پانی میں غوطہ مارا۔

اور شہر زاد کر صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

- ## سات سو چھیالیسویں رات

سات سو چھیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ بدر باسم اور اس کا ماموں صالح سمندر میں غوطہ لگا کر روانہ ہوئے اور چلتے چلتے صالح کے محل میں پہنچ گئے' جب وہ اندر گئے اور اس کی نانی کی نظر اس پر پڑی جو اپنے رشتے داروں کے ساتھ بیٹھی تھی تو دونوں نے ان سب کے ہاتھ چومے' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اسے گلے سے لگایا اور اس کی پیشانی کو بوسہ دے کر نانی نے کہا بیٹا! تیرا آنا مبارک ہو! تیری ماں گلنار کیسی ہے؟ اس نے جواب دیا بخیر و عافیت ہے' تجھے اور اپنی چچیری بہنوں کو سلام کہا ہے۔ اس کے بعد صالح نے اپنی ماں سے وہ باتیں کہیں جو اس کے اور اس کی بہن گلنار کے درمیان ہوئی تھیں اور یہ کہ بادشاہ بدر باسم بادشاہ سمندل کی بیٹی شہزادی جوہرہ کی تعریف سن کر اس پر نادیدہ عاشق ہو گیا ہے اور اس نے شروع سے آخر تک تمام ماجرا بیان سنا دیا اور کہا کہ وہ محض اس وجہ سے آیا ہے کہ شہزادی کے باپ کو پیغام دے کر اس کے ساتھ شادی کرے۔ بادشاہ بدر باسم کی نانی' صالح کی یہ باتیں سن کر طیش میں آ گئی۔ بہت پریشان ہوئی اور نہایت افسوس کے ساتھ کہنے لگی' بیٹا! تو نے غلطی کی کہ بادشاہ سمندل کی بیٹی شہزادی جوہر کا ذکر اپنے بھانجے کے سامنے کیا۔ تو جانتا ہے کہ بادشاہ سمندل بڑا احمق' ظالم' کم عقل' زبردست اور اپنی بیٹی جوہرہ کے معاملے میں بڑا بخیل ہے' سمندر کے سارے بادشاہوں کے پاس سے جوہرہ کا پیغام آ چکا ہے لیکن اس نے انکار کر دیا' کسی کو بھی پسند نہیں کیا۔ سب کو رد کر کے ان سے کہہ دیا کہ نہ تو تم حسن و جمال میں اس کے برابر ہو نہ کسی اور بات میں۔ ہمیں ڈر ہے کہ ہم شہزادی کا پیغام اس کے باپ کے پاس لے جائیں اور وہ ہمیں بھی اوروں کی طرح دھتکار دے۔ ہم لوگ بڑے غیرت مند ہیں۔ اس سے

ہماری بڑی بے آبروئی اور دل شکنی ہو گی۔

ماں کی یہ باتیں سن کر صالح نے کہا اماں تو پھر اب کیا کیا جائے؟ جب میں نے اس لڑکی کا ذکر اپنی گلنار بہن سے کیا تھا سی وقت سے بادشاہ بدر باسم اس پر عاشق ہو گیا ہے' وہ کہتا ہے کہ میں ضرور اس کے باپ کو پیغام دوں گا' خواہ مجھے اپنا سارا ملک دے دینا پڑے اور یقین ہے کہ اگر اس نے شہزادی کے ساتھ شادی نہ کی تو وہ اس کی محبت میں جان دے دے گا۔ صالح نے اپنی ماں سے یہ بھی کہا کہ میرا بھانجا اس سے کہیں زیادہ حسین و جمیل ہے۔ اس کے علاوہ اس کا باپ سارے عجم کا بادشاہ تھا اور اب وہ بادشاہ ہے۔ اس لئے جوہرہ سوائے اس کے اور کسی کے قابل نہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اس کے باپ کی شان کے شایاں یاقوت لے جاؤں اور اس سے اس کی بیٹی کی طلب کروں۔ اگر وہ حجت پیش کرے گا کہ میں بادشاہ ہوں تو وہ بھی بادشاہ کا بیٹا خود بادشاہ ہے۔ اگر وہ خوبصورتی کے متعلق بحث کرے گا تو وہ اس کی بیٹی سے زیادہ خوبصورت ہے' اگر وہ حکومت کی بڑائی بیچ میں لائے گا تو اس کا ملک شہزادی اور اس کے باپ کے ملک سے بڑا ہے' اس کی فوجیں اور لشکر بھی زیادہ ہے۔ سوائے اس کے اب اور کوئی چارہ نہیں کہ میں اپنے بھانجے کا مقصد پورا کرنے کی کوشش کروں' خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ مجھ ہی سے یہ قصہ چلا ہے اور جس طرح میں نے اسے عشق کے سمندر میں ڈالا ہے' اسی طرح میں اسے کے نکاح کی کوشش کروں گا اور اس میں خدا میری مدد کرے گا۔ ماں نے کہا جیسی تیری مرضی ہو کر۔ لیکن خبر دار اس سے سخت کلامی نہ کیجیو' تو اس کی حماقت اور طاقت سے خوب واقف ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تجھے اس سے نقصان نہ پہنچ جائے کیونکہ وہ کسی کو دھیان میں نہیں لاتا۔ صالح نے کہا سر آنکھوں پر اور اٹھ کر دو تھیلیاں لیکن جن میں ہیرے' یاقوت' زمرد کی چھڑیں' اور طرح طرح کے قیمتی پتھر تھے اور انہیں اپنے غلاموں کے سروں پر رکھوایا اور اپنے بھانجے کے ساتھ بادشاہ سمندل کے محل پر پہنچا اور اندر جانے کی اجازت مانگی۔ اسے اجازت مل گئی۔ اور وہ اندر چلا گیا تو اس

نے سمندل کے آگے زمین چومی اور نہایت آؤ بھگت کے ساتھ اسے بٹھایا۔ تھوڑی دیر تک بیٹھنے کے بعد بادشاہ نے کہا اے صالح' تیرا آنا مبارک ہو تو نے ہمیں بالکل چھوڑ دیا ہے۔ بتا تو کس ضرورت سے آیا ہے تا کہ میں اس ے پورا کروں۔ صالح نے اٹھ کر دوبارہ زمین چومی اور کہاں جہاں پناہ! میری حاجت خدا سے ہے اور اس کے بعد ایسے باہمت اور شیر دل بادشاہ سے جس کی تعریفیں سوار ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں' جس کی سخاوت' احسان' عفو اور دریا دلی کی شہرت' اقلیموں او ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے دونوں تھیلیاں کھولیں' ان میں سے ہیرے وغیرہ نکال کر بادشاہ سمندل کہ آگے پھیلا دیئے اور کہنے لگا جہاں پناہ! ممکن ہے کہ تو میرا ہدیہ قبول کر کے میرا دل ہاتھ میں لے لے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو سینتالیسویں رات

سات سو سینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب صالح نے کہا کہ میر ہدیہ قبول کر کے مجھے خوش کر دے' تو بادشاہ بولا' اس ہدیے کے دینے کی کیا وجہ ہے؟ ماجرا کہہ اور اپنی حاجت بیان کر۔ اگر میں اسے پورا کر سکتا ہوں تو فوراً پورا کر دوں گا اور تجھے کوئی تکلیف اٹھانی نہیں پڑے گی اور اگر میں اسے پورا کرنے سے عاجز ہوں گا تو خدا بھی کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ صالح نے اٹھ کر تین بار زمین چومی اور کہا جہاں پناہ میری حاجت ایسی ہے جسے تو پورا کر سکتا ہے' وہ تیری طاقت میں ہے اور تو اس کا مالک ہے۔ میں بادشاہ کو کسی تکلیف میں ڈالنا نہیں چاہتا' نہ میں اتنا پاگل ہوں کہ بادشاہ سے کوئی ایسی بات کہوں جو اس کے ہاتھ میں نہ ہو ایک حکیم کا قول ہے اگر تو چاہتا ہے کہ لوگ تیری مات مانیں تو ایسی بات نہ چاہ جو لوگوں کی طاقت سے باہر ہو۔ رہی وہ حاجت جو میں بادشاہ سے مانگنے آیا ہوں' خدا اسے اپنی پناہ میں رکھے اس کے اختیار میں ہے۔ بادشاہ بولا' مانگ اپنی حاجت' صاف صاف بات کر اور کہہ کیا چاہتا ہے۔ صالح نے کہا' جہاں پناہ! سن میں بے بہا موتی اور خزانے کا ہیرا تیری بیٹی جوہرہ کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ اے بادشاہ مجھے نامراد نہ لوٹائیو۔

یہ سن کر بادشاہ اتنا ہنسا کہ لوٹ گیا۔ صالح کا مذاق اڑانے لگا اور کہا اے صالح! میں تو سمجھتا تھا کہ تو عقل مند اور سمجھدار انسان ہے جو سیدھی راہ چلتا اور ٹھکانے کی بات کرتا ہے لیکن تیری عقل کیا کیا ہو گیا جو تو ایسی بڑی بات کرتا ہے اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈالتا ہے؟ تو ایسے بادشاہوں کی بیٹیاں مانگتا ہے جو ملکوں اور اقلیموں کے مالک ہیں؟ تو اتنا بڑا کہاں سے آیا کہ اس مرتبے پر پہنچنا چاہتا ہے؟ کیا تعیر عقل ماری گئی ہے میرے آگے ایسی باتیں کرتا ہے؟ صالح نے کہا خدا بادشاہ کا بھلا کرے!

میں اسے اپنے لئے نہیں مانگتا اور اگر میں اسے اپنے لئے بھی مانگتا تو میں اس سے کم نہیں ہوں۔ مانا کہ آج تو ہمارے اوپر حکومت کرتا ہے لیکن تجھے معلوم ہے کہ میرا باپ بھی سمندر کا بادشاہ تھا' مگر میں تو اسے بادشاہ بدر باسم کے لئے مانگتا ہوں جو عجم کی اقلیموں کا مالک ہے' اس کا باپ شہر مان تھا جس کی قوت سے تو خوب واقف ہے۔ اگر تو سمجھتا ہے کہ تو بادشاہ ہے تو بدر باسم تجھ سے بڑا ہے' اگر تیرا دعویٰ ہے کہ تیری بیٹی حسین ہے تو بادشاہ بدر باسم اس سے بھی زیادہ حسین اور خوب رو ہے اور حسب نسب میں اس سے بڑھ چڑھ کر ہے کیونکہ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا شہ سوار ہے۔ جہاں پناہ اگر تو نے میری درخواست مان لی تو گویا تو نے چیز کو اس کی جگہ رکھا اور اگر تو نے اپنے آپ کو ہم سے بڑا سمجھا تو تو نے ہماری ساتھ نا انصافی کی اور ٹھیک سلوک نہ کیا۔ اے بادشاہ! تو جانتا ہے کہ تیری بیٹی شہزادی جوہرہ ایک نہ ایک دن بیاہ کرنا ہے' حکیموں کا قول ہے کہ لڑکی کے لئے یا بیاہ ہے یا قبر۔ اگر تو اس کا بیاہ کرنا چاہتا ہے تو میرا بھانجا سب سے زیادہ مستحق ہے۔

بادشاہ نے صالح کی باتیں سنیں تو اسے طیش آ گیا۔ اس کی عقل جاتی رہی' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی روح پرواز کر جائے گی۔ اس نے کہا اے کتے! تجھ جیسا شخص میرے سامنے ایسی باتیں کرتا ہے۔ مجلس میں میری بیٹی کا نام لیتا ہے اور کہتا ہے کہ تیری بہن گلنار کا بیٹا اس کا ہم پلہ ہے۔ تو کون اور تیری بہن کیا۔ اس کا بیٹا کون اور بیٹے کا باپ کیا جو تو مجھ سے ایسی باتیں کرتا ہے اور مجھے یوں مخاطب کرتا ہے۔ میری بیٹی کے مقابلے میں تمہاری حیثیت کتے سے زیادہ نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے غلاموں کو آواز دی اور کہا اے غلامو! اس مردود کا سر اتار لو۔ غلام تلواریں کھینچ اس کے پیچھے دوڑے اور وہ جان بچا کر محل کے دروازے کی طرف بھاگا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ وہاں اس کے چچیرے بھائی' رشتے' کنبے والے غلام جمع ہیں۔ ان کی تعداد ہزار سے زیادہ تھی اور سب لو ہے اور زرہ بکتر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں نیزے اور چمکتی ہوئی تلواریں تھیں۔ صالح کو اس حالت میں دیکھ کر انہوں

نے ماجرا پوچھا۔ اس نے ساری سر گزشت بیان کر دی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں اس کی ماں نے اس کی مدد کی لئے بھیجا تھا۔ صالح کا قصہ سن کر انہیں یقین ہو گیا کہ بادشاہ بڑا احمق اور ہٹ دھرم ہے۔ وہ گھوڑوں سے اتر تلواریں کھینچ کر بادشاہ سمندل کے پاس پہنچ گئے۔ دیکھا کہ وہ کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور ان لوگوں کی اسے بالکل خبر نہیں۔ صالح پر سخت ناراض ہے' اس کے نوکر چاکر' غلام اور سپاہی بھی غافل ہیں۔ بادشاہ نے انہیں ننگی تلواریں لئے ہوئے دیکھا تو اپنے لوگوں سے چلا کر کہا مردودو' ان کتوں کا سر اڑا دو۔ مگر ذرا سی ہی دیر میں بادشاہ سمندل کے لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ صالح اور اس کے رشتے داروں نے سمندل کو پکڑ کر اس کی مشکیں باندھ لیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اڑتالیسویں رات

سات سو اڑتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ صالح اور اس کے رشتے داروں نے بادشاہ سمندل کے مشکیں باندھ لیں۔ جوہرہ کو جب معلوم ہوا

کہ اس کا باپ گرفتار ہو گیا ہے اور اس کا لشکر مارا گیا تو وہ محل سے نکل کو بھاگی اور ایک جزیرے میں جا کر ایک اونچے درخت پر چڑھ گئی اور وہاں چھپ رہی۔ جس وقت دونوں لشکروں میں لڑائی ہوئی۔ اور بادشاہ سمندل کے کچھ غلام بھاگے نکلے تو بدر باسم نے انہیں دیکھا اور حال دریافت کیا۔ انہوں نے سارا ماجرا بیان کیا' اس نے یہ سن کر کہ بادشاہ سمندل پکڑا گیا ہے تو اسے اپنی جان کے لالے پڑے' وہ بھاگا اور اپنے دل میں کہنے لگا۔ کہ یہ ساری مصیبت میری وجہ سے آئی ہے۔ یہ لوگ میری ہی تلاش میں ہوں گے اور اسے اپنی جان بچانے کی فکر پڑ گئی۔ وہ بھاگا مگر اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جائے۔ قسمت اسے اسی جزیرے میں لے گئی جہاں بادشاہ سمندل کی بیٹی جوہرہ تھی اور اسی درخت کے نیچے آ کر مردے کی طرح گر پڑا اور لیٹ کر ستانا چاہا۔ اسے کیا خبر تھی کہ لوگ جس کے پیچھے پڑے ہوں ' اسے چین کہاں نصیب۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس کے لئے تقدیر کے پردے میں کیا پوشیدہ ہے۔ وہ لیٹا ہوا تھا کہ اس کی نظر درخت کے اوپر پڑی' جوہرہ سے آنکھیں چار ہو گئیں اس نے دیکھا گویا چاند نکل آیا ہے۔ کہنے لگا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے یہ عجیب و غریب شکل بنائی ہے' اسی نے سب چیزیں پیدا کی ہیں اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔ واللہ اگر میرا دل سچ کہتا ہے تو بادشاہ سمندل کی بیٹی جوہرہ یہی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ جب اس نے سنا ہو گا کہ دونوں لشکروں میں لڑائی ہو رہی ہے تو وہاں سے بھاگی اور اس جزیرے میں آ کر اس درخت کے اوپر چھپ گئی ہے اور اگر یہ شہزادی جوہرہ نہیں تو کوئی اس سے بھی زیادہ خوبصورت لڑکی ہے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا اور اپنے دل میں

کہنے لگا' اس کا حال تو پوچھا چاہئے اگر وہ جوہرہ ہے تو میں خود اس کو نکاح کا پیغام دوں گا' وہی تو میری محبوبہ ہے۔

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور جوہرہ سے کہنے لگا اے بے حد پیاری محبوبہ تو کون ہے اور تجھے یہاں کون لایا ہے؟ جوہرہ کی نظر بدر باسم پر پڑی تو اسے ایسا معلوم ہوا گویا چودھویں رات کا چاند کالے بادلوں میں سے نکل آیا ہے۔ بدن چھریرا' چہرہ ہنس مکھ ہے۔ وہ بولی اے حسین' میں بادشاہ سمندل کی بیٹی شہزادی جوہرہ ہوں اور بھاگ کر یہاں آئی ہوں۔ صالح اور اس کی فوج نے میرے باپ پر چڑھائی کر کے اس کی فوج کو قتل کر ڈالا ہے اور میرے باپ کو باقی فوج سمیت گرفتار کر لیا ہے۔ میں اس ڈر سے بھاگ آئی ہوں کہ کہیں ماری نہ جاؤں۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے باپ کا کیا حشر ہوا۔ اس عجیب و غریب اتفاق پر بادشا بدر باسم کو بڑا تعجب ہوا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگے اس کے باپ کے پکڑے جانے کی وجہ سے میری مراد بر آئی اور اس کی طرف دیکھ کر کہا اے میری آقا' اتر آ کیونکہ میں محبت کا مارا ہوں اور تیری آنکھوں کا گرفتار' میری اور تیری ہی وجہ سے یہ سارا فتنہ و فساد اور لڑائیاں پر برپا ہوئی ہیں۔ سن میں ہی عجم کا بادشاہ بدر باسم ہوں اور صالح میرا ماموں ہے۔ اسی نے تیرے باپ کے پاس جا کر تیری شادی کا پیغام دیا تھا' تیری ہی وجہ ہے میں اپنا ملک چھوڑ کر آیا ہوں' خدا کی قدرت ہے کہ ہم اس جگہ آ کر ملے۔ اتر کر میرے پاس آ تا کہ میں تیرے ساتھ تیرے باپ کے محل میں چلوں اور اپنے ماموں سے کہوں کہ اسے چھوڑ دے اور میں حلال طریقے سے تیرے ساتھ شادی کر لوں۔ بدر باسم کی باتیں سن کر جوہرہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ اسی موئے کی بدولت یہ سارا قصہ پیش آیا ہے' میرا باپ قید ہوا ہے اس کے حاجب اور درباری قتل ہوئے ہیں اور میں نے اپنے محل سے بھاگ کر اس جزیرے میں پناہ لی ہے۔ اگر میں نے اس سے بچنے کے لئے کوئی چال نہ چلی تو وہ مجھے پکڑ کر اپنا مقصد حاصل کر لے گا۔ وہ عاشق ہے اور اگر عاشق ایسا کرے تو کوئی اسے برا نہیں کہتا۔ یہ سوچ کر اس نے باتیں بنائیں اور نرمی سے گفتگو کرنی شروع

کی۔ بدر باسم کو کیا خبر تھی کہ اس کے دل میں کیسے کیسے چھل فریب پوشیدہ ہیں۔
جوہرہ بولی اے میرے آقا اور میری آنکھ کے نور! کیا ملکہ گلنار کا بیٹا بادشاہ بدر باسم

تو ہی ہے؟ اس نے کہا اے میری آقا' ہاں!
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو انچاسویں رات

سات سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بدر باسم نے کہا ہاں' میں ہی بدر باسم ہوں تو جوہرہ کہنے لگی خدا سمجھے میرے باپ سے۔ اگر

اس کا خیال ہو کہ تجھ سے زیادہ حسین اور مہ جبیں مل سکتا ہے تو اس کے ملک کو آگ لگائے۔ اسے کبھی دل شاد نہ کرے اور وطن کا منہ نہ دکھائے۔ خدا کی قسم وہ بڑا کم عقل اور نا سمجھ ہے۔ پھر وہ بولی جہاں پناہ! میرے باپ کے کہے کا برا نہ مان' اگر تو مجھے ماشہ بھر چاہتا ہے تو میں تجھے تولوں چاہتی ہوں' میں تیری محبت کے جال میں پھنس چکی ہوں اور تیرا شکار ہو چکی ہوں۔ محبت تیرے دل سے منتقل ہو کر میرے دل میں آ بیٹھی ہے اور اس وقت میری محبت تیری محبت سے دس گناہ زیادہ ہے۔ پھر وہ درخت سے اتری اور بدر باسم کے گلے سے لپٹ گئی۔ اسے سینے سے لگا لیا اور بوسے لینے گی۔ بادشاہ بدر باسم نے یہ دیکھا تو اس کی محبت اور زیادہ بڑھ گئی' عشق اور زور پکڑ گیا' اسے یقین ہو گیا کہ شہزادی بھی مجھے بہت چاہتی ہے' وہ بھی لپٹ کر اس کے بوسے لینے لگا اور کہا اے شہزادی' خدا کی قسم! میرے ماموں صالح نے جو کچھ بیان کیا وہ تیرے حسن کا دسواں حصہ تو کیا رتی بھر بھی نہ تھا۔ اب جوہرہ نے پھر اسے اپنی چھاتی سے لگا لیا اور کچھ بڑبڑا کر جو اس کی سمجھ میں نہ آیا اس کے منہ پر تھوک دیا اور کہا اس انسانی صورت کو چھوڑ کر ایسی خوبصورت چڑیا بن جا جس کے پر سفید' چونچ اور ٹانگیں سرخ ہوں۔ ابھی وہ اپنی بات ختم بھی کرنے پائی تھی کہ بادشاہ بدر باسم ایک ایسی خوبصورت چڑیا بن گیا جس سے خوبصورت کوئی چڑیا نہیں ہو سکتی اور پر جھاڑ کر کھڑا ہو گیا اور جوہرہ کی طرف دیکھنے لگا۔

جوہرہ کے ساتھ اس کی ایک باندی تھی جس کا نام مرسینہ تھا۔ اس کی طرف دیکھ کر

کہنے لگی‘ خدا کی قسم اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرا باپ اس کے ماموں کے پاس گرفتار ہے تو میں اسے قتل کر ڈالتی۔ خدا اس کا برا کرے! اس کے قدم کتنے منحوس ہیں‘ یہ سار فتنہ و فساد اسی کی وجہ سے اٹھا ہے۔ اے باندی اسے بیابان جزیرے میں چھوڑ آ تا کہ وہ پیاس سے مر جائے۔ باندی نے اسے لے جا کر جزیرے میں پہنچی۔ چڑیا کو چھوڑ کر لوٹنا چاہتی ہی تھی کہ اسے کچھ خیال آیا۔ دل میں کہنے لگی خدا کی قسم! یہ نہیں ہو سکتا کہ ایسا حسن و جمال والا اس طرح پیاسا مارا جائے۔ وہ اس کو بیابان جزیرے سے لئے ہوئے ایک ایسے جزیرے میں گئی جہاں بہت سے درخت‘ میوے اور چشمے تھے‘ اسے وہاں چھوڑ دیا اور اپنی آقا کے پاس جا کر کہا کہ میں اسے بیابان جزیرے میں چھوڑ آئی ہوں۔ ادھر جب بادشاہ بدر باسم کا ماموں صالح بادشاہ سمندل کو گرفتار‘ اس کی فوج اور نوکروں چاکروں کو قتل کر چکا تو شہزادی جوہرہ کی تلاش میں نکلا۔ اسے کہیں نہ پایا۔ لوٹ کر اپنے وطن میں گیا جہاں اس کی ماں تھی اور اس سے کہا اماں‘ میرا بھانجا بدر باسم کہاں ہے؟ وہ بولی بیٹا معلوم نہیں‘ کہاں گیا؟ جب اس نے سنا تھا کہ تو بادشاہ سمندل سے لڑ رہا ہے‘ دونوں میں سخت جنگ بپا ہے اور کشت و خون ہو رہا ہے تو وہ ڈر کر بھاگ گیا۔ ماں سے یہ سن کر صالح کو بڑا افسوس ہوا۔ وہ کہنے لگا اماں‘ خدا کی قسم ہم نے ہلاک نہ ہو جائے یا بادشاہ سمندل کے کسی سپاہی یا خود اس کی بیٹی جوہرہ کے ہاتھ میں نہ جا پھنسے۔ مجھے اس کی ماں کے آگے شرمندہ ہونا پڑے اور وہ ہماری برائی کے درپے ہو جائے کیونکہ میں اس کے بیٹے کو بغیر اس کی اجازت کے لے آیا ہوں۔ ساتھ ہی اس نے بدر باسم کی تلاش میں سپاہی اور جاسوس روانہ کئے جنہوں نے اسے سمندر کے کونے کونے میں ڈھونڈا‘ اس کا پتہ نہ چلا اور انہوں نے لوٹ کر بادشاہ صالح کو اطلاع دی۔ یہ سن کر اس کا رنج و غم اور زیادہ ہو گیا اور بادشاہ بدر باسم کے لئے وہ بہت پریشان ہونے لگا۔

یہ تو ب بادشاہ بدر باسم اور اس کے ماں صالح کا قصہ ہوا‘ اب اس کی ماں گلنار بحریہ کا ماجرا سنو۔ جب بدر باسم اپنے ماموں صالح کے ساتھ باہر گیا تو وہ اس کا انتظار کرنے

لگی لیکن وہ لوٹ کر نہ آیا' نہ اس کی کوئی خبر ملی۔ کچھ دنوں تک انتظار کرنے کے بعد وہ سمندر میں اتری اور اپنی ماں کے پاس پہنچی۔ ماں اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی' اسے بوسہ دیا اور گلے لگایا۔ یہی اس کی چچیری بہنوں نے بھی کیا۔ گلنار نے اپنی ماں سے پوچھا' بادشاہ بدر باسم کہاں ہے؟ ماں نے جواب دیا بیٹی' وہ اپنے ماموں کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ اس کے بعد اس کا ماموں یاقوت اور جواہرات لے کر اس کے ساتھ بادشاہ سمندل کے پاس گیا اور اس کی بیٹی کو نکاح میں مانگا لیکن اس نے نہ مانا اور تیرے بھائی کے ساتھ سخت کلامی کی۔ اس پر میں نے تقریباً ایک ہزار سوار تیرے بھائی کی مدد کے لئے بھیجے' ان میں اور بادشاہ سمندل میں جنگ ہوئی۔ خدا نے تیرے بھائی کی مدد کی' اس نے بادشاہ سمندل کے مدد گاروں اور فوجوں کو قتل کر کے اسے گرفتار کر لیا۔ یہ خبر تیرے بیٹے نے سنی تو شاید وہ ڈر کر بغیر ہماری مرضی کے یہاں سے بھاگ گیا' اور اب تک لوٹ کر نہیں آیا' نہ ہمیں معلوم ہے کہ وہ کہاں گیا ہے۔ گلنار نے اپنے بھائی کے بارے میں دریافت کیا۔ ماں نے کہا' وہ بادشاہ سمندل کی جگہ شاہی تخت پر بیٹھا ہے اور لوگوں کو ہر طرف دوڑا رہا ہے کہ وہ تیرے بیٹے اور شہزادی جوہرہ کی خبر لائیں۔ ماں کی یہ باتیں سن کر گلنار اپنے بیٹے پر افسوس کرنے لگی اور اپنے بھائی صالح پر سخت ناراض ہوئی کہ وہ بغیر اس کی اجازت کے اس کے بیٹے کو لے کر سمندر میں اترا۔ وہ کہنے لگی' اماں' مجھے اپنے ملک کا ڈر لگا ہوا ہے۔ میں بغیر کسی سے کچھ کہے تمہارے پاس چلی آئی ہوں۔ مجھے خوف ہے کہ اگر میں وہاں دیر میں پہنچی تو کہیں رعایا بغاوت نہ کر بیٹھے اور ملک ہمارے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ مصلحت یہ ہے کہ میں جا کر ملک کا کام سنبھالوں' اس وقت تک کہ خدا میرے بیٹے کی مشکل حل کر دے۔ تم میرے بیٹے کو بھولنا نہیں' نہ اس کے بارے میں غافل رہنا۔ اگر اس کا بال بھی بیکا ہوا تو میں بھی ضرور مر جاؤں گی۔ میری دنیا وہی ہے' بے اس کے زندگی میں کوئی مزہ نہیں۔ ماں نے کہا بیٹی' خاطر جمع رکھ' نہ پوچھ کہ اس کی جدائی کی وجہ سے ہم پر کیا آ بنی۔ ماں نے بھی اس کی تلاش میں لوگ بھیجے اور گلنار پریشان

حال روتی پیٹی اپنے ملک کو روانہ ہو گئی۔ دنیا اس کی آنکھوں میں تاریک تھی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو پچاسویں رات

سات سو پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملکہ گلنار اپنی ماں کے پاس سے روانہ ہو کر اپنے ملک میں پہنچی تو وہ سخت پریشان اور بد حواس تھی۔

یہ تو اس کا ماجرا تھا' اب بادشاہ بدر باسم کی روداد سنو۔ جب شہزادی جوہرہ نے اس پر جادو کر کے اسے اپنی باندی کے ہمراہ بیابان جزیرے کو بھیجا اور اس سے کہا کہ اسے وہاں چھوڑ آ تا کہ وہ مارے پیاس کے مر جائے تو باندی نے بیابان جزیرے کے بجائے اسے جزیرے کی بجائے اسے میں چھوڑا جہاں بہت سے درخت اور چشمے تھے' وہ پھل کھانے اور چشموں کا پانی پینے لگا۔ اسی طرح چڑیا کی صورت میں اس نے وہاں ایک مدت گزار دی' نہ اسے اڑنا آتا تھا نہ یہ معلوم کہ کہاں جائے۔ ایک روز اتفاق سے کوئی چڑی مار اپنی روزی کمانے کی خاطر وہاں آیا' اس کی نظر بدر باسم پر پڑی جو سفید پروں سرخ چونچ اور ٹانگوں والی چڑیا کی شکل میں تھا۔ ایسی انوکھی' خوش نظر دل کش چڑیا کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا' اپنے دل میں کہنے لگا کہ تو بڑی خوبصورت چڑیا ہے' ایسی خوبصورت اور خوش شکل چڑیا تو آج تک میری نظر سے نہیں گزری۔ اس نے جال پھیلایا اور اسے پکڑ کر شہر میں لے گیا' دل میں سوچا کہ اس کے منہ مانگے دام لینے چاہئیں۔ شہر والوں میں سے ایک شخص نے اس کے پاس آ کر پوچھا چڑی مار' یہ چڑیا کتنے کی ہے؟ چڑی مار بولا تو اسے مول لے کر کس کام میں لائے گا؟ اس نے جواب دیا ذبح کر کے کھاؤں گا۔ چڑی مار بولا کس کا دل یہ گوارا کر سکتا ہے کہ اس چڑیا کو ذبح کر کے کھائے! میں تو اسے بادشاہ کی نذر کرنا چاہتا ہوں' مجھے دام بھی زیادہ ملیں گے' یہ بھی ذبح ہونے سے بچ جائے گی وہ اس کی خوبصورتی کا تماشا دیکھا کرے گا۔ میں نے عمر بھر چڑی ماری کی ہے لیکن ایسا نہ سمندر میں کوئی شکار ملا نہ خشکی پر۔ اگر تجھے یہ بہت ہی پسند آئے تو بھی تو مجھے اس کی قیمت زیادہ سے زیادہ ایک درہم

دے گا اور خدا کی قسم میں اتنے میں کبھی نہ بیچوں گا۔

چڑی مار، اس چڑیا کو لے کر بادشاہ کے محل گیا، بادشاہ کی نظر جو اس پر پڑی تو اس کی خوبصورتی اور چونچ اور ٹانگوں کی سرخی اسے بہت پسند آئی۔ اس نے ایک غلام سے کہا کہ اسے خرید لا۔ غلام نے چڑی مار سے پوچھا کیا تو چڑیا بیچے گا؟ اس نے کہا، نہیں بلکہ میں اسے بادشاہ کی نذر کروں گا۔ غلام اسے لے کر بادشاہ کے پاس گیا اور جو کچھ اس نے کہا تھا، بادشاہ سے کہہ دیا۔ بادشاہ نے چڑیا لے لی اور اسے دس دینار دیئے۔ چڑی مار نے دینار لے کر زمین چومی اور چلا گیا۔ غلام چڑیا کو لئے ہوئے شاہی محل میں گیا، اسے ایک خوبصورت پنجرے میں بند کر کے لٹکا دیا اور دانہ پانی رکھ دیا۔ بادشاہ محل میں آیا تو اس نے غلام سے پوچھا کہ چڑیا کہاں ہے؟ اسے لا، میں دیکھوں، خدا کی قسم وہ بڑی خوبصورت ہے۔ غلام نے پنجرہ بادشاہ کے سامنے رکھ دیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ وہ دانہ بالکل نہیں کھاتی۔ کہنے لگا معلوم نہیں اس کا کھاجا کیا ہے؟ معلوم ہو جائے تو میں وہی اسے کھانے کے لئے دوں۔ اس کے بعد بادشاہ نے اپنے لئے کھانا منگوایا۔ دستر خوان بچھائے گئے۔ بادشاہ نے کھانا کھایا، چڑیا کی نظر گوشت، کھانوں اور مٹھائیوں پر پڑی تو اس نے دستر خوان پر سے وہ تمام چیزیں کھائیں جو بادشاہ کے آگے تھیں۔ بادشاہ حیران ہو گیا۔ اس کے کھانے پر تعجب کرنے لگا، حاضرین بھی تعجب میں تھے۔ بادشاہ نے نوکروں اور غلاموں سے جو اس کے آس پاس تھے، کہا کہ میں نے تمام عمر میں ایسی چڑیا نہیں دیکھی جو اس کی طرح کھاتی ہو۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ میری بیوی کو بلاؤ، وہ بھی اس کا تماشا دیکھے۔ غلام نے ملکہ سے جا کر عرض کیا کہ اے میری آقا! بادشاہ تجھے بلاتا ہے تا کہ تو ایک چڑیا کا تماشا دیکھے جسے اس نے مول لیا ہے۔ جب ہم نے دستر خوان پر کھانا رکھا تو وہ پنجرے میں سے نکل کر دستر خوان پر آ بیٹھی اور ساری چیزیں چکھیں جو وہاں موجود تھیں۔ اے میری آقا! چل کر اس کا تماشا دیکھ، وہ بڑی پیاری اور ایک عجیب و غیب چڑیا ہے۔ غلام کی باتیں سن کر ملکہ جلدی سے آئی، مگر جونہی اس کی نظر چڑیا پر پڑی اور اس نے اسے غور سے دیکھا تو

منہ چھپا لیا اور واپس جانے لگی۔ بادشاہ نے اس کا دامن پکڑ لیا اور پوچھا تو منہ کیوں چھپاتی ہے؟ یہاں تو سوائے باندیوں' غلاموں اور تیرے شوہر کے غیر کوئی نہیں' اس نے کہا' اے بادشاہ! یہ چڑیا نہیں بلکہ تیری طرح مرد ہے۔ اپنی بیوی کو یہ کہتے سن کر بادشاہ بولا تو جھوٹ کہتی ہے اور میرے ساتھ مذاق کرتی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ چڑیا' چڑیا نہیں! اس نے کہا خدا کی قسم میں مذاق نہیں کرتی' سچ کہتی ہوں۔ یہ چڑیا' عجم کے بادشاہ شہرمان کا بیٹا بادشاہ بدر باسم ہے جس کی ماں گلنار بحریہ ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اکیاونویں رات

سات سو اکیاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب ملکہ نے کہا کہ اس کی ماں گلنار بحریہ ہے تو بادشاہ نے پوچھا' اچھا یہ اس شکل میں کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا بادشاہ سمندل کی بیٹی شہزادی جوہرہ نے اسے پر جادو کیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے سارا حال شروع سے آخر تک بیان کر دیا اور یہ بھی کہا اس نے جوہرہ سے شادی کرنے کی درخواست اس کے باپ سے کی تھی' مگر اس نے منظور نہیں کی اور ہی کہ اس کے ماموں صالح اور بادشاہ سمندل کے درمیاں سخت لڑائی ہوئی۔ صالح نے فتح پائی اور اس نے بادشاہ سمندل کو گرفتار کر لیا۔ اپنی بیوی کی باتوں پر بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا۔ یہ ملکہ اپنے زمانے کی سب سے بڑی جادوگرنی تھی۔ بادشاہ بولا' تجھے میری جان کی قسم اس کا جادو اتار کر اسے تکلیف سے نجات دے' جوہرہ کے ہاتھ ٹوٹیں! وہ کیسی بد ذات' بے دین' مکار اور فریبی ہے۔ اس کی بیوی نے کہا' بدر باسم سے کہہ کہ اس کوٹھڑی میں چلا جائے۔ بادشاہ نے اسے کوٹھڑی میں جانے کے لئے کہہ دیا۔ وہ کوٹھڑی میں گئی۔ اس پر کچھ پڑھا جو اس کی سمجھ میں نہ آیا اور کہنے لگی میں تجھے خدا کے ناموں' محترم آیتوں اور اس بزرگ کا واسطہ دیتی ہوں جو زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا' مردوں کو زندہ کرنے والا' رزق اور موت کا بانٹنے والا ہے کہ تو اس موجود صورت کو چھوڑ کر وہ صورت اختیار کر لے جس پر تجھے خدا نے پیدا کیا ہے۔ ابھی وہ اپنی بات ختم بھی نہ کرنے پائی تھی کہ بدر باسم اپنا جسم جھاڑ کر انسانی صورت میں آ گیا اور بادشاہ نے دیکھا کہ وہ ایسا خوش رو جوان ہے جس کا جواب دنیا بھر میں نہ ہو گا۔

بادشاہ بدر باسم اپنے آپ کو اپنی اصلی صورت میں دیکھ کر کہنے لگا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پاک ہے مخلوقات کا پیدا کرنے والا' روزی اور موت دینے والا! اس نے بادشاہ کے

ہاتھ چومے اور عمر کی زیادتی کی دعا دی۔ بادشاہ نے بدر باسم کے سر کو بوسہ دیا اور کہا اے بدر باسم' اپنا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کر۔ اس نے ساری داستان سنا دی کوئی بات نہ چھپائی۔ بادشاہ حیران ہو گیا اور کہنے لگا اے بدر باسم! خدا نے جادو سے تجھے چھٹکارا دے دیا' اب تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا جہاں پناہ! میں چاہتا ہوں کہ تو مہربانی سے میرے لئے ایک کشتی بنوا اور راہ کے لئے ضروری چیزیں رکھ کر اپنے غلاموں کو میرے ساتھ کر دے۔ ایک مدت ہوئی کہ میں اپنے ملک سے غائب ہوں' مجھے ڈر ہے کہ کہیں حکومت ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ میرا خیال ہے کہ میری ماں بھی اب تک زندہ نہ ہو گی۔ عجب نہیں' وہ میرے فراق میں مر گئی ہو' اسے کیا معلوم کہ میرے اوپر کیا گزری' نہ اسے خبر کہ میں زندہ ہوں یا مر گیا۔ اے بادشاہ! میں درخواست کرتا ہوں کہ میری حاجت روائی کر کے اپنا احسان میرے اوپر مکمل کر دے۔ بادشاہ نے اس کا حسن و جمال اور شیریں بیانی دیکھی تو وہ راضی ہو گیا اور ایک کشتی تیار کرا کے اس میں تمام ضرورت کی چیزیں رکھی اور بدر باسم کو اپنے غلاموں کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ وہ بادشاہ سے رخصت ہو کر کشتی میں بیٹھ گیا اور کشتی سمندر میں چل دی۔ ہوا موافق تھی۔ کشتی دس دن تک برابر چلتی رہی' گیارہواں دن ہوا تو سمندر میں سخت تلاطم آیا' کشتی جھونکے کھانے لگی۔ ملاح اس کی روک تھام نہ کر سکے۔ لہریں اس کے ساتھ اس طرح کھیلتی رہیں یہاں تک کہ وہ ایک چٹان کے پاس پہنچی اور اس سے ٹکرا کو ٹوٹ گئی۔ سوائے بدر باسم کے سب لوگ ڈوب گئے۔ جب وہ ڈوبنے کے قریب تھا تو ایک تختہ اس کے ہاتھ لگ گیا۔ اور وہ اس لے کر سمندر میں بہنے لگا۔ بدر باسم کو کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں جا رہا ہے نہ وہ تختے کو روک سکتا تھا۔ جدھر پانی اور ہوا لے جا رہی تھی' ادھر چلا جا رہا تھا۔ تین دن تک یہی حالت رہی' چوتھے دن تختہ سمندر کے کنارے جا لگا۔ وہاں اسے ایک شہر نظر آیا جو فاختہ کی طرح بالکل سفید تھا اور اسی جزیرے پر جو سمندر کے کنارے تھا۔ اس کے ستون بلند'

عمارتیں خوب صورت اور شہر پناہ اونچی تھی۔ سمندر کی لہریں اس سے ٹکراتی تھیں۔ بادشاہ بدر باسم مارے بھوک اور پیاس کے مرنے کے قریب تو ہو ہی چکا تھا۔ شہر کو جزیرے میں دیکھ کر خوش ہو گیا اور تختے سے اتر کر چاہتا ہی تھا کہ شہر کے اندر جائے' اتنے میں بے شمار خچر' گدھے اور گھوڑے آ گئے اور مار مار کر اس کو شہر کے اندر جانے سے روکنے لگے۔ اب وہ تیرتا ہوا شہر کے پیچھے گیا اور خشکی پر اترا' دیکھا کہ وہاں نہ کوئی آدم ہے نہ آدم زاد۔ حیران ہو کر دل میں کہنے لگا' خدا جانے اس شہر کا مالک کون ہے؟ نہ تو یہاں کوئی بادشاہ معلوم ہوتا ہے نہ رعیت' پھر یہ خچر' گدھے اور گھوڑے کہاں سے آ گئے تھے جنہوں نے مجھے اترنے نہ دیا۔

اس سوچ میں وہ چلا جا رہا تھا' اس کی سمجھ کام نہیں کرتی تھی کہ کہاں جائے' یکایک اس کی نظر ایک بوڑھے کنجڑے پر پڑی۔ اسے سلام کیا۔ بوڑھے نے سلام کا جواب دیا اور دیکھا کہ ایک نہایت حسین جوان ہے۔ بولا اے لڑکے! تو کہاں سے آیا اور اس شہر میں تیرا گزر کیوں کر ہوا؟ اس نے شروع سے آخر تک ساری داستان سنا دی۔ بوڑھے کو سخت تعجب ہوا وہ کہنے لگا بیٹا! تو نے راہ میں تو کسی کو نہیں دیکھا؟ اس نے جواب دیا چچا' مجھے تو پہلے ہی اس پر تعجب ہے کہ یہ آدمیوں سے کیوں خالی پڑا ہے۔ بوڑھے نے کہا بیٹا دکان کے اندر آ جا کہیں ایسا نہ ہو کہ تو ہلاک ہو جائے۔ بدر باسم دکان پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ بوڑھا اس کے لئے کھانا لے آیا اور کہنے لگا بیٹا اندر جا کر بیٹھ۔ شکر ہے خدا کا کہ اس نے تجھے اس چڑیل کے پنجے سے بچا لیا۔ یہ سن کر بادشاہ بدر باسم سہم گیا مگر پہلے بوڑھے کا لایا ہوا کھانا کھایا اور جب پیٹ بھر کر کھا چکا' ہاتھ دھو چکا تو اس نے بوڑھے کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے میرے آقا' تو نے کیا کہا تھا؟ میں تو اس شہر اور شہر والوں سے ڈرنے لگا ہوں۔ بوڑھا بولا بیٹا سن یہ شہر جادو گروں کا شہر ہے۔ یہاں کی ملکہ ایک جادوگرنی ہے۔ بڑی چڑیل اور بس کی گانٹھ' جادوگرنی مکار اور دغاباز ہے جو گھوڑے خچر اور گدھے تو نے دیکھے تھے' وہ سب میری اور تیری طرح انسان ہیں اور سب پردیسی ہیں۔ کیونکہ تیری طرح جو کوئی جوان

یہاں آتا ہے اسے یہ کافر جادوگرنی لے جا کر اپنے ساتھ سلاتی ہے جب چالیس دن پورے ہو جاتے ہیں تو جادو کے زور سے یا تو خچر بنا دیتی ہے یا گھوڑا یا گدھا۔ یہ وہی جانور ہیں جنہیں تو نے سمندر کی کنارے دیکھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• سات سو باونویں رات

سات سو باونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بوڑھے کنجڑے نے بادشاہ بدر باسم سے جادوگرنی ملکہ کا حال بیان کر کے کہا کہ تمام شہر والے وہی ہیں جنہیں اس نے جادو کر کے ان ہی جیسا نہ بنا دے۔ اسی لئے انہوں نے تجھے خشکی پر اترنے سے روکنا چاہا۔ ملکہ نے اس شہر کو شہر والوں سے جادو کر کے چھین لیا ہے اور خود مالک بن بیٹھی ہے۔ اس کا نام ملکہ لاب ہے اور لاب کے معنی عربی میں سورج نکلنے کے ہیں۔ بوڑھے کی یہ باتیں سن کر بادشاہ بدر باسم ڈرا' بید کی طرح تھر تھر کانپنے لگا۔ اور بولا خدا کی پناہ! ابھی تو میں ایک جادو سے چھوٹا ہوں۔ تقدیر نے مجھے اس سے بھی بڑی مصیبت میں لا ڈالا۔ یہ کہہ کر وہ سوچ میں پڑ گیا۔ بوڑھے نے دیکھا کہ وہ سہما جاتا ہے تو کہنے لگا بیٹا اٹھ اور دکان کی دہلیز پر بیٹھ کر لوگوں' ان کے لباسوں اور رنگوں کا نظارہ کر اور دیکھ کہ جادو سے ان کا کیا حال ہو گیا ہے' ڈر نہیں۔ ملکہ اور سارے شہر والے مجھ سے محبت اور میرا لحاظ کرتے ہیں' کوئی ایسی بات نہیں کرتے جس سے میرا دل ٹوٹے یا میں کشیدہ خاطر ہوں۔ بوڑھے نے کہا تو بادشاہ بدر باسم باہر آیا اور دکان کے دروازے پر بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگا' اس نے دیکھا کہ وہاں سے بے شمار آدمی گزر رہے ہیں۔ جب ان کی نظر بدر باسم پر پڑی تو انہوں نے بوڑھے کے پاس آ کر پوچھا بڈھے کیا یہ تیرا شکار ہے' جو آج تک تیرے پھندے میں پھنسا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا' یہ میرا بھتیجا ہے۔ میں نے سنا تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا ہے اسی لئے میں نے اسے یہاں اپنے پاس بلوایا تا کہ اسے دیکھ کر میں اپنا دل ٹھنڈا کروں۔ انہوں نے کہا یہ جوان بڑا خوبصورت ہے' ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ملکہ لاب تجھے دھوکا دے کر اسے نہ لے اڑے۔ اسے خوبصورت جوانوں سے محبت ہے۔ بوڑھا بولا ملکہ میرے خلاف کچھ نہیں کرتی بلکہ میرا لحاظ کرتی ہے اور مجھ سے

محبت رکھتی ہے۔ جب اسے معلوم ہو گا کہ یہ میرا بھتیجا ہے تو وہ نہ اس کا پیچھا کرے گی۔ نہ اس کے متعلق میرے ساتھ برا برتاؤ۔

بادشاہ بدر باسم کئی مہینے تک بوڑھے کے ہاں ٹھہرا رہا۔ وہاں کھاتا پیتا رہا' بوڑھے کو اس سے بڑی محبت ہو گئی۔ اک دن کا واقعہ ہے' بدر باسم اپنی عادت کے موافق بوڑھے کی دکان پر بیٹھا تھا کہ ادھر سے ایک ہزار غلام گزرے' ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ وہ طرح طرح کی وردیاں پہنے کمر سے ایسی پیٹیاں باندھے ہوئے تھے' جن میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ ان کے گھوڑے عربی اور تلواریں ہندی تھی۔ وہ بوڑھے کی دکان پر آئے اور اسے سلام کر کے آگے چلتے ہوئے۔ ان کے بعد چاند کی طرح ایک ہزار کنیزیں آئیں' وہ طرح طرح کی اطلسی پوشاکیں پہنے تھیں جن میں سونے کی جھالریں لگی ہوئی تھیں اور ہیرے ٹنکے ہوئے تھے۔ سب کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ ان ے درمیان ایک لڑکی عربی گھوڑے پر سوار تھی۔ گھوڑے کا زین سونے کا تھا۔ جس میں رنگ رنگ کے ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ آتے آتے یہ جلوس بوڑھے کی دکان پر پہنچ گیا۔ کنیزیں اسے سلام کر کے آگے چل دیں۔ اب ملکہ لاب آتی ہوئی دکھائی دی۔ آتے آتے بوڑھے کی دکان کے سامنے پہنچی۔ اس کی بادشاہ بدر باسم سے آنکھیں چار ہوئیں جو چودھویں رات کے چاند کی طرح دکان پر بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ملکہ لاب اس پر لٹو ہو گئی اور ہکا بکا ہو کر دکان پر اتر پڑی۔ بادشاہ بدر باسم کے پاس جا بیٹھی اور بوڑھے سے پوچھنے لگی' یہ حسین کہاں سے تیرے ہاتھ لگا؟ بوڑھا بولا' یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے اور تھوڑے ہی دن ہوئے یہاں آیا ہے۔ ملکہ نے کہا اسے آج رات میرے ساتھ رہنے دے تا کہ میں اس سے باتیں کروں۔ بوڑھا بولا اسے میرے پاس سے لے جا کر اس پر جادو تو نہیں کرے گی؟ اس نے جواب دیا' نہیں۔ بوڑھنے نے کہا قسم کھا۔ اس نے قسم کھا کر حکم دیا کہ بدر باسم کے لئے ایک خوبصورت گھوڑا لایا جائے جس پر سونے کا زین اور سونے کی لگام بلکہ ہر چیز سونے کی ہو جس میں ہیرے جڑے ہوں اور بوڑھا کو ایک ہزار دینار دے کر کہا ان سے اپنا کام چلا۔

پھر اس نے بادشاہ بدر باسم کو اپنے ساتھ لیا اور چل دی۔ وہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چودھویں رات رات کا چاند۔ جب وہ ملکہ کے ساتھ روانہ ہوا' لوگوں کی نظریں اس پر پڑی اور انہوں نے دیکھا کہ کیسا حسین جوان ہے تو وہ افسوس کر کے کہنے لگے کہ یہ جوان اس بات کا مستحق نہیں کہ وہ ملعونہ اس پر جادو کرے۔ بادشاہ باسم لوگوں کی باتیں سن رہا تھا مگر چپ' اس نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر رکھا تھا۔ چلتے چلتے وہ محل میں پہنچے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو تریپنویں رات

سات سو تریپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بدر باسم اور ملکہ لاب دونوں محل کے دروازے پر پہنچے' امرا' غلام اور مصاحب سب گھوڑے پر سے اتر پڑے۔ ملکہ نے حاجبوں کو حکم دیا کہ امرا کو رخصت کریں۔ وہ سب زمین چوم کر چلے گئے' محض ملکہ' غلام اور کنیزیں محل کے اندر داخل ہوئیں۔ بادشاہ بدر باسم کی نظر محل پر پڑی تو دیکھا کہ ایسا محل تو کبھی اس کی نظر سے نہیں گزرا' اس کی اینٹیں سونے کی تھیں اور بیچ میں ایک بڑا شاندار باغ تھا جس کے اندر پانی سے لبالب بھرا ہوا ایک حوض۔ باغ میں مختلف شکل اور رنگ برنگ کی چڑیاں طرح طرح کی بولیاں بول رہی' خوش آمیز اور درد انگیز اشعار گا رہی تھیں۔ بادشاہ بدر باسم کہنے لگا کہ پاک ہے وہ ذات جو اپنے احسان اور نرم دلی سے اسے بھی روزی دیتا ہے جو اس کی عبادت نہیں کرتا۔ اب ملکہ اس جھروکے کے پاس جو باغ کی طرف کھلتا تھا ایک ہاتھی دانت کے تخت پر جا بیٹھی جس کے اوپر ایک عالی شان تخت بچھا ہوا تھا۔ بادشاہ بدر باسم بھی اس کے پہلو میں بیٹھ گیا' ملکہ اس کے بوسے لینے لگی اور اسے سینے پر لپٹا لیا۔ اس کے بعد ملکہ نے کنیزوں کو حکم دیا کہ دستر خوان بچھائیں' انہوں نے ایسا دستر خوان بچھایا جو سرخ سونے کا تھا' جس میں موتی اور ہیرے ٹنکے ہوئے تھے۔ اس پر طرح طرح کے کھانے لگائے گئے۔ دونوں نے پیٹ بھر کر کھایا اور ہاتھ دھوئے۔ پھر کنیزیں سونے' چاندی اور بلور کے برتن' پھول کی سینیاں لے آئیں۔ ملکہ نے حکم دیا کہ ڈومنیوں کو بلاؤ۔ فوراً دس کنیزیں آ پہنچیں جو چاند سی خوبصورت تھیں اور جن کے پاس طرح طرح کے باجے تھے۔

ادھر گانا بجانا شروع ہوا' ادھر بے ہوشی' ملکہ جام بھر کر خود پیتی اور دوسرا بادشاہ باسم کو دیتی۔ وہ اسے پی جاتا۔ پیتے پیتے جب دونوں جی بھر کی پی چکے تو ملکہ ڈومنیوں کی

طرف متوجہ ہوئی' وہ طرح طرح کے راگ سنا رہی تھیں۔ بادشاہ بدر باسم کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ محل مارے خوشی کے اس کے ناچ رہا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی عقل جاتی رہی۔ ایسا بدمست ہوا کہ اپنی غربت کا خیال اس کے دل سے نکل گیا۔ جی میں کہنے لگا کہ یہ ملکہ نوجوان اور خوبصورت ہے' اب میں اس کے پاس سے ہرگز نہیں جاؤں گا۔ اس کا ملک بھی میرے ملک سے بڑا ہے۔ اور وہ خود شہزادی جوہرہ سے زیادہ حسین ہے۔ اسی ناچ رنگ میں شام ہو گئی۔ قندیلیں اور موم بتیاں جلنے اور خوشبوئیں پھیلنے لگیں۔ ڈومنیاں گاتی جاتیں اور وہ پیتے جاتے تھے یہاں تک کہ دونوں آپے سے باہر ہو گئے جب ملکہ لاب پر نشہ چڑھ گیا تو وہ جا کر ایک تخت پر سو رہی اور کنیزوں کو رخصت کر کے بادشاہ بدر باسم سے کہا میرے پاس آ کر لیٹ جا۔ وہ آ کر لیٹ گیا اور صبح تک بڑے مزے اڑائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چونویں رات

سات سو چونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ صبح کو اٹھ کر ملکہ حمام گئی جو محل کے اندر تھا۔ بادشاہ بدر باسم بھی اس کے ساتھ تھا' جب دونوں نہا کر حمام سے نکلے تو ملکہ نے بدر باسم کو بہترین کپڑے پہنائے اور شراب منگوائی' دونوں نے خوب پی۔ ملکہ نے ہاتھ پکڑ کر بادشاہ بدر باسم کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے تو کھانا منگوایا' دونوں نے کھانا کھایا اور ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد کنیزیں ان کے لئے مے نوشی کا سامان' پھل' پھول اور میوہ لائیں۔ وہ کھا پی رہے تھے اور کنیزیں طرح طرح کے گیت سنا رہی تھی کہ شام ہو گئی۔ اسی طرح کھاتے پیتے مزے اڑاتے چالیس دن گزر گئے۔ اب ملکہ نے پوچھا بدر باسم' بتا یہ جگہ بہتر ہے یا تیرے چچا کنجڑ کی دکان؟ اس نے کہا اے ملکہ' خدا کی قسم یہ بہتر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میرا چچا غریب آدمی ہے' باقلے کی پھلیاں بیچنے والا۔ یہ سن کر ملکہ ہنس پڑی اور دونوں جا کر مزے سے سو گئے۔ سویرا ہوا اور بادشاہ بدر باسم کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا ملکہ اس کے پہلو میں نہیں ہے۔ وہ سخت حیران و پریشان تھا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا جانے ملکہ کہاں چلی گئی۔ پھر جب وہ دیر تک غائب رہی اور لوٹ کر نہ آئی تو اپنے دل میں سوچنے لگا کہ وہ کہاں گئی ہو گی۔ آخر کپڑے پہن کر اٹھا اور ملکہ کو ادھر ادھر ڈھونڈنے لگا مگر جب وہ کہیں نہ ملی تو اس نے اپنے دل میں کہا کہیں وہ باغ میں تو نہیں گئی۔ وہ باغ میں گیا اس نے دیکھا کہ وہاں ایک چشمہ بہہ رہا ہے اور اس کے کنارے ایک سفید چڑیا بیٹھی ہوئی ہے' وہیں کنارے پر ایک درخت ہے جس پر بہت سی رنگ برنگ کی چڑیاں بیٹھی ہیں۔ وہ چڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔ چڑیاں اسے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ اب اس نے دیکھا کہ ایک کالی چڑیا درخت سے اتر کر سفید چڑیا کے پاس آئی اور اس کی چونک میں چونچ ڈالنے لگی جیسے کبوتر کیا کرتے

ہیں۔ اور تین بار اس سے جتی کھائی۔ تھوڑی دیر کے بعد سفید چڑیا انسانی صورت میں آ گئی۔ اور بدر باسم نے دیکھا کہ وہ ملکہ لاب ہے۔ اسے یقین ہو گیا کہ کالی چڑیا بھی کوئی انسان ہے جس نے اس پر جادو کیا ہے' جسے وہ چاہتی ہے اور جس سے جماع کی خاطر وہ بھی چڑیا بن گئی تھی۔ ہ دیکھ کر وہ مارے غیرت کے مر گیا اور کالی چڑیا کی اس حرکت سے ملکہ لاب پر سخت ناراض ہوا اور اپنے فرش پر جا کر سو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ملکہ لاب بھی لوٹ کر آئی' اسے بوسے دینے اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے لگی' مگر وہ غصے میں بھرا ہو تھا' اس نے بات تک نہ کی۔ ملکہ تاڑ گئی' اسے یقین آ گیا کہ بدر باسم نے مجھے چڑیا بنتے اور دوسری چڑیا سے جفتی کھاتے دیکھ لیا ہے لیکن منہ سے نہ کہا۔ تمام باتیں اپنے دل میں پوشیدہ رکھیں۔ جب بدر باسم اپنی حاجت پوری کر چکا تو بولا اے ملکہ! مجھے اجازت دے کہ میں اپنے چچا کی دکان پر جاؤں' چالیس دن سے میں نے اسے دیکھا نہیں ہے۔ اس سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔

ملکہ نے جواب دیا مگر جلد لوٹیو' کیونکہ مجھے ایک پل بھر بھی تیری جدائی گوارا نہیں ہے۔ بدر باسم سوار ہو کر بوڑھے کنجڑے کی دکان پر پہنچا۔ بوڑھے نے اسے مرحبا کہا' اٹھ کر گلے لگایا اور پوچھا کہ اس بے دین کے ساتھ کیسی گزری؟ جوان نے جواب دیا خوب گزری اور میں بہ خیر و عافیت رہا لیکن آج رات کو سوتے سوتے میری آنکھ کھلی تو وہ غائب تھی۔ میں نے کپڑے پہن کر اسے ڈھونڈنا شروع کیا اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے باغ میں پہنچا۔ اس کے بعد اس نے چشمے اور درخت کی چڑیوں کا قصہ سنایا۔

بوڑھا بولا اس سے ہوشیار رہ۔ درخت کی چڑیاں سب پردیسی جوان ہیں۔ جن سے اس نے محبت کی ہے اور پھر جادو سے انہیں چڑیاں بنا دیا ہے۔ کالی چڑیاں بنا دیا ہے۔ کالی چڑیا جسے تو نے دیکھا تھا اس کا ایک غلام ہے جسے وہ بہت چاہتی تھی۔ غلام نے کسی کنیز سے آنکھ لڑائی اور ملکہ نے جادو کر کے اسے کالی چڑیا بنا دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- # سات سو پچپنویں رات

سات سو پچپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بوڑھے نے بیان کیا کہ ملکہ نے غلام کو لای چڑیا بنا دیا تا ہم جب کبھی محبت کا جوش اٹھتا تو اسی مجامت کرنے کی غرض سے وہ خود چڑیا بن جاتی ہے۔ اب چونکہ وہ جان گئی ہے کہ تو اس کے بھید سے واقف ہو گیا ہے تو ضرور تجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہو گی اور اس کا دل تیری طرف سے کبھی صاف نہ ہو گا۔ لیکن جب تک تو میری پناہ میں ہے' تیرا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ ڈر نہیں' میں مسلمان ہوں۔ میرا نام عبداللہ ہے اور دنیا بھر میں مجھ سے بڑا جادوگر کوئی نہیں۔ ہاں جب تک مجبور نہیں ہوتا جادو کا استعمال نہیں کرتا' اکثر میں نے اس بد ذات کا جادو توڑ کر لوگوں کو اس کے پھندے سے چھڑایا ہے۔ میں اس سے بالکل نہیں ڈرتا۔ وہ میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی بلکہ وہ الٹا مجھ سے ڈرتی ہے۔ اسی طرح شہر کے تمام جادوگر مجھ سے ڈرتے ہیں۔ ان سب کا وہی مذہب ہے جو ملکہ کا۔ خدا کو چھوڑ کر آگ کی پوجا کرتے ہیں۔ خیر اس وقت جا' کل میرے پاس آ کر بتائیو کہ اس نے تیرے ساتھ کیا کیا۔ کیونکہ وہ آج رات تجھے مارنے کی کوشش کرے گی۔ پھر میں تجھے بتا دوں گا کہ اس کے مکر سے بچنے کے لئے تجھے کیا کرنا چاہئے۔

جب بادشاہ بدر باسم بوڑھے سے رخصت ہو کر ملکہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ بیٹھی اس کی راہ دیکھ رہی ہے۔ اسے دیکھتے ہی تعظیم کے لئے کھڑی ہو گئی' اسے بٹھا کر مرحبا کہا اور اس کے لئے کھانا پینا لائی۔ دونوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایااور ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد ملکہ نے شراب منگوائی اور دونوں آدھی رات پیتے رہے۔ اس کے بعد ملکہ نے اسے پے در پے جام پلانے شروع کئے یہاں تک کہ وہ مست ہو گیا' اس کے ہوش حواس جاتے رہے۔ ملکہ نے اسے اس حالت میں دیکھا تو کہنے لگی میں تجھے خدا

کا واسطہ دیتی ہوں جو تیرا معبود ہے اگر میں تجھ سے کوئی بات پوچھوں تو کیا سچ سچ جواب دے گا اور میری بات مان لے گا۔

وہ نشے میں تو تھا ہی کہہ دیا کہ اے میری آقا' ہاں۔ ملکہ بولی اے میرے آقا اور میری آنکھ کے تارے کل جب تو نے جاگ کر مجھ کو موجود نہ پایا۔ مجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے باغ پہنچا اور تو نے دیکھا کہ میں سفید چڑیا کی شکل میں ہوں اور ایک کالی چڑیا مجھ سے جفتی کھاتی ہے تو میں تجھے بتا دینا چاہتی ہوں کہ وہ کالی چڑیا میرا ایک غلام تھا جسے میں بہت چاہتی تھی' ایک دن وہ میری ایک کنیز کے ساتھ پھنس گیا۔ اس پر مجھے اتنا رشک آیا کہ میں نے اسے جادو سے کالی چڑیا بنا دیا اور کنیز کو قتل کر ڈالا لیکن آج تک میرا یہ حال ہے کہ میں اس غلام سے صبر نہیں کر سکتی' جب کبھی میں اس کے پاس جاتی ہوں تا کہ وہ مجھ سے جفتی کھائے اور میرا آقا بنے جیسے کہ تو نے خود دیکھا۔ تیرا غصہ اسی وجہ سے مجھ پر تھا نا؟ قسم ہے آگ' روشنی' اور گرمی کی میں تجھے بے حد چاہتی ہوں اور دنیا میں سوائے تیرے اور کسی کی خواہش نہیں۔ بدر باسم بدمست تو تھا ہی کہنے لگا یہ بالکل ٹھیک ہے کہ میں اسی وجہ سے ناراض تھا۔ کوئی اور وجہ ناراضگی کی نہیں۔ یہ سن کر ملکہ نے اسے لپٹا لیا اور محبت جتانے لگی' پھر سو گئی۔ وہ بھی اس کے پہلو میں سو گیا۔

جب آدھی رات گزر چکی تو ملکہ اٹھی۔ بادشاہ بدر باسم جاگ رہا تھا مگر گھنی سادھے پڑا رہا اور کنکھیوں سے دیکھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ اس نے دیکھا کہ ملکہ نے ایک لال تھیلی میں سے کوئی لال سی چیز نکال کر اسے محل کے بیچ میں گاڑ دیا اور ایک چشمہ بن کر بہنے لگا پھر اس نے مٹھی بھر جو لے کر مٹی میں بو دیئے اور انہیں اسی پانی سے سینچنے لگی۔ بالیں نکل آئیں' دانے لگ گئے۔ اب اس نے انہیں لے کر پیسا' آٹے کو ایک جگہ رکھ آئی اور آ کر بدر باسم کے پاس سو گئی۔ صبح ہوئی تو بادشاہ بدر باسم نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور ملکہ سے بوڑھے کے پاس جانے کی اجازت مانگی۔ ملکہ نے اسے اجازت دے دی۔ اس نے بوڑھے کے پاس جا کر سارا ماجرا اور جو کچھ

اس کی نظر سے گزرا تھا بیان کر دیا۔ بوڑھا ہنس پڑا اور کہنے لگا' خدا کی قسم اس بے دین جادوگرنی نے تیرے ساتھ چال چلی ہے لیکن تو اس کی ہرگز پروانہ نہ کر۔ یہ کہہ کر اس نے آدھ سیر کے قریب ستو نکالے اور اس سے کہا کہ انہیں ساتھ لیتا جا۔

ملکہ پوچھے گی کہ یہ کیا ہے' تو انہیں کیا کرے گا؟ تو جواب دیجیو کہ جو کچھ کھانے میں بچ رہے' اس میں برکت ہوتی ہے۔ جب وہ اپنے ستو نکالے اور تجھ سے کہے کہ یہ کھا تو پر یہ ظاہر کیجیو کو گویا تو انہیں کھا رہا ہے۔ مگر کھائیو انہیں' خبر دار! اس کے ستوؤں میں سے ذرہ برابر بھی نہ چکھیو۔ اگر تو نے اس کے ستو زبان پر بھی رکھے' خواہ ذرہ برابر ہی کیوں نہ ہوں تو اس کا جادو تجھ پر چل جائے گا۔ وہ تجھ پر جادو کر دے گی' تجھ سے کہے گی کہ یہ انسانی صورت چھوڑ دے اور تو اپنی صورت چھوڑ کر وہ صورت اختیار کر لے گا جو وہ چاہے گی اور اگر تو نے ان میں سے نہ کھایا تو اس کا جادو باطل ہو جائے گا اور اس سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا' وہ بے حد پشیمان ہو گی' تجھ سے کہے گی کہ میں تو تیرے ساتھ مذاق کرتی تھی اور تجھ سے پیار محبت کی باتیں کرنے لگے گی۔ یاد رکھ یہ ساری باتیں دغا بازی کی ہوں گی تو بھی اس سے محبت کا اظہار کیجیو اور کہیو اے میری آقا اور آنکھوں کی روشنی' اب ذرا ان ستوؤں کو بھی کھا کر دیکھ کہ کیسے مزیدار ہیں۔ جب وہ انہیں کھائے' خواہ ایک ہی ذرہ کیوں نہ ہو' تو تو چلو میں پانی لے کر اس کے منہ پر ماریو اور کہیو کہ یہ انسانی صورت چھوڑ دے اور اس صورت میں ہو جاؤ جو میں چاہتا ہوں۔ پھر اسے وہیں چھوڑ کر میرے پاس آ جائیو تا کہ میں بتاؤں کہ اب تجھے کیا کرنا ہے۔

بدر باسم بوڑھے سے رخصت ہوا اور محل پہنچ کر ملکہ کے پاس گیا۔ ملکہ نے اسے دیکھتے ہی کہا اہلاً و سہلاً مرحبا' اٹھ کر اسے بوسہ دیا اور کہنے لگی اے میرے آقا! تو نے بڑی دیر لگائی۔ اس نے جواب دیا اپنے چچا کے پاس تھا اور اس نے مجھے یہ ستو کھانے کو دیئے تھے۔ ملکہ بولی میرے پاس ان سے اچھے ستو ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے بدر باسم کے ستو ایک پیالے میں ڈالے اور اپنے ستو دوسرے پیالے میں اور کہنے لگی

ان میں سے کھا' یہ تیرے ستو سے اچھے ہیں۔ بدر باسم نے ملکہ پر ظاہر کیا گویا وہ اس کے ستو کھا رہا ہے ملکہ کو یقین آ گیا کہ اس نے وہ ستو کھا لئے تو اس نے چلو میں پانی لے کر اس پر چھڑکا اور کہنے لگی موئے مردود! اپنی شکل بدل کر ایک بھونڈے کانے خچر کی طرح ہو جا' لیکن وہ نہ بدلا۔ ملکہ نے دیکھا کہ وہ اپنی صورت پر قائم ہے تو اس نے اٹھ کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور بولی پیارے میں تیرے ساتھ مذاق کر رہی تھی' ناراض نہ ہو جائیو۔ بدر باسم نے کہا کہ تو مجھ سے محبت کرتی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میرے ستو بھی کھا۔ ملکہ ان میں سے مٹھی بھر لے کر کھا گئی' ان کے پیٹ میں پہنچتے ہی اسے بے چینی سی ہونے لگی۔ بادشاہ بدر باسم نے چلو بھر پانی لے کر اس کے منہ پر مارا اور کہا کہ اس انسانی صورت سے زر زوری خچر کی صورت میں آ جا۔ ملکہ ابھی اپنے آپ کو دیکھنے بھی نہ پائی تھی کہ خچر بن گئی۔ آنسو اس کے چہرے پر بہنے لگے اور وہ اپنے رخسار اس کے پاؤں پر رگڑنے لگی۔ بدر باسم نے اسے لگام دینی چاہی۔ اس نے نہ لی۔ وہ اسے چھوڑ کر بوڑھے کے پاس گیا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ بوڑھا ایک لگام لے آیا اور کہا جا کر یہ لگا دے" بدر باسم اس لگام کو لے کر اس کے پاس آیا۔ اسے دیکھتے ہی خچری اس کے پاس گئی۔ بدر باسم نے اس کے منہ میں لگام لگائی' اس پر سوار ہو کر محل سے نکلا اور شیخ عبداللہ کے پاس پہنچا۔

بوڑھے نے اسے دیکھا تو کہنے لگا' ملعونہ! خدا تیرا ستیاناس کرے! پھر اس نے بدر باسم کی طرف مخاطب ہو کر کہا بیٹا! اب تیرا اس شہر میں ٹھہرنا ممکن نہیں" اس پر سوار ہو کر جہاں تیرا دل چاہے چلا جا لیکن خبر دار! لگام کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہ دیجیو۔ بادشاہ بدر باسم نے اس کا شکریہ ادا کی اور رخصت ہو کر چل دیا۔ تین دن چل چلنے کے بعد وہ ایک شہر میں پہنچا' وہاں اسے ایک خوبصورت بوڑھا ملا اور اس نے پوچھا بیٹا تو کہاں سے آ رہا ہے؟ بدر باسم نے جواب دیا اس جادوگرنی کے شہر سے۔ بوڑھا بولا آج کی رات تو میرا مہمان ہے۔ بدر باسم نے منظو کر لیا' دونوں چلے جا رہے تھے کہ ایک بڑھیا ملی جو خچر کو دیکھتی ہی رو پڑی اور کہنے لگی لا الہ الا اللہ یہ خچری تو میرے

بیٹے کی خچر سے بہت مشابہت رکھتی ہے جو مر گیا اور جس کی وجہ سے میں سخت پریشان ہو رہی ہوں۔ اے میرے آقا! خدا کے لئے یہ خچری میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ بدر باسم نے جواب دیا۔ خدا کی قسم مائی' میں اسے بیچ نہیں سکتا۔ بڑھیا بولی میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ میری درخواست رد نہ کر کیونکہ اگر میں نے اپنے بیٹے کے لئے خچری نہ خریدی تو وہ ضرور جان دے دے گا۔ اس نے بہت اصرار کیا تو بدر باسم کہنے لگا میں اسے ایک ہزار دینار سے کم نہیں بیچوں گا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ بڑھیا ہزار دینار لائے گی کہاں سے! مگر بڑھیا نے فوراً اپنے پٹکے میں سے ایک ہزار دینار نکال لئے۔ یہ دیکھ کر بادشاہ بدر باسم بولا مائی' میں تو تیرے ساتھ مذاق کرتا تھا' اسے تو میں کسی طرح بیچ نہیں سکتا۔ بوڑھے نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا بیٹا' اس شہر میں کوئی شخص جھوٹ نہیں بول سکتا' اگر کوئی جھوٹ بولتا ہے تو لوگ اسے قتل کر دیتے ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ بدر باسم خچری پر سے اتر پڑا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## سات سو چھپنویں رات

سات سو چھپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جونہی بادشاہ بدر باسم نے خچری بڑھیا کے سپرد کی تو اس نے لگام اس کے منہ سے نکال لی۔ لو میں پانی لے کر اس کا منہ چھڑکا اور کہا اے میری بیٹی! اس صورت کو بدل کر اپنی پہلی صورت اختیار کر لے۔ وہ فوراً اپنی اصلی صورت پر آ گئی۔ اور دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھ کر لگے لپٹ گئیں۔ بادشاہ بدر باسم کو معلوم ہوا کہ بڑھیا اس کی ماں تھی اور اس کی چال چل گئی۔ چاہا کہ بھاگے لیکن بڑھیا نے زور سی سیٹی بجائی۔ بدر باسم کے آگے بڑے پہاڑ کی طرف ایک دیوار آ کھڑی ہوا۔ وہ سہم کر رک گیا' بڑھیا دیو کی پیٹھ پر سوار ہو گئی' اپنی بیٹی کو پیچھے بٹھا لیا اور بادشاہ بدر باسم کو آگے' دیو انہیں لے کر اڑا وہ چشم زدن میں ملکہ لاب کے محل میں پہنچ گئے۔ شاہی کرسی پر بیٹھ کر ملکہ لاب بادشاہ بدر باسم کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی' موئے' اب میں اپنے گھر آ پہنچی' مری منہ مانگی مراد مجھے مل گئی' دیکھ تو سہی میں تیرے اور اس بوڑھے سبز فروش کے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ میں نے اس پر کتنے احسان کئے ہیں لیکن وہ میرے ساتھ برائی کرتا رہا۔ اس کے ذریعے سے تو نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔

یہ کہہ کر ملکہ لاب نے پانی لیا اور اس پر چھڑک کر کہا اس صورت کو بدل کر بد صورت سی چڑیا کی شکل اختیار کر لے' وہ فوراً ایک بھونڈی چڑیا کی شکل میں آ گیا۔ ملکہ نے اسے ایک پنجرے میں ڈال کر اس کا کھانا پینا بند کر دیا۔ اتفاق سے ایک باندی کی نظر اس پر پڑی' اسے ترس آ گیا۔ وہ ملکہ کی پیٹھ پیچھے اسے کھلاتی پلاتی رہتی' ایک روز ملکہ کی آنکھ بچا کر وہ بوڑھے کنجڑے کے پاس پہنچی۔ اس سے ساری باتیں کہہ دیں۔ اور یہ بھی کہا کہ ملکہ لاب چاہتی ہے کہ تیرے بھتیجے کو مار ڈالے۔ بوڑھے نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بولا اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ میں اس کے

ہاتھ سے شہر چھین لوں اور اس کے بجائے تجھے اس کی ملکہ بنا دوں۔ یہ کہہ کر اس نے زور سی سیٹی بجائی۔ ایک دیو آ پہنچا۔ جس کے چار بازو تھے۔ بوڑھے نے کہا اس لڑکے کو لے کر گلنار بحریہ اور اس کی ماں فراشہ کے شہر میں جا کیونکہ ان دونوں سے بڑھ کر دنیا بھر میں کوئی جادوگر نہیں ہے اور لڑکی سے بولا۔ وہاں پہنچ کر ان سے کہیو کہ بادشاہ بدر باسم ملکہ لاب کی قید میں ہے۔ دیو اسے لے کر اڑا۔ ابھی ایک پل بھی نہ گزرا ہو گیا کہ گلنار بحریہ کے محل پر جا اتر۔ لڑکی چھت پر اسے اتر کہ ملکہ گلنار کے پاس پہنچی اور زمین چوم کر سارا ماجرا کہہ سنایا جو اس کے بیٹے کے ساتھ پیش آیا تھا۔ گلنار اس کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کا شکریہ ادا کیا اور شہر میں شادیانے بجنے لگے۔ گل ناز نے شہر والوں اور تمام امرا کو خبر پہنچا دی کہ بدر باسم کا پتہ چل گیا ہے۔ اب گلنار بحریہ اور اس کی ماں فراشہ اور اس کے بھائی صالح نے جنوں کے تمام قبیلوں اور سمندری لشکر کو بلوایا کیونکہ بادشاہ سمندل کے گرفتار ہونے کے بعد وہ سب ان کے مطیع ہو گئے تھے اور جادو گرنی کے شہر میں پہنچے۔ محل کو لوٹ کر اس میں جتنے کافر تھے، سب کو آناً فاناً قتل کر دیا۔

میدان صاف ہو گیا تو گلنار نے لڑکی سے پوچھا، میرا بیٹا کہاں ہے؟ وہ جا کر پنجرہ لے آئی اور چڑیا کی طرف اشارہ کر کے کہا لے یہ ہے تیرا بیٹا۔ ملکہ گلنار نے اسے پنجرے سے نکالا، پانی اس پر چھڑک دیا اور کہنے لگی کہ اس صورت کو بدل کر اپنی اصلی صورت پر آ جا، ابھی وہ اپنی بات ختم بھی نہ کرنے پائی تھی کہ وہ پر جھاڑ کو پہلے کی طرح انسان ہو گیا۔ ماں نے اسے اصلی صورت میں دیکھ کر گلے لگا لیا۔ وہ بلک بلک کر رونے لگا۔ اسی طرح اس کا ماموں صالح، نانی فراشہ اور صالح کی چچیری بہنیں رونے اور اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگیں۔ اس کے بعد گلنار نے شیخ عبداللہ کو بلوایا اور جو نیکی اس نے اس کے بیٹے کے ساتھ کی تھی، اس کا شکریہ ادا کیا اور بیٹے کا بیاہ اس لڑکی کے ساتھ، جو اس کی خبر لے کر آئی تھی، وہ اس کے ساتھ ہم بستر ہوا۔ اس کے بعد گلنار نے شیخ عبداللہ کو اس شہر کا بادشاہ بنا دیا۔ شہر کے تمام مسلمانوں کو بلا کر ان

سے ان کی بیعت ی اور ان سے قسم دے کر وعدہ لیا کہ وہ اس کی اطاعت کریں اور خدمت کریں گے۔ انہوں نے کہا سر آنکھوں سے۔ اس کے بعد وہ لوگ شیخ عبداللہ

سے رخصت ہو کر اپنے شہر کو روانہ ہو گئے' جب وہ اپنے محل پہنچے تو شہر والوں نے شادیانوں اور جشنوں سے ان کا خیر مقدم کیا' وہ اپنے بادشاہ بدر باسم کے آنے پر اس قدر خوش تھے کہ تین دن تک شہر کو آراستہ پیراستہ رکھا۔ اس کے بعد بادشاہ بدر باسم نے اپنی ماں سے کہا' اماں اب سوائے اس کے اور کچھ باقی نہیں رہا کہ میں شادی کر لوں اور ہم سب اکٹھے ہو جائیں۔ وہ بولی بیٹا' تیری رائے ٹھیک ہے لیکن مجھے یہ پتہ لگا لینے دے کہ کون سی شہزادی تیرے قابل ہو گی۔ اس کی نانی فراشہ' ماموں اور چچیری بہنوں نے کہا اے بدر باسم! جو کچھ تو چاہتا ہے' اس کے پورا کرنے کے لئے ہم سب حاضر ہیں اور وہ سب مختلف شہروں کو دلہن ڈھونڈنے کی غرض سے روانہ ہو گئے۔ گلنار بحریہ نے بھی اپنی کنیزوں کو دیوؤں کے کندھوں پر سوار کر کے روانہ کر دی اور ان سے کہا کوئی شہر یا شاہی محل نہ بچے' جہاں تم نہ جاؤ اور نہ دیکھو کہ کون کون خوبصورت لڑکیاں ہیں۔ بادشاہ بدر باسم نے دیکھا کہ وہ سب اس بارے میں کتنی کوششیں کر رہے ہیں تو اس نے اپنی ماں گلنار سے کہا' اماں یہ تکلیف نہ اٹھا' مجھے سوائے بادشاہ سمندل کی بیٹی جوہرہ کے اور کوئی پسند نہیں جیسا اس کا نام ہیرا ہے ویسے ہی وہ بھی ہیرا ہے۔ ماں بولی' میں تیرا مطلب سمجھ گئی اور اس نے بادشاہ سمندل کو بلوا بھیجا۔ وہ فوراً حاضر کیا گیا۔ اس کے بعد اس نے بدر باسم کو بلایا۔ وہ آیا تو گلنار نے کہا بادشاہ سمندل حاضر ہے اور بدر باسم اس کے پاس گیا۔

جونہی بادشاہ سمندل نے بدر باسم کو آتے دیکھا تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا اور سلام کر کے اس کا خیر مقدم کیا۔ بادشاہ بدر باسم نے اس سے اس کی بیٹی جوہرہ سے شادی کی درخواست کی' اس نے جواب دیا کہ وہ تیری لونڈی ہے اور تیری خدمت کے لئے حاضر ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے چند خاص آدمیوں کو یہ کہہ کر اپنے ملک بھیجا کہ میری بیٹی جوہرہ کو یہاں لے آؤ اور اس سے کہو کہ تیرا باپ گلنار بحریہ

کے بیٹے بادشاہ باسم کے پاس ہے وہ لوگ اڑ کہ ہوا میں غائب ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد شہزادی جوہرہ کو لے کر حاضر ہوئے۔ جونہی اس کی نظر اپنے باپ پر پڑی۔ وہ دوڑ کر اس کے گلے لپٹ گئی۔ باپ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا بیٹی' میں نے تیری شادی اس باہمت اور شیر دل سے کر دی ہے جو ملکہ گلنار کا بیٹا بادشاہ بدر باسم ہے۔ وہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ حسین' عالی مرتبہ' جمیل اور شریف النسب ہے۔ نہ وہ سوائے تیرے اور کسی کے قابل ہے نہ تو کسی اور کے لائق جو ہرہ نے کہا ابا' میں تیری مخالفت نہیں کر سکتی جو تیرا جی چاہے کر کیونکہ اب میری دشمنی اور نفرت جاتی رہی ہے۔ میں اس کی لونڈی ہو گئی ہوں۔ اس کے بعد قاضی اور گواہ بلوائے گئے۔ انہوں نے ملکہ گلنار بحریہ کے بیٹے بادشاہ بدر باسم کا نکاح نامہ شہزادی جوہرہ کے ساتھ مرتب کر دیا۔ شہر والوں نے شہر کو سجایا۔ شادیانے بجائے گئے' قیدی رہا ہوئے اور بادشاہ نے فقیروں اور یتیموں کی کپڑے پہنائے۔ سرداروں' امیروں اور رئیسوں کو خلعت دیئے' بڑا جشن منایا گیا' ولیمے دیئے گئے اور دس روز تک دن رات خوشیاں رہیں' نو مختلف لباسوں میں جوہرہ کی منہ دکھائی بادشاہ بدر باسم کے سامنے ہوئی اس کے بعد بادشاہ بدر باسم نے بادشاہ سمندل کو خلعت عطا کر کے اسے اس کے وطن اور اہل و اقارب کے پاس روانہ کر دیا۔ سب کے سب بڑے عیش و عشرت کے ساتھ کھانے پینے اور مزے اڑانے لگے۔ یہاں تک کہ لذتوں کو مٹانے' صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔ یہ ہے ان کی کہانی آخر' ان سب پر خدا کی رحمت ہو۔

- بادشاہ محمد بن سبائک اور تاجر حسن کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------ ایک یہ کہانی بھی سننے میں آئی ہے کہ پرانے زمانے میں عجم کا ایک بادشاہ تھا' محمد بن سبائک نام' جس کی حکومت سارے خراسان پر تھی ہر سال وہ ہند' سند' چین ماورا النہر اور دوسرے عجمی کافروں کے ملکوں پر جہاد کیا کرتا۔ بڑا

انصاف پسند' نیک دل اور سخی بادشاہ تھا۔ اسے صحبتیں' قصے اشعار' داستانیں' حکایتیں اور رات کی کہانیاں بہت پسند تھی۔ جس کسی کو کوئی عجیب و غریب کہانی یاد ہوتی اور اسے سناتا وہ اسے بہت انعام دیتا۔ کہتے ہیں کہ جب کبھی کوئی پردیسی آ کر اسے عجیب و غریب حکایت بیان کرتا اور وہ اسے پسند آتی تو وہ اسے عمدہ خلعت عطا کرتا' ایک ہزار دینار' سواری کے لئے گھوڑا مع زین اور رکاب کے نذر کرتا' سر سے پاؤں تک پہننے کے لئے لباس دیتا' ان کے علاوہ بھی بڑے بڑے اور انعام دیتا۔ ایک دن واقعہ ہے کہ کوئی بوڑھا شخص اس کے پاس آیا اور اسے ایک عجیب و غریب کہانی سنائی۔ بادشاہ کو وہ کہانی بے حد پسند آئی اور اس شخص کو عمدہ عمدہ انعام دیئے' منجملہ ان کے ایک ہزار خراسانی دینار اور پورے سازو سامان کے ساتھ ایک گھوڑا بھی تھا۔

اس بادشاہ کی خبر تمام ملکوں میں پھیل گئی۔ رفتہ رفتہ یہ شہرت تاجر حسن نامی ایک شخص کے کانوں تک بھی پہنچی جو بڑا شریف سخی' عالم فاضل اور شاعر تھا۔ بادشاہ کا ایک وزیر تھا جسے حسد کا پتلا اور بس کی گانٹھ کہنا چاہئے۔ اس کو کسی سے بھی محبت نہ تھی۔ نہ امیر سے نہ غریب سے' جو کوئی اس بادشاہ کے پاس آتا اور بادشاہ اسے کچھ دیتا تو وزیر اس سے حسد کرنے لگتا اور کہتا کہ اسی باتوں سے مال ضاؤ اور ملک تباہ ہوتا ہے' مگر کیا کیا جائے بادشاہ کی یہی عادت ہے۔ وزیر ایسی باتیں محض حسد اور بغض کی وجہ سے کیا کرتا۔ جب بادشاہ نے تاجر حسن کے متعلق سنا تو اسے بلوا بھیجا۔ وہ حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا اے تاجر حسن' وزیر مجھ سے بیر رکھا ہے اور میر مخالفت پر تلا ہوا ہے کیونکہ میں شاعروں' ندیوں' کہانیاں اور شعر سنانے والوں کو مال و دولت دیتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے کوئی اسی عجیب و غریب کہانی سنا میں نے کبھی نہ سنی ہو۔ اگر وہ مجھے پسند آئی تو میں بہت جاگیریں مع ان کے قلعوں کے تجھے عطا کروں گا۔ تیری عزت اور زیادہ ہو جائے گی بلکہ اپنی ساری حکومت تیرے ہاتھ میں دے دوں گا' تجھے اپنا بڑا وزیر بناؤں گا۔ اپنے دہنے ہاتھ پر بٹھاؤں گا۔ تو میری رعیت پر حکومت کرے گا اور اگر جیسا میں کہتا ہوں' تو نے کیا تو میں تیرا سارا مال ضبط کر کے تجھے شہر

بدر کر دوں گا۔ تا جر حسن نے جواب دیا اے ہمارے مولا بادشاہ! تیرا حکم سر آنکھوں پر لیکن تیرا غلام تجھ سے یہ درخواست کرتا ہے کہ ایک سال صبر کر۔ اس کے بعد میں تجھے ایک ایسی داستان سناؤں گا کہ جیسے نہ تو نے عمر بھر نہ سنی ہو گی' نہ کسی اور نے' چہ جائیکہ کہ اس سے بہتر۔ بادشاہ بولا اچھا میں تجھے ایک سال کی مہلت دیتا ہوں اور ایک نفیس خلعت منگا کرر اسے عنایت کیا اور اس سے کہا ایک سال تک نہ تو سوار ہو جائیو' نہ کہیں آئیو جائیو۔ یہاں تک کہ جو چیز میں نے تجھ سے طلب کی ہے وہ لے کر حاضر ہو۔ اگر تو لے آیا تو تو خاص انعام کا مستحق ہے اور جو میں نے وعدہ کیا ہے' اسے پورا کر کے تجھے خوش کر دوں گا ورنہ نہ تو تو ہمارا ہے' نہ ہم تیرے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- سات سو ستاونویں رات

سات سو ستاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بن سبائک کہہ چکا کہ نہ تو ہمارا' نہ ہم تیرے تو تاجر حسن نے اس کے آگے زمین چومی اور چلا گیا۔

گھر پہنچ کر اس نے پانچ غلام چنے جو سب لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ فاضل' عاقل ادیب اور خاص غلاموں میں سے تھے۔ ہر ایک کو پانچ پانچ ہزار دینار دے کر کہا میں نے تمہیں آج ہی کے لئے پالا تھا۔ اب تم بادشاہ کی مطلب بر آری میں میری مدد کر کے مجھے اس کے پنجے سے چھڑا لو۔ انہوں نے پوچھا تو کیا کرنا چاہتا ہے؟ ہم اپنی جانیں تجھ پر فدا کر دیں گے۔ اس نے جواب دیا میں یہ چاہتوں ہوں کہ تم میں سے ہر ایک' ایک ملک کو جائے' وہاں کے عالموں' ادیبوں' فاضلوں اور عجیب و غریب قصے کہانی سنانے والوں سے قصے کہانیاں سنے اور سیف الملوک کی کہانی ڈھونڈ کر میرے پاس لائے۔
اگر تمہیں معلوم ہو کہ وہ کسی ایسے شخص کے پاس ہے جو دولت کا لالچی ہو تو جتنا سونا چاندی وہ مانگے' اسے دے دو باقی کا وعدہ کر لو اور وہ کہانی لے کر میرے پاس آ جاؤ۔ تم میں سے جو کوئی وہ کہانی لے کر آئے گا' اسے میں عمدہ عمدہ خلعت اور بہت سا انعام دوں گا اور اس سے زیادہ عزیز میری نگاہ میں کوئی دوسرا نہ ہو گا۔ تاجر حسن نے ان میں سے ایک سے کہا کہ تو ہند' سند' ان کے صوبوں اور ملکوں کو جا۔ دوسرے سے کہا تو عجم اور چین کے ملکوں کا سفر کر۔ تیسرے سے کہا کہ تیرے حصے میں خراسان کے تمام ملک صوبے ہیں' چوتھے سے کہا تو مغرب کے ملکوں' ان کے دارالسلطنتوں' صوبوں اور تمام آس پاس کے ملکوں میں جا۔ پانچواں جو باقی رہا اس سے کہا تو شام' مصر کے علاقوں اور ملکوں کی سیر کر۔
تاجر نے ان کے لئے ایک مبارک دن مقرر کیا۔ وہ دن آ گیا تو ان سے کہا' آج روانہ ہو جاؤ اور میرا مقصد پورا کرنے میں جان توڑ کوشش کرو' اگر تمہیں جان بھی دی پڑے

تو دریغ نہ کرنا۔ وہ رخصت ہو کر روانہ ہو گئے اور ان میں سے ہر ایک اس طرف گیا جہاں جانے کا تاجر نے حکم دیا تھا۔ ان میں چار آدمی چار مہینے تک غائب رہے اور ڈھونڈتے پھرتے رہے، مگر جب انہیں کچھ نہ ملا تو لوٹ آئے جب یہ چار غلام لوٹ آئے تو تاجر کو بڑی پریشانی ہوئی۔ انہوں نے آ کر یہ کہا کہ ہم نے شہر، ملک اور اقلیمیں چھان ماریں لیکن ہمیں اپنے آقا کا مقصد ہاتھ نہ لگا۔ پانچواں غلام سفر کرتے کرتے شام پہنچا، دمشق میں جا کر اس نے دیکھا کہ وہ بڑا خوبصورت اور مضبوط شہر ہے وہاں سے درخت، چشمے، میوے ہیں اور چڑیاں یکتا اور قوی خدا کی جس نے دن رات پیدا کئے ہیں، پا کی بیان کر رہی ہیں۔ وہ وہاں کئی روز ٹھر کر اپنے آقا کی ضرورت کے متعلق پوچھتا رہا، کوئی اسے پوا نہ کر سکا اور وہ چاہتا ہی تھا کہ وہاں سے روانہ ہو کر کسی اور جگہ جائے، دیکھتا کہ ایک جوان اس سے ٹکرا گیا۔ غلام نے پوچھا تو ایسی بد حواسی میں کہاں بھاگا جا رہا ہے؟ اس نے جواب دیا یہاں ایک فاضل بوڑھا ہے جو ہر روز اسی وقت کرسی پر بیٹھ کر اسے اچھے اچھے قصے کہانیاں داستانیں سناتا ہے جو کسی نے نہ سنی ہوں۔ اس لمحے دوڑا جا رہا ہوں کہ اس کے قریب جگہ مل جائے کیونکہ مجھے بھی ڈر ہے کہ لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے جگہ نہ ملے۔ غلام بولا مجھے بھی اپنے ساتھ لیتا چل۔ جوان نے کہا دوڑ کر آ۔ غلام اپنا دروازہ بند کر کے اس کے ساتھ دوڑا اور اس جگہ پہنچا جہاں وہ بوڑھا لوگوں کے بیچ بیٹھا قصہ سنا رہا تھا، اس نے دیکھا کہ ایک خوب صورت بوڑھا کرسی پر بیٹھا کہانی کہہ رہا ہے۔ اس کے پاس بیٹھ اور کان لگا کر سننے لگا۔ سورج غروب ہوتے وقت شیخ نے اپنی داستانیں ختم کیں اور لوگ چلے گئے۔

اب غلام نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ غلام نے کہا اے میرے آقا شیخ مجھے تجھ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ شیخ نے کہا جو تیرا جی چاہے ' پوچھ۔ غلام بولا تیرت پاس سیف الملوک اور بدیع الجمال کی بھی کہانی ہے؟ شیخ نے کہا تو نے کس سے سنا اور تجھ سے کس نے ان کا ذکر

کیا ہے؟ غلام بولا میں نے یہ کہانی تو کسی سے نہیں سنی لیکن میں بڑی دور سے اس کہانی کی تلاش میں آیا ہوں' اگر وہ تیرے پاس ہو' تو مہربانی فرما کر مجھے عنایت کر دے اور اپنے اوپر صدقہ کر کے مجھے دے دے تو جو قیمت تو مانگے گا' میں دوں گا۔ اگر میری جان میرے ہاتھ میں ہوتی تو میں اسے بھی خوشی سے دے دیتا۔ شیخ نے کہا خوش ہو' غم نہ کر وہ تیرے لئے حاضر ہے لیکن یہ کہانی ایسی نہیں ہے کہ کوئی اسے راہ گلی سناتا پھرے۔ نہ میں اسے ہر کس و ناکس کو دے سکتا ہوں۔ غلام نے کہا اے میرے آقا' خدا کے لئے میرے ساتھ بخل نہ کر اور جو تیرا جی چاہے' مانگ۔ شیخ نے کہا اگر تو یہ قصہ چاہتا ہے تو میں اسے ایک سو دینار کے بدلے تجھے دوں گا پانچ شرطوں کے ساتھ۔ غلام نے سنا کہ وہ قصہ شیخ کے پاس ہے اور دینے کے لئے آمادہ ہے تو بہت خوش ہوا اور بولا کہ میں تجھے سو دینار اس کی قمیت اور دس دینار انعام دوں گا اور جو تیری شرطیں ہوں گی' انہی پر لوں گا۔ شیخ نے کہا جا اشرفیاں لے آ اور اسے ساتھ لے جا۔ غلام نے اٹھ کر اس کے ہاتھ چومے' خوش خوش اپنے گھر روانہ ہو گیا اور ایک سو دس دینار ایک تھیلی میں رکھے جو اس کے پاس تھی۔

سویرا ہوتے ہی اس نے کپڑے پہنے اور دینار لے کر شیخ کے پاس پہنچا' دیکھا کہ وہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھا ہوا ہے۔ غلام نے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ غلام نے اسے ایک سو دس دینار دیئے۔ وہ انہیں لے کر غلام کے ساتھ گھر کے اندر گیا' غلام کو بٹھایا اور اس کے سامنے قلم' دوات اور کاغذ رکھ دیا اور ایک کتاب اس کے سامنے پیش کر کے کہا کہ سیف الملوک کا قصہ جس کی تلاش میں تو ہے' اس کتاب میں سے نقل کر لے۔ غلام بیٹھ کر وہ قصہ لکھنے لگا یہاں تک کہ سارا لکھ ڈالا اور شیخ کے سامنے پڑھ کر اس کی تصیح کرالی۔ اب شیخ نے کہا' بیٹا پہلی شرط یہ ہے کہ تو اس کو سڑک پر بیٹھ کر نہ سنائے' نہ عورتوں اور لونڈیوں کے سامنے' نہ غلاموں اور بے وقوفوں کے سامنے' نہ بچوں کے سامنے بلکہ محض امیروں' بادشاہوں'

وزیروں، عالموں، اور مفسروں وغیرہ کے سامنے۔ غلام نے سب شرطیں قبول کر لیں۔ شیخ کے ہاتھ چومے اور اس سے رخصت ہو کر چل دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## سات سو اٹھاون ویں رات

سات سو اٹھاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- تاجر حسن کا غلام' شیخ سے رخصت ہو کر چلا گیا اور اسی دن خوش خوش سفر شروع کر دیا۔ وہ سیف الملوک کے قصے پا جانے پر اتنا خوش تھا کہ دن رات سفر کرنے لگا اور اپنے وطن پہنچ کر اپنے نوکر کو آگے بھیجا تاکہ تاجر کو خوش خبری دے اور اس سے کہے کہ تیرا غلام آ گیا ہے اور مراد حاصل ہو گئی ہے جب غلام اپنے آقا کے شہر میں پہنچا اور اسے خوشخبری بھیجی تو اس میعاد میں جو بادشاہ اور تاجر حسن کے درمیان مقرر ہوئی تھی' محض دس دن باقی رہ گئے تھے۔ غلام نے اپنے آقا کے پاس جا کر اسے خبر دی کہ میں تیری مراد حاصل کر کے آیا ہوں۔ وہ بہت خوش ہوا اور غلام نے اپنے گھر میں ستانے کے بعد اپنے آقا کو وہ کتاب دے دی جس میں سیف الملوک اور بدیع الجمال کا قصہ لکھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی آقا نے اپنے سارے کپڑے اتار کر اسے دے دیئے' دس اصیل گھوڑے' دس اونٹ' دس خچر اور تین غلام عطا کئے اور اس قصے کو تفصیل کے ساتھ اپنے ہاتھ سے لکھ کر بادشاہ کے پاس پہنچا اور کہا اے نیک نہاد بادشاہ! میں ایسی پیاری اور کمیاب کہانی لایا ہوں جو کبھی کسی نے نہ سنی ہو گی۔ بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ تمام سمجھ دار' امیر وزیر' پڑھے لکھے' سارے ادیب' شاعر اور دانش مند لوگ حاضر ہوں۔ تاجر حسن نے بادشاہ کے سامنے وہ قصہ پڑھا۔ اسے سن کر بادشاہ اور تمام حاضرین حیران ہو گئے' بہت پسند کیا۔ سب نے اس کے اوپر سونا چاندی اور جواہرات نثار کئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ تاجر حسن کو بہترین خلعت دیا جائے اور اسے ایک پورا شہر قلعوں اور جاگیروں سمیت عطا کیا۔ اسے اپنا بڑا وزیر بنا کر اپنے داہنی طرف بٹھایا اور کاتبوں کو حکم دیا کہ اس قصے کو سونے سے لکھ کر شاہی خزانے میں محفوظ رکھیں۔ جب کبھی بادشاہ کا دل گھبراتا تو وہ تاجر حسن کو بلاتا اور تاجر حسن وہ قصہ پڑھ کر

اسے سناتا۔

○ سیف الملوک اور بدیع الجمال کی کہانی

قصے کا مضمون یہ ہے کہ پرانے زمانے میں مصر کا ایک بادشاہ عاصم بن صفوان نام تھا' بڑا سخی' دریا دل اور شاندار۔ اس کے قبضے میں بہت سے ملک' قلعے' گڑھیاں' فوجیں اور لشکر تھے۔ اس کا ایک وزیر فارس بن صالح تھا۔ سارا ملک خدا کو چھوڑ کر سورج اور آگ کی پرستش کرتا۔ ہوتے ہوتے یہ بادشاہ بوڑھا ہو گیا۔ بڑھاپے اور بیماریوں کی وجہ سے نہایت کمزور' کیونکہ اس کی عمر ایک سو اسی برس کی ہو چکی تھی' لیکن اس کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ نہ لڑکا نہ لڑکی۔ وہ رات دن غمگین اور رنجیدہ رہتا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ وہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ امرا' وزرا' سردار اور منصب دار دستور کے موافق اس کی خدمت میں درجہ بہ درجہ فائز تھے جو امیر آتا اس کے ساتھ ایک ایک دو دو بیٹے ہوتے' یہ دیکھ کر بادشاہ کو حسد ہوا۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ ہر شخص اپنی اولاد پر خوش و خرم ہے لیکن میری کوئی اولاد نہیں۔ کل میں مر جاؤں گا اور میرا تخت جائیدادیں' خزانے اور مال و دولت غیروں کے ساتھ لگے گا۔ کوئی میرا نام لیوا نہ رہے گا' نہ دنیا میں مجھے کوئی یاد کرے گا۔ اس خیال کا اس کے دل پر اتنا صدمہ ہوا کہ آنسو نکل پڑے' تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور گریہ و زاری کرنے لگا۔

وزیر اور حکومت کے دوسرے امراء نے جو وہاں حاضر تھے' اس کی یہ حالت دیکھی تو انہوں نے لوگوں سے پکار کر کہا کہ جب تک بادشاہ کی حالت سنبھل نہ جائے تم سب گھر جا کر آرام کرو۔ وہ سب چلے گئے' سوائے بادشاہ اور وزیر کے وہاں کوئی باقی نہ رہا۔ جب بادشاہ کو ذرا ہوش آیا تو وزیر نے اس کے آگے زمین چومی اور کہا' جہاں پناہ! اس رونے کا سبب کیا ہے؟ بادشاہوں' قلعے والوں یا امراء اور منصب داروں میں سے کسی نے تیرے ساتھ دشمنی کی ہے' مجھے بتا کون تیری مخالفت پر آمادہ ہے تاکہ اسے

بادشاہ! ہم سب مل کر اس کی جان نکال لیں۔ اس کا جواب دینا تو درکنار' بادشاہ نے سر تک نہ اٹھایا۔ وزیر نے دوبارہ اس کے آگے زمین چومی اور کہا جہاں پناہ! میں تیرے لڑکے اور غلام کی طرح ہوں تو نے مجھے پالا پوسا ہے اگر مجھے تیرے غم' رنج اور افسوس کا سبب معلوم نہ ہوا تو اور کسے معلوم ہو سکتا ہے۔ کون ایسا ہو سکتا ہے جو تیرے آگے مجھ جیسی خدمت کرے؟ کہہ تو سہی کہ اس رونے دھونے اور رنج و غم کا کیا سبب ہے؟ اس پر بھی بادشاہ نہ بولا' نہ اس نے منہ کھولا اور نہ سر اٹھایا بلکہ برابر روتا' چلاتا اور آہ واویلا کرتا رہا۔ تھوڑی دیر صبر کرنے کے بعد وزیر نے کہا کہ اگر تو اس کا سبب نہ بتائے گا تو میں ابھی تیرے آگے جان دے دوں گا کیونکہ میں تجھے رنجیدہ نہیں دیکھ سکتا۔ اب بادشاہ عاصم نے سر اٹھایا اور اپنے آنسو پونچھ کر کہنے لگا اے نیک رائے وزیر' مجھے میرے رنج و غم میں رہنے دے' جو درد و غم میرے دل میں ہے وہ کیا کم ہے! وزیر بولا اے بادشاہ! اس رونے دھونے کا سبب مجھے بتا دے' شاید میرے ذریعے سے تجھے خوشی حاصل ہو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو انسٹھ ویں رات

سات سو انسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب وزیر نے بادشاہ عاصم سے کہا کہ اس رونے دھونے کا سبب مجھے بتا دے شاید میرے ذریعے سے تجھے خوشی حاصل ہو تو بادشاہ نے کہا اے وزیر! میرے رونے کی وجہ نہ مال و دولت ہے' نہ ہاتھی گھوڑے نہ اس قسم کی کوئی اور چیز بلکہ تو جانتا ہے کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں' میری عمر ایک سو اسی سال کے لگ بھگ ہو چکی ہے اور اب تک میرے ہاں کوئی لڑکا ہوا نہ لڑکی۔ اگر میں مر گیا تو لوگ مجھے دفن کرکے بھول جائیں گے' میرا نام مٹ جائے گا اور دوسرے لوگ میرا تخت اور ملک لے لیں گے' کوئی میرا نام لیوا باقی نہ رہے گا۔ وزیر نے کہا جہاں پناہ! میں تجھ سے سو برس بڑا ہوں' میری بھی کوئی اولاد نہیں' میں بھی اس پر دن رات رنجیدہ اور غمگین رہتاہوں اب ہم دونوں کو کیا کرنا چاہیے؟

لیکن میں نے سنا ہے کہ کوئی سلیمان بن داؤد بادشاہ ہے اور اس کا ایک پروردگار ہے جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ مجھے چاہیے کہ میں ایک ہدیہ لے کر اس کے پاس جاؤں اور اس سے کہوں کہ وہ اپنے پروردگار کے آگے دعا کرے کہ ہم دونوں کے ہاں اولاد پیدا ہو۔ یہ کہہ کر وزیر نے سفر کی تیاری کی اور نہایت قیمتی ہدیہ لے کر سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس پہنچا۔

یہ تو وزیر کا قصہ ہوا' اب سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا حال سنو۔ خدا نے ان پر وحی نازل کی اے سلیمان' مصر کے بادشاہ نے اپنے بڑے وزیر کو ہدیئے اور تحفے دے کر تیرے پاس روانہ کیا ہے اور ان میں یہ یہ چیزیں ہیں۔ تو اپنے وزیر آصف بن برخیا کو اس کے پاس بھیج تاکہ وہ عزت و احترام سے اس کا استقبال کرے اور ہر منزل پر اس کے لئے کھانا پینا مہیا کرے۔ جب وہ تیرے پاس پہنچے تو اس سے کہیو کہ بادشاہ

نے تجھے فلاں فلاں کام کے لئے بھیجا ہے اور اس کی یہ یہ خواہش ہے۔ اس کے بعد اس کے آگے سلام پیش کیجیو۔ یہ سنتے ہی سلیمان نے اپنے وزیر آصف کو حکم دیا کہ

اپنے ساتھیوں کو لے کر روانہ ہو جائے' عزت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرے اور ہر منزل پر ان کے لئے کھانا پینا' دانہ چارا مہیا کیا او ان سے کہا آنے والے مہمانو! اہلاً و سہلاً مرحبا' خوش اور دل شاد ہو اور بے فکر ہو جاؤ کہ تمہاری حاجت پوری ہو گئی۔ وزیر اپنے دل میں کہنے لگا' ان لوگوں کو کیسے خبر ہو گئی؟ اور آصف بن برخیا سے پوچھا' اے میرے آقا! ہماری اور ہمارے مقصد کی خبر تمہیں کس نے دی؟ آصف برخیا نے کہا' سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے۔ وزیر فارس نے پوچھا' ہمارے آقا سلیمان بن داؤد علیہما السلام کو کس نے خبر دی؟ آصف نے کہا' انہیں زمین اور آسمان کے پروردگار اور ساری مخلوقات کے خدا نے خبر دی۔ وزیر فارس بولا پھر تو وہ بہت بڑا خدا ہو گا۔ اب آصف برخیا نے پوچھا کہ کیا تم اس کی پرستش نہیں کرتے؟ مصر کے بادشاہ کے وزیر فارس نے کہا ہم سورج کی پرستش کرتے ہیں اور اسی کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ آصف نے کہا اے وزیر فارس! سورج منجملہ اور تاروں کے ایک تارا ہے جو خدا نے پیدا کیا' وہ ہرگز معبود نہیں ہو سکتا' وہ تو کبھی نکلتا ہے اور کبھی چھپ جاتا ہے' مگر ہمارا پروردگار ہمیشہ موجود ہے کبھی غائب نہیں ہوتا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ سبا کے ملک میں پہنچے اور جب سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے دارالسطنت کے قریب آئے تو انہوں نے اپنے جن وانس وغیرہ کے لشکروں کو حکم دیا کہ ان کی راہ میں صف باندھ کر کھڑے ہو جائیں۔ یہ سنتے ہی سمندر کے جانور' ہاتھی' چیتے اور تیندوے دو رویہ صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اس طرح سے کہ ہر جنس والے ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ یہی جنات نے بھی کیا' وہ پوشیدہ نہ تھے بلکہ دکھائی دیتے تھے اور طرح طرح کی بھیانک شکل میں تھے۔ سب کے سب دو رویہ صف باندھے کھڑے تھے۔ چڑیاں ان کے اوپر بازو پھیلائے سایہ کر رہی تھیں۔ ان چڑیوں میں سے بعض طرح طرح کی بولیاں بول رہی اور راگ گا رہی تھیں۔ مصر والے ان کے پاس

پہنچے تو مارے ڈر کے ٹھٹک گئے۔ آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ آصف نے کہا ان کے بیچ میں ہو کر چلو اور ان سے ڈرو نہیں کیونکہ وہ سب سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی رعایا ہیں' ان میں سے کوئی بھی تمہیں تکلیف نہ پہنچائے گا۔ یہ کہہ کر آصف ان کے آگے آگے چلا' پیچھے پیچھے باقی سب لوگ جن میں ڈرتے ڈرتے مصر کے بادشاہ کے وزیر کے ساتھی بھی تھے۔ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو مہمان خانے میں اتارے گئے۔ ان کی بڑی خاطر مدارات کی گئی۔ تین دن تک انہیں عمدہ عمدہ کھانے کھلائے گئے۔ پھر وہ خدا کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش ہوئے۔ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے چاہا کہ سجدہ کریں لیکن حضرت سلیمان بن داؤد نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ کسی انسان کو سجدہ جائز نہیں سوائے اس بزرگ خدا کے جس نے زمین و آسمان وغیرہ پیدا کئے ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی کھڑا رہنا چاہتا ہے تو وہ کھڑا رہے لیکن میری خدمت کے لئے نہیں۔ سب نے اس کی تعمیل کی' وزیر فارس اور اس کے بعض نوکر چاکر بیٹھ گئے اور بعض چھوٹے درجے کے غلام کھڑے رہے۔

وہ بیٹھ چکے تو ان کے لئے دسترخوان بچھائے گئے۔ اور تمام لوگوں نے کھانا کھایا۔ یہاں تک کہ سیر ہو گئے۔ اب سلیمان نے مصر کے وزیر سے کہا اپنی حاجت بیان کر تاکہ وہ پوری ہو جائے۔ بول اور جس لئے تو آیا ہے اس میں سے کوئی بات نہ چھپا کیونکہ تو حاجت روائی کی غرض سے آیا ہے۔ اچھا میں خود ہی تجھے بتائے دیتا ہوں کہ وہ کیا ہے' وہ فلاں فلاں بات ہے اور مصر کا بادشاہ جس نے تجھے بھیجا ہے اس کا نام عاصم ہے۔ وہ بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہے اور خدا نے اب تک نہ اسے لڑکا دیا نہ لڑکی۔ اس وجہ سے وہ رات دن غم' رنج اور فکر میں مبتلا رہتا ہے۔ ایک دن جب وہ شاہی کرسی پر بیٹھا تھا۔ امرا' وزراء اور حکومت کے دوسرے بڑے لوگ آتے جاتے تھے' دیکھا کہ کسی کے ساتھ ایک بیٹا' کسی کے ساتھ دو اور کسی کے ساتھ تین بیٹے ہیں۔ وہ اپنے اپنے بیٹوں کے ساتھ آتے اور اس کی خدمت میں کھڑے ہوتے جاتے ہیں۔ اس پر وہ سوچ میں پڑ گیا اور نہایت افسوس کے ساتھ کہنے لگا دیکھا چاہیے کہ میرے مرنے

کے بعد میرا ملک کس کے پاس جاتا ہے' وہ کسی غیر شخص کے قبضے میں آ جائے گا اور میری یہ حالت ہو جائے گی' گویا میں تھا ہی نہیں۔ اس لیے وہ سوچ میں پڑ گیا' اتنا مفکر اور پریشان ہوا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ رومال سے منہ ڈھانک کر خوب رویا۔ اس کے بعد روتا پیٹتا تخت سے اترا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ اس وقت اس کی حالت سوائے خدا کے اور کسی کو معلوم نہ تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو ساٹھ ویں رات

سات سو ساٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے بادشاہ کا سارا حال اس کے وزیر فارس سے بیان کر کے پوچھا۔ اے وزیر کیا جو کچھ میں نے تجھ سے کہا' صحیح نہیں؟ وزیر نے کہا اے خدا کے نبی! جو کچھ تو نے کہا بالکل درست اور ٹھیک ہے' لیکن اے خدا کے نبی جب میں اور بادشاہ اس بارے میں گفتگو کر رہے تھے تو ہمارے پاس کوئی اور نہ تھا' نہ کسی کو کانوں کان اس کی خبر تھی' تجھے ان باتوں کی خبر کیسے ہو گئی؟ آپ نے فرمایا' میرے پروردگار نے مجھے خبر دے دی ہے جو ان تمام باتوں کو جانتا ہے جو آنکھوں سے اوجھل اور سینے میں چھپی رہتی ہیں۔ یہ سن کر وزیر فارس بولا' اے خدا کے نبی! وہ تو کوئی بڑا عظیم الشان پروردگار معلوم ہوتا ہے جسے دلوں کے بھید تک معلوم ہیں' اور وہ اور اس کے تمام ساتھی اسلام لے آئے۔ اس کے بعد خدا کے نبی سلیمان نے وزیر سے کہا تیرے ساتھ یہ ہدیے اور تحفے ہیں وزیر نے جواب دیا ہاں سلیمان نے کہا میں نے قبول کئے لیکن وہ سب تجھے عطا کرتا ہوں۔ اب تم سب جا کر اس مکان میں آرام کرو جہاں تم ٹھہرے ہوئے ہو یہاں تک کہ سفر کی تھکن جاتی رہے۔ اگر خدا نے چاہا تو میں کل تمہاری حاجت پوری کر دوں گا۔

وزیر فارس اپنی قیام گاہ پر چلا گیا اور دوسرے دن حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے کہا جب تو بادشاہ عاصم بن صفوان کے پاس پہنچ کر اس سے ملے تو تم دونوں فلاں درخت پر چڑھ کر چپ چاپ بیٹھ جانا' دونوں نمازوں کے بیچ کا وقت ہو اور دوپہر کی گرمی کم ہو جائے تو درخت سے اتر کر نظر دوڑانا' تمہیں دو اژدہے دکھائی دیں گے۔ جن میں سے ایک کا سر بندر کا ہو گا اور دوسرے کا دیو کا۔ انہیں دیکھتے ہی تم ان پر تیر چلانا' انہیں مار ڈالنا' ان کے سروں اور دموں کی طرف سے ایک ایک

بالش کاٹ کر پھینک دینا' جوباقی رہ جائے' اسے پکانا وہ خوب گل جائے تو اسے اپنی بیویوں کو کھلانا اور اسی رات ان سے ہم بستر ہونا۔ اگر خدا نے چاہا تو دونوں کو لڑکوں کا حمل رہ جائے گا۔ اس کے بعد حضرت سلیمان نے ایک انگوٹھی' ایک تلوار اور ایک بقچہ منگوایا جس کے اندر دو قبائیں تھیں' جن میں ہیرے ٹنکے ہوئے تھے اور کہا اے وزیر فارس' جب دونوں بیٹے بڑے ہو جائیں تو دونوں کو یہ ایک ایک قبا دینا۔ اچھا بسم اللہ' خدا نے تیری حاجت پوری کر دی۔ اب خدا کا نام لے کر روانہ ہو جا۔ بادشاہ منتظر ہے۔ اس کی آنکھیں راستے پر لگی ہوئی ہیں۔ وزیر فارس خدا کے نبی سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھ چومے اور روانہ ہو گیا۔ اس خوشی میں کہ حاجت پوری ہو گئی۔ دن اور رات برابر سفر کرتے کرتے مصر کے قریب پہنچا۔ وہاں سے اس نے اپنے ایک غلام کو آگے روانہ کیا کہ جا کر بادشاہ عاصم کو خبردے۔

جب بادشاہ نے سنا کہ وزیر آگیا ہے اور اس کی حاجت پوری ہو گئی ہے تو وہ' اس کے مصاحب' درباری اور تمام لشکر پھولے نہ سمائے' خاص کر اس وجہ سے کہ وزیر صحیح و سلامت آ گیا۔ بادشاہ اور وزیر آمنے سامنے ہوئے تو وزیر نے گھوڑے سے اتر کر بادشاہ کے آگے زمین چومی او اسے خوش خبری دی کہ اس کی تمنا نہایت عمدہ طرح سے پوری ہو گئی اور اس کے سامنے اسلام پیش کیا۔ بادشاہ عاصم اسلام لے آیا اور وزیر فارس سے کہا' آج رات گھر جا کر آرام کر' ایک ہفتہ آرام لینے کے بعد حمام جائیو اور پھر میرے پاس آئیو تاکہ ہم سوچیں کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ وزیر نے زمین چومی اور وہ' اس کے غلام اور نوکر چاکر چلے گئے۔ آٹھ دن تک ستانے کے بعد وزیر بادشاہ کے پاس آیا جو کچھ اس کے اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے درمیان پیش آ یا تھا' بیان کیا اور بادشاہ سے کہا اکیلا میرے ساتھ چل۔ جنگل میں پہنچ کر بادشاہ اور وزیر تیر کمان ہاتھوں میں لے کر درخت پر چڑھ گئے اور دوپہر ڈھلنے تک چپ چاپ بیٹھے رہے۔ عصر کا وقت قریب ہوا تو نیچے اترے' انہوں نے دیکھا کہ دو اژدہے اسی درخت کے نیچے سے نکلے۔ بادشاہ دیکھتے ہی ان پر ریجھ گیا۔ ان کی گردنوں

میں سنہرے طوق تھے اور وزیر سے کہنے لگا' ان کی گردنوں میں تو سنہرے طوق ہیں' واللہ یہ کیسے عجیب و غریب ہیں۔ چل انہیں پکڑ کر پنجرے میں رکھیں اور ان کا تماشا دیکھا کریں۔ وزیر نے کہا انہیں خدا نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ ان سے فائدہ پہنچے۔ ان میں سے ایک پر تو تیر چلا اور ایک پر میں۔ دونوں نے ان پر تیر چلائے۔ جب وہ مر گئے تو ایک ایک بالشت ان کی دم کی طرف سے اور ایک ایک بالشت سر کی طرف سے کاٹ کر پھینک دیا' باقی کو لے کر محل میں گئے۔ باورچی کوبلا کر وہ گوشت اسے دیا اور کہا اس میں نمک مرچ اور مسالا ملا کر خوب اچھی طرح پکا اور دو پیالوں میں نکال کر فلاں وقت' فلاں گھڑی یہاں لے آئیو۔ دیر نہ کیجیو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو اکسٹھ ویں رات

سات سو اکسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- بادشاہ نے باورچی کو پکانے کا حکم دیا۔ باورچی نے خوب مسالا لگا کر اسے پکایا اور دو پیالوں میں نکال کر بادشاہ اور وزیر کے پاس لے گیا۔ ایک پیالہ وزیر نے لیا' دوسرا بادشاہ نے اور اپنی اپنی بیویوں کو کھلا کر اسی رات ان سے ہم بستر ہوئے۔ خدا کا کرنا کہ دونوں اسی رات حاملہ ہو گئیں۔ تین مہینے تک بادشاہ نے پریشانی کے ساتھ انتظار کیا اپنے دل میں کہتا کہ دیکھا چاہیے یہ بات صحیح ہے یا غلط۔ ایک روز اس کی بیوی بیٹھی ہوئی تھی کہ بچہ اس کے پیٹ میں کلبلایا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ حاملہ ہے۔ جب اسے درد معلوم ہونے لگا اور اس کا رنگ بدل گیا تو اس نے اپنے ایک غلام کو بلایا جو سب سے بڑا تھا۔ اس سے کہا جہاں کہیں بادشاہ ہو اس کے پاس جا کر کہہ جہاں پناہ! میں تجھے خوش خبری دیتا ہوں کہ ہماری آقا کا حمل ظاہر ہو گیا اور بچہ اس کے پیٹ میں کلبلانے لگا۔ غلام خوش خوش اور تیزی کے ساتھ دوڑا' اس نے دیکھا کہ بادشاہ اکیلا بیٹھا ہوا ہے۔ اپنے چہرے کو ہاتھ کی ٹیک دیئے کچھ سوچ رہا ہے۔ غلام نے سامنے آ کر زمین کو بوسہ دیا اور کہا جہاں پناہ' ملکہ کو حمل رہ گیا ہے۔ غلام سے یہ سنتے ہی بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا اور مارے خوشی کے غلام کا ہاتھ اور سر چومنے لگا' اپنے تمام کپڑے اتار کر اسے دے دیئے اور حاضرین سے کہا کہ تم میں سے جو کوئی مجھ سے محبت رکھتا ہو وہ اسے انعام دے' اور انہوں نے اسے اس قدر مال و دولت' جواہرات' یاقوت' گھوڑے' خچر اور باغ دیئے جو گنتی سے باہر ہیں۔

اسی وقت وزیر بھی بادشاہ کے پاس پہنچا' اس نے کہا' جہاں پناہ میں ابھی گھر میں اکیلا بیٹھا حمل کے بارے میں سوچ رہا اور دل میں کہہ رہا تھا کہ دیکھا چاہیے یہ صحیح بھی ہے کہ خاتون حاملہ ہے' بچہ اس کے پیٹ میں کلبلا رہا ہے اور اس کا رنگ بدل گیا

ہے۔ میں نے مارے خوشی کے اپنے تمام کپڑے اور ایک ہزار دینار دے کر اسے غلاموں کا سردار بنا دیا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ عاصم نے کہا' اے وزیر! خدا نے ہم دونوں پر اپنے فضل و احسان' سخاوت و بخشش کی ہے اور سچے دین کے طفیل بڑی مہربانی کی' اپنے کرم و بزرگی سے انعام و اکرام کیا اور ہمیں اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لایا۔ میں چاہتاہوں کہ لوگوں پر مہربانی کرکے انہیں خوش کروں۔ وزیر بولا جو تیرا جی چاہے کر۔ بادشاہ نے کہا'اے وزیر! ابھی جا تمام مجرموں اور قرض داروں کو قید خانے سے رہا کر دے اور اس کے بعد بھی جو کوئی جرم کرے گا' اسے مناسب طریقے سے معاف کر دیں گے۔ علاوہ بریں ہم تین سال تک لگان نہیں لیں گے۔ تو شہر پناہ کے اردگرد لنگر خانے کھول دے۔ باورچیوں کو حکم دے کہ طرح طرح کے کھانوں کی دیگیں چڑھائے رکھیں' ہر قسم کا کھانا رات دن پکاتے رہیں' شہر اور گرد و نواح والے خواہ دور کے ہوں یا نزدیک کے' کھائیں پئیں اور اپنے گھروں کو لے جائیں اور یہ بھی حکم دے دے کہ سات دن تک وہ شہر کو سجائے رکھیں۔ خوشیاں منائیں اور اپنی دکانیں نہ دن میں بند کریں نہ رات میں۔

وزیر فوراً اٹھ کر باہر گیا اور جو کچھ بادشاہ نے کہا تھا' بجا لایا۔ لوگوں نے شہر' قلعے اور برجوں کو بہترین طریقے سے سجایا' عمدہ عمدہ کپڑے پہنے' ہر روز کھانے پینے' کھیل کود اور تفریح میں مشغول ہو گئے' یہاں تک کہ ملکہ کے حمل کے دن پورے ہو گئے اور بچہ پیدا ہوا۔ بادشاہ عاصم نے حکم دیا کہ شہر کے تمام عالم' ادیب' منجم' فاضل اور منشی حاضر ہوں۔ وہ حاضر ہو کر اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ طاق میں کوڑی پھینکی جائے' یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ نجومیوں اور دائیوں کو معلوم ہو جائے کہ بچہ پیدا ہو گیا ہے۔ لوگ اسی انتظار میں تھے کہ ملکہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا جو چاند جیسا تھا۔ نجومی اس کا زائچہ کھینچنے اور پیدائش کا وقت دیکھنے' جنم پتری بنانے میں لگ گئے۔ پھر سب نے اٹھ کر بادشاہ کے آگے زمین چومی' انعام مانگا اور اسے خوش خبری دی

کہ بچہ مبارک ہے اور اس کا طالع نیک' لیکن لڑکپن میں اس پر ایک حادثہ گزرے گا جسے ہم کہتے ڈرتے ہیں۔ بادشاہ بولا کہو' بالکل نہ ڈرو۔ انہوں نے کہا اے بادشاہ! یہ بچہ اس ملک سے نکل کر پردیس جائے گا اور سمندر میں ڈوبے گا' اسے تکلیف' قید اور پریشانیوں کا سامنا ہو گا' بہت سی مصیبتیں جھیلنی پڑیں گی۔ اس کے بعد اسے ان چیزوں سے چھٹکارا ملے گا' اس کا مقصد حاصل ہو گا اور باقی عمر نہایت عیش و آرام سے گزرے گی' وہ اپنی رعایا اور ملکوں پر حکمرانی کرے گا اور دنیا پر اس طرح حکومت کرے گا کہ اس کے دشمن اور حاسد جلیں گے۔

نجومیوں کی باتیں سن کر بادشاہ نے کہا' یہ غیب کی باتیں ہیں اور جو اچھی بری بات خدا اپنے بندے کے مقدر میں لکھ دیتا ہے' اسے پورا کرکے چھوڑتا ہے۔ ممکن ہے اسے کوئی تکلیف بھی پہنچے اور عجب نہیں کہ آج سے اس وقت تک اسے ہزاروں خوشیاں نصیب ہوں۔ بہرحال بادشاہ نے ان کی باتوں کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی' انہیں اور تمام حاضرین کو خلعت دے کر رخصت کر دیا۔ اتنے میں وزیر فارس بادشاہ کی خدمت میں خوش خوش آیا اور اس کے آگے زمین چوم کر کہنے لگا۔ اے بادشاہ! خوش ہو' میری بیوی کے ہاں ابھی لڑکا پیدا ہوا ہے جو چاند کے ٹکڑے کی طرح ہے۔ بادشاہ بولا' اے وزیر! جا کر اسے لے آ تاکہ دونوں ساتھ ساتھ میرے محل میں تربیت پائیں اور اپنی بیوی کو میری بیوی کے ساتھ رکھ کہ دونوں اپنے بیٹوں کو ایک ساتھ تربیت دیں۔ وزیر اپنی بیوی اور بچے کو لے آیا اور دونوں بچے کھلائیوں اور دودھ پلائیوں کے سپرد کر دیئے گئے۔ جب سات دن گزر گئے تو دونوں' بادشاہ عاصم کے سامنے پیش کئے گئے اور اس سے پوچھا گیا کہ ان کا کیا نام رکھا جائے؟ بادشاہ نے کہا تم ہی ان کا نام رکھو۔ انہوں نے جواب دیا بیٹے کا نام سوائے باپ کے اور کوئی نہیں رکھتا۔ بادشاہ نے کہا میرے بیٹے کا نام میرے دادا کے نام پر سیف الملوک رکھو اور وزیر کے بیٹے کا نام ساعد۔ بادشاہ نے کھلائیوں اور دودھ پلائیوں کو انعام دیئے اور کہا ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اور ان کی تربیت عمدہ طریقے سے کرو۔ کھلائیوں نے بہت دل لگا کر

ان کی تربیت کی اور جب ان کی عمر پانچ سال ہو گئی تو بادشاہ نے انہیں مکتب میں ملا کے سپرد کیا۔ ملا نے انہیں پڑھنا لکھنا سکھایا۔ یہاں تک کہ ان کی عمر دس دس سال کی ہو گئی۔ اب بادشاہ نے انہیں مختلف استادوں کے سپرد کیا کہ ان دونوں کو گھوڑے پر چڑھنا' تیر چلانا' نیزہ پھینکنا' چوگان کھیلنا اور سپاہ گری کا فن سکھائیں۔ جب پندرہ پندرہ سال کے ہوئے تو وہ ہر فن میں طاق تھے۔ کوئی ایسا نہ تھا جو شہ سواری میں ان کی ٹکر کا ہو' ہر ایک اکیلا ایک ہزار کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ بادشاہ انہیں دیکھتا اور خوش ہوتا۔

جب ان کی عمر بیس سال کی ہو گئی تو ایک روز بادشاہ نے اپنے وزیر فارس کو تنہائی میں بلا کر کہا اے وزیر! میرے دل میں ایک بات آئی ہے' جسے میں کرنا چاہتا ہوں' لیکن چاہتا ہوں کہ پہلے تجھ سے مشورہ لے لوں۔ وزیر بولا جو کچھ تیرے دل میں ہے کہہ ڈال' تیری رائے مبارک ہوتی ہے۔ بادشاہ عاصم بولا اے وزیر میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری عمر بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک کونے میں بیٹھ کر خدا کی عبادت کروں اور اپنا ملک اور اپنی حکومت اپنے بیٹے سیف الملوک کے حوالے کر دوں' وہ خوب صورت جوان شہ سواری' عقل' ادب' دبدبے اور ریاست میں کامل ہو چکا ہے۔ اس میں تیری کیا رائے ہے؟ وزیر نے جواب دیا' تیری رائے بہت اچھی' مبارک اور نیک ہے۔ اگر تو نے ایسا کیا تو میں بھی ایسا ہی کروں گا اور میرا بیٹا ساعد سیف الملوک کا وزیر ہو گا۔ وہ بھی خوش رو جوان' علم اور رائے والا ہے۔ دونوں کا ساتھ رہے گا' مگر ہم ان دونوں کا کام سنبھالے رہیں گے اور کوتاہی کرنا تو درکنار' انہیں سیدھے راستے پر چلاتے رہیں گے۔ بادشاہ عاصم نے وزیر سے کہا خط لکھ کر پیادوں کے ہاتھ ہراقلیم' ملک' قلعے اور گڑھی کو روانہ کر دے جو ہماری حکومت میں ہیں اور ہر بڑے آدمی کو حکم دے کہ وہ فلاں مہینے میں آ کر میدان فیل میں حاضر ہوں۔ وزیر نے فوراً جا کر تمام والیوں' قلعوں کے سرداروں اور جو جو بادشاہ عاصم کے ماتحت تھے' ان کے نام خط لکھے کہ وہ سب فلاں مہینے میں حاضر ہوں اور اسی طرح سے شہر کے

بھی تمام دور اور نزدیک والوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب میعاد کے زیادہ دن گزر چکے اور کم باقی رہ گئے تو بادشاہ عاصم نے فراشوں کو حکم دیا کہ میدان میں خیمے لگائیں' بہترین طریقے سے آراستہ کریں اور وہ بڑا تخت لگائیں جس پر بادشاہ محض عید کے دن بیٹھا کرتا ہے۔ انہوں نے فوراً ہر حکم کی تعمیل کی' تخت لگایا۔ اور نواب' حاجب اور امرا باہر آئے۔ بادشاہ نے نکل کر کہا لوگوں میں منادی کر دی جائے کہ میدان میں آ جائیں۔ تمام امیر' وزیر' صوبہ دار اور جاگیردار میدان میں آئے اور دستور کے مطابق بادشاہ کی خدمت میں درجہ بہ درجہ بعض کھڑے ہوئے اور بعض بیٹھ گئے۔ جب سب لوگ حاضر ہو چکے تو بادشاہ نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا۔ سب نے کھایا پیا اور بادشاہ کو دعا دی۔

اب بادشاہ نے حاجیوں کو حکم دیا کہ لوگوں میں منادی کر دیں کہ کوئی نہ جائے انہوں نے منادی کی کہ بادشاہ کی تقریر سننے سے پہلے کوئی نہ جائے۔ پردہ اٹھا اور بادشاہ نے کہا جسے مجھ سے محبت ہے وہ میری تقریر سننے کے لئے ٹھہر جائے۔ اب تک تو لوگ ڈر رہے تھے' مگر یہ سن کر انہیں اطمینان ہوااور وہ بیٹھ گئے۔ بادشاہ کھڑا ہو گیا اور انہیں قسم دی کہ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اس کے بعد اس نے کہا اے امیرو' وزیرو اور حکمرانو! چھوٹے بڑے تمام حاضر ہو۔ تم جانتے ہو یا نہیں کہ یہ سلطنت مجھے باپ دادا سے وراثت میں ملی ہے؟ وہ بولے اے بادشاہ! ہاں' ہم سب جانتے ہیں۔ پھر اس نے کہا پہلے ہم تو سب سورج اور چاند کی پرستش کیا کرتے تھے لیکن خدا نے ہمیں ایمان عطا کیا۔ اندھیرے سے نکال کر اجالے کی طرف لایا اور ہمیں اسلام کی طرف ہدایت کی۔ اب سنو کہ میں بہت بوڑھا' کمزور اور عاجز ہو گیا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں ایک کونے میں بیٹھ کر خدا کی عبادت کروں' پچھلے گناہوں کی معافی مانگوں' یہ میرا بیٹا سیف الملوک حکومت کرے۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ خوبصورت' جوان' فصیح' تجربہ کار عاقل' فاضل اور عادل ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے اسی وقت اپنی حکومت

سپرد کر دوں اور اپنے بجائے اسے تم پر بادشاہ بنادوں' اپنی جگہ اسے سلطان بنا کر بٹھا دوں اور میں ایک کونے میں بیٹھ کر محض خدا کی عبادت میں مشغول ہو جاؤں اور میرا بیٹا سیف الملوک تم پر بادشاہی او حکمرانی کرے۔ تم سب کی متفقہ رائے کیا ہے؟ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے آگے زمین چوم کر کہنے لگے۔ اے ہمارے بادشاہ اور نگہبان اگر تو ہمارے اوپر اپنا ایک غلام بھی مقرر کر دیتا تو ہم اس کی فرمانبرداری کرتے' تیری بات نہ ٹالتے' تیری حکم کی تعمیل کرتے اور یہ تو تیرا بیٹا ہے سیف الملوک ہے' وہ ہمیں بسر و چشم منظور ہے اور ہم اس سے خوش ہیں۔ اب بادشاہ عاصم بن صفوان اٹھا' تخت سے اتر کر اپنے بیٹے کو اس پر بٹھا دیا' اپنے سر سے تاج اتار کر اس کے سر رکھ دیا' شاہی پٹکا اس کی کمر سے باندھ دیا اور خود اس کے پہلو میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ امرا' وزرا اور ملک کے چھوٹے بڑے سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ نئے بادشاہ کے آگے زمین چومی اور آپس میں کہنے لگے واقعی یہ بادشاہت کے قابل ہے اور دوسروں سے بہتر' پھر سب نے امان کی درخواست کی اور اس کے لئے کامرانی و اقبال مندی کی دعا مانگی' سیف الملوک نے حاضرین پر سونا چاندی نچھاور کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اوراس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو باسٹھ ویں رات

سات سو باسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ سیف الملوک نے سونا' چاندی نچھاور کیا' خلعت عطا کئے اور انعام و اکرام دیا۔ اس کے تھوڑی دیر

بعد وزیر فارس اٹھا اور زمین چوم کر کہنے لگا' اے امرا اور اے حکومت کے بڑے لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ میں وزیر ہوں اور میری وزارت بہت پرانی ہے۔ بادشاہ عاصم بن صفوان کے بادشاہ ہونے سے پہلے کی' وہ اس وقت بادشاہت سے کنارہ کش ہو گیا ہے اور اس نے اپنی جگہ اپنے بیٹے کو بادشاہ بنا دیا ہے۔ سب نے کہا' ہاں ہم جانتے ہیں کہ تیری وزارت باپ دادا سے چلی آتی ہے۔ وزیر بولا۔ اب میں بھی اس سے دست بردار ہوتاہوں اور اسے اپنے بیٹے ساعد کے سپرد کرتا ہوں کیونکہ وہ عاقل' سمجھ دار اور تجربہ کار ہے' تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا بادشاہ سیف الملوک کی وزارت کے قابل سوائے ساعد کے اور کوئی نہیں ہو سکتا' دونوں ایک دوسرے کا جوڑ ہیں۔ اب وزیر فارس نے اٹھ کر اپنی وزارت کی پگڑی اتاری اور اپنے بیٹے ساعد کے سر پر رکھ دی اور وزارت کا قلم دان بھی اس کے حوالے کیا۔ حاجب اور امرا کہنے لگے' وہ واقعی وزارت کا مستحق ہے۔ بادشاہ عاصم اور وزیر فارس نے اس کے بعد خزانے کھول دیئے۔ والیوں' امرا' وزراء اور بڑے چھوٹے لوگوں کو عمدہ عمدہ خلعت عطا کئے۔ انعام و اکرام دیئے اور ان کے لئے نئے وثیقے اور حکم نامے لکھ دیئے جن پر سیف الملوک اور وزیر فارس کے بیٹے وزیر ساعد کی مہریں تھیں جو جو اس تقریب میں آئے تھے' ہفتہ بھر ٹھہرنے کے بعد اپنے اپنے وطن اور گھروں کو روانہ ہو گئے۔

تاج پوشی سے فارغ ہو کر بادشاہ عاصم اپنے بیٹے سیف الملوک اور وزیر زادے ساعد کو لے کر شہر میں داخل ہوا اور محل میں پہنچ کر خزانچی کو بلوایا' اسے حکم دیا کہ انگوٹھی' تلوار' بغچہ اور مہر حاضر کرے' پھر اپنے بیٹے اور وزیر زادے سے بولا اے میرے بیٹو!

آؤ ان میں سے اپنے لئے پسند کرکے لے لو۔ سیف الملوک نے ہاتھ بڑھایا۔ بقچہ اور انگوٹھی لے لی' پھر ساعد نے ہاتھ بڑھا کر تلوار اور مہر اٹھالی۔ اس کے بعد دونوں بادشاہ کا ہاتھ چوم کر اپنے اپنے مکان چلے گئے۔ جب سیف الملوک نے بقچہ لیا تو اسے کھول کر نہیں دیکھا کہ اس میں کیا ہے بلکہ اسے اس تخت پر رکھ دیا جس پر وہ اور اس کا وزیر ساعد سویا کرتے تھے' یہ ان کا دستور تھا کہ رات کو دونوں ساتھ سوتے' چنانچہ آج بھی دونوں پہلو بہ پہلو سو گئے۔ شمعیں ان کے پاس جلتی رہیں۔ آدھی رات کو جو سیف الملوک کی آنکھ کھلی اور بقچے کو سرہانے دیکھا تو اپنے دل میں کہنے لگا' نہ معلوم اس بقچے میں جو بادشاہ نے مجھے تحفے میں دیا ہے' کیا ہے! وہ اس بقچے اور موم بتی کو لے کر تخت سے اترا اور ساعد کو سوتا چھوڑ کر کوٹھڑی میں گیا وہاں جا کر بقچہ کھولا' دیکھا کہ اس میں جنوں کی بنی ہوئی ایک قبا ہے۔ قبا کو الٹا پلٹا تو اس کے استر پر پیٹھ کی طرف سونے سے کڑھی ہوئی ایک لڑکی کی تصویر تھی۔ تصویر کو دیکھتے ہی اس کے ہوش جاتے رہے۔ عشق کا جن اس پر سوار ہو گیا' غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔
ہوش آیا تو رونے پیٹنے اور تصویر کو بوسے دینے لگا۔ اتنا رویا پیٹا کہ وزیر ساعد اٹھ بیٹھا۔ ادھر ادھر ٹٹولنے لگا۔ دیکھا کہ سیف الملوک وہاں نہیں ہے اور صرف ایک موم بتی پاس جل رہی ہے۔ حیران کہ سیف الملوک کہاں چلا گیا۔ اس نے موم بتی لے کر سارے محل میں چکر لگایا اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کوٹھڑی میں پہنچ گیا جہاں سیف الملوک تھا۔ دیکھا کہ وہ رو رہا اور آہیں بھر رہا ہے۔ اس نے کہا بھائی اس رونے کی وجہ کیا ہے؟ تجھ پر کیا ماجرا گزرا؟ کہہ تو سہی منہ سے کچھ تو بول۔
سیف الملوک نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ نہ سر اٹھایا بلکہ روتا' آہیں بھرتا اور سینہ پیٹتا رہا۔ ساعد اس کی یہ حالت دیکھ کر بولا' میں تیرا وزیر اور بھائی ہوں' میری اور تیری تربیت ایک ساتھ ہوئی ہے۔ اگر تو اپنی باتیں مجھ سے نہ کہے گا اور اپنے راز مجھ پر ظاہر نہ کرے گا تو پھر انہیں کس پر ظاہر کرے گا؟ ساعد دیر تک خوشامد کرتا اور زمین چومتا رہا لیکن سیف الملوک اس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوا۔ اس سے بات

تک نہ کی بلکہ برابر روتا دھوتا رہا۔ جب ساعد کو سیف الملوک کی حالت دیکھ کر ڈر لگنے لگا اور پوچھتے پوچھتے تھک گیا تو وہاں سے باہر آیا اور تلوار لے کر اس کوٹھڑی میں گیا جہاں سیف الملوک تھا اور اس کی نوک اپنے سینے پر رکھ کر کہا اے میرے بھائی! ہوشیار ہو جا' اگر تو نے اپنا ماجرا بیان نہ کیا تو میں جان دے دوں گا' میں تجھے اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔ سیف الملوک نے اپنا سر اٹھایا اور اپنے وزیر ساعد کی طرف دیکھ کر کہا' بھائی! مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنا ماجرا تجھ سے کہوں۔ ساعد بولا میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں جو پروردگاروں کا پروردگار' غلاموں کا آزاد کرنے والا' سب کا پیدا کرنے والا' یکتا' مہربان' کریم اور بخشش کرنے والا ہے کہ تو اپنا ماجرا بیان کر' مجھ سے شرما نہیں۔ میں تیرا وزیر' غلام اور تمام باتوں میں تیرا مشیر ہوں۔
سیف الملوک نے کہا آ اور اس تصویر کو دیکھ۔ ساعد اس تصویر کو دیر تک دیکھتا رہا' اس کے اوپر پروئے ہوئے موتیوں سے لکھا تھا کہ یہ تصویر بدیع الجمال کی ہے جو مسلمان جن بادشاہ شاخ بن شاروخ کی بیٹی ہے' یہ جنات بابل شہر میں آ کر اترے ہیں اور ارم بن عاد اکبر کے باغ میں رہتے ہیں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو تریسٹھ ویں رات

سات سو تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب وزیر ساعد نے قبا پر بدیع الجمال کی تصویر دیکھی تو اس نے سیف الملوک سے کہا' بھائی! تجھے

معلوم ہے یہ کس عورت کی تصویر ہے تاکہ ہم اسے تلاش کریں؟ سیف الملوک بولا' بھائی! خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ یہ کس کی تصویر ہے۔ ساعد نے کہا' لے اسے پڑھ۔ سیف الملوک نے بڑھ کر جو تاج پر لکھا ہوا تھا' پڑھا تو اس کے دل سے ایک ٹھنڈا سانس نکلا اور وہ آہیں بھرنے لگا۔

ساعد نے کہا بھائی! اگر تصویر والی' دنیا میں موجود ہے اور اس کا نام بدیع الجمال ہے تو میں فوراً اس کی تلاش میں جاتا ہوں تاکہ تیری مراد برآئے' مگر بھائی! خدا کے لئے یہ رونا دھونا چھوڑ دے اور صبح کو جب درباری لوگ تیری خدمت میں آئیں تو تاجروں' درویشوں' سیاحوں اور پردیسیوں کو بلا کر اس شہر کے متعلق دریافت کیجیو' ممکن ہے خدا کی رحمت اور مدد سے ہمیں اس شہر اور ارم کے باغ کا پتا لگ جائے۔ جب سویرا ہوا تو سیف الملوک اٹھا اور قبا کو لپیٹے تخت پر جا بیٹھا کیونکہ بغیر اس کے وہ نہ اٹھتا تھا' نہ بیٹھتا تھا' نہ اسے نیند آتی تھی۔ امرا' وزرا' لشکری اور روٴسا دربار میں حاضر ہوئے تو سیف الملوک نے اپنے وزیر ساعد سے کہا' جا ان سے کہہ دے کہ بادشاہ آج پریشان حال ہے' وہ بیمار ہے' رات بھر اسے نیند نہیں آئی ہے۔ جو کچھ بادشاہ نے کہا تھا' وہ وزیر ساعد نے لوگوں سے کہہ دیا۔

اتنے میں بادشاہ عاصم کو یہ خبر پہنچی۔ وہ اپنے بیٹے کے حال پر افسوس کرنے لگا' حکیموں اور نجومیوں کو بلایا اور انہیں لے کر اپنے بیٹے کے پاس گیا۔ حکیموں نے اسے دیکھ کر دوا کا نسخہ لکھ دیا لیکن جب وہ تین مہینے تک برابر بیمار رہا تو بادشاہ عاصم نے غصے میں آ کر حکیموں سے کہا مردودو! کتو! کیا تم میں سے کوئی بھی میرے بیٹے کا علاج نہیں

کر سکتا؟ اگر تم نے فوراً اس کا علاج نہ کیا تو میں تم سب کی گردنیں اڑا دوں گا۔
بڑے حکیم نے جواب دیا جہاں پناہ! ہمیں معلوم ہے کہ یہ تیرا بیٹا ہے اور تو جانتا ہے کہ ہم غریبوں کے علاج میں بھی سستی نہیں کرتے' پھر تیرے بیٹے کے علاج میں کیونکر غفلت کر سکتے ہیں۔ اصل میں تیرا بیٹا ایک سخت بیماری میں مبتلا ہے اگر تو اسے جاننا چاہتا ہے تو ہم اسے تجھ سے بیان کر سکتے ہیں۔ بادشاہ عاصم نے پوچھا' تمہیں میرے بیٹے میں کون سا مرض معلوم ہوتا ہے؟ بڑا حکیم بولا جہاں پناہ! تیرا بیٹا عاشق ہے اور ایسے شخص پر عاشق جس کا ملنا ناممکن ہے؟ بادشاہ نے ناراض ہو کر کہا' تمہیں کہاں سے معلوم ہوا کہ میرا بیٹا عاشق ہے اور عشق آخر آیا کہاں سے؟ انہوں نے جواب دیا اس کے دودھ شریک بھائی وزیر ساعد سے پوچھ' وہ اس کی حالت سے واقف ہے۔ یہ سن کر بادشاہ عاصم اٹھا اور تنہائی میں ساعد کو بلا کر اس سے کہا کہ اپنے بھائی کی بیماری کا حال سچ سچ کہہ دے۔ اس نے جواب دیا مجھے اس کا حال معلوم نہیں۔ بادشاہ نے جلاد سے کہا کہ ساعد کو پکڑ اور آنکھیں باندھ کر اس کی گردن اڑا دے۔ ساعد اپنی جان کے خوف سے کہنے لگا کہ جہاں پناہ! مجھے پناہ دے۔ بادشاہ بولا' تو بتا دے گا تو تجھے پناہ ہے۔ ساعد نے کہا تیرا بیٹا عاشق ہے۔ بادشاہ نے پوچھا' اس کا معشوق کون ہے؟ ساعد نے کہا' جنات کے ایک بادشاہ کی لڑکی۔ اس نے اس کی تصویر اس قبا پر دیکھی ہے جو اس بقچے میں تھی جو خدا کے نبی حضرت سلیمان نے تمہیں بطور ہدیئے کے بھیجی ہے۔

اتنا سنتے ہی بادشاہ عاصم نے اپنے بیٹے سیف الملوک کے پاس جا کر کہا بیٹا! تجھ پر کیا مصیبت آئی؟ وہ تصویر کون سی ہے جس پر تو عاشق ہوا اور یہ باتیں تو نے مجھ سے کہیں کیوں نہیں؟ سیف الملوک نے کہا' ابا جان! مجھے تیرے آگے شرم آتی تھی اس لئے میں نے تجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان کا ذکر کسی سے بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن اب تجھے میرا حال معلوم ہو گیا ہے اس لئے اس کا علاج جس

طرح تو کر سکتا ہے‘ کر باپ بولا‘ آخر کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟ اگر وہ کسی انسان کی بیٹی ہوتی تو ہم اس تک پہنچنے کی تدبیر کر سکتے تھے‘ وہ تو جنات کی بیٹی ہے اور سوائے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے کسی کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکتی! لیکن بیٹا‘ اٹھ کھڑا ہو‘ دل مضبوط کر اور سوار ہو کر سیروشکار کے لئے جا۔ میدان میں کھیل کود‘ کھانے پینے میں لگ جا اور دل سے رنج و غم نکال دے۔ میں تو تیرے لئے سو شہزادیاں لا موجود کروں گا‘ جنات کی بیٹیوں کی تجھے کیا پروا۔ نہ تو ہمارا زور ان پر چلتا ہے‘ نہ وہ ہماری جنس میں سے ہیں۔ اس نے جواب دیا‘ نہ تو میں اس سے دست کش ہو سکتا ہوں‘ نہ کسی اور کی مجھے خواہش ہے۔ بادشاہ نے کہا بیٹا تو پھر کیا ہو؟ بیٹے نے جواب دیا‘ سارے تاجروں‘ مسافروں اور سیاحوں کو بلا کر اس بارے میں گفتگو کر‘ ممکن ہے خدا ہمیں ارم کے باغ اور بابل کے شہر تک پہنچا دے۔ بادشاہ عاصم نے فوراً حکم دیا کہ شہر کے تمام تاجر‘ پردیسی اور ناخدا حاضر ہوں۔ وہ حاضر ہوئے تو اس نے ان سے بابل کے شہر‘ اس کے جزیرے اور ارم کے باغ کے متعلق دریافت کیا‘ کوئی بھی ایسا نہ نکلا جو انہیں جانتا ہو یا ان کا بتا سکے‘ مگر مجلس برخاست ہوتے وقت ان میں سے ایک نے کہا جہاں پناہ! اگر تو ان کا پتا لگانا چاہتاہے تو صرف چین کے شہر سے لگ سکتا ہے‘ وہ بڑا شہر ہے‘ وہاں کا کوئی نہ کوئی شخص ضرور تجھے تیرے مقصد تک پہنچا دے گا۔ یہ سن کر سیف الملوک اپنے باپ سے بولا کہ چین کے سفر کی خاطر مجھے ایک کشتی تیار کرا دے بادشاہ نے کہا بیٹا‘ تو اپنی شاہی کرسی پر بیٹھا رہ اور رعیت پر حکومت کئے جا‘ میں خود چین جا کر اس بات کا پتا چلاؤں گا۔ سیف الملوک بولا ابا جان! اس بات کا تعلق مجھ سے ہے اور میری طرح کوئی اس کا پتا نہیں لگا سکتا۔ تیرا کیا بگڑتا ہے تو مجھے سفر کی اجازت دے دے۔ چند روز کی بات ہے۔ اگر مجھے اس کی خبر مل گئی تو میں نے من مانی مراد پائی۔ نہ ملی تو سفر میں میرا جی بہل جائے گا اور میری حالت سنبھل جائے گی۔ زندہ رہا تو صحیح و سالم تیرے پاس لوٹ کر آ جاؤں

گا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چونسٹھ ویں رات

سات سو چونسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ سیف الملوک نے کہا' اگر میں زندہ رہا تو صحیح و سالم تیرے پاس لوٹ کر آ جاؤں گا۔ بادشاہ نے

اپنے بیٹے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا' اسے سوائے اس کے اورکوئی چارہ نہ دکھائی دیا کہ اس کی بات مان لے۔ ناچار اس نے بیٹے کو سفر کی اجازت دے دی اور چالیس کشتیاں تیار کرکے اس کے ہمراہ علاوہ نوکر چاکر کے بیس ہزار غلام کر دیئے اور مال و دولت اور تمام ضروری ہتھیار دے کر کہا بیٹا! سفر کر' خدا تجھے خیریت' عافیت اور سلامتی کے ساتھ واپس لائے! میں تجھے اس خدا کے حوالے کرتا ہوں جو امانت کو حفاظت کے ساتھ رکھتا ہے۔

اس کے بعد اس کے ماں باپ اس سے رخصت ہوئے' کشتیاں' تمام سامان اور لشکر سمیت روانہ ہو گئیں اور چلتے چلتے چین کے شہر میں پہنچیں۔ ادھر جب چین والوں کو یہ خبر ملی کہ چالیس کشتیاں سپاہیوں' جنگ کے سامان' ہتھیاروں اور ذخیروں سے لدی ہوئی آئی ہیں تو انہیں گمان ہوا کہ کوئی دشمن ان سے لڑنے اور ان کا محاصرہ کرنے کے لئے آ گیا۔ انہوں نے شہر کے دروازے بند کر لئے' پتھر پھینکنے کے آلات لگا دیئے۔ ادھر بادشاہ سیف الملوک کو یہ معلوم ہوا تو اس نے اپنے خاص غلاموں میں سے دو غلاموں کو چین کے بادشاہ کے پاس بھیجا' پیغام دے کر کہا کہ یہ بادشاہ عاصم کا بیٹا سیف الملوک ہے جو محض مہمانوں کی حیثیت سے تیرے ملک میں آیا ہے تاکہ کچھ دنوں سیر و تفریح کرے' نہ لڑنے آیا ہے نہ دشمنی کرنے' اگر تیری خوشی ہو تو وہ تیرے ہاں آ کر ٹھہرے ورنہ لوٹ جائے' کیونکہ نہ وہ تجھے پریشانی میں ڈالنا چاہتا ہے' نہ شہر والوں کو۔ غلاموں نے شہر کے دروازے پر جا کر کہا کہ ہم بادشاہ سیف الملوک کے ایلچی ہیں۔ لوگوں نے دروازہ کھول دیا اور ایلچیوں کو لے کر اپنے بادشاہ کے پاس گئے۔ اس بادشاہ کا

نام فغفور شاہ تھا۔ بادشاہ عاصم سے اس کی جان پہچان تھی۔ جب اس نے سنا کہ نووارد بادشاہ سیف الملوک بادشاہ عاصم کا بیٹا ہے تو اس نے ایلچیوں کو خلعت دیئے اور حکم دیا کہ سب دروازے کھول دیئے جائیں۔ دعوت کی تیاری کی اور خود اپنے خاص درباریوں کو لے کر باہر آیا۔ سیف الملوک سے گلے ملا اور کہا کہ ہمارے مہمان کا آنا مبارک ہو! میں تیرا اور تیرے باپ کا غلام ہوں' میرا سارا شہر تیری خدمت کے لئے حاضر ہے اور جو کچھ تو چاہے گا' مہیا کر دیا جائے گا۔ یہ کہہ کر اس نے دعوت کا سامان اس جگہ پہنچا دیا جہاں وہ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس کے بعد سیف الملوک اور اس کا وزیر ساعد سوار ہوئے' اپنے مصاحبوں وغیرہ کو ساتھ لے کر سمندر کے کنارے سے شہر پہنچے۔ ان کی خوشی میں مجیرے اور شادیانے بجائے گئے' چالیس دن تک خوب دعوتیں رہیں۔

دعوتوں سے فارغ ہو کر بادشاہ نے کہا اے میرے بیٹے! کچھ تیرا دل خوش ہوا؟ میرا ملک تجھے پسند آیا؟ سیف الملوک بولا اے بادشاہ! خدا تیری عزت کے ساتھ تیرے ملک کی عزت کو برقرار رکھے۔ بادشاہ فغفور شاہ نے کہا تو ضرور کسی نہ کسی ضرورت سے یہاں آیا ہو گا۔ بتا تو میرے ملک میں کیا چاہتا ہے تاکہ میں تیری حاجت روائی کروں؟ سیف الملوک نے کہا اے بادشاہ! میری داستان عجیب و غریب ہے' میں بدیع الجمال کی تصویر پر عاشق ہوں۔ چین کے بادشاہ کو یہ سن کر اس پر اتنا ترس آیا کہ وہ رونے لگا۔ پوچھا اے سیف الملوک! اب تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا' میں چاہتا ہوں کہ تمام سیاحوں' پردیسیوں اور ان لوگوں کو بلا جو سفر کیا کرتے ہیں' میں اس تصویر والی کے متعلق ان سے دریافت کروں گا۔ ممکن ہے ان میں سے کوئی مجھے اس کا پتا نشان بتا سکے۔ بادشاہ فغفور شاہ نے والیوں' حاجبوں اور سرداروں کو حکم دیا کہ وہ تمام سیاحوں اور مسافروں کو بلا لائیں جو ملک میں ہیں۔ وہ آئے تو بڑی تعداد میں تھے۔ بادشاہ فغفور شاہ کے پاس آ کر حاضر ہوئے تو سیف الملوک نے ان سے بابل کے شہر اور ارم کے باغ کی نسبت دریافت کیا' کوئی اس کا جواب نہ دے سکا۔ سیف الملوک کو بڑی

مایوسی ہوئی کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ اتنے میں ایک ناخدا بولا اے بادشاہ! اگر تو اس شہر اور اس باغ کا پتا معلوم کرنا چاہتا ہے تو پہلے تجھے جزائر جانا چاہیے جو ہند کی ولایت

میں ہیں۔

یہ سنتے ہی سیف الملوک نے حکم دیا کہ کشتیاں حاضر کی جائیں۔ لوگوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی' ان میں کھانا پانی وغیرہ ساری ضرورت کی چیزیں رکھ دیں اور سیف الملوک اور اس کا وزیر ساعد بادشاہ فغفور شاہ سے رخصت ہو کر سوار ہو گئے۔ ہوا موافق تھی۔ چالیس دن تک خیریت اور اطمینان کے ساتھ سفر کرتے رہے لیکن اس کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ یکایک آندھی چلی' لہریں ہر طرف سے تھپیڑے مارنے لگیں' مینہ برسنے لگا' آندھی کی وجہ سے سمندر کی حالت ابتر ہو گئی اور سب کشتیاں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹوٹ گئیں۔ یہی حشر چھوٹی ناؤں کا بھی ہوا۔ سب لوگ ڈوب گئے' محض سیف الملوک چند غلاموں کے ساتھ ایک ناؤ پر باقی رہ گیا۔ اب خدا کا کرنا کہ آندھی رک گئی' سورج نکل آیا' سیف الملوک نے اپنی آنکھیں کھولیں' سوائے آسمان اور سمندر کے کوئی کشتی نظر نہ آئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ اور اس کے چند ساتھی ایک ناؤ میں بیٹھے ہوئے ہیں' اس نے غلاموں سے پوچھا کہ کشتیاں اورچھوٹے بجرے کہاں ہیں اور میرا بھائی ساعد کدھر گیا؟ انہوں نے کہا جہاں پناہ! نہ کشتیاں بچیں' نہ بجرے اور نہ وہ لوگ جو ان میں سوار تھے' سب ڈوب کر مچھلیوں کا چارہ بن چکے ہیں۔ سیف الملوک نے ایک چیخ ماری اور وہ جملہ کہا جس کا کہنے والا پیشمان نہیں ہوتا یعنی لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم اور اپنا منہ پیٹنے لگا۔ منہ پیٹتے پیٹتے چاہتا تھا کہ سمندر میں کود پڑے۔ غلاموں نے اسے روک لیا اور کہا اے بادشاہ اس سے کیا فائدہ! تو نے اپنی خوشی سے یہ کام کیا ہے۔ اگر اپنے باپ کا کہنا مانتا تو ایسی کوئی بات پیش نہ آتی لیکن یہ بات روحوں کے پیدا کرنے والے نے ازل سے مقدر کر رکھی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• سات سو پینسٹھ ویں رات

سات سو پینسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- غلاموں نے کہا روحوں کو پیدا کرنے والے نے یہ بات ازل سے مقدر کر رکھی تھی' بندہ اس کے

لکھے کو مٹا نہیں سکتا۔ تیری پیدائش کے وقت نجومیوں نے تیرے باپ سے کہا تھا کہ یہ ساری مصیبتیں تیرے بیٹے کو جھیلنی ہوں گی۔ اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ جب تک یہ بلا ہم سے ٹلے' صبر کریں۔ سیف الملوک نے کہا "لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم" جو کچھ خدا نے مقدر کر دیا ہے' اس سے چھٹکارا نہیں۔ یہ کہہ کر وہ سوچ میں پڑ گیا' آنسو لڑی بن کر اس کے رخساروں پر بہنے لگے اور وہ تھوڑی دیر کے لئے سو گیا۔ جب وہ جاگا تو اس نے کھانا مانگا' کھانا آیا اس نے کھایا' ناؤ برابر چلتی جا رہی تھی' کوئی نہیں جانتا تھا کہ انہیں کدھر لئے جا رہی ہے' اسی طرح ایک مدت تک ناؤ کو موجیں اور ہوا دن رات بہائے لئے چلی گئیں۔ یہاں تک کہ کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا۔ وہ کہیں جا پڑے۔ بھوک' پیاس اور پریشانی سے عاجز آ گئے۔ ایک دن دور سے ایک جزیرہ دکھائی دیااور ہوا انہیں اسی طرف لے چلی' وہاں پہنچ کر انہوں نے لنگر ڈال دیا۔ بجرے میں ایک شخص کو چھوڑ کر باقی لوگ اترے۔ جزیرے کے اندر داخل ہوئے تو انہیں طرح طرح کے بے شمار میوے نظر پڑے اور انہوں نے پیٹ بھر کر کھائے۔ میوے کھا رہے تھے کہ انہیں درختوں کے نیچے بیٹھا ہوا ایک شخص دکھائی دیا بڑا سا لمبا تڑنگا اور عجیب الخلقت تھا۔ داڑھی اور تمام بدن سفید۔ اس نے ایک غلام کو نام لے کر آواز دی اور کہا کہ یہ پھل نہ کھا' کچے ہیں۔ میرے پاس آ' میں یہ پکے ہوئے پھل تجھے کھانے کے لئے دوں۔ غلام کی نظر اس پر پڑی تو وہ سمجھا کہ یہ بھی انہیں لوگوں میں سے ہو گا جو ڈوب گئے اور یہاں آ کر نکلا ہے۔ وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا' اس کے پاس پہنچا۔ غلام کو کیا معلوم تھا کہ غیب میں اس

کے لئے کیا مقدر ہو چکا ہے اور اس کی پیشانی پر کیا لکھا ہے! جونہی غلام اس شخص کے قریب پہنچا تو وہ اچھل کود کر اس کے کندھے پر چڑھ بیٹھا اور ایک ٹانگ اس کی گردن میں لپیٹ کر دوسری پیٹھ پر لٹکا دی اور کہا چل' اب میں تجھے چھوڑوں گا نہیں اور تو ہمیشہ میرا گدھا بنا رہے گا۔ یہ دیکھ کر غلام نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور رو رو کر کہنے لگا۔ ہائے میرے آقا! تم لوگ اپنی جان لے کر اس جنگل سے بھاگو' یہاں کا ایک شخص میرے کندھے پر چڑھ بیٹھا ہے اور دوسرے تمہاری طرف آ رہے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح تم پر سوار ہو جائیں گے۔ غلام کی یہ بات سن کر سب کے سب بھاگے اور بجرے میں سوار ہو گئے۔ لیکن ان لوگوں نے سمندر میں بھی ان کا پیچھا کیا اور کہنے لگے کہ تم کہاں بھاگے جاتے ہو؟ آ کر ہمارے ساتھ رہو تا کہ ہم تمہارے اوپر سوار ہوں' تمہیں کھلائیں پلائیں اور تم ہمارے گدھے بنے رہو۔ یہ لوگ ناؤ کو تیز تیز سمندر میں کھینے لگے۔ یہاں تک کہ وہ ان سے دور نکل گئے اور خدا پر بھروسہ کر کے آگے چل دیئے۔

ایک مہینے تک ان کی یہی حالت رہی۔ پھر انہیں ایک اور جزیرہ نظر آیا' وہ اس میں اترے' انہوں نے دیکھا کہ وہاں قسم قسم کے پھل ہیں۔ وہ ان پھلوں کو کھا ہی رہے تھے کہ انہیں دور سے کوئی چیز چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کے قریب پہنچے اور غور سے دیکھا تو وہ ایک بدصورت سی چیز چاندی کے ستون جیسی تھی۔ ایک غلام نے اسے اپنے پاؤں سے ٹھکرایا وہ آدمی نکلا۔ جس کی آنکھیں لمبی لمبی' سر پھٹا ہوا' ایک کان اوڑھے ہوئے تھا۔ کان کیا اوڑھنا اور بچھونا ہے۔ جب وہ سوتا تو ایک کان اپنے نیچے بچھا لیتا اور دوسرا اوڑھ لیتا۔ اس شخص نے غلام کو پکڑ لیا جس نے اسے ٹھوکر ماری تھی اور اسے لے کر جزیرے میں چلا گیا۔ وہاں سب اسی طرح کے بھوت پریت رہتے اور آدم خور تھے۔ اس غلام نے بھی اپنے ساتھیوں کو آواز دی کہ اپنی اپنی جان لے کر بھاگو۔ یہ بھوتوں کا جزیرہ ہے جو انسانوں کو کھا جاتے ہیں' اور وہ مجھے کاٹ کر کھانے کے لئے تیار ہیں۔

وہ سب بھاگے اور پھلوں کو چھوڑ چھاڑ ناؤ پر سوار ہو گئے۔ کئی دن تک سفر کرتے کرتے ایک اور جزیرہ دکھائی دیا' وہاں اترے تو سامنے ایک اونچا پہاڑ تھا۔ اسکے اوپر چڑھے تو انہیں ایک گنجان جنگل نظر آیا۔ بھوکے تو تھے ہی' پھلوں پر ایسے آنکھیں بند کرکے گرے کہ آس پاس کی کچھ خبر نہ رہی۔ انہوں نے دیکھا بھی نہیں اور درختوں میں سے بہت سے ڈراؤنی شکل والے لمبے تڑنگے لوگ آ پہنچے۔ ہر ایک بچاس بچاس ہاتھ لمبا تھا اور دانت ہاتھی کی طرح باہر نکلے ہوئے تھے۔ ناؤ والوں کوگھیر کر وہ ایک شخص کے پاس لے گئے جو ٹیلے پر ایک کالا نمدا بچھائے بیٹھا ہوا تھا۔ اردگرد بہت سے زنگی کھڑے تھے۔ انہوں نے سیف الملوک اور اس کے غلاموں کو پکڑ کر اپنے بادشاہ کے آگے پیش کیا اور کہنے لگے۔ ہم نے ان چڑیوں کو درختوں کے بیچ میں پایا ہے۔ بادشاہ بھوکا تھا۔اس نے غلاموں میں سے دو کو پکڑ کر ذبح کیا اور کھا گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چھیاسٹھ ویں رات

سات سوچھیاسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ان کے بادشاہ نے دو غلاموں کو پکڑا اور انہیں ذبح کرکے کھا گیا۔ یہ دیکھ کر سیف الملوک کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ وہ رونے اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا۔ بادشاہ اس کے رونے کی آواز سن کر بولا۔ یہ چڑیا بڑی خوش آوازی سے گاتی ہے! مجھے ان کی بولی بہت پسندہے۔ اب انہوں نے ایک ایک کو ایک پنجرے میں بند کیا۔ اور پنجرے بادشاہ کے سر کے اوپر لٹکا دیئے کہ وہ ان کی بولی سنے۔ سیف الملوک اور اس کے غلام پنجرے میں بند ہو گئے۔ زنگی انہیں کھانا پانی دینے لگے۔ وہ کبھی روتے اور کبھی ہنستے' کبھی باتیں کرتے اور کبھی چپ ہو جاتے۔ ادھر ان کی یہ حالت ادھر زنگیوں کا بادشاہ ان کی آوازوں کے مزے لیتا۔ اسی طرح سے وہ مدت تک رہے۔

زنگیوں کے بادشاہ کی ایک بیٹی تھی۔ جس کا بیاہ کسی دوسرے جزیرے میں ہوا تھا۔اسے جو خبر لگی کہ باپ کے پاس نہایت خوش گلو چڑیاں ہیں تو اس نے آدمی بھیج کر اپنے باپ سے کچھ چڑیاں منگوائیں۔ بادشاہ نے سیف الملوک اور تین غلاموں کو چار پنجروں میں بند کرکے بھیج دیا۔ یہ انسانی چڑیاں لڑکی کے پاس پہنچیں تو اس نے بہت پسند کیا اور حکم دیا کہ انہیں اس کے سرہانے کسی جگہ ٹانک دیا جائے۔ سیف الملوک اپنی حالت اور اپنی پچھلی عزت کا خیال کرکے رونے لگا۔ تینوں غلام بھی رونے لگے۔ ادھر وہ رو رہے تھے۔ ادھر شہزادی سمجھتی تھی کہ وہ گا رہے ہیں۔ شہزادی کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی کوئی شخص مصر یا کسی دوسرے ملک سے آتا اور وہ اسے پسند کرتی تو اس کی بڑی قدر و منزلت کرتی۔ خدا کا کرنا شہزادی نے سیف الملوک کو دیکھا تو اس کا حسن و جمال اور قد و قامت اسے بہت بھایا۔ اس نے حکم دیا کہ انہیں عزت کے ساتھ رکھا جائے۔ اتفاق سے ایک دن جب وہ سیف الملوک کے ساتھ تنہا تھی اس نے

کہا کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو' سیف الملوک نہ مانا اور جواب دیا اے میری آقا' میں پردیسی اور محبت کا مارا' جس سے مجھے عشق ہے اس کے سوا کسی اور سے وصال کی تمنا نہیں رکھتا' شہزادی اسے پھسلاتی اور محبت کا اظہار کرتی' مگر نہ مانتا اور اسے اپنے قریب بھی پھٹکنے نہ دیتا' کسی حالت میں اس کے وصال پر راضی نہ ہوتا۔ جب شہزادی کی کوئی تدبیر اس پر نہ چلی تو وہ اس سے اور اس کے غلاموں سے بہت ناراض ہوئی۔ جل کر کہہ دیا کہ اب ان کی خاطر نہ کی جائے بلکہ یہ پانی اور لکڑیاں ڈھو کر لایا کریں۔ چار سال تک ان کی یہی حالت رہی۔ سیف الملوک اکتا گیا اور اس نے بادشاہ کے پاس ایک شخص کو سفارش کے لئے بھیجا تاکہ شہزادی انہیں آزاد کردے' وہ اپنی راہ لیں اور اس مصیبت سے انہیں چھٹکارا ہو۔ شہزادی نے سیف الملوک کو بلا کر کہا اگر تو میرا ارمان نکال دے تو میں تجھے اس مصیبت سے آزاد کر دوں گی' تو اپنے وطن صحیح و سالم پہنچ جائے گا۔ غرض یہ کہ شہزادی نے بڑی خوشامد کی' بہت پھسلایا لیکن سیف الملوک نے اس کا ارمان پورا نہ کیا۔ شہزادی نے ناراض ہو کر سیف الملوک کی طرف سے منہ پھیر لیا اور وہ سب اسی طرح جزیرے میں زندگی بسر کرتے رہے۔ جزیرے والوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ شہزادی کی چڑیاں ہیں' اس لئے کسی کی مجال نہ تھی کہ انہیں نقصان پہنچائے۔ شہزادی کو ان کی طرف سے اطمینان تھا اور یہ یقین کہ وہ جزیرے سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ وہ بھی دو دو تین تین دن غائب رہتے اور جنگل میں پھر کر لکڑیاں جمع کرکے شہزادی کے باورچی خانے میں لاتے۔ پانچ سال تک یہی حال رہا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ سیف الملوک اور اس کے غلام کو اپنی ماں' باپ اور بھائی ساعد کی یاد آنے لگی۔ ان کی جدائی میں رونے لگا۔ خوب بلک بلک کر رویا۔ غلام بھی ان کے ساتھ رونے لگے۔ انہوں نے کہا جہاں پناہ! آخر ہم کب تک رویا کریں گے؟ رونے دھونے سے کیا فائدہ! یہ باتیں تو خدا نے ہماری قسمت میں لکھ دی ہیں اور قلم نے وہی لکھا ہے جو خدا کا حکم ہے۔ سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں' ممکن ہے کہ

جس خدا نے ہمیں اس بلا میں گرفتار کیا ہے وہی ہمیں اس سے چھٹکارا بھی دے۔ سیف الملوک بولا بھائیو! اس بیسوا کے پھندے سے آخر کس طرح چھٹکارا پائیں! خدا ہی اپنے فضل سے چھڑا دے تو چھڑا دے ورنہ مجھے تو کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ ہاں ایک ترکیب ہو سکتی ہے جو ہم یہاں سے بھاگ چلیں اوراس مصیبت سے نجات پائیں۔ غلاموں نے کہا جہاں پناہ! اس جزیرے سے بھاگ کر ہم کہاں جا سکتے ہیں؟ جدھر دیکھو بھوت ہی بھوت ہیں اور انسانوں کو کھانے والے۔ جہاں بھی جائیں گے وہ ہمیں پکڑ لائیں گے۔ پھر یا تو ہمیں کھا جائیں گے یا پکڑ کر پھر یہیں لے آئیں گے اور شہزادی سخت ناراض ہو گی۔ سیف الملوک بولا میں تمہارے لئے ایک چیز بتاؤں گا' ممکن ہے کہ خدا کی مدد سے ہمیں نجات ملے اور ہم اس جزیرے سے نکل بھاگیں۔ انہوں نے پوچھا تو کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا ہمیں چاہیے کہ درخت کاٹیں' ان کی چھال سے رسیاں بٹیں' لکڑیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھیں اور ان کی کشتی بنا کر سمندر میں ڈال دیں۔ اس میں میوے بھریں اورسوار ہو جائیں ممکن ہے کہ اس طرح سے خدا ہمیں خوشی نصیب کرے' وہ ہر بات پر قادر ہے۔ خدا کرے کہ ہوا موافق ہو ہمیں ہند پہنچا دے اور ہم اس ملعونہ سے چھٹکارا پا جائیں! سب نے کہا یہ رائے بہت ٹھیک ہے' وہ خوش ہو گئے اور فوراً کشتی کے لئے لکڑیاں کاٹنے لگے۔ اپنی کشتی کے لئے شہتیر بھی بناتے۔ رسیاں بھی بٹتے اورشام کو کچھ لکڑیاں لے کر شہزادی کے باورچی خانے بھی پہنچ جاتے۔ ایک مہینے تک وہ یہی کیا کئے یہاں تک کہ کشتی بن کر تیار ہو گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو سڑسٹھ ویں رات

سات سو سڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ کشتی بن چکی تو انہوں نے اسے سمندر میں ڈالا۔ جزیرے کے درختوں سے پھل توڑ کر اس میں بھر لئے۔ کسی کو معلوم بھی نہ ہوا کہ انہوں نے کیا بنایا ہے۔وہ ایک روز شام کے وقت سوار ہو گئے۔ چار مہینے تک کشتی سمندر میں چلتی رہی' انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ وہ انہیں کہاں لئے جا رہی ہے' کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو گئیں۔ بھوک پیاس کی شدت سے تنگ آ گئے۔ ساتھ ہی سمندر میں تلاطم آ گیا۔ ایک ڈراؤنے مگرمچھ نے اچک کر ایک غلام کو پکڑ لیا اور اسے نگل گیا۔ یہ دیکھ کر سیف الملوک رونے لگا۔ اب کشتی میں صرف دو آدمی رہ گئے۔ وہ اور ایک غلام اور مگرمچھ کے ڈر سے ایک کونے میں جا بیٹھے۔ اسی طرح چلے جا رہے تھے کہ ایک دن انہیں ایک بڑاخوفناک اونچا پہاڑ دکھائی دیا جس کے پیچھے ایک جزیرہ نظر آتاتھا۔ وہ تیز تیز اس کی طرف بڑھے' انہیں بڑی خوشی تھی کہ وہاں جا کر اتریں گے۔ اتنے میں پھر سمندر میں تلاطم آیا' لہریں اٹھنے لگیں۔ اس کی صورت بدل گئی او ایک مگرمچھ نے سر نکالا۔ سیف الملوک کا جو ایک غلام باقی رہ گیا تھااسے بھی پکڑ کر نگل گیااور سیف الملوک جزیرے میں پہنچتے پہنچتے اکیلا رہ گیا۔ بڑی مشکل سے پہاڑ چڑھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسے ایک جنگل نظر آیا۔ جنگل میں جا کر درختوں کے پھل کھانے لگا۔ پھل کھا ہی رہا تھا کہ اس نے درختوں کے اوپر سے بیس سے زیادہ بڑے بڑے بندر دیکھے جو خچروں سے بھی بڑے تھے۔ سیف الملوک ڈر گیا۔ بندروں نے نیچے اتر کر اسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور اشارے سے کہہ کر کہ ہمارے پیچھے آ' آگے آگے چلنے لگے۔ سیف الملوک پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا اور بندر آگے آگے کہ ایک بلنداور مضبوط قلعے کے پاس پہنچے۔ بندر

اس میں داخل ہوئے۔ سیف الملوک بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس نے وہاں طرح طرح کی نفیس چیزیں' جواہرات اور معدنیات اس قدر دیکھیں جن کے بیان سے زبان گونگی ہے۔ اس قلعے میں اسے ایک جوان نظر آیا جس کی ابھی داڑھی مونچھیں نہیں نکلی تھیں لیکن وہ بہت بلند بالا تھا۔ سیف الملوک اس سے مانوس ہو گیا کیونکہ سوائے اس جوان کے سارے قلعے میں کوئی انسان نہ تھا۔

جب جوانکی نظر سیف الملوک پر پڑی تو وہ اسے بہت پسندآیا' اس نے پوچھا تیرا نام کیا ہے' کس ملک کا رہنے والا ہے اور یہاں کیسے آیا؟ مجھ سے اپناسارا ماجرا کہہ دے۔ کچھ چھپائیو نہیں۔ سیف الملوک نے جواب دیا' خدا کی قسم! میں اپنی مرضی سے یہاں نہیں آیا' نہ میرا یہاں آنے کا ارادہ تھا' نہ میری یہ خواہش تھی کہ میں جگہ جگہ سیر کرتا پھروں۔ میرا مقصد تو کچھ اور ہی تھا۔ جوان بولا اچھا اپنا مقصد بیان کر؟ سیف الملوک نے کہا میں مصر کا رہنے والا ہوں۔ میرا نام سیف الملوک' میرا باپ بادشاہ عاصم بن صفوان ہے اور اس نے اپنی ساری کہانی شروع سے آخر تک سنا دی۔ جوان نے جو سیف الملوک کی کہانی سنی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ جہاں پناہ! میں بھی مصر میں رہا ہوں۔ میں نے وہاں سنا تھا کہ تو چین گیا ہے۔ کہاں چین اور کہاں یہ ملک! عجیب و غریب بات ہے۔ سیف الملوک بولا' تو ٹھیک کہتا ہے لیکن میں چین پہنچنے کے بعد ہند روانہ ہوا تھا' راہ میں طوفان آیا' سمندر متلاطم ہوا جتنی کشتیاں میرے ساتھ تھیں سب چکنا چور ہو گئیں۔ آخر میں اس نے یہ کہا اب میں تیرے یہاں پہنچا ہوں۔ جوان نے کہا اے بادشاہ زادے! غربت اور اس کی مصیبتیں تیرے اوپر کافی گزر چکی ہیں لیکن خدا کا شکر ادا کر کہ تو یہاں پہنچ گیا۔ اب میرے ساتھ ٹھہر' میں تجھے محبت سے رکھوں گا اور جب میں مر جاؤں گا تواس ملک کا بادشاہ ہو جائے گا جس میں یہ اتنا بڑا جزیرہ ہے جس کی حد نہیں اور یہ بندر بڑے کاریگر ہیں' تجھے ہر چیز یہاں مل سکتی ہے۔ سیف الملوک نے کہا' جب تک میرا مقصد پورا نہ ہو جائے میں کسی جگہ نہیں ٹھہر سکتا خواہ مجھے ساری دنیا کا چکر ہی کیوں نہ لگانا پڑے۔ ممکن ہے کہ خدا

میری مراد پوری کر دے یا میں اس جگہ پہنچ جاؤں جہاں میری موت لکھی ہے اور مر جاؤں۔ جوان نے ایک بندر کی طرف اشارہ کیا' وہ چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد بہت سے بندروں کے ساتھ آیا جن کی کمروں میں ریشمی پٹکے بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے آ کر دستر خوان بچھایا۔ سو کے قریب سونے اور چاندی کے برتن لا کر رکھے جن میں طرح طرح کے کھانے تھے۔ کھانے چننے کے بعد بندر اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے غلام بادشاہوں کے آگے کھڑے ہوا کرتے ہیں۔ اس کے بعد جوان نے حاجبوں سے کہا بیٹھ جائیں۔ سوائے اس کے جو خدمت کے لئے مامور تھا' سب بیٹھ گئے جب وہ کھانا کھا کر سیر ہو گئے تو دسترخوان بڑھایا گیا۔ سونے کے طشت اور لوٹے لائے گئے۔ انہوں نے ہاتھ دھوئے۔ پھر تقریباً چالیس شیشے شراب کے لائے گئے۔ جن میں سے ہر ایک میں الگ الگ قسم کی شراب تھی۔ سب نے شراب پی' مزے اڑائے۔ خوش ہوئے اور ان کا وقت اچھا گزرا کیونکہ جب تک وہ کھایا پیا کئے۔ بندر ناچتے اور کھیلتے رہے۔ سیف الملوک کو بڑا تعجب ہوا اور وہ اپنی مصیبتیں بھول گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اڑسٹھ ویں رات

سات سواڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- سیف الملوک بندروں کا ناچ دیکھ کر اتنامتعجب ہوا کہ وہ اپنی غربت اور غربت کی مصیبتیں بھول گیا۔

رات ہوئی تو بندروں نے موم بتیاں جلا کر سونے چاندی کے شمع دانوں بن رکھیں۔ پھل اور میووں کی رکابیاں لائے دونوں نے کھایا اور سونے کا وقت آیا تو سو گئے۔ سویرا ہوا تو نوجوان اٹھا اور سیف الملوک کو جگا کر کہنے لگا۔ جھروکے سے سر نکال کر دیکھ کیا دکھائی دیتا ہے۔ سیف الملوک نے دیکھا کہ سارا میدان اور جنگل بندروں سے بھرا ہوا ہے جنکی تعداد سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ وہ کہنے لگا یہ تو بے شمار بندر ہیں' چاروں طرف آخران کے جمع ہونے کا کیا سبب ہے؟ جوان نے کہا ان کا یہ دستور ہے جزیرے کے سارے بندر یہاں آ جاتے ہیں بلکہ ان میں ایسے بھی ہیں جو دو دو' تین تین دن کی راہ طے کرکے آئے ہوں گے۔ ہر سنیچر کو وہ اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ میں سو کر اٹھوں اور اپنا سراس جھروکے سے باہر نکالوں۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑتی ہے تو وہ میرے آگے زمین چومتے ہیں اور پھر اپنے اپنے کام پر چلے جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا سر جھروکے میں سے نکالا' بندروں نے اس کے آگے زمین چومی اور چلے گئے۔

سیف الملوک جوان کے پاس پورے ایک مہینے تک ٹھہر کر رخصت ہوا۔ جوان نے سو کے قریب بندروں کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ جائیں۔ انہوں نے اس کے ساتھ سفر کرکے سات دن میں اسے اپنے جزیرے کی سرحد تک پہنچا دیا اور واپس اپنے گھر لوٹ گئے۔ سیف الملوک چار مہینے پہاڑوں' ٹیلوں' جنگلوں اور بیابانوں میں سفر کرتا رہا' کبھی بھوکا رہتا' کبھی گھاس پات سے پیٹ بھرتا' کبھی درختوں کے پھل سے' وہ اپنے کئے پرپچھتاتا تھا کہ کیوں جوان کے پاس سے چلا آیا۔ اسی سوچ میں چلتے چلتے کھڑا ہو گیا۔

دل میں تھی کہ لوٹ جائے اتنے میں دور سے کوئی کالی چیز چمکتی ہوئی دکھائی دی اور کہنے لگا یہ کوئی آباد شہر تو نہیں؟ اور کیا ہو سکتا ہے؟ جب تک میں دیکھ نہ لوں کہ یہ کیا چیز ہے اس وقت تک لوٹ کر نہیں جاؤں گا اور وہ اس کے قریب پہنچا۔ وہ ایک عالیشان محل تھا۔ وہی عمارت جو یافث بن نوح علیہ السلام نے بنائی تھی۔ جس کا ذکر خدا نے اپنی بزرگ کتاب میں کیا ہے کہ و بئر معطلہ و قصر مشید' سیف الملوک محل کے دروازے پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ خدا جانے اس محل کے اندر کیا ہو گا اور یہاں کس کی بادشاہت ہو گی یہ پتا کس سے چلے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس میں انسان رہتے ہیں یا جنات۔ دیر تک بیٹھا یہی سوچتا رہا لیکن نہ کسی کو اندر جاتے دیکھا' نہ باہر نکلتے' بالاخر وہ خدا کا نام لے کر محل میں داخل ہوا اور سات دہلیزیں گنتا چلا گیا' کوئی شخص نظر نہ آیا۔ اب اسے دائیں ہاتھ پر تین دروازے دکھائی دیے اور سامنے ایک دروازہ جس پر پردہ پڑا ہوا تھا وہ اس دروازے کی طرف بڑھا' پردے کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اندر چلا گیا۔ دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا کمرہ ہے جس میں ریشمی قالین بچھے ہوئے ہیں' صدر میں ایک سونے کا تخت ہے جس پر چاند کی سی ایک لڑکی بیٹھی ہوئی ہے' اس کا لباس شاہانہ ہے اور وہ ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے پہلی رات کی دلہن۔ تخت کے نیچے چالیس دسترخوان جن پر سونے چاندی کے برتن چنے ہوئے ہیں اور سب میں عمدہ عمدہ کھانے۔ سیف الملوک لڑکی کی طرف بڑھا اور سلام کیا' اس نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا تو انسان ہے یا جن؟ سیف الملوک بولا بہترین انسانوں میں سے کیونکہ میں بادشاہ اور بادشاہ زادہ ہوں۔ لڑکی نے کہا' تو یہاں کس کام سے آیا ہے؟ لیکن پہلے کھانا کھا لے' اس کے بعد شروع سے آخر تک اپنی کہانی سنائیو اور یہ بھی سنائیو کہ تو یہاں کس طرح پہنچا۔ سیف الملوک نے دسترخوان پر بیٹھ کر سرپوش اٹھائے اور بھوکا تو تھا ہی اتنا کھایا کہ پیٹ بھر گیا۔ ہاتھ دھوئے اور تخت پر چڑھ کر لڑکی کے پاس بیٹھ گیا۔

لڑکی نے پوچھا اب کہہ تو کون ہے' تیرا کیا نام ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور تجھے یہاں

کون لایا ہے؟ سیف الملوک نے جواب دیا کہ میری کہانی تو بہت لمبی ہے لڑکی بولی کہہ تو سہی کہ تو کہاں سے آیا' کیوں آیا اور تیرا مقصد کیا ہے؟ سیف الملوک نے کہا پہلے تو بتا کہ تو کون ہے؟ تیرا نام کیا ہے؟ تجھے کون لایا ہے اور تو یہاں اکیلی کیوں رہتی ہے؟ لڑکی بولی میرا نام دولت خاتون ہے۔ ہند کے بادشاہ کی بیٹی ہوں جو سرندیپ میں رہتاہے میرے باپ کا بہت بڑا خوبصورت باغ ہے' ویسا خوبصورت باغ نہ ہند میں ہے نہ اس کے قرب و جوار میں' اس کے اندر ایک بڑا حوض ہے ایک دن میں اپنی کنیزوں کے ساتھ اس باغ میں گئی' ہم سب کپڑے اتارکر حوض کے اندر گئے اور وہاں کھیلنے کودنے لگے۔ اتنے میں یک بہ یک کوئی چیز بادل کی طرح میرے اوپر اتری۔ مجھے کنیزوں کے درمیان میں سے اٹھا کر ہوا میں اڑ گئی اور کہنے لگی اے دولت خاتون' ڈر نہیں' گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ تھوڑی دیر اڑنے کے بعد اس نے مجھے زمین پر اتاردیا۔ فوراً اپنی صورت بدل کر ایک خوبصورت اور خوش پوشاک جوان کی صورت اختیار کر لی اور مجھ سے کہا کیا تو مجھے پہچانتی ہے؟ میں نے کہا اے میرے آقا! نہیں۔ وہ بولا۔ میں جنوں کے بادشاہ ملک ارزق کا بیٹا ہوں۔ میرا باپ قلعہ قلزم میں رہتا ہے۔ اس کے حکم میں چھ لاکھ جن ہیں جو ہوا میں بھی اڑ سکتے ہیں اور زمین کے اندر بھی گھس سکتے ہیں۔ آج اتفاق سے میں ادھر گزر رہا تھا کہ میری نظر تجھ پر جا پڑی۔ میں عاشق ہو گیا اور اتر کر تجھے تیری کنیزوں کے درمیان سے اٹھا کر اس مضبوط قلعے میں لے آیا۔ یہی میرا گھر ہے اور میں یہیں رہتا ہوں۔ یہاں تک کسی کی پہنچ نہیں' نہ جنوں کی' نہ انسانوں کی اور ہند سے یہاں تک تو ایک سو بیس برس کا راستہ ہے۔ یقین کر کہ اب تو اپنے ماں باپ کا وطن کبھی دیکھ نہیں سکتی لہٰذا اطمینان سے میرے پاس اس جگہ رہ جو کچھ تو چاہے گی' میں لا کر تیرے لئے حاضر کر دوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے گلے لگایا اور میرا منہ چوما۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو انہترویں رات

سات سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی نے سیف الملوک سے کہا کہ جنوں کے شہزادے نے مجھے گلے لگایا' میرا منہ چوما اور مجھ سے کہا کہ کسی بات کا خوف نہ کر اور اتنا کہنے کے بعد وہ میرے پاس سے چلتا بنا۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ دستر خوان' فرش اور قالینیں لے آیا۔ اب وہ ہر منگل کو میرے پاس آتا ہے' تین روز ٹھہرتا ہے اور چوتھے روز عصر کے وقت تک ٹھہر کر چلا جاتا ہے۔ منگل تک غائب رہتا ہے اور پھر اسی طرح آتا ہے جب وہ آتا ہے تو میرے ساتھ بیٹھ کر کھاتا پیتا۔ مجھے گلے لگاتا اور میرا منہ چومتا ہے اور بس میں اسی طرح اب تک باکرہ ہوں جیسا کہ مجھے خدا نے پیدا کیا ہے۔ وہ میرے ساتھ اور کوئی حرکت نہیں کرتا۔ میرے باپ کا نام تاج الملوک ہے' اسے نہ میرا حال معلوم ہے نہ پتا۔ میری کہانی تو ختم ہوئی۔ اب تو اپنی کہانی سنا۔ سیف الملوک بولا میری کہانی بڑی طول طویل ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اسے بیان کیا تو بڑی دیر لگے گی اور جن آ جائیگا۔ لڑکی نے کہا وہ تو ابھی تیرے آنے سے گھڑی بھر پہلے گیا ہے' منگل سے پہلے نہیں آئے گا تو اطمینان سے بیٹھ اور آپ بیتی شروع سے لے کر آخر تک سنا دے۔ سیف الملوک نے اپنی کہانی اسے سنانی شروع کی۔ جب وہ بدیع الجمال کے قصے پر پہنچا تو لڑکی کے آنسو ڈبڈبا آئے۔ وہ کہنے لگی اے بدیع الجمال مجھے تیری طرف سے ایسا گمان نہ تھا۔ اے بدیع الجمال ہائے افسوس! کیا تو نے کبھی مجھے یاد نہیں کیا۔ نہ یہ پوچھا کہ میری بہن دولت خاتون کہاں چلی گئی ہے؟ یہ کہہ کر وہ زار زار رونے اور بدیع الجمال کے نہ یاد کرنے پر فریاد کرنے لگی۔

سیف الملوک نے کہا اے دولت خاتون! تو انسان ہے اور بدیع الجمال جن' وہ تیری بہن کیسے ہوئی؟ اس نے جواب دیا وہ میری دودھ شریک بہن ہے۔ اس طرح کہ میری

ماں ایک دن اس باغ میں سیر کر رہی تھی کہ اسے زہ کا درد محسوس ہوا اور میں اس باغ میں پیدا ہوئی۔ اتفاقاً بدیع الجمال کی ماں بھی اپنے غلاموں کے ساتھ اس وقت اسی باغ میں تھی۔ اسے بھی زہ کا درد شروع ہو گیا۔ اس نے باغ کے ایک کونے میں جا کر بدیع الجمال کو جنا اور اپنی چند کنیزوں کو میری ماں کے پاس بھیج کرکھانا اور دوسری چیزیں جن کی ضرورت بچہ جننے کے وقت ہوتی ہے منگوائیں۔ میری ماں نے تمام چیزیں بھیج دیں اور اسے مدعو کیا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بدیع الجمال کو لئے میری ماں کے پاس آئی' میری ماں نے اسے دودھ پلایا۔ اس کے بعد وہ اور اس کی ماں دو مہینے باغ میں ہماری مہمان رہیں۔ جاتے وقت اس نے میری ماں کو کچھ چیزیں دے کر کہا کہ جب تجھے میری ضرورت ہو تو میں اسی باغ کے اندر حاضر ہو جاؤں گی۔ مدتوں ان کا یہ دستور رہا کہ وہ ہر سال ہمارے ہاں آتیں اور کچھ دن ٹھہر کر اپنے وطن چلی جاتیں۔ اے سیف الملوک اگر میں اپنی ماں کے پاس ہوتی اپنے وطن میں تجھ سے ملتی' ہم دونوں ساتھ ہوتے تو میں کوئی نہ کوئی تدبیر نکال کر تیری مراد پوری کر دیتی لیکن میں تو اب یہاں پڑی ہوں اور انہیں میری خبر تک نہیں۔ اگر انہیں یہ معلوم ہوتا کہ میں یہاں ہوں تو وہ مجھے چھڑا سکتے تھے۔ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس میں' میں کیا کر سکتی ہوں۔ سیف الملوک بولا اٹھ۔ میرے ساتھ بھاگ چل' جہاں خدا کی مرضی ہو گی' ہم پہنچ جائیں گے۔ لڑکی نے جواب دیا یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ خدا کی قسم! اگر ہم ایک سال کی راہ بھی طے کر چکے ہوں گے تو یہ ملعون ایک پل میں ہمارے پاس پہنچ جائے گا اور ہمیں تباہ کر دیگا۔ سیف الملوک بولا اچھا میں کسی جگہ چھپ رہوں اور جب وہ میرے پاس سے گزرے گا میں تلوار کا وار کرکے اسے قتل کر دوں گا لڑکی بولی تو اسے ہرگز قتل نہیں کر سکتا۔ جب تک اس کی روح زندہ ہے سیف الملوک نے کہا' اس کی روح کس جگہ ہے؟ لڑکی نے کہا میں نے اس کے متعلق بارہا پوچھا لیکن وہ ہمیشہ انکار کرتا رہا۔ ایک بار میں نے بہت گڑگڑا کر پوچھا تو وہ ناراض ہو کر کہنے لگا تو کب تک میری روح کو پوچھا کرے گی؟ آخر تیرا مطلب کیا ہے؟

میں نے کہا اے حاتم۔ میرا تیرے بعد خدا کے سوا کوئی نہیں ہے جب تک میں جیتی رہوں گی تیری روح کو لپٹائے رہوں گی۔ اگر میں تیری روح کو اپنی آنکھ کے اندر حفاظت سے نہ رکھوں تو تیرے بعد کیوں کر زندہ رہ سکتی ہوں۔ مجھے معلوم ہوجائے کہ تیری روح کہاں ہے تو میں اسے اپنی دائیں آنکھ کی طرف حفاظت سے رکھوں گی۔
یہ سن کر اس نے کہا سن' میں پیدا ہوا تو نجومیوں نے کہا کہ میری روح کی موت ایک انسانی شہزادے کے ہاتھ سے ہو گی۔ اس لئے میں نے اپنی روح کو ایک بھونرے کے پوٹے میں رکھا۔ بھونرے کو ایک ڈبیا میں بند کیا۔ ڈبیا کو ایک ڈبے میں' ڈبے کو صندوقچی میں' صندوقچی کو سات صندوقوں میں اور اسے مرمر کی سینی میں رکھ کر سینی کو اس سمندر کے کنارے گاڑ دیا ہے کیونکہ یہ کنارہ انسانوں کے ملک سے بہت دور ہے کسی انسان کی پہنچ یہاں تک نہیں ہو سکتی۔ میں نے تجھ سے یہ سب کچھ کہہ دیا لیکن کسی سے مت کہیو۔ یہ بھید فقط میرے اور تیرے درمیان رہے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو سترویں رات

سات سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جن کی روح کا سارا قصہ بیان کرکے دولت خاتون نے کہا جن بولا یہ بھید فقط میرے اور تیرے درمیان رہے۔ میں نے کہا میں کس سے جا کر کہوں گی میرے پاس تیرے سوا آتا کون ہے جس سے کہوں' مگر خدا کی قسم تو نے اپنی روح ایسے مضبوط قلعے میں محفوظ کر رکھی ہے جہاں کسی کی بھی پہنچ نہیں' کوئی انسان وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ خدا نے وہی مقدر کیا ہے جو نجومی کہتے ہیں پھر بھی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان کی رسائی وہاں تک کیسے ہو سکتی ہے۔ جن نے کہا ممکن ہے ان میں سے کوئی شخص ایسا آئے جس کی انگلی میں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی ہو۔ وہ اس جگہ پہنچ کر اس ہاتھ کو جس میں انگوٹھی ہو پانی کے اوپر رکھے اور کہے کہ ان ناموں کی قسم فلاں شخص کی روح نکل آئے تو وہ تابوت نکل آئے گا اور وہ صندوقوں وغیرہ کو توڑ کر بھونرے کو نکال لے گا' اس کی گردن گھونٹ دے گا اور میں مر جاؤں گا۔ سیف الملوک بولا' وہ شہزادہ میں ہی ہوں۔ دیکھ یہ میری انگلی میں سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی ہے اٹھ اور میرے ساتھ سمندر کے کنارے چل دیکھیں تو جو اس نے کہا جھوٹ ہے یا سچ۔ دونوں چل کھڑے ہوئے اور سمندر تک پہنچ گئے۔ دولت خاتون سمندر کے کنارے کھڑی رہی اور سیف الملوک نے پانی میں جا کر کہا میں فلاں شخص کی روح کو جو بادشاہ ارزق جن کا بیٹا ہے ان اسما اور طلسمات جو اس کی انگوٹھی پر کندہ ہیں اور خود حضرت سلیمان علیہ السلام کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ باہر نکل آئے۔ یہ کہتے ہی سمندر میں موجیں اٹھیں اور تابوت باہر آ گیا۔ سیف الملوک نے اسے اٹھا کر پتھر پر دے پٹکا اور وہ ٹوٹ گیا۔ اسی طرح اس نے صندوق اور صندوقچیوں کو توڑ کر ڈبے میں سے بھونرے کو نکال لیا اور جا کر تخت پر بیٹھ

گیا۔

اتنے میں ایک بڑی آندھی اٹھی اور کوئی بڑی سی چیز اڑتی ہوئی نظر آئی۔ جس میں سے یہ آواز آئی کہ اے شہزادے! مجھے مار نہیں زندہ رہنے دے۔ میں تیرا آزاد کردہ غلام رہوں گا۔ اور تیرا مقصد پورا کر دوں گا۔ دولت خاتون بولی جن آ گیا ہے' اب بھونرے کو مار ڈال۔ اگر وہ ملعون محل میں آ گیا تو اسے چھین لے گا۔ تجھے مار ڈالے گا اور اس کے بعد مجھے بھی۔ سیف الملوک نے بھونرے کو مسل ڈالا' وہ مر گیا اور جن محل کے دروازے پر گر کر کالی راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ دولت خاتون بولی۔ اس ملعون کے ہاتھ سے تو چھٹکارا ہو گیا' اب کیا کرنا چاہیے؟ سیف الملوک نے کہا جس خدا نے ہمیں مصیبت میں گرفتار کیا ہے' وہی ہماری مدد کرے گا اوراس بلا سے چھٹکارے کی تدبیر نکال دے گا۔ یہ کہہ کر وہ اٹھااور محل کے دس دروازے اکھاڑ ڈالے۔ یہ دروازے صندل اور اگر کے تھے۔ اس کی کیلیں سونے اور چاندی کی۔ پھر اس نے وہیں سے رسیاں لیں جو ریشم کی تھیں۔ دروازوں کے پٹوں کو ایک دوسرے سے ملا کر باندھا وہ اور دولت خاتون مل کر انہیں سمندر کے کنارے لے گئے اور انہیں پانی میں ڈال کر مثل کشتی کے کنارے سے باندھ دیا۔ یہ کام کرکے محل میں آئے۔ چاندی کے پتر' جواہرات' یاقوت اور عمدہ عمدہ معدنیات لیں غرض کہ تمام چیزیں جن کا وزن کم اور قیمت زیادہ تھی لے جا کر کشتی میں رکھیں۔ خدا پر بھروسہ کر کے اس میں بیٹھ گئے اور چپو کی طرح دو لکڑیاں ہاتھوں میں لے کر رسیاں کھول دیں اور کھینے لگے۔ اس طرح وہ چار مہینے پانی پر رہے یہاں تک کہ کھانا پینا ختم ہو گیا۔ مصیبت کا سامنا ہوا' انہوں نے گھبرا کر خدا سے دعا مانگی کہ یامالک ہمیں اس بلا سے چھٹکارا دے۔

سیف الملوک کا سفر میں یہ دستور تھا کہ سوتا تھا تو دولت خاتون کو اپنے پیچھے سلاتا اور جب کروٹ بدلتا تو تلوار بیچ میں رکھ لیتا۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ سیف الملوک سو رہا تھا اور دولت خاتون جاگ رہی تھی کہ کشتی نے خشکی کی طرف رخ کیا اور ایک بندرگاہ پر جا لگی جہاں اور بھی بہت سی کشتیاں کھڑی تھیں۔ دولت خاتون کی نظر

کشتیوں پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ ایک شخص ملاحوں سے باتیں کر رہا ہے۔ یہ باتیں کرنے والا ان کا بڑا ناخدا تھا۔ ناخدا کی باتیں سن کر دولت خاتون کو یقین ہو گیا کہ یہ خشکی کسی شہر کی بندرگاہ ہے اور یہ کہ اب وہ دونوں آبادی میں پہنچ گئے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوئی اور سیف الملوک کو جگا کر کہا اٹھ کر ناخدا سے پوچھ کہ اس شہر اور بندرگاہ کا کیا نام ہے؟ سیف الملوک جلدی سے کھڑا ہوا اور اس سے جا کہا' بھائی اس شہر کا کیا نام ہے' اس بندرگاہ کو کیا کہتے ہیں اور یہاں کا بادشاہ کون ہے؟ ناخدا بولا پھٹکار ہو تجھ پر! اگر تجھے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ بندرگاہ اور شہر کیا ہیں تو یہاں آیا کیوں؟ سیف الملوک بولا میں پردیسی ہوں۔ تاجروں کی ایک کشتی میں سفر کر رہا تھا وہ ٹوٹ گئی' جو کچھ اس میں تھا سب ڈوب گیا۔ میں ایک تختے پر بیٹھ کر یہاں پہنچا۔ اس لئے میں نے تجھ سے پوچھا ہے اور پوچھنے میں کوئی عیب نہیں۔ ناخدا نے کہا یہ شہر عماریہ ہے اور اس بندرگاہ کو کمین البحرین کہتے ہیں۔ دولت خاتون نے جو یہ نام سنے تو بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی شکر ہے خدا کا! سیف الملوک نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا اے سیف الملوک خوش ہو کہ خوشی قریب ہے۔ اس شہر کا بادشاہ میرا سگا چچا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اکہترویں رات

سات سو اکہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- دولت خاتون نے سیف الملوک سے کہا اس شہر کا بادشاہ میرا سگا چچا ہے اور اس کا نام عالی الملوک ہے۔ اس کے بعد وہ بولی ناخدا سے پوچھ کہ کیا اس شہر کا بادشاہ عالی الملوک خیریت سے ہے؟ اس نے پوچھا تو ناخدا نے غصے میں آ کر کہا' تو تو کہتا تھا کہ میں کبھی یہاں آیا نہیں' پردیسی ہوں' پھر تجھے اس شہر کے بادشاہ کا نام کیسے معلوم ہوا۔ ہاں اچھا ہے۔ یہ سن کر دولت خاتون خوش ہو گئی اور ناخدا کو پہچان لیا۔ اس کا نام معین الدین تھا اور اس کے باپ کے ناخداؤں میں سے تھا۔ جب سے دولت خاتون غائب ہوئی تھی وہ اس کی تلاش میں دنیا بھر کا چکر لگا کر ناکام واپس ہوتے ہوئے اس کے چچا کے شہر میں تھا۔ لڑکی نے سیف الملوک سے کہا ناخدا سے کہہ اے ناخدا معین الدین' تیری شہزادی تجھے بلاتی ہے آ کر اس سے بات کر۔ سیف الملوک نے جب اسی طرح اس سے خطاب کیا۔ ناخدا طیش میں آ گیا اور کہنے لگا اے کتے' تو کون ہے؟ مجھے کہاں سے جانتا ہے؟ اور اس نے ملاحوں سے کہا مجھے ایک مضبوط سا ڈنڈا تو دینا میں اس منحوس کا سر پھوڑ دوں۔ اب وہ ڈنڈا لے کر سیف الملوک کی طرف جھپٹا' مگر جب اس کی نظر کشتی پر پڑی تو اسے ایک عجیب خوبصورت سی شکل دکھائی دی۔ وہ اسے دیکھ کر حیران ہو گیا اور غور سے دیکھنے پر اسے معلوم ہوا کہ دولت خاتون ہے جو چاند کے ٹکڑے کی طرح وہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ ناخدا نے پوچھا تیرے ساتھ کون ہے؟ اس نے جواب دیا ایک لڑکی' جس کا نام دولت خاتون ہے۔ ناخدا نے اس کا نام سنا اور معلوم ہو گیا کہ یہ اس کی آقا اور اس کے بادشاہ کی بیٹی ہے تو اسے غش آ گیا۔ ہوش آیا تو کشتی کو چھوڑ کر شہر کی طرف بھاگا اور بادشاہ کے محل پر پہنچ کر اندر جانے کی اجازت چاہی۔ حاجب نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ناخدا معین الدین تجھے کوئی خوشخبری

دینے آیا ہے۔ بادشاہ نے اسے اندر بلا لیا۔
بادشاہ کے پاس آ کر ناخدا نے زمین چومی اور کہا اے بادشاہ! تیرے پاس خوشخبری لے کر آیا ہوں' تیرے بھائی کی بیٹی دولت خاتون بہ خیریت اس شہر میں پہنچ گئی ہے۔ وہ ایک کشتی پر ہے اور اس کے ساتھ چودھویں رات کے چاند کی طرح ایک جوان ہے۔ بھتیجی کی خبر سنتے ہی بادشاہ خوش ہو گیا' ناخدا کو ایک نفیس خلعت عطا کیا اور فوراً حکم دیا کمہ اس کی بھتیجی کی سلامتی کی خوشی میں شہر آراستہ کیا جائے' پھر اسے اور سیف الملوک کو اپنے پاس بلوایا۔ انہیں سلام کیا اور سلامتی پر مبارکباد دی۔ اس کے بعد اس نے اپنے بھائی کو خبر بھیجی کہ تیری بیٹی مل گئی ہے اور اس وقت میرے پاس ہے۔ جونہی یہ خبر دولت خاتون کے باپ تاج الملوک کو ملی تو اس نے تیاری کر کے سفر شروع کر دیا اور اپنے بھائی عالی الملوک کے پاس پہنچ کر دولت خاتون سے ملا۔ سب کو بڑی خوشی ہوئی۔ ایک ہفتہ اپنے بھائی کے پاس ٹھہرنے کے بعد تاج الملوک اپنی بیٹی اور سیف الملوک کو لے کر چل دیا۔ جب دولت خاتون اپنے باپ کے ملک سرندیپ میں پہنچی اور اپنی ماں سے ملی تو سب اس کی سلامتی پر خوش ہوئے اور جشن منائے گئے۔ وہ دن ایسا تھا جس کی طرح کبھی کوئی نہ ہوا تھا۔ بادشاہ نے سیف الملوک کی بڑی آؤ بھگت کی اور اس سے کہا اے سیف الملوک' تو نے میرے اور میری بیٹی کے ساتھ اتنی بڑی بھلائی کی ہے کہ میں اس کا بدلہ نہیں دے سکتا۔ اگر اس کا بدلہ کوئی دے گا تو خدا۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے بجائے تو تخت پر بیٹھ اور ہند پر حکومت کر میں اپنا ملک' تخت' خزانے اور نوکر چاکر سب تجھے دیتا ہوں اور بطور ہدیئے کے دیتا ہوں۔ یہ سن کر سیف الملوک اٹھا' اس کے آگے زمین چوم کر اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا جہاں پناہ! میں تیرے سارے ہدیئے قبول کرتا ہوں او انہیں پھر تجھے ہدیتاً واپس دیتا ہوں۔ جہاں پناہ! مجھے نہ ملک کی ضرورت ہے نہ سلطنت کی' میں تو محض یہ چاہتا ہوں کہ خدا میری مراد پوری کر دے۔ بادشاہ بولا اے سیف الملوک! میری ساری دولت تیرے آگے ہے' اس میں سے جو تیرا جی چاہے لے اور مجھ سے بالکل

اجازت نہ مانگ۔ خدا میری طرف سے تجھے نیک بدلہ دے! سیف الملوک نے جواب دیا' خدا بادشاہ کی عزت بڑھائے۔ جب تک میں اپنا مقصد حاصل نہ کر لوں' نہ مجھے ملک میں مزا آئے گا نہ مال میں۔ ہاں میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ میں اس شہر اور اس کے گلی کوچوں کی سیر کروں۔ تاج الملوک نے حکم دیا کہ اس کے لئے اچھے سے اچھا گھوڑا حاضر کیا جائے اور جب ایک عمدہ گھوڑا مع زین اور لگام کے حاضر کیا گیا تو وہ اس پر سوار ہو کر بازار گیا اور شہر کے گلی کوچوں میں سیر کرنے لگا۔

وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اس کی نظر ایک جوان پر پڑی جو ایک قبا لئے کہہ رہا تھا کہ پندرہ دینار! سیف الملوک نے غور سے دیکھا تو وہ اس کے بھائی ساعد کے مشابہ معلوم ہوا' اور حقیقت میں تھا بھی وہی لیکن غربت کی درازی اور سفر کی تکلیفوں کی وجہ سے اس کا رنگ روپ بدل گیا تھا اس نے اسے بالکل نہ پہچانا اور اپنے نوکروں سے کہا اس جوان کو یہاں لے آؤ تاکہ میں اس کا حال دریافت کروں وہ اسے لے آئے تو سیف الملوک نے کہا اسے میرے محل میں لے جا کر جب تک میں سیر سے نہ لوٹوں اپنے ساتھ رکھو۔ وہ لوگ غلطی سے یہ سمجھے کہ اس نے یہ حکم دیا ہے کہ اسے لے جا کر قید خانے میں بند کر دو۔ انکا گمان ہوا کہ شاید جوان اس کا بھاگا ہوا غلام ہے۔ لوگوں نے اسے پکڑ کر قید خانے میں بند کر دیا اور چلے آئے۔ سیف الملوک سیر سے لوٹ کر محل آیا تو نہ اسے اپنے بھائی ساعد کی یاد آئی' نہ کسی اور نے اسے یاد دلایا۔ غرض کہ ساعد قید خانے میں پڑا رہا۔ جب لوگ قیدیوں کو عمارت کے کام کے لئے لے جاتے تو ان کے ساتھ ساعد کو بھی لے جاتے۔ وہ بہت بدحال ہو گیا اور ایک مہینے تک اس کی یہی حالت رہی۔ وہ اپنے حال پر غور کرتا اور اپنے دل میں کہتا کہ نہ معلوم میں کیوں قید ہوں۔ ادھر سیف الملوک اپنی خوشی کی وجہ سے اسے بالکل بھول گیا۔ ایک دن سیف الملوک بیٹھا اپنے بھائی ساعد کو یاد کر رہا تھا کہ اس نے اپنے ساتھ والے غلاموں سے پوچھا فلاں روز جو غلام تمہارے ساتھ تھا کہاں ہے۔ انہوں نے جواب دیا تو نے کہا نہ تھا کہ اسے قید خانے پہنچا آؤ۔ سیف الملوک بولا میں نے تم سے

یہ کب کہا تھا' میں نے تو کہا تھا کہ اسے میرے محل پہنچا آؤ۔ یہ کہہ کر اس نے حاجبوں کو ساعد کے پاس بھیجا۔ وہ جا کر اسے بیڑیوں سمیت لے آئے اور اسے سیف الملوک کے آگے پیش کیا۔ سیف الملوک نے کہا اے جوان! تو کس ملک کا رہنے والا ہے؟ اس نے جواب دیا مصر کا۔ میرا نام ساعد ہے' میں وزیر فارس کا بیٹا ہوں۔ یہ سن کر سیف الملوک تخت سے کود پڑا اور دوڑ کر اس کے گلے سے لپٹ گیا۔ مارے خوشی کے چیخ چیخ کر رونے لگا اور کہا اے میرے بھائی ساعد! خدا کا شکر ہے کہ میں تجھ سے ملنے تک زندہ رہا۔ میں بادشاہ عاصم کا بیٹا تیرا بھائی سیف الملوک ہوں۔

ساعد نے اپنے بھائی کی باتیں سنیں او اسے پہچان لیا تو پھر دونوں گلے مل کر رونے لگے۔ حاضرین کوبڑا تعجب ہوا۔ اب سیف الملوک نے حکم دیا کہ ساعد کو حمام لے جایا جائے۔ لوگ اسے حمام لے گئے۔ وہ حمام سے نکلا تو اسے نفیس کپڑے پہنا کر سیف الملوک کے دربار میں لائے۔ سیف الملوک نے اسے اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیا۔ تاج الملوک کو خبر لگی کہ سیف الملوک اور اس کا بھائی ساعد ایک دوسرے سے آ ملے ہیں تو اسے بے حد خوشی ہوئی۔ وہ بھی ان کے پاس آ گیا اور تینوں نے بیٹھ کر اپنی اپنی کہانیاں شروع سے لے کر آخر تک سنا ڈالیں۔ ساعد نے اپنی کہانی یوں شروع کی کہ اے میرے بھائی' اے سیف الملوک! جب کشتیاں ڈوب گئیں اور غلام غرق ہو گئے اور میں اور چند غلام پورے مہینے بھر تک سمندر پر تیرتے رہے پھر خدا کی قدرت سے ہواؤں نے ہمیں ایک جزیرے پر لا پھینکا۔ ہم بھوکے تو تھے ہی درختوں کے پھل کھائے اور کھانے میں اتنے مشغول ہو گئے کہ ہمیں اپنی خبر بھی نہ رہی۔ دیو جیسے لوگ آ پڑے اور اچھل اچھل کر ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے اور ہم سے کہنے لگے کہ ہمیں لے کر چلو۔ اب تم ہمارے گدھے ہو۔ جو شخص میرے اوپر سوار تھا اس سے میں نے پوچھا تو کیا بلا ہے اور میرے اوپر کیوں سوار ہوا؟ یہ سن کر اس نے اپنی ٹانگ اس زور سے میرے گلے میں لپیٹی کہ میں مرنے کے قریب ہو گیا اور دوسری ٹانگ اس زور سے میری پیٹھ پرماری کہ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ٹوٹ گئی۔ میں منہ کے بل زمین پر

گر پڑا۔ بھوک اور پیاس کی وجہ سے بے حال تھا۔ میں گر پڑا تو وہ سمجھا کہ میں بھوکا ہوں' وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک امرود کے درخت کے پاس لے گیا جس میں امرود لدے ہوئے تھے اور کہا پیٹ بھر کر کھا۔ میں نے پیٹ بھر کر امرود کھائے اور بے خیالی میں اٹھ کر چلنے لگا لیکن ابھی چند ہی قدم چلا ہوں گا کہ وہ شخص پلٹا اور میرے کندھوں پر سوار ہو گیا۔ میں کبھی آہستہ آہستہ چلتا' کبھی تیز تیز دوڑتا اور وہ میرے اوپر بیٹھا بیٹھا ہنستا اور کہتا کہ میں نے عمر بھر تجھ سا گدھا نہیں دیکھا۔

اتفاق سے ہم نے ایک روز انگور کے خوشے جمع کئے اور انہیں پاؤں سے کچل کر ایک گڑھے میں بھر دیا۔ وہ گڑھا ایک حوض کی طرح ہو گیا۔ تھوڑے دنوں بعد جب ہم پھر وہاں گئے تو دیکھا کہ دھوپ کھا کر وہ شراب ہو گئی ہے۔ ہم اسے پیتے اور نشے میں آ کر خوب مزے لیتے۔ ہمارے چہرے سرخ ہو جاتے اور ہم مست ہو کر ناچنے لگتے۔ انہوں نے پوچھا کہ تمہارے چہرے کس وجہ سے سرخ ہو جاتے ہیں اور تم ناچنے اور گانے لگتے ہو؟ ہم نے کہا اس کا سبب پوچھ کر کیا کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہو تو سہی ہمیں بھی تو معلوم ہو کہ کیا بات ہے۔ ہم نے کہا انگور کا عرق' یہ سن کر وہ ہمیں ایک گھاٹی میں لے گئے جس کی لمبائی چوڑائی کا پتا نہ چلتا تھا۔ وہاں اس زیادتی سے انگوروں کے خوشے تھے کہ یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ کہاں سے شروع ہوتے اور کہاں ختم ہوتے ہیں۔ اور ایک ایک خوشے کا وزن دس دس سیر ہو گا۔ وہ بہت گنجان تھے۔ انہوں نے ہم سے کہا انہیں توڑ کر جمع کرو۔ ہم نے بہت سے خوشے توڑ کر جمع کئے۔ وہاں ایک بڑا گڑھا بھی تھا۔ ایک بڑے حوض سے بھی بڑا۔ ہم نے ان انگوروں کو بھر کر خوب پاؤں سے کچلا اور وہی کیا جو پہلی بار کیا تھا۔ جب وہ شراب بن گئی تو ہم نے کہا اب یہ ٹھیک ہے لیکن اسے پیو گے کس چیز میں؟ انہوں نے جواب دیا' ہمارے پاس تمہاری طرح کے گدھے تھے جن کا گوشت ہم کھا چکے ہیں اور کھوپڑیاں باقی ہیں ان میں بھر کر ہمیں پلاؤ۔ ہم نے انہیں شراب پلائی یہاں تک کہ وہ نشے میں آ کر سو گئے۔ ان کی تعداد دو سو کے قریب ہو گی۔ وہ سو گئے تو ہم آپس میں

کہنے لگے کہ یہی بس نہیں کہ وہ ہم پر سوار ہوتے ہیں بلکہ وہ ہمیں کھا بھی جائیں گے۔ "لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم!" ہمیں چاہیے کہ انہیں خوب بدمست کر کے

قتل کر ڈالیں اور ان سے چھٹکارا پائیں۔ اب ہم نے انہیں جگایا اور کھوپڑیوں میں بھر بھر کر شراب پلانی شروع کی۔ وہ بولے کہ یہ کڑوی ہے۔ ہم نے جواب دیا تم اسے کڑوی کیوں کہتے ہو۔ جو کوئی ایسا کہے اس نے دس بار نہ پی تو اسی دن مر جائے گا۔ موت کے ڈر کے مارے وہ کہنے لگے۔ اچھا ہمیں دس بار پلا دو۔ جب وہ پورے دس بار پی چکے تو انہیں اتنا نشہ ہوا کہ ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ ہم نے انہیں ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور ایک جگہ اکٹھا کر کے ان کے اردگرد اور اوپر انگوروں کی لکڑیوں کا ڈھیر لگایا او ان میں آگ لگا کر دور سے دیکھنے لگے کہ ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو بہتر ویں رات

سات سو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- ساعد نے کہا کہ ہم دور جا کر دیکھنے لگے کہ ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔ جب وہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئے تو ہم لوٹ کر آئے۔ خدا کا شکر کیا کہ اس نے ہمیں ان کے ہاتھ سے نجات دی۔ اب ہم جزیرے سے سمندر کے کنارے کی طرف چلے اور ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ میں دو غلاموں کے ساتھ ایک بڑے جنگل میں پہنچا جہاں بہت سے درخت تھے اور پھل کھانے لگے۔ ابھی کھا ہی رہے تھے کہ ہمیں ایک لمبا تڑنگا شخص دکھائی دیا جس کی داڑھی لمبی اور کان بڑے بڑے اور آنکھیں مشعل کی طرح تھیں۔ اس کے قریب بہت سی بھیڑیں تھیں جنہیں وہ چرا رہا تھا اور اس کے ساتھ اسی کی طرح کے اور لوگ بھی تھے ہمیں دیکھ کر وہ خوش ہو گیا ہمارا استقبال کیا اور چلا کر کہا کہ مرحبا اہلاً و سہلاً میرے ساتھ چلو میں تمہارے لئے ان بھیڑوں میں سے ایک بھیڑ ذبح کروں اور اسے بھون کر تمہیں کھلاؤں۔ ہم نے پوچھا تیرا گھر کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا اس پہاڑ کے پاس۔ تم اس طرف جاؤ۔ وہاں تمہیں ایک غار دکھائی دے گا اس کے اندر چلے جانا۔ وہاں تمہاری طرح اور بہت سے مہمان ہیں'ان کے ساتھ جا کر بیٹھو۔ میں ابھی دعوت کا سامان تیار کرکے لاتا ہوں۔ ہم سمجھے کہ وہ سچ کہتا ہے اور اسی سمت روانہ ہو کر غار کے اندر داخل ہو گئے دیکھا کہ وہاں سارے مہمان اندھے ہیں جونہی ہم اندر پہنچے ایک کہنے لگا میں بیمار ہوں۔ دوسرا بولا میں کمزور ہوں۔ ہم نے پوچھا کیسی باتیں کر رہے ہو' تمہاری کمزوری اور بیماری کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے ہم سے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ ہم نے کہا مہمان۔ وہ بولے تمہیں کس نے لا کر اس ملعون کے ہاتھ میں گرفتار کرایا۔ "لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔" یہ بھوت ہے جو انسانوں کو کھا جاتا ہے۔ اسی نے ہمیں اندھا کیا ہے تاکہ ہمیں کھا جائے۔ ہم نے پوچھا تمہیں

اس بھوت نے کس طرح اندھا کیا۔ انہوں نے جواب دیا' وہ تمہیں بھی ہماری طرح اندھا کر دیگا۔ ہم نے پوچھا کہ آخر کیونکر؟ انہوں نے جواب دیا وہ تمہارے پاسدودھ کے پیالے لائے گا اور کہے گا کہ تم سفر کی وجہ سے تھکے ماندے ہو' لو یہ دودھ پی لو۔ دودھ پیتے ہی تم بھی ہماری طرح ہو جاؤ گے۔ میں نے اپنے دل میں کہا بغیر کسی تدبیر کے ہمارا چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ اور زمین میں ایک گڑھا کھود کر میں اس پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد ملعون بھوت دودھ کے پیالے لے کر آ پہنچا۔ ایک پیالہ مجھے اور ایک ایک میرے ساتھیوں کو دے کر کہا جنگل سے پیاسے آئے ہو' جب تک میں گوشت بھون کر تمہارے لئے لاؤں یہ دودھ پیو۔ میں نے پیالہ لے لیا اور منہ کے پاس لا کر اسے گڑھے میں انڈیل دیا اور چلانے لگا آہ! میری آنکھیں جاتی رہیں' میں اندھا ہو گیا اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر رونے پیٹنے لگا۔ وہ ہنسا اور بولا ڈر نہیں' لیکن میرے دونوں ساتھی دودھ پی گئے اور اندھے ہوگئے۔ اب وہ ملعون فوراً اٹھا غار کا دروازہ بند کرکے میرے پاس آیا اور میری پسلیاں ٹٹولنے لگا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں دبلا ہوں اور میرے جسم پر گوشت کا نام نہیں تو اس نے دوسرے کو ٹٹولا اور اسے موٹا تازہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس کے بعد اس نے تین بھیڑیں ذبح کیں ان کی کھال کھینچی اور لوہے کی سنجیں لا کر ان پر گوشت لگایا اور آگ پر بھون کر میرے دونوں ساتھیوں کے پاس لایا۔ انہوں نے بھی کھایا اور ان کے ساتھ اس نے بھی۔ پھر وہ جا کر ایک شراب بھری مشک لے آیا۔ پی کر اوندھا لیٹ گیا اور خراٹے لینے لگا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب وہ سو تو گیا ہے لیکن اسے قتل کیسے کروں؟ فوراً مجھے سیخوں کا خیال آیا۔ میں نے ان میں سے دو سیخیں لے کر آگ میں رکھیں اور جب وہ انگارے کی طرح لال ہو گئیں تو میں نے اٹھ کر اپنی کمر کسی۔ دونوں سیخیں اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اس ملعون کے پاس جا کر اس کی آنکھوں میں بھونک دیں اور زور سے دبایا۔ اسے بھی جان عزیز تھی۔ باوجود اندھے ہونے کے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور چاہتا تھا کہ مجھے پکڑ

لے مگر میں نے غار کے اندر بھاگنا شروع کیا۔ اس نے میرا پیچھا کیا۔ میں نے اندھوں سے جو وہاں تھے' پوچھا کہ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ ان میں سے ایک نے کہا اے ساعد! اچک کر اس محراب کے اوپر چڑھ جا۔ وہاں تجھے ایک چمک دار تلوار ملے گی۔ اسے میرے پاس لے آ' پھر میں بتاؤں گا کہ اب تجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے اچک کر محراب سے تلوار اتار لی۔ اور اس شخص کے پاس گیا۔ اس نے کہا تلوار سے اس کی کمر پر وار کر' وہ فوراً مر جائے گا۔ وہ دوڑتے دوڑتے تھک گیا۔ میں اس کی طرف دوڑا' وہ اندھوں کے پاس گیا کہ انہیں قتل کر دے لیکن میں نے بڑھ کر اس کی کمر پر تلوار ماری اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس نے چلا کر کہا اے شخص' اگر تو مجھے قتل ہی کرنا چاہتا ہے تو ایک ہاتھ اور مار' میں دوسرا وار کرنے ہی والا تھا کہ جس نے مجھے تلوار کا پتا بتایا تھا کہا خبردار دوسرا وار ہرگز نہ کیجیو' پھر وہ نہیں مرے گا بلکہ زندہ ہو کر ہم سب کو مار ڈالے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو تہترویں رات

سات سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ساعد نے کہا جس شخص نے مجھے تلوار کا پتا دیا تھا کہا کہ دوسرا وار ہرگز نہ کیجیو' وہ زندہ ہو جائے گا اور ہم سب کو مار ڈالے گا۔ میں نے اس کا کہنا مان لیا' دوسرا وار نہ کیا وہ ملعون مر گیا۔ اب پھر وہی شخص بولا کہ غار کا دروازہ کھول کر ہمیں نکال دے' ممکن ہے کہ خدا ہماری مدد کرے اور ہمیں یہاں سے چھٹکارا ملے۔ میں نے جواب دیا کہ اب ہمیں کوئی ڈر نہیں رہا' آؤ تھوڑا آرام کریں ان بھیڑوں کو ذبح کرکے کھائیں اور شراب پیئں۔ جنگل بہت بڑا ہے' چنانچہ دو مہینے تک ہم وہیں ٹھہرے۔ بھیڑوں اور پھلوں پر گزارہ کرتے رہے۔

ایک دن ایسا اتفاق پیش آیا کہ ہم سمندر کے کنارے بیٹھے تھے۔ ہمیں دور سے ایک بڑی کشتی دکھائی دی ہم نے کشتی والوں کی طرف اشارہ کیا' انہیں آواز دی۔ وہ ہمیں بھوت سمجھ کر ڈرے۔ وہ جانتے تھے کہ اس جنگل میں ایک بھوت رہتا ہے جو آدمیوں کو کھا جاتا ہے اور بھاگنے لگے' لیکن ہم نے اپنے عماموں کے پلے ہوا میں اڑائے اور زیادہ قریب جا کر آوازیں دیں۔ ان میں سے ایک شخص جو تیز نظر تھا' کہنے لگا اے کشتی والو! یہ تو مجھے ہم جیسے آدمی معلوم ہوتے ہیں' بھوت نہیں ہیں۔ یہ سن کر وہ آہستہ آہستہ ہماری طرف بڑھے اور ہمارے قریب آ گئے۔ پھر جب انہیں یقین آ گیا کہ ہم آدمی ہیں تو انہوں نے ہمیں سلام کیا۔ ہم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور انہیں خوشخبری سنائی کہ ہم نے بھوت کو مار ڈالا ہے۔ انہوں نے ہمارا شکریہ ادا کیا اور ہم جزیرے سے کچھ پھل کھانے کے لئے لے کر کشتی میں سوار ہو گئے۔ تین دن تک موافق ہوا کے ساتھ چلتے رہے۔ اس کے بعد ہوا تیز ہوئی' اندھیرا چھا گیا اور آندھی نے کشتی کو لے جا کر ایک پہاڑ سے ٹکرا دیا' کشتی ٹوٹ گئی او اس کے تختے تربتر ہو گئے۔

خدا کی قدرت کہ ایک تخت میرے ہاتھ آ گیا اور میں اس پر بیٹھ کر دو دن تک تیرتا رہا۔ ہا موافق تھی' میں عرصے تک تختے کو پاؤں سے کھیتا رہا یہاں تک کہ خدا نے مجھے صحیح و سلامت خشکی پر پہنچا دیا۔ اس شہر کی صورت دکھائی دی۔ اندر داخل ہوا تو پردیسی اور اکیلا تھا۔ عقل کام نہیں کرتی تھی کہ کیا کروں۔ مارے بھوک کے بے تاب تھا اور سخت تھکا ماندہ۔ میں نے یہ قبا اتاری۔ چھپ کر شہر کے بازار میں گیا اور اپنے دل میں کہا کہ اسے بیچ کر گزارہ کروں گا۔ اس وقت تک کہ اللہ کوئی نہ کوئی صورت نکال دے۔ اے میرے بھائی! میں نے قبا ہاتھ میں لے لی۔ لوگ اسے دیکھتے اوربڑھ بڑھ کر بولی بولتے۔ اتنے میں تو آیا او تو نے مجھے دیکھ کر حکم دیا کہ غلام مجھے محل میں لے جائیں مگر انہوں نے مجھے لے جا کر قید خانے میں بند کردیا۔ اب تو نے مجھے یاد کیا اور اپنے پاس بلایا' خدا کا شکر ہے کہ ہم پھر مل گئے۔ وزیر ساعد کی یہ داستان سن کر سیف الملوک اور دولت خاتون کا باپ تاج الملوک اچنبھے میں پڑ گئے۔ تاج الملوک نے سیف الملوک اور اس کے بھائی ساعد کو ایک خوبصورت محل رہنے کے لئے دیا۔ جب دولت خاتون سیف الملوک کے پاس آتی اس کا شکریہ ادا کرتی۔ اس کے احسان کا ذکر کرتی تو وزیر ساعد اس سے کہتا اے شہزادی! تجھ سے ہماری ایک درخواست ہے کہ اس کی مراد پوری کرا دے۔ وہ جواب دیتی ہاں میں کوشش کروں گی اور اگر خدا کو منظور ہوا تو اس کی آبرو بر آئے گی۔ یہ کہہ کر وہ سیف الملوک کی طرف مخاطب ہوتی اور کہتی کہ دل کو خوش رکھ اور آئندہ آنکھیں ٹھنڈی۔

یہ تو سیف الملوک اور اس کے وزیر ساعد کا قصہ ہوا۔ اب شہزادی بدیع الجمال کا حال سنو' جب اسے یہ خبر ملی کہ اس کی بہن اپنے باپ کے پاس اپنے وطن لوٹ کر آ گئی ہے تو اس نے کہا میرے لئے ضروری ہے کہ میں پوشاکوں اور گہنوں سے خوب آراستہ ہو کر اس کی ملاقات کو جاؤں اور اسے سلام کروں لہٰذا وہ روانہ ہو گئی۔ دولت خاتون کے پاس پہنچی تو وہ اس کے استقبال کے لئے آئی۔ سلام کرکے اسے گلے لگایا' اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ شہزادی بدیع الجمال نے بھی اس کی سلامتی پر اسے مبارکباد

دی اور بیٹھ کر دونوں باتیں کرنے لگیں۔ بدیع الجمال نے دولت خاتون سے پوچھا کہ پردیس میں تیرے اوپر کیا گزری؟ دولت خاتون بولی' بہن نہ پوچھ کہ مجھ پر کیا گزری' ہائے مخلوق کو کن کن مصیبتوں کا سامنا ہوتا ہے! بدیع الجمال نے پوچھا' وہ کیا؟ اس نے کہا بہن' میں قصر مشید میں تھی' بادشاہ ارزق کے بیٹے نے مجھے وہاں لے جا کر رکھا تھا اور اس نے باقی کہانی آخر تک سنا دی۔ منجملہ اس کے سیف الملوک کا قصہ بھی اور یہ کہ محل میں اس کے ساتھ کیا گزری۔ قصر مشید تک پہنچنے سے پہلے اسے کن کن مصیبتوں اور خطروں کا سامنا ہوا اور کس طرح بادشاہ ارزق کے بیٹے کو قتل کیا۔ دروازے نکال کر ان کی ایک ناؤ بنائی اور چپو تیار کرکے یہاں پہنچا۔ بدیع الجمال کو بڑا تعجب ہوا۔ وہ کہنے لگی بہن! بڑا عجیب و غریب قصہ ہے دولت خاتون نے کہا میں چاہتی ہوں کہ تجھ سے اصل واقعہ بیان کر دوں لیکن شرم روکتی ہے۔ بدیع الجمال نے کہا شرم کی کیا بات ہے' تو تو میری بہن اور دوست ہے۔ ہمارے درمیان بہت سی باتیں ہیں اور میں جانتی ہوں کہ تو میرے لئے بھلائی ہی بھلائی چاہتی ہے' پھر شرم کیسی؟ جو تو کہنا چاہتی ہے' کہہ ڈال۔ شرما نہیں اور مجھ سے کوئی بات نہ چھپا۔ دولت خاتون نے کہا کہ اس نے تیری تصویر اس قبا میں دیکھی تھی جو تیرے باپ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھیجی تھی۔ آپ نے بغیر کھولے اور بے دیکھے کہ اس کے اندر کیا ہے اسے مصر کے بادشاہ عاصم بن صفوان کے پاس منجملہ اور ہدیوں اور تحفوں کے بھیج دیا۔ بادشاہ عاصم نے بھی اسی طرح لپٹی لپٹائی وہ قبا اپنے بیٹے سیف الملوک کو دے دی۔ جب سیف الملوک نے اسے کھول کر پہننا چاہا تو اس پر تیری تصویر دیکھ کر عاشق ہو گیا۔ تیری تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور تیری وجہ سے یہ ساری مصیبتیں جھیلیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چوہترویں رات

سات سو چوہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا‘ اے نیک نہاد بادشاہ ------ دولت خاتون نے بدیع الجمال سے کہا‘ اس نے بڑی بڑی مصیبتیں تیری خاطر جھیلیں۔ بدیع الجمال کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ دولت خاتون کے آگے شرما کر کہنے لگی۔ یہ بات تو ممکن نہیں۔ انسانوں اور جنات میں بھی کبھی نبھی ہے؟ دولت خاتون برابر سیف الملوک کی صورت‘ سیرت اور شہ سواری کی تعریف کرتی‘ اس کی خوبیاں بیان کرتی اور کہتی کہ بہن خدا کے لئے اس سے بات کر لے خواہ ایک جملہ کیوں نہ ہو۔ بدیع الجمال انکار کئے جاتی کہ تیری یہ بات نہ سنوں گی‘ نہ مانوں گی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اس نے کچھ نہیں سنا۔ سیف الملوک کی صورت‘ سیرت اور بہادری کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر دولت خاتون اس کی خوشامدیں کرکے اور اس کے پاؤں چوم کر کہنے لگی۔ اے بدیع الجمال ! تجھے قسم ہے اس دودھ کی جو ہم دونوں نے پیا ہے اور قسم ہے اس نقش کی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی پر ہے۔ میری یہ بات مان لے۔ میں نے قصر مشید میں اس سے وعدہ کیا ہے کہ میں تیری صورت دکھا دوں گی۔ تجھے خدا کی قسم میری خاطر سے اسے اپنی صورت دکھا دے اور خود اس کی بھی صورت دیکھ لے۔ وہ یہ کہتی روتی‘ خوشامدیں کرتی اور اس کے ہاتھ پاؤں چومتی جاتی یہاں تک کہ وہ مان گئی اور کہنے لگی۔ اچھا تیری خاطر میں اسے ایک بار اپنی صورت دکھا دوں گی۔

دولت خاتون خوش ہو گئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں چوم کر اس بڑے محل میں پہنچی جو باغ میں تھا اور کنیزوں کو حکم دیا کہ اس میں فرش بچھا کر سونے کا تخت لگائیں اور شراب کے برتن چنیں۔ پھر وہ سیف الملوک اور اس کے وزیر ساعد کے پاس گئی۔ دیکھا وہ دونوں بیٹھے ہیں۔ اس نے سیف الملوک کو خوش خبری سنائی کہ تیرا مقصد حاصل ہو گیا اور تیری مراد بر آئی۔ اب تم دونوں محل میں جا کر چھپ جاؤ اس طرح کہ تمہیں

کوئی دیکھ نہ سکے اور وہاں میرے اور بدیع الجمال کے آنے کا انتظار کروں۔ سیف الملوک اور ساعد اس جگہ چلے گئے جو دولت خاتون نے بتائی تھی۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ سونے کا تخت بچھا ہوا ہے۔ اس پر تکیے لگے ہوئے ہیں۔ طرح طرح کے کھانے اور شرابیں چنی ہوئی ہیں۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد سیف الملوک کو اپنی معشوقہ کی یاد آگئی۔ اس کا دل گھبرانے لگا۔ محبت نے زور پکڑا۔ وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا اور ٹہلتے ٹہلتے محل کے دروازے سے باہر آ گیا۔ ساعد بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ سیف الملوک نے کہا بھائی' تو اپنی جگہ بیٹھا رہ' میرے پیچھے نہ آ میں ابھی آتا ہوں۔ ساعد واپس جا کر بیٹھ گیا اور سیف الملوک وہاں سے نکل کر باغ میں پہنچا وہ محبت کی شراب کے نشے میں چور تھا۔ آنسو جاری اور پریشان ادھرادھر پھرنے لگا۔ اسکے آنے میں دیر ہوئی تو ساعد اسے باغ میں ڈھونڈنے نکلا۔ ڈیکھا کہ وہ اکیلا دیوانوں کی طرح پھر رہا ہے۔ ساعد نے اسے باتوں میں لگایا۔ غم غلط کیا اور وہ دونوں باغ کی سیر کرنے اور پھل کھانے لگے۔

ادھر تو ساعد اور سیف الملوک باغ میں مٹر گشت لگا رہے تھے ادھر جب نوکر محل کو آراستہ کر چکے دولت خاتون کے حکم کی تعمیل ہو چکی اور بدیع الجمال کے بیٹھنے کے لئے سونے کا تخت بچھا دیا گیا تو دونوں شہزادیاں محل میں داخل ہوئیں۔ بدیع الجمال تخت پر بیٹھ گئی۔ تخت ایک محراب کے پاس تھا۔ جہاں سے باغ دکھائی دیتا تھا۔ غلام طرح طرح کے نفیس کھانے لائے۔ دونوں نے کھائے اس طرح کہ دولت خاتون خود بھی کھاتی اور بدیع الجمال کو نوالے بنا بنا کر دیتی۔ کھانوں سے پیٹ بھر گیا تو دولت خاتون نے مٹھائیاں منگوائیں۔ مٹھائیاں کھائیں اور ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد شراب اور شراب نوشی کا سامان لایا گیا۔ صراحیاں اور جام چنے گئے۔ دولت خاتون ایک جام بھر کر بدیع الجمال کو پلاتی اور دوسرا خود پیتی۔ اب بدیع الجمال محراب میں سے باغ کو دیکھنے لگی۔ کیسے کیسے پھل اور کس کس رنگ کے پھول ہیں۔ یک بہ یک اس کی نظر سیف الملوک پر جا پڑی جو باغ میں ٹہل رہا تھا۔ دیکھا کہ سیف الملوک اشعار پڑھ رہا ہے اور اس

کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ ایک ہی نگاہ اس پر پڑی تھی کہ ہزاروں تمنائیں امنڈ آئیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چھترویں رات

سات سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بدیع الجمال کے دل میں ہزاروں تمنائیں امنڈ آئیں کیونکہ شراب اپنا کام کر چکی تھی تو اس نے دولت خاتون سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ بہن! باغ میں یہ کون جوان ہے جو پریشان اور محبت کا مارا معلوم ہوتا ہے؟ دولت خاتون نے کہا اگر اجازت دے تو میں یہاں بلوا کر اسے دیکھوں۔ اس نے جواب دیا کہ اگر تو بلا سکتی ہے تو بلا۔ دولت خاتون نے پکار کر کہا اے شہزادے! ہمارے پاس آ اور اپنا حسن و جمال ہمیں دکھا۔ سیف الملوک نے دولت خاتون کی آواز پہچان لی اور محل کی طرف روانہ ہو گیا جونہی اس کی نظر بدیع الجمال پر پڑی۔ غش کھا کر گر پڑا۔ دولت خاتون نے اس پر گلاب چھڑکا جب اسے ہوش آیا تو اس نے بدیع الجمال کے آگے زمین چومی اور اس کا حسن و جمال دیکھ کر بدیع الجمال کے ہوش اڑ گئے۔ دولت خاتون سے کہا اے شہزادی! یہی سیف الملوک ہے جس نے خدا کے حکم سے مجھ چھڑایا ہے اور جس پر تیری وجہ سے بڑی بڑی مصیبتیں آئی ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ تو ایک نظر اسے دیکھ لے۔ بدیع الجمال نے ہنس کر کہا خاکی سب بے وفا ہوتے ہیں۔ یہ جوان کیا وفا کرے گا! انسانوں میں محبت کا مادہ ہی نہیں ہوتا۔ سیف الملوک بولا' اے شہزادی! میں بے وفائی ہرگز نہیں کر سکتا۔ سب لوگ یکساں نہیں ہوتے۔ یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگا۔ بدیع الجمال نے کہا اے شہزادے! میں ڈرتی ہوں کہ اگر میں تیری طرف بالکل متوجہ ہو گئی اور پھر دیکھا کہ نہ تجھ میں الفت ہے نہ محبت تو کیا ہو گا؟ انسانوں میں بھلائی کم ہوتی ہے اور بے وفائی بہت۔ تجھے معلوم نہیں کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے بلقیس پر عاشق ہو کر اس سے شادی کی' مگر جب ان کی نظر دوسری پر پڑی جو اس سے زیادہ حسین تھی تو بلقیس کو چھوڑ کر ان کے ہو گئے۔ سیف الملوک بولا' اے میری آنکھ اور میری

روح! خدا نے ہر انسان کو یکساں نہیں پیدا کیا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو میں عہد کا پکا رہوں گا اور تیرے قدموں کے نیچے جان دے دوں گا۔ تجھے عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ میں بات کا کتنا پکا ہوں اور خدا میری بات کو پورا کرنے کا ذمے دار ہے۔ بدیع الجمال نے کہا' بیٹھ اور میرے آگے اپنے دین کی قسم کھا اور ہم دونوں عہد و پیمان کریں کہ ہم میں سے کوئی بھی دوسرے کے ساتھ بے وفائی نہ کرے گا اور جو بھی بے وفائی کرے' خدا اسے سزا دے۔ یہ سن کر سیف الملوک بیٹھ گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر قسم کھائی کہ اپنے ساتھی کے بعد دونوں میں سے کوئی بھی دوسرا ساتھی نہ چنے گا نہ انسانوں میں سے اور نہ جنوں میں سے۔ اس کے بعد دونوں دیر تک ایک دوسرے کے گلے لپٹے اور خوشی کے آنسو بہاتے رہے۔ جب دونوں قسمیں کھا چکے اور دونوں کے دل رونے دھونے سے ہلکے ہو گئے تو سیف الملوک اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ بدیع الجمال بھی ٹہلنے لگی اس کے ساتھ ایک کنیز تھی جس کے پاس کھانا اور شراب تھی ٹہلنے کے بعد بدیع الجمال آ کر بیٹھی تو کنیز نے اس کے آگے کھانا اور شراب رکھ دی۔ تھوڑی دیر کے بعد سیبف الملوک پہنچا' سلام کرکے اسے گلے لگایا اور دونوں کھانے پینے لگے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چھترویں رات

سات سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ دونوں بیٹھ کر کھانے پینے لگے۔ بدیع الجمال نے کہا' اے شہزادے! جب تو باغ ارم پہنچے گا تو تجھے وہاں ایک بہت بڑا خیمہ لگا ہوا دکھائی دے گا' جو لال اطلس کا ہو گا اور جس کا استر ہرے ریشم کا' دل مضبوط کرکے اس کے اندر جائیو۔ وہاں تجھے ایک بوڑھی عورت لال سونے کے تخت پر بیٹھی ہوئی دکھائی دے گی۔ تخت میں موتی اور ہیرے جڑے ہوں گے۔ اس کے پاس جا کر ادب اور شان سے سلام کیجیو اور تخت کی طرف نظر دوڑائیو۔ اس کے نیچے تجھے جوتیاں دکھائی دیں گی۔ سونے کے تاروں سے بنی ہوئی اور جوہرات سے مرصع ان جوتیوں کو چومیو' سر پر رکھیو پھر دہنی بغل میں دبا کر چپ چاپ سر جھکا کر بڑھیا کے سامنے کھڑا ہو جائیو۔ اگر وہ تجھ سے پوچھے کہ تو کہاں سے آیا ہے' یہاں تک تیری رسائی کیونکر ہوئی' اس جگہ کا پتا تجھے کس نے دیا' میری جوتیاں تو نے کیوں اٹھائیں تو کچھ نہ بولیو۔ اس وقت تک کہ یہ میری کنیز آ کر اس سے باتیں کرے۔ اسے تجھ پرمہربان اور راضی کرے۔ کیا عجب کہ خدا اس کا دل تیری طرف پھیر دے اور تیری مراد پوری کر دے۔

یہ کہہ کر اس نے ایک کنیز کو آواز دی جس کا نام مرجانہ تھا اور کہنے لگی۔ تجھے اس محبت کی قسم جو مجھے تیرے ساتھ ہے یہ کام آج ہی کر دے' دیر نہ لگا۔ اگر تو نے اسے آج ہی پورا کر دیا تومیں تجھے خدا کی خاطر آزاد کر دوں گی۔ تجھے انعام دوں گی۔ تجھ سے بڑھ کر کوئی دوسرا مجھے عزیز نہ ہو گا اور تو میری رازدار کنیز ہو گی۔ کنیز نے کہا اے میری آقا! میری آنکھوں کی روشنی کہہ تو سہی کہ تیرا کیا کام ہے' میں اسے بسر و چشم پورا کروں گی۔

بدیع الجمال نے کنیز سے کہا اس انسان کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر میری دادی کے پاس

باغ ارم لے جا اور حفاظت کے ساتھ اس کے خیمے میں پہنچا دے۔ جب تم دونوں خیمے میں داخل ہو اور تو دیکھے کہ اس نے میری دادی کی جوتیاں اٹھا لی ہیں' اس کی خدمت میں کھڑا ہے اور وہ پوچھ رہی ہے کہ تو کہاں کا رہنے والا ہے' کدھر سے یہاں آ پہنچا' تجھے کون لے کر آیا ہے' تو نے کس لئے یہ جوتیاں اٹھا لی ہیں اور بتا تیری خواہش کیا ہے' میں اسے پورا کروں تو فوراً اندر جا کر اسے سلام کیجیو اور کہیو اے میری آقا! اسے میں یہاں لائی ہوں۔ یہ مصر کے بادشاہ کا بیٹا اور وہی شخص ہے جس نے قصر مشید میں جاکر بادشاہ ارزق کے بیٹے کو قتل کیا اور دولت خاتون کو چھڑا کر صحیح و سالم اس کے باپ کے پاس پہنچا دیا۔ انہوں نے اس کو میرے ساتھ بھیجا ہے اور میں اسے اس لئے لے کر آئی ہوں کہ وہ تجھے دولت خان کے صحیح و سالم پہنچنے کی خوشخبری سنائے اور تو اس کی آؤ بھگت کرے۔

اس کے بعد تو اس سے کہیو کہ کیا یہ جوان حسین نہیں؟ وہ جواب دے گی ہاں ہے۔

اس وقت تو اس سے کہیو یہ بڑی عزت آبرو والا' بہادر' شجاع' مصر کا مالک اور بادشاہ ہے۔ اس میں ساری اچھی خصلتیں پائی جاتی ہیں پھر اگر وہ تجھ سے پوچھے کہ وہ کس ضرورت سے آیا ہے تو کہیو میری آقا نے سلام کے بعد تجھے یہ کہلا بھیجا ہے کہ میں کب تک بے نکاح کے کنواری بیٹھی رہوں گی؟ مدت گزرتی چلی جاتی ہے' آخر تم میری شادی کیوں نہیں کرنا چاہتیں اور اپنے اور میری ماں کے جیتے جی دوسری لڑکیوں کی طرح کیوں مجھے بیاہ نہیں دیتیں؟ اگر وہ کہے کہ کس طرح اس کا نکاح کرنا چاہیے؟ اگر کسی سے اس کی آنکھ لڑ گئی ہے یا اس کا دل کسی سے مل گیا ہے تو وہ ہمیں بتائے ہم جہاں تک ہو سکے گا اس کی خواہش کے مطابق اس کا ارمان پورا کر دیں گے۔ اس کے جواب میں کہیو! اے میری آقا! تیری بیٹی نے کہلا بھیجا ہے کہ تم لوگ میرا نکاح حضرت سلیمان سے کرانا چاہتے تھے اور قبا پر میری تصویر بنا کر تم نے ان کے پاس بھیجی تھی لیکن میں اس کی قسمت میں نہ تھی۔ اس نے وہ قبا مصر کے بادشاہ

کے پاس بھیج دی۔ اس نے اسے اپنے بیٹے کے حوالے کیا۔ وہ قبا پر میری تصویردیکھتے ہی مجھ پر عاشق ہو گیا۔ ماں باپ کو چھوڑ کر دنیا تک ترک کر دی۔ حیران و پریشان گھر سے نکل کھڑا ہوا اور میری خاطر بڑی بڑی مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلیں۔

کنیزنے سیف الملوک کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر کہا اپنی آنکھیں میچ لے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور وہ اسے لے کر اڑ گئی۔ تھوڑی دیر بعد کہا' آنکھیں کھول۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔اسے ایک باغ نظر آیا۔ یہی باغ ارم تھا۔ کنیز مرجانہ بولی۔ اے سیف الملوک ! اس خیمے کے اندر جا' سیف الملوک خدا کا نام لے کر اندر گیا۔ ادھر ادھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بڑھیا تخت پر بیٹھی ہوئی ہے اور کنیزیں اس کی خدمت میں کھڑی ہیں۔ وہ ادب سے اس کے قریب پہنچا۔ جوتیاں اٹھا کر چومیں اور جو کچھ بدیع الجمال نے کہا تھا' کیا۔ بڑھیا بولی تو کون ہے' کہاں سے آیا ہے' کس ملک کا رہنے والا ہے' یہاں تجھے کون لایا' تو نے یہ جوتیاں اٹھا کر کیوں چومیں اور کب تو نے مجھ سے کوئی حاجت کہی ہے اور میں نے اسے پورا نہیں کیا؟ یہ سنتے ہی کنیز مرجانہ نے اندر آ کر بڑے ادب کے ساتھ سلام کیا اور اس سے وہی گفتگو کی جو بدیع الجمال نے بتائی تھی۔ یہ سنتے ہی بڑھیا چلائی اور ناراض ہو کرکنیز سے کہا انسان اور جن کا کیسے ملاپ ہو سکتا ہے!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو سترویں رات

سات سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑھیا غصے میں آ کر بولی' انسان اور جن میں کیسے ملاپ ہو سکتا ہے! سیف الملوک نے کہا اگر خدا نے چاہا تو مجھ سے کوئی بے وفائی ظاہر نہیں ہو گی تیرا غلام بن کر زندگی بسر کروں گا' تیری محبت پر جان دے دوں گا۔ جو عہد تیرے ساتھ باندھوں گا اسے پورا کروں گا اور سوا تیرے کسی اور کو دھیان میں نہ لاؤں گا۔ تو عنقریب دیکھ لے گی کہ میں سچا ہوں' جھوٹا نہیں اور تیرے ساتھ کس مروت سے پیش آتا ہوں۔ بڑھیا تھوڑی دیر سر جھکائے سوچ میں بیٹھی رہی' پھر سر اٹھا کر کہنے لگی اے خوش رو جوان کیا تو عہد و پیمان پر پکا رہے گا؟ اس نے جواب دیا ہاں' قسم ہے اس ذات کی جس نے آسمان کو بلند بنایا اور زمین کو پانی پر بچھایا کہ میں وعدہ پورا کروں گا۔ یہ سن کر بڑھیا بولی اگر خدا کو منظور ہے تو میں تیری مراد پوری کروں گی۔ اچھا اب تو باغ میں جا کر سیر کر اور پھل کھا جن کی نظیر دنیا میں نہیں۔ میں اپنے بیٹے شہیال کو بلاتی ہوں۔ وہ آ جائے گا تو میں اس بارے میں اس سے بات چیت کروں گی اور خدا نے چاہا تو اس میں بھلائی ہو گی کیونکہ وہ میری مخالفت نہیں کرے گا بلکہ میرا حکم مان لے گا اور میں اس کی بیٹی بدیع الجمال کا بیاہ تیرے ساتھ کرا دوں گی۔ اے سیف الملوک خوش ہو کہ وہ تیری بیوی ہو جائے گی۔ سیف الملوک نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے ہاتھ پاؤں چوم کر وہاں سے باغ کی طرف چل دیا۔ بڑھیا نے کنیز کی طرف مخاطب ہو کر کہا جا میرے بیٹے شہیال کو ڈھونڈ کہ کہاں ہے اور اسے میرے پاس لے آ۔ کنیز چلی' بادشاہ شہیال کو ڈھونڈ کر اس سے ملی اور اسے لے آئی۔

یہ تو بڑھیا کا قصہ ہوا۔ اب سیف الملوک کا ماجرا سنو۔ وہ باغ میں سیر کر رہا تھا کہ پانچ جنوں کی نظر اس پر پڑی جو بادشاہ ارزق کی رعایا تھے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ کہاں

کا رہنے والا ہے اور اسے یہاں کون لایا ہے؟ ہو نہ ہو یہ وہی ہے جس نے بادشاہ ارزق کے بیٹے کو قتل کیا۔ کسی چالاکی سے اس سے پوچھیں۔ وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھے اور باغ میں ایک طرف بیٹھ کر کہنے لگے۔ اے خوش رو جوان! تو نے بادشاہ ارزق کے بیٹے کے مارنے اور دولت خاتون کو اس پنجے سے چھڑانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ وہ بڑا دھوکے باز کتا تھا اسے فریب دے کر اڑا لے گیا تھا۔ اگر خدا کی طرف سے تو اس پر مسلط نہ کیا گیا ہوتا تو لڑکی ہرگز نہ چھوٹتی بتا تو سہی تو نے اسے کیونکر قتل کیا؟ سیف الملوک نے ان کی طرف دیکھ کر کہا کہ میں نے اسے اس انگوٹھی کے زور سے قتل کیا ہے جو میری انگلی میں ہے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اسی نے اسے قتل کیا ہے اور دو نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے' دو نے دونوں پاؤں اور پانچویں نے اس کا منہ دبا لیا کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ چلائے اور بادشاہ شہیال کے آدمی آواز سن کر اسے چھڑا لے جائیں۔ اس کے بعد وہ اسے اڑا لے گئے۔ اڑتے اڑتے اپنے بادشاہ کے پاس پہنچے اور اسے اس کے سامنے لے جا کر کھڑا کیا اور کہنے لگے جہاں پناہ! ہم تیرے بیٹے کے قاتل کو تیرے پاس لے آئے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا یہ ہے۔ بادشاہ ارزق بولا کیا تو نے ہی میرے بیٹے کو ناحق قتل کیا ہے جو میرے جگر کا ٹکڑا اور میری آنکھ کا تارا تھا؟ اس نے تیرا کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ سیف الملوک نے کہا' ہاں میں نے ہی اسے قتل کیا ہے لیکن اس کے ظلم و ستم کی وجہ سے وہ بادشاہوں کی اولاد کو بئر معطلہ اور قصر مشید لے جایا کرتا تھا۔ ان کے اور ان کے ماں باپ میں جدائی ڈالتا' ان کے ساتھ بدفعلی کرتا تھا میں نے اس انگوٹھی کے زور سے اسے قتل کیا جو میری انگلی میں ہے اور خدا اس کی روح کو فوراً دوزخ میں لے گیا جو رہنے کی بری جگہ ہے۔

بادشاہ ارزق پر ثابت ہو گیا کہ بے شک اسی نے اس کے بیٹے کو مارا ہے اس نے اپنے وزیر کو بلا کر کہا' اس میں شک نہیں کہ یہی میرے بیٹے کا قاتل ہے تیری کیا رائے ہے' اس کے ساتھ کیا کروں' اسے بری طرح سے قتل کروں' سخت عذاب دوں یا

کیا؟ بڑا وزیر بولا اس کا عضو عضو کاٹ کر پھینک دے۔ دوسرے نے کہا روزانہ اس پر مار پڑنی چاہیے۔ تیسرے نے کہا اس کے دو ٹکڑے کر ڈال۔ چوتھا بولا اس کی انگلیاں کاٹ کر اسے آگ میں جلا دے۔ پانچویں نے کہا صلیب پر چڑھا دے۔ غرض کے ہر ایک اپنی اپنی رائے کے مطابق اسے مشورے دینے لگا۔ بادشاہ ارزق کے دربار میں ایک بڑا سیاستدان تھا۔ دنیا کی باتوں سے باخبر' اس نے کہا جہاں پناہ! میں تجھ سے ایک بات کہتا ہوں میرے مشورے پر عمل کرنے میں تجھے شرمندگی نہیں ہوگی۔ یہ شخص بادشاہ کا مشیر اور حکومت کا بڑا آدمی تھا اس کی ہر بات مانی جاتی' اس کی رائے پر عمل کیا جاتا کسی بات میں بادشاہ اس کی مخالفت نہ کرتا۔ اس نے اٹھ کر بادشاہ کے آگے زمین چومی اور بولا جہاں پناہ! اگر میں اس بارے میں تجھے مشورہ دوں تو کیا تو اسے مانے گا اور میری جان بخشی کرے گا؟ بادشاہ نے کہا' اپنے رائے بیان کر' میں تیری جان بخشی کرتاہوں۔ اس نے کہا جہاں پناہ! اگر تو نے اسے ابھی قتل کر دیا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تو نے میری نصیحت نہ مانی اور میری بات نہ سمجھی۔ ابھی اس کا قتل کرنا بیکار ہے کیونکہ وہ تیرے قبضے میں ہے' تیرے اختیار میں ہے' تیرا قیدی ہے۔ جب تو چاہے گا وہ تجھے مل جائے گا اور جو تیرا جی چاہے تو اس کے ساتھ کر سکتا ہے' لیکن جہاں پناہ! صبر سے کام لے۔ اس نے باغ ارم میں جا کر بادشاہ شہیال کی بیٹی بدیع الجمال سے شادی کی ہے اور اس طرح یہ ان کا رشتے دار ہو گیا ہے تیرے آدمی اسے پکڑ کر تیرے پاس لے آئے ہیں یہ بات تجھ پر بھی ظاہر ہے اور ان پر بھی۔ اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو بادشاہ شہیال تجھ سے اس کا بدلہ لے گا اور تیرا دشمن ہو جائے گا' اپنی بیٹی کی خاطر لشکر لے کر تیرے اوپر چڑھائی کرے گا۔ اس کے لشکر کے آگے تیری کچھ نہ چلے گی' تو اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ بادشاہ نے اس کی رائے مان لی اور سیف الملوک کو قید خانے بھیج دیا۔

یہ تو سیف الملوک کی سرگزشت ہوئی۔ اب بدیع الجمال کی دادی کا حال سنو -------

اپنے بیٹے شہیال سے ملنے کے بعد اس نے کنیز کو بھیجا کہ سیف الملوک کو تلاش کر

کے لائے۔ نہ ملا تو اس نے اپنی آقا کے پاس آ کر کہا' وہ مجھے باغ میں نہیں ملتا۔ یہ سن کر بڑھیا نے باغ کے ملازموں کو بلوایا اور ان سے سیف الملوک کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا ہم نے اسے ایک درخت کے نیچے بیٹھا دیکھا تھا کہ اتنے میں بادشاہ ارزق کی جماعت کے پانچ شخص اتر کر اس کے پاس آئے اس سے باتیں کرنے لگے' پھر اسے اٹھا کر اور اس کا منہ بند کرکے اڑ گئے۔ بدیع الجمال کی دادی کو سخت افسوس ہوا۔ وہ طیش میں آ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے بیٹے شہیال سے کہنے لگی تو کیسا بادشاہ ہے کہ تیرے جیتے جی بادشاہ ارزق کی جماعت کے آدمی ہمارے باغ میں گھس کر ہمارے مہمان کو زندہ اٹھا لے جاتے ہیں۔ ماں نے بیٹے کو خوب ابھارا اور کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تیرے جیتے جی ہم پر کوئی زبردستی کر سکے! اس نے جواب دیا' ماں! اس انسان نے بادشاہ ارزق کے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ اب خدا نے اسے اس کے قبضے میں دیدیا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ ایک انسان کی خاطر میں جن سے دشمنی مول لوں۔ ماں بولی کہ اس کے پاس جا کر ہمارے مہمان کو طلب کر۔ اگر وہ زندہ ہے اور ارزق نے اسے تیرے حوالے کر دیا تو اسے یہاں لے آ اور اگر بادشاہ ارزق نے اسے قتل کر دیا ہے تو اسے اور اس کی اولاد' بیویوں اور متعلقین کو زندہ پکڑ کر میرے پاس لے آ۔ میں انہیں اپنے ہاتھ سے قتل کرکے ان کا ملک تباہ کر ڈالوں۔ اگر تو نے میرا حکم نہ مانا تو میں ہرگز تجھے اپنا دودھ نہ بخشوں گی اور اپنی تربیت تجھ پر حرام کر دوں گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو انہترویں رات

سات سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- بدیع الجمال کی دادی نے اپنے بیٹے شہیال سے کہا اگر تو نے میرا حکم نہ مانا تو میں اپنا دودھ ہرگز نہ بخشوں گی۔ یہ سن کر بادشاہ شہیال اٹھا او اپنے لشکر کو باہر نکال کر اپنی ماں اور اس کے چہیتوں کی خاطر اور اس چیز کیوجہ سے جو ازل میں مقدر ہو چکی تھی۔ بادشاہ ارزق کی طرف روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے وہاں پہنچ گیا اور دونوں لشکروں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ بادشاہ ارزق اور اس کا لشکر ہار گیا' اس کی چھوٹی بڑی اولادیں حکومت کے حکام اور تمام بڑے لوگ گرفتار ہو کر بادشاہ شہیال کے سامنے پیش ہوئے۔ شہیال نے کہا اے بادشاہ! ارزق' انسان سیف الملوک میرا مہمان ہے؟ بادشاہ ارزق بولا' اے شہیال تو بھی جن ہے اور میں بھی۔ کیا یہ ساری باتیں تو نے ایک انسان کی خاطر کی ہیں جس نے میرے بیٹے کو قتل کیا ہے؟ وہ اس شخص کا قاتل ہے جو میرا بیٹا ہے' میرے جگر کا ٹکڑا اور میری روح کا آرام تھا۔ پھر تو نے یہ حرکت کیوں کی اور ایک ہزار جنوں کا خون کیوں بہایا؟ شہیال نے کہا باتیں نہ بنا' اگر وہ زندہ ہے تو اسے حاضر کر میں تجھے اور تیری اولاد کو چھوڑ دوں گا جنہیں میں نے گرفتار کیا ہے اور اگر تو نے اسے قتل کر ڈالا ہے تو میں تجھے اور تیری اولاد کو ذبح کر ڈالوں گا۔ بادشاہ ارزق نے کہا اے بادشاہ! کیا تجھے یہ شخص میرے بیٹے سے زیادہ عزیز ہے؟ بادشاہ شہیال نے کہا تیرا بیٹا ظالم تھا' وہ انسانوں کے بچے اور بادشاہوں کی بیٹیوں کو اٹھا لاتا' انہیں قصر مشید اور بئیر معطلہ میں لا کر رکھتا اور ان کے ساتھ بدکاری کرتا تھا۔ بادشاہ ارزق بولا وہ میرے پاس ہے۔ اچھا میرے اور اس کے درمیان صلح کرا دے۔ شہیال نے دونوں میں صلح کرا دی۔ انہیں خلعت دیئے۔ بادشاہ ارزق اور سیف الملوک کے درمیان معاہدہ لکھ دیا جس سے اس کے بیٹے کا خون معاف ہو گیا اس کے بعد شہیال نے اسے مسلمان

کر لیا اور انہیں عمدہ عمدہ ضیافتیں دیں۔ بادشاہ ارزق تین دن تک مہمان رہ کر رخصت ہو گیا اور شہپال سیف الملوک کا حسن دیکھ کر اچنبھے میں پڑ گیا۔ سیف الملوک نے اپنی ساری داستان شروع سے آخر تک اسے کہہ سنائی او نیز وہ واقعہ جو اسے بدیع الجمال کے ساتھ پیش آیا تھا۔ بادشاہ شہپال نے کہا اماں چونکہ تیری یہی مرضی ہے اس لئے اب تو اسے لے کر سرندیپ جا اور وہاں دھوم دھام سے اس کی شادی رچا' وہ خوبصورت جوان ہے اور اس نے بدیع الجمال کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالی ہے۔

بڑھیا اپنی کنیزوں کو لے کر سرندیپ پہنچی۔ جب یہ سب دولت خاتون کی ماں کے باغ میں پہنچ کر خیمے کے اندر گئیں تو بدیع الجمال کی نظر ان پر پڑی۔ بڑھیانے ان سے وہ سارا ماجرا بیان کیا جو سیف الملوک اور بادشاہ ارزق میں گزرا اور یہ کہ وہ بادشاہ ارزق کے قید خانے میں موت کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس کے بعد دولت خاتون کے باپ تاج الملوک نے حکومت کے بڑے لوگوں کو جمع کرکے بدیع الجمال کا نکاح سیف الملوک سے کر دیا۔ عمدہ عمدہ خلعت تقسیم کئے اور لوگوں کودعوتیں دیں۔ اب سیف الملوک نے اٹھ کر تاج الملوک کے آگے زمین چومی اور کہا اے بادشاہ مجھے معاف کر' میں تجھ سے ایک بات کا خواہش مند ہوں' مگر ڈرتا ہوں کہ کہیں تو میری درخواست رد نہ کرے۔ تاج الملوک بولا قسم ہے خدا کی اگر تو میری جان بھی مانگے تو میں دینے میں دریغ نہ کروں۔ تو نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے۔ سیف الملوک نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تو شہزادی دولت خاتون کا نکاح میرے بھائی ساعد سے کر دے تاکہ ہم سب تیرے غلام ہو جائیں۔ تاج الملوک بولا سر آنکھوں پر اور اس نے دوبارہ حکومت کے بڑے لوگوں کو اکٹھا کرکے دولت خاتون کا نکاح ساعد سے کردیا اور قاضیوں نے نکاح نامہ لکھ دیا۔ نکاح نامے کے مرتب ہونے کے بعد سونا چاندی نچھاور کیا گیا اور بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر آراستہ کیا جائے۔ پھر جشن ہونے لگے۔ سیف الملوک بدیع الجمال سے ہم بستر ہوا اور اسی رات ساعد دولت خاتون سے' سیف الملوک بدیع الجمال سے چالیس دن تک برابر ہم بستر ہوتا رہا۔ ایک دن شہزادی نے کہا' اے شہزادے!

اب کوئی اور حسرت تو تیرے دل میں باقی نہیں رہ گئی؟ سیف الملوک نے جواب دیا خدا نہ کرے! تو نے میرا ارمان نکال دیا کوئی حسرت میرے دل میں باقی نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ مصر جا کراپنے ماں باپ سے ملوں اور دیکھوں کہ ان کا کیا حال ہے۔ بدیع الجمال نے اپنے چند نوکروں کو حکم دیا کہ اسے اور ساعد کو مصر پہنچا آئیں۔ وہ انہیں لے جا کر مصر میں ان کے گھر والوں کے پاس پہنچا آئے۔ سیف الملوک اور ساعد اپنے اپنے والدین سے ملے' ایک ہفتہ ان کے پاس ٹھہرے او ان سے رخصت ہو کر پھر سرندیپ چلے آئے۔ اسی طرح جب کبھی اپنے گھر والوں سے ملنے کی تمنا ہوتی تو انکے پاس چلے آتے اور لوٹ آتے۔ سیف الملوک بدیع الجمال کے ساتھ اور ساعد دولت خاتون کے ساتھ بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ لذتوں کو کرکرا' صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو ہمیشہ زندہ ہے اور کبھی مرتی نہیں اور جس نے مخلوقات کو پیدا کیا اور ان کی قسمت میں موت لکھی! وہ ذات بلا ابتداء کے اول ہے اور بلاانتہا کے آخر۔

○ بصرے کے سوداگر حسن کی کہانی

پرانے زمانے میں ایک سوداگر تھا' بصرے کا رہنے والا' بڑا مالدار' اس کے دو بیٹے تھے۔ اللہ کا کرنا کہ وہ تاجر مر گیا' خدا اس پر رحمت کرے! اور ساری دولت وارثوں کے لئے چھوڑ گیا۔ دونوں بیٹوں نے باپ کی تجہیز و تکفین کے بعد مال و اسباب آپس میں برابر تقسیم کرکے دکانیں کھول لیں۔ ایک پیتل کے برتن بیچنے لگا اور دوسرے نے سنار کا کام شروع کردیا۔ ایک دن یہ سنار اپنے ٹھیے پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عجمی بازار کی سیر کرتا ہوا اس کی دکان پر پہنچا اور اس کی کاریگری دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار کیا۔ اس سنارکا نام حسن تھا۔ عجمی اپنا سر ہلانے لگا اور کہا کہ قسم ہے خدا کی تو بڑا اچھا

سنار ہے۔ وہ حسن کی کاریگری کو دیکھ رہا تھا۔ حسن اپنے ہاتھ میں ایک پرانی کتاب لئے پڑھ رہا تھا۔ لوگ اس کے حسن و جمال اور اس کے تناسب پر محو تھے۔ جب عصر کا وقت ہوا اور دکان لوگوں سے خالی ہو گئی تو عجمی نے حسن کے پاس آ کر کہا بیٹا تو بڑا خوش رو جوان ہے۔ یہ کون سی کتاب ہے؟ تو بے باپ کا بیٹا ہے اور میرا کوئی بیٹا نہیں۔ مجھے ایک کاریگری آتی ہے جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ہنر نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اناسیویں رات

سات سو اناسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- عجمی کہنے لگا' مجھے اک کاریگری آتی ہے جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ہنر نہیں۔ بہت سے لوگوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں انہیں سکھا دوں لیکن میں نے ان میں سے کسی کو بھی سکھانا پسند نہ کیا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تجھے سکھا دوں اور تجھ کو اپنا بیٹا بنا لوں تاکہ فقر و فاقے سے تجھے نجات ملے اور اس پیشے سے تیرا پیچھا چھوٹے جس میں نہائی اور ہتھوڑا' بھٹی اور آگ کی تکلیف ہے۔ حسن نے پوچھا اے میرے آقا! تو مجھے کب سکھائے گا؟ اس نے جواب دیا کہ میں کل تیرے پاس آ کر تیرے سامنے پیتل سے خالص سونا بناؤں گا۔ حسن یہ سن کر بہت خوش ہوا اور عجمی سے رخصت ہو کر اپنی ماں کے پاس گیا۔ سلام کیا اور اس کے ساتھ کھانے کے بعد نہایت حیرانی سے عجمی کا ماجرا سنایا۔ ماں نے کہا بیٹا' تجھے کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں کی باتیں نہ مانا کر خاص کر عجمیوں کی بات تو ہرگز نہ سننی چاہیے کیونکہ وہ دھوکے باز ہوتے ہیں اور کیمیا گری جانتے ہیں۔ لوگوں کو جال میں پھانس کر ان کا مال لے اڑتے ہیں اور اسے کھا جاتے ہیں۔ حسن نے کہا اماں! ہم غریب لوگ ہیں ہمارے پاس ہے کیا کہ کوئی اس کے لالچ میں ہم کو جال میں پھانسے گا! اور یہ عجمی تو ایک بھلا مانس بوڑھا ہے نیکی اس کے چہرے سے ٹپکتی ہے' خدا نے اسے میرے اوپر مہربان کر دیا ہے۔ یہ سن کر اس کی ماں مارے غصے کے چپ ہو گئی' مگر بیٹے کا دل اسی میں لگا رہا اور مارے خوشی کے وہ رات بھر سویا بھی نہیں۔

جب صبح ہوئی تو حسن اٹھا اور کنجیاں لے کر دکان کھولی ہی تھی کہ عجمی آ پہنچا۔ حسن اٹھ کھڑا ہوا اور چاہتا تھا کہ اس کے ہاتھ چومے لیکن اس نے اسے روک دیا اور اس بات کو پسند نہ کیا۔ حسن سے کہا کہ کٹھالی کو آگ پر رکھ اور دھونکنی لگا۔ حسن

نے عجمی کے کہنے کی تعمیل کی اور کوئلے دہکائے۔ عجمی بولا بیٹا! تیرے پاس پیتل ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک ٹوٹا ہوا پیالہ ہے۔ عجمی نے کہا اسے قینچی سے کاٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر۔ حسن نے اس کے کہنے کے مطابق اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹے اور انہیں کٹھالی میں ڈال کر دھونکنی سے ہوا دینی شروع کی یہاں تک کہ وہ پگھل کر پانی ہو گئے۔ اب عجمی نے اپنا ہاتھ گھڑی کی طرف بڑھایا اور اس میں سے ایک لپٹا ہوا کاغذ نکالا اور آدھے درہم کے برابر کوئی سفوف نکال کر کٹھالی میں ڈال دیا۔ یہ سفوف زرد سرمے کی طرح کا تھا۔ اب اس نے حسن سے کہا کہ اور دھونک' حسن اور دھونکنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ ایک سونے کا ٹکڑا بن گیا۔ یہ دیکھ کر حسن کے ہوش و حواس مارے خوشی کے جاتے رہے۔ وہ اس ٹکڑے کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا اور اسے چھری سے کھرچ کر دیکھا تو وہ عمدہ قسم کا کندن تھا۔ اس کی مسرت کا کیا پوچھنا' چاہتا تھا کہ جھک کر عجمی کا ہاتھ چوم لے۔ عجمی نے اسے روک دیا اور کہا کہ اس ٹکڑے کو بازار میں لے جا اور بیچ کر دام کھرے کر مگر کسی سے اس کا ذکر نہ کیجیو۔ حسن نے بازار جا کر وہ ٹکڑا دلال کو دیا۔ دلال نے اسے لے کر کسوٹی پر لگایا اور دیکھا کہ وہ خالص سونا ہے۔ دس ہزار درہم سے بولی شروع ہوئی سوداگر بڑھ بڑھ کر بولی بولنے لگے یہاں تک کہ پندرہ ہزار درہم تک دام لگ گئے۔ گھر جا کر حسن نے ماں سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ اماں! میں اس صنعت کو سیکھ گیا ہوں ماں ہنسی اور کہنے لگی کہ "لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اسیویں رات

سات سو اسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ماں لاحول پڑھ کرمارے غصے کے چپ ہو گئی۔ حسن بھولے پن سے ایک ہاون دستہ لے کر عجمی کے پاس گیا جو دکان پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے آگے رکھ دیا۔ اس سے کہا کہ بیٹا تو اس ہاون دستے کا کیا کرنا چاہتا ہے؟ حسن نے جواب دیا کہ اس کو بھی آگ پر پگھلا کر سونے کے ڈلے بنا لیں۔ عجمی ہنس کر بولا' بیٹا! کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گیا ہے؟ کیا تو ایک ہی دن میں دو سونے کے ڈلے لے کر بازار جائے گا؟ تجھے معلوم نہیں کہ لوگ ہم سے بدظن ہو جائیں گے اور ہمیں مار ڈالیں گے۔ بیٹا! جب تو مجھ سے یہ فن سیکھ جائے تو اسے سال میں ایک بار سے زیادہ مت کیجیو۔ اور وہ تیرے لئے ایک سال سے دوسرے سال تک کافی ہو گا۔ حسن کہنے لگا اے میرے آقا! تو ٹھیک کہتا ہے اور دکان میں بیٹھ کر اس نے کٹھالی پر آگ چڑھا دی اور بھٹی میں کوئلے ڈال دیئے۔ عجمی نے کہا بیٹا اب تیرا کیا مطالبہ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ فن مجھے سکھا دے۔ عجمی نے ہنس کر کہا لاحول ولاقوہ الاباللہ العلی العظیم۔ بیٹا توبڑا کم عقل ہے اور اس فن کے سیکھنے کے بالکل ناقابل۔ کبھی کوئی اس فن کو بیچ سڑک پر یا بازاروں میں سیکھ سکتا ہے؟ اگر ہم نے اس جگہ یہ کام شروع کردیا تو لوگ کہیں گے ہم کیمیا گر ہیں اور جب اس کی خبر حکام تک پہنچے گی تو وہ ہماری جان کے گاہک ہو جائیں گے۔ بیٹا! اگر تو یہ کام سیکھنا چاہتا ہے تو میرے گھر چل' حسن نے اٹھ کر دکان بند کی اور عجمی کے ساتھ ہو لیا مگر راستے میں اسے اپنی ماں کی بات یاد آ گئی اور اس کے دل میں کش مکش ہونے لگی۔ وہ دیر تک سر نیچا کئے کھڑا رہا۔ جب عجمی نے دیکھا کہ وہ رک گیا ہے تو ہنسا اور بولا کہ تیرا دل نہیں الٹ گیا؟ اگر تو سمجھتا ہے کہ میں تجھے نقصان پہنچاؤں گا تو پھر میرے دل میں تیری طرف سے کیونکر بھلائی آ سکتی ہے! اگر

تو میرے گھر سے ڈرتا ہے تو میں تیرے گھر چل کروہاں تجھے سکھا سکتا ہوں۔ حسن نے کہا ہاں چچا عجمی بولا کہ اچھا میرے آگے آگے چل۔ حسن آگے آگے اپنے گھر کی طرف چلا اور عجمی پیچھے پیچھے ہو لیا۔ گھر پہنچ کر حسن اندر گیا۔ ماں سے مل کر کہا کہ عجمی میرے ساتھ آیا ہے اور دروازے پر کھڑا ہے۔ ماں نے فرش بچھایا اور مکان کو آراستہ کرکے وہاں سے چلی گئی۔ اس کے بعد حسن نے عجمی سے کہا کہ اندر آ جا اور وہ اندر آ گیا۔ حسن ہاتھ میں پیالہ لے کر بازار گیا تاکہ کھانے کے لئے کوئی چیز لے آئے اور کھانا لا کر عجمی کے آگے رکھ دیا اور کہا اے میرے آقا! آیئے پہلے کچھ نوش فرما لیجئے تاکہ ہمارے درمیان روٹی اور نمک کا واسطہ ہو جائے اور ہم میں سے جو کوئی روٹی اور نمک کے بارے میں خیانت کرے' خدا اس سے سمجھے۔ عجمی بولا کہ بیٹا! تو سچ کہتا ہے اور پھر مسکرا کر کہا بیٹا روٹی اور نمک کا پاس کرتا کون ہے! اس کے بعد عجمی آگے بڑھا اور حسن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ یہاں تک کہ دونوں سیر ہو گئے۔ عجمی نے کہا کہ بیٹا حسن' ہمارے لئے مٹھائی لا۔ حسن عجمی کی یہ بات سن کر خوش ہو گیا اور بازار جا کر دس قسم کی مٹھائی لے آیا اور اس کے آگے رکھی۔ دونوں نے مل کر مٹھائی کھائی۔ مٹھائی کھا چکے تو عجمی نے کہا خدا تجھے اس نیکی کا بدلہ دے! واقعی تو ایسا شخص ہے کہ لوگ تیرا ساتھ دیں۔ اپنے بھید تجھ پر ظاہر کریں اور تیرے فائدے کی بات تجھے سکھائیں۔ پھر عجمی بولا اے حسن' لا سامان لے آ۔ حسن کو ان باتوں کا یقین نہ آتا تھا تاہم وہ اس تیزی سے روانہ ہوا جیسے بہار کے موسم میں بچھیرا اور دکان پہنچ کر اس نے سارا سامان لیا اور واپس آ کر اسے عجمی کے آگے رکھ دیا۔

عجمی نے کاغذ کی ایک پڑیا نکالی اور کہنے لگا اے حسن! روٹی اور نمک کی قسم اگر تو مجھے میرے بیٹے سے زیادہ عزیز نہ ہوتا تو میں تجھے یہ فن نہ سکھاتا۔ اس وقت میرے پاس

محض یہی اکسیر باقی ہے جو اس کاغذ میں ہے۔ لیکن صبر کر میں جڑی بوٹیوں کو ملا کر تیرے لئے اکسیر بناؤں گا۔ اے میرے بیٹے! سن جو اکسیر اس کاغذ میں ہے اس کا نصف درہم پانچ سیر پیتل کے لئے کافی ہے جو اسے پانچ سیر خالص سونا بنا دے گا۔ اے میرے بیٹے' اے حسن! اس کاغذ میں ڈیڑھ چھٹانک مصری اکسیر ہے! جب یہ ختم ہو جائے گی تو میں تجھے اور بنا دوں گا۔ حسن نے کاغذ کی پڑیا کو لے کر دیکھا۔ اسے اس میں پہلے سے بھی عمدہ کوئی پیلی چیز نظر آئی۔ کہنے لگا" اے میرے آقا! اس کا نام کیا ہے؟ یہ کہاں پائی جاتی ہے اور کس طرح بنائی جاتی ہے؟ عجمی حسن کا بڑھتا ہوا لالچ دیکھ کر ہنسا۔ اس نے کہا کہ آخر تو کتنی باتیں پوچھے گا؟ چپ چاپ اپنا کام کئے جا۔ حسن گھر میں جا کر ایک رکابی لے آیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کاٹ کر کٹھالی میں ڈال دیئے۔ جب وہ پگھل گئے تو پڑیا کی تھوڑی سی دوا لے کر ڈال دی اور وہ خالص سونا ہو گیا۔ حسن باغ باغ ہو گیا۔ سونے کے ڈلے نے اس کی عقل کو چکر میں ڈال دیا۔ اب عجمی نے اپنی پگڑی میں سے تیزی کے ساتھ ایک تھیلی نکالی جس میں کوئی ایسی نشہ آور چیز تھی کہ اگر اسے ہاتھی بھی سونگھ لیتا تو ایک دن سے لے کر دوسرے دن تک سوتا رہتا۔ اس نے اس میں سے تھوڑی سی لے کر چپکے سے مٹھائی میں ملا دی اور کہا اے حسن! تو ہی میرا بیٹا ہے اور میرے جان و مال سے زیادہ عزیز ہے۔ میری ایک بیٹی ہے اس سے میں تیرا نکاح کر دوں گا۔ حسن نے کہا میں تیرا غلام ہوں اور جو بھی بھلائی تو میرے ساتھ کرے گا وہ خدا کے پاس جمع رہے گی۔ عجمی نے کہا بیٹا! ذرا صبر سے کام لے پھر تیرے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے وہ مٹھائی حسن کو دی۔ اس نے اس کا ہاتھ چوم کر اسے اپنے منہ میں رکھ لیا۔ اسے کیا خبر تھی کہ غیب میں اس کے لئے کیا پوشیدہ ہے۔ مٹھائی کا نگلنا تھا کہ اس کا سر اس کے پاؤں سے آگے آگے چلنے لگا اور دنیا سے غائب ہو گیا۔ جب عجمی نے دیکھا کہ بلا حسن کے اوپر نازل ہو چکی ہے تو بہت خوش ہوا اور کھڑا ہو کر کہنے

لگا کہ اے مردود، اے عرب کتے! آخر تو میرے جال میں پھنس گیا۔ اے حسن میں کئی سال سے تیری تلاش میں تھا اور اب تو قابو میں آ گیا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اکیاسی ویں رات

سات سو اکیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- عجمی نے کہا بالآخر تو میرے جال میں پھنس ہی گیا اور اپنی کمر کس کر اس نے حسن کی مشکیں باندھیں' ہاتھ پاؤں ملا کر باندھ دیئے اور ایک صندوق لیا۔ اسے خالی کرکے اس میں حسن کو بند کیااور قفل ڈال دیا۔ پھر اس نے دوسرا صندوق کھولا۔ اس کی ساری چیزیں نکال پھینکیں اور حسن کا سارا مال متاع سونے کے دونوں ڈلوں سمیت صندوق میں بھر کر بازار سے حمال کو لایا۔ اس پر دونوں صندوق لادے اور انہیں شہر کے باہر لے جا کر سمندر کے کنارے اتارا۔ وہاں ایک کشتی لنگرڈالے کھڑی تھی۔ اس کشتی میں غلام تھے اور ناخدا اس کا انتظار کررہا تھا۔ جب ملاحوں کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کے پاس آئے اور دونوں صندوقوں کو لے جا کر کشتی میں رکھ دیا۔ عجمی نے ناخدا اور سب ملاحوں کو پکار کرکہا کہ تیار ہو جاؤ۔ ہماری حاجت پوری ہو چکی ہے اور مراد بر آئی ہے۔ ناخدا نے ملاحوں سے کہا کہ لنگر اٹھاؤ اور بادبان کھول دو۔ ہوا موافق تھی کشتی چل نکلی۔

یہ تو عجمی اور حسن کا قصہ ہوا۔ اب حسن کی ماں کا حال سنو۔ اس نے عشا کے وقت تک انتظار کیا' مگر جب نہ اسے کوئی خبر ملی' بلکہ آواز تک نہ سنائی دی تو وہ گھر کو کھلا دیکھ کر اس کے اندر آئی۔ اس نے دیکھا نہ وہاں کوئی شخص ہے نہ صندوق' نہ مال' اسے یقین ہو گیا کہ اس کا بیٹا کھو گیا اور جو قسمت میں بدی تھی' وہ پوری ہو گئی۔ وہ اپنا منہ پیٹنے لگی۔ کپڑے پھاڑ ڈالے اور واویلا کرنا شروع کردیا۔ کبھی روتی' کبھی کہتی کہ ہائے میرے بیٹے اور میرے دل کے پھل! جب وہ صبح تک اسی طرح روتی رہی تو پڑوسیوں نے آ کر اس کے بیٹے کا حال پوچھا۔ اس نے وہ سارا ماجرا بیان کر دیا جو اسے عجمی کے ساتھ پیش آیا تھا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ اب اپنے بیٹے

کو نہ دیکھ سکے گی۔ وہ گھر میں دیوانوں کی طرح پھرتی اور اسی طرح روتی پیٹتی رہی' پڑوسیوں نے دعا کی کہ اسے صبر آ جائے اور اس کا بیٹا مل جائے اور اس سے رخصت ہو کر چلے گئے' مگر وہ دن رات برابر روتی رہی اور گھر کے بیچ میں ایک قبر بنا کر اس پر حسن کا نام اور اس کے کھوئے جانے کی تاریخ لکھ دی۔ وہ ہمیشہ اسی قبر کے پاس رہتی اور جس دن سے اس کا بیٹا اس سے جدا ہوا تھا اس کا یہی دستور تھا۔
یہ توماں کا قصہ ہوا' اب سنو کہ حسن کو عجمی کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا۔ یہ عجمی مجوسی تھا۔ مسلمانوں سے اس کو بڑی نفرت تھی۔ جب اس کا داؤ کسی مسلمان پر چل جاتا تو وہ اسے بے تابہ کئے نہ چھوڑتا کیونکہ وہ خبیث اور ملعون اور خودغرض اور کیمیا گر تھا۔ اس مردود کا نام بہرام مجوسی تھا۔ وہ ہر سال کسی نہ کسی مسلمان کو پکڑ کر کسی خاص مطلب کے لئے ذبح کر ڈالتا۔ جب اس کی چال سنار حسن پر چل گئی اور وہ اسے لے کر چلا۔ صبح سے شام تک اور پھر شام سے دوسری صبح تک چلنے کے بعد کشتی نے ایک ساحل پر لنگر ڈالا۔ دم لے کر کشتی آگے چلی۔ جب دن نکل آیا تو عجمی نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ صندوق لے آئیں۔ جس کے اندر حسن بند ہے۔ وہ لے آئے تو اس نے کھول کر حسن کو نکالا۔ اسے سرکہ سنگھایا اور اس کی ناک میں کوئی سفوف پھونکا۔ حسن کو چھینک آئی اور جو چیز مٹھائی میں ملا اسے کھلائی تھی' قے کے ذریعے نکل پڑی۔ حسن آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ وہ بیچ سمندر میں ہے۔ کشتی چلی جا رہی ہے اور عجمی اس کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ اسے یقین آ گیا کہ عجمی کا فریب کارگر ہو گیا اور وہ اسی بلا میں گرفتار ہے جس سے اس کی ماں اسے ڈراتی تھی۔ اس نے لاحول پڑھ کر خدا سے دعا مانگی کہ اے عالموں کے پروردگار' میری تقدیر میں مہربانی سے کام لے اور اپنے امتحان میں مجھے صبر عطا کر۔ اس کے بعد اس نے عجمی کی طرف نرمی کے ساتھ مخاطب ہو کر کہا اے میرے والد یہ تو نے کیا حرکت کی اور کیا ہوا اس روٹی اور نمک کو اور کہاں گئی وہ قسم جو تو نے میرے ساتھ کھائی

تھی؟ عجمی نے آنکھیں نکال کر کہا' اے کتے! کیا دنیا میں لوگ روٹی اور نمک کا پاس کرتے ہیں! میں نے تیری طرح ایک کم ہزار لوگوں کو قتل کیا ہے اور تیرے بعد پورے ہزار ہو جائیں گے۔ یہ کہہ کراس نے حسن کو ڈانٹا۔ حسن نے زبان روک لی اور اسے یقین ہو گیا کہ قسمت کا تیر اس پر آ پڑا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو بیاسی ویں رات

سات سو بیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- حسن کو یقین ہو گیا کہ قسمت کا تیر اس کے آ لگا ہے۔ عجمی ملعون نے اب حکم دیا کہ اس کی مشکیں کھول دی جائیں اور لوگوں نے اسے تھوڑا تھوڑا پانی پلانا شروع کیا۔ مجوسی ہنس رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ آگ اور روشنی' سائے اور گرمی کی قسم میں یہ نہ سمجھتا تھا کہ تو میرے جال میں پھنس جائے گا لیکن آگ کے طفیل میں نے تجھ پر قابو پا لیا اور اس کی مدد سے تجھے رام کر لیا یہاں تک کہ میری حاجت پوری ہو گئی۔ اب میں گھر واپس جا کر تجھے آگ پر قربان کروں گا تا کہ وہ مجھ سے راضی ہو جائے۔ حسن نے کہا تو نے روٹی اور نمک کے معاملے میں مجھ سے خیانت کی اور شاید کچھ اور بھی کہتا لیکن مجوسی نے ہاتھ اٹھا کر ایسی دھول ماری کہ اس کے دانت زمین پر گر گئے۔ اس پر غشی طاری ہو گئی اور اس کے آنسو بہنے لگے۔ مجوسی نے اپنے غلاموں سے کہا کہ آگ جلائیں۔ حسن نے پوچھا کہ تو آگ جلا کر کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ یہ آگ' روشنی اور چنگاریوں کی ساتھی ہے اور میں اسی کی عبادت کرتا ہوں۔ اگر تو بھی میری طرح اس کی پرستش کرے تو میں اپنی آدھی دولت تجھے دے دوں گا اور اپنی بیٹی کی شادی تیرے ساتھ کر دوں۔ حسن نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ مردود! تو کافر مجوسی ہے اور اس خدا کو چھوڑ کر جس نے دن رات پیدا کئے ہیں' آگ کو پوجتا ہے انہی وجہوں سے تمام مذہبوں پر مصیبت آئی ہے یہ سن کر مجوسی طیش میں آ گیا اور کہنے لگا' اے عرب کتے! کیا تو میرا کہنا نہ مانے گا اور میرے مذہب کی پیروی نہ کرے گا؟ لیکن حسن نے بالکل اس کی بات نہ مانی۔ ملعون مجوسی نے اٹھ کر آگ کے آگے سجدہ کیا اور اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ حسن کو اوندھا لٹائیں اور جب انہوں

نے اسے پٹ لٹا دیا تو مجوسی نے اسے ایسے کوڑے سے مارنا شروع کیا جو چمڑے کے تسموں سے گندھا ہوا تھا یہاں تک کہ اس کی کھال پھٹ گئی۔ وہ دہائی دیتا لیکن کوئی اس کی دہائی نہ سنتا اور وہ مدد کے لئے چلاتا مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آتا۔ بالاخر اس نے اپنی نظر اوپر خدا کی طرف اٹھائی اوراسے رسول اللہ کا واسطہ دیا اس کا صبر جاتا رہا۔ آنسو رخساروں پر مینہ کی طرح برسنے لگے۔ مجوسی نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اسے بٹھائیں اوراس کے آگے کھانا پینا رکھیں۔ غلام کھانا پینا لے آئے لیکن حسن نے نہ دانہ کھایا نہ پانی پیا۔

مجوسی راستے بھر اسے تکلیفیں دیتا اور وہ صبر کرتا۔ جتنا حسن خدا کے آگے گڑگڑاتا' مجوسی کا دل اس کی طرف سے سخت ہوتا جاتا۔ اسی طرح وہ تین مہینے تک سمندر میں سفر کرتے اور حسن کو تکلیف پہنچاتے رہے جب پورے تین مہینے گزر گئے تو خدا کی طرف سے ایک آندھی آئی۔ سمندر تاریک ہو گیا۔ کشتی اچھلنے لگی' ناخدا اورملاحوں نے کہا خدا کی قسم' ہم پر اسی لڑکے کا صبر پڑا ہے۔ جسے مجوسی تین مہینے سے تکلیف دے رہا ہے۔ خدا ایسی باتوں کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ کہہ کر انہوں نے مجوسی پر بلوہ کر دیا۔ اس کے غلام اور ساتھیوں کو مار ڈالا۔ جب مجوسی نے دیکھا کہ اس کہ غلام مار ڈالے گئے ہیں تو وہ ڈرا کہ کہیں میں بھی نہ مار ڈالا جاؤں۔ اس نے حسن کی مشکیں کھول دیں۔ اس کے پھٹے پرانے کپڑے اتار کر اسے دوسرے کپڑے پہنا دیئے۔ اس سے صلح کی درخواست کی اور کہا میں تجھے وہ فن سکھا دوں گااور تجھے تیرے وطن پہنچا دوں گا۔ بیٹا میں نے جو کچھ کیا ہے اس کا بدلہ مت نکال۔ حسن بولا کہ اب میں تیرا کیونکر یقین کر سکتا ہوں! اس نے کہا کہ بیٹا! اگر دنیا میں گناہ نہ ہوتا تو مغفرت بھی نہ ہوتی۔ اور میں تو تیرے صبر کا امتحان کر رہا تھا اور تجھے یہ تو معلوم ہی ہے کہ جو خدا کرتا ہے وہی ہوتا ہے۔

حسن کی رہائی پر ملاح اور ناخدا خوش ہو گئے۔ حسن نے ان کو دعا دی اور خدا کی تعریف کی۔ اس کا شکر بجا لایا۔ اب آندھی رک گئی اور اندھیرا جاتا رہا۔ کشتی باد موافق کے

ساتھ چلنے لگی۔ حسن نے مجوسی سے پوچھا کہ اے عجمی! تو کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا بیٹا! میں جبل السحاب جا رہا ہوں جہاں وہ اکسیر ملتی ہے جس سے ہم کیمیا بناتے ہیں۔ اس کے بعد مجوسی نے حسن کے آگے آگ اور روشنی کی قسم کھا کر کہا کہ اب تجھے مجھ سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مجوسی کی یہ باتیں سن کر حسن خوش ہو گیا اور اسے اطمینان ہو گیا۔ اب مجوسی اس کے ساتھ کھانے پینے' بیٹھنے اٹھنے لگا۔ اسے اپنے کپڑے پہننے کو دیئے۔ تین مہینے سفر کرنے کے بعد کشتی نے ایک بہت لمبی خشکی پر لنگر ڈالا۔ جہاں سفید' زرد' نیلے' کالے اور باقی تمام رنگوں کے کنکر پتھر تھے۔ جونہی کشتی نے وہاں لنگر ڈالا' عجمی اٹھ کھڑا ہوا اور حسن سے کہنے لگا کہ اتر' ہم جہاں پہنچنا چاہتے تھے پہنچ گئے۔ حسن اٹھ کھڑا ہوا اور عجمی کے ساتھ اتر پڑا۔ مجوسی ناخدا کو اپنا سامان سپرد کرکے حسن کے ساتھ چل دیا۔ چلتے چلتے دونوں کشتی سے دور نظروں سے غائب ہو گئے۔ ایک جگہ ایسی آئی جہاں مجوسی بیٹھ گیا اور اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا طبلہ نکالا جو تانبے کا تھا اور ایک ریشمی ڈوری جو سنہری تاروں سے بٹی ہوئی تھی اور اس پر طلسمات لکھے ہوئے تھے' پھر اس نے اس طبلے کو بجایا۔ طبلہ بجتے ہی جنگل کے پیچھے سے گرد اٹھی۔ یہ دیکھ کر حسن کو تعجب ہوا وہ مجوسی سے ڈرنے لگا اور اس کے ساتھ اترنے پر پشیمان ہوا۔ اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ مجوسی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا بیٹا! تجھے کیا ہو گیا ہے؟ قسم ہے آگ اور روشنی کی اب تجھے مجھ سے ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ اگر میری مراد بغیر تیرے نام کے پوری ہو سکتی تو میں تجھے ہرگز کشتی سے نہ اتارتا۔ خوش ہو کہ اب تیرے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے اور یہ گرد وہ ہے جس پر ہم سوار ہوں گے اور جو ہمیں اس جنگل کے طے کرنے میں مددگار ہو گی اور ہماری مشکل کو آسان کر دے گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو تراسی ویں رات

سات سو تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عجمی نے حسن سے کہا کہ اس گرد کی وجہ سے ہماری مشکل آسان ہو جائے گی۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد گرد چھٹی اور اس میں سے تین اصیل اونٹنیاں نکلیں۔ ایک پر عجمی سوار ہو گیا اور دوسری پر حسن اور تیسری پر انہوں نے سفر کے لئے کھانے پینے کا سامان رکھ لیا اور سات دن تک چلتے رہے۔ ایک بڑے میدان میں پہنچ کر وہ ٹھہر گئے اور ایک گنبد دیکھا جو چار سرخ سونے کے کھمبوں پر کھڑا تھا۔ اونٹنیوں پر سے اتر پڑے۔ گنبد کے نیچے بیٹھ کر کھایا پیا اور ستانے لگے۔ اتنے میں حسن کی نظر ایک اونچی عمارت پر پڑی۔ وہ کہنے لگا کہ چچا! یہ کیا ہے؟ مجوسی بولا کہ یہ ایک محل ہے۔ حسن نے کہا آؤ اس کے اندر جا کر ہم آرام کریں اور اس کی سیر کریں۔ مجوسی اس کے پاس منہ لا کر کہنے لگا کہ میرے آگے اس محل کا ذکر مت کر کیونکہ اس میں میرا ایک دشمن رہتا ہے' اس کے ساتھ مجھے ایک قصہ درپیش ہے جس کے بیان کرنے کا یہ وقت نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے طبلہ بجایا اور اونٹنیاں آ موجود ہوئیں۔ دونوں پھر سوار ہو گئے اور سات دن تک چلتے رہے۔ جب آٹھواں دن ہوا تو مجوسی نے کہا کہ اے حسن! تجھے کیا دکھائی دیتا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے بادل ہی بادل دکھائی دیتے ہیں جو پورب سے پچھم تک پھیلے ہوئے ہیں۔ مجوسی بولا کہ یہ بادل نہیں بلکہ ایک بڑا اونچا پہاڑ ہے جس پر بادل آ کر ٹکراتے ہیں۔ وہ اتنا اونچا ہے کہ اس کے اوپر کوئی بادل نہیں جا سکتا ہماری منزل مقصود یہی پہاڑ ہے کیونکہ جس چیز کی ہمیں تلاش ہے' وہ اسی پر ملتی ہے۔ اسی وجہ سے میں تجھے اپنے ساتھ لایا ہوں کیونکہ تیرے ہی ہاتھوں میری مراد پوری ہو سکتی ہے۔ یہ سن کر حسن اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اور مجوسی سے کہنے لگا کہ تجھے قسم ہے اپنے معبود کی اور اپنے دین کی جس پر تیرا ایمان ہے وہ تیرا کون سا مقصد ہے جس

کی وجہ سے تو مجھے یہاں لایا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کیمیا کی صنعت بلا ایک بوٹی کے، مکمل نہیں ہوتی جو ایسی ہی جگہ اگتی ہے جہاں بادل ٹکرا کر الگ الگ ہو جاتے ہیں اور وہ یہی پہاڑ ہے اور اسی کے اوپر بوٹی ہے جب ہمیں وہ بوٹی مل جائے گی تو میں تجھے وہ فن سکھا دوں گا۔ مارے ڈر کے، حسن نے کہہ دیا کہ اے میرے آقا! ہاں۔ مگر وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اور ماں باپ اور رشتے داروں اور وطن کی جدائی پر رونے لگا اور اس بات پر پشیمان تھا کہ اس نے اپنی ماں کا کہنا نہ مانا۔

آخر دونوں چلتے چلتے اس پہاڑ کے پاس جا پہنچے اور اس کے نیچے ٹھہر گئے۔ حسن نے دیکھا کہ پہاڑ کے اوپر ایک محل ہے۔ وہ مجوسی سے پوچھنے لگا کہ یہ محل کیسا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ جنوں اور بھوت پریتوں اور شیطانوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ اب مجوسی اپنی اونٹنی سے اترا اور حسن سے کہا کہ تو بھی اتر پڑ اور اٹھ کر اس کا سر چوما اور کہنے لگا کہ جو کچھ میں نے تیرے ساتھ کیا ہے اس کا برا نہ مان۔ جب تک محل میں داخل ہو گا تو میں تیری حفاظت کروں گا، مگر میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تجھے جو چیز وہاں ملے اس میں میرے ساتھ دھوکے بازی مت کیجیو۔ اس میں سے میرا اور تیرا حصہ برابر کا ہے۔ حسن نے کہا سر آنکھوں پر۔ عجمی نے ایک تھیلا کھولا اور اس میں سے ایک چکی نکالی اور تھوڑے سے گیہوں نکال کر اسی چکی میں پیسے اور تین ٹکیاں بنائیں اور آگ جلا کر انہیں پکایا۔ پھر وہی تانبے کا طبلہ اور کلابتونی ڈوری نکال کر طبلہ بجایا۔ اونٹنیاں آ موجود ہوئیں۔ اس نے ان میں سے ایک اونٹنی کو پکڑ کر ذبح کیا اور اس کی کھال کھینچ کر حسن سے کہا کہ اے میرے بیٹے! اے حسن! جو میں کہتا ہوں اسے کان دھر کر سن۔ اس نے کہا کہیئے۔ مجوسی بولا کہ اس کھال کے اندر گھس جا۔ میں اسے سی کر تجھے زمین پر ڈال دوں گا اور سفید گدھ آ کر تجھے اٹھا کر لے جائیں گے اور تجھے اڑا کر اس پہاڑ کے اوپر لے جائیں گے۔ اس چھری کو اپنے ساتھ رکھ لے جب وہ اڑ کر رک جائیں اور تجھے یقین ہو جائے کہ تو پہاڑی پر پہنچ گیا ہے تو تو کھال چاک کر کے نکل آئیو۔ گدھ تجھ سے ڈر کر بھاگ جائیں گے اور تو پہاڑ

پر سے نیچے دیکھ کر مجھ سے بات کیجئو تا کہ میں تجھے بتا دوں کہ تجھے کیا کرنا ہے۔اس کے بعد اس نے تینوں ٹکیاں اور ایک کوزہ پانی کا اس کے ساتھ کھال میں رکھ دیا اور کھال کو سی دیا۔ سفید گدھوں نے آ کر اسے اٹھا لیا اور اڑ کر پہاڑ پر پہنچے اور اسے وہاں رکھ دیا۔ جب حسن کو یقین ہو گیا کہ گدھوں نے اسے پہاڑ پر رکھ دیا ہے تو اس نے کھال چاک کر دی اور اس میں سے نکل کر مجوسی کو آواز دی۔ اس کی آواز سن کر مجوسی اتنا خوش ہوا کہ مارے خوشی کے ناچنے لگا اور کہا کہ پیچھے کی طرف جا اور جو کچھ تجھے نظر پڑے مجھ سے کہہ۔ حسن نے جا کر دیکھا کہ بہت سی سڑی ہوئی ہڈیاں پڑی ہیں اور ان کے پاس بہت سی لکڑیاں۔ اس نے مجوسی سے کہا کہ اسے یہ یہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ مجوسی بولا کہ بس یہی میرا مقصد ہے۔ ان لکڑیوں کے چھ گٹھڑ باندھ کر میرے پاس پھینک دے۔ انہی سے ہم کیمیا بناتے ہیں۔ جب حسن نے چھ گٹھڑ پھینک دیئے اور مجوسی نے دیکھ لیا کہ وہ اس کے پاس پہنچ گئے ہیں تو وہ حسن سے کہنے لگا کہ اے موت کے شکار' جو میری ضرورت تجھ سے تھی وہ پوری ہو گئی' اب خواہ تو پہاڑ پر بیٹھا رہ اور خواہ زمین پر کود اور مر جا۔ یہ کہہ کر مجوسی چلتا بنا۔ حسن نے لاحول پڑھی اورکہا کہ یہ کتا میرے ساتھ چال چل گیا اور بیٹھ کر اپنے اوپر واویلا کرنے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چوراسی ویں رات

سات سو چوراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ حسن نے لاحول پڑھ کر کہا کہ اس مردود کتے کی چال مجھ پر چل گئی۔ اور وہ کھڑا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کبھی پہاڑ پر ادھر جاتا' کبھی ادھر' اسے یقین تھا کہ اب میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ اسی اثنا میں جب وہ پہاڑ کی دوسری طرف پہنچا تو اس نے دیکھا کہ پہاڑ سے ملا ہوا ایک نیلا سمندر ہے جو پہاڑ کے برابر موجیں مار رہا ہے۔ وہ بیٹھ کر جو کچھ قرآن میں سے یاد تھا' پڑھنے لگا اور خدا سے مدد مانگی کہ میری مشکل آسان کر دے۔ خواہ موت سے یا ان مصیبتوں کے چھٹکارے سے۔ پھر خود اپنے اوپر جنازے کی نماز پڑھ کر سمندر میں کود پڑا۔ موجوں نے اسے لے جا کر خدا کی قدرت سے صحیح و سلامت خشکی پر پہنچا دیا۔ اس نے خدا کی تعریف کی' شکر بجا لایا اور اٹھ کر کھانے کی کوئی چیز ڈھونڈنے لگا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں مجوسی نے اسے کھال میں سیا تھا۔ آگے بڑھا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑے اونچے محل کے پاس جا نکلا۔ یہ وہی محل تھا جس کے بارے میں اس نے مجوسی سے پوچھا تھا اور اس نے کہا تھا کہ اس میں میرا ایک دشمن رہتا ہے۔ حسن اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس محل میں ضرور جانا چاہیے۔ ممکن ہے کہ وہاں پہنچ کر مجھے خوشی حاصل ہو۔ اس نے دیکھا کہ محل کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور وہ داخل ہو گیا۔ اندر جا کر اس نے دیکھا کہ ایک چوکی پر دو لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں جو چاند کی طرح ہیں۔ ان کے بیچ میں شطرنج کی بساط بچھی ہوئی ہے اور وہ کھیل رہی ہیں۔ ان میں سے ایک نے سر اٹھایا اور مارے خوشی کے چلا اٹھی کہ خدا کی قسم! یہ انسان ہے اور میرے خیال میں یہ وہی ہے جسے مجوسی بہرام اس سال لایا ہو گا۔ اس کی باتیں سن کر حسن ان کے آگے گر پڑا اور زار زار رونے لگا اور کہا کہ اے پری زادو خدا کی قسم میں بیچارہ وہی ہوں۔

اب چھوٹی لڑکی نے اپنی بڑی بہن سے کہا کہ بہن! تو گواہ رہیو کہ میں خدا سے عہد و پیمان کرتی ہوں کہ یہ میرا بھائی ہے' اس کی موت میری موت ہے اور اس کی زندگی میری زندگی۔ اس کی خوشی میری خوشی اور اس کا غم میرا غم۔ یہ کہہ کر وہ اٹھی اور اسے گلے لگا کر بوسہ دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی بہن کے ساتھ ساتھ محل میں داخل ہوئی۔ اس کے پھٹے پرانے کپڑے اتار کر شاہانہ پوشاک لائی اور اسے پہنائی اور طرح طرح کے کھانے تیار کرکے اس کے آگے رکھے۔ اس نے اس کی بہن نے حسن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اور اس سے کہا کہ جب سے تو اس کافر جادوگر کے پنجے میں پھنسا ہے اس وقت سے لے کر اس سے چھٹکارا پانے تک کی داستان سنا۔ اس کے بعد ہم بھی سنائیں گے کہ ہمیں اس کے ساتھ شروع سے لے کر آخر تک کیا پیش آیا تاکہ اگر تو پھر اسے دیکھے تو اس سے خبردار رہے۔ ان کی یہ باتیں سن کر اور ان کی آؤ بھگت دیکھ کر حسن کی جان میں جان آئی اور اس کے ہوش و حواس درست ہوئے اور اس نے اپنا قصہ شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا۔ لڑکیوں نے کہا کہ تو نے اس سے محل کے بارے میں بھی پوچھا تھا؟ اس نے جواب دیا' ہاں پوچھا تھا اور اس نے جواب دیا تھا کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کیونکہ اس میں شیطان اور ابلیس رہتے ہیں۔ یہ سن کر لڑکیاں طیش میں آگئیں اور کہنے لگیں کہ یہ کافر ہمیں شیطان اور ابلیس کہتا ہے؟ حسن نے جواب دیا کہ ہاں چھوٹی لڑکی جو حسن کی بہن بنی تھی بولی کہ قسم ہے خدا کی میں اسے ایسی بری مار ماروں گی کہ پھر اسے دنیا کی ہوا نصیب نہ ہو۔ حسن نے پوچھا کہ تیری پہنچ اس تک کیسے ہو گی اور تو اسے کس طرح قتل کرے گی؟ وہ تو بڑا مکار جادوگر ہے۔ اس نے جواب دیا کہ وہ شید نامی باغ میں رہتا ہے اور میں اسے عنقریب مار ڈالوں گی۔ اس کی بہن بولی کہ حسن سچ کہتا ہے اور جو کچھ بھی اس نے اس کتے کے بارے میں کہا ہے ٹھیک ہے لیکن اسے ہماری داستان بھی سنا دے تاکہ وہ بھی اس کے ذہن میں رہے۔

اب چھوٹی بہن نے بیان کرنا شروع کیا کہ اے میرے بھائی! ہم شہزادیاں ہیں اور ہمارا

باپ جنوں کا ایک عظیم الشان بادشاہ ہے اور اس کے پاس دیوؤں کا بہت بڑا لشکر ہے۔ خدا نے اسے ایک ہی بیوی سے سات بیٹیاں دی ہیں اور اس میں اتنی غیرت اور رشک اور حمیت ہے کہ اس نے ہماری شادی بھی اب تک کسی سے نہیں کی۔ ایک بار اس نے اپنے وزیروں اور مصاحبوں کو اکٹھا کرکے پوچھا کہ تم مجھے کسی ایسی جگہ کا پتہ دے سکتے ہو جہاں تک کسی کی رسائی نہ ہو سکتی ہو نہ انسانوں کی اور نہ جنات کی اور جہاں بہت سے درخت اور میوے اور چشمے ہوں؟ انہوں نے کہا کہ جہاں پناہ! تو اسے کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ میں اپنی ساتوں بیٹیوں کو وہاں رکھنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ جبل سحاب کا محل ان کے لئے مناسب ہوگا جسے ان جنوں میں سے ایک جن نے بنایا تھا جنہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی۔ جب سے وہ مارا گیا ہے اس میں کوئی نہیں رہا۔ نہ انسان نہ جن کیونکہ وہ اتنی دور ہے کہ کسی کی پہنچ نہیں۔ اس کے اردگرد درخت اور پھل اور چشمے ہیں جن کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سرد ہے۔ اگر کسی کو کوڑھ وغیرہ ہو اور وہ اس پانی کو پی لے تو فوراً اچھا ہو جاتا ہے۔ جب ہمارے باپ نے یہ سنا تو ہمیں اس محل میں بھیج دیا اور ہمارے ساتھ بڑا لاؤ لشکر کر دیا اور ضرورت کی ہر چیز مہیا کر دی۔ جب وہ سوار ہونا چاہتا ہے تو ڈھول بجتا ہے اور ساری فوجیں آ کر اس کے پاس حاضر ہو جاتی ہیں اور ان میں سے چن لیتا ہے کہ کون کون اس کے ساتھ سوار ہوں باقی لوگ لوٹ جاتے ہیں اور جب ہمارا باپ چاہتا ہے کہ ہم اس کی خدمت میں حاضر ہوں تو وہ اپنے ماتحت جادوگروں کو حکم دیتا ہے کہ ہمیں آ کر لے جائیں اور وہ ہمارے پاس آ کر ہمیں اس کی خدمت میں لے جاتے ہیں تاکہ وہ ہمیں دیکھ کر خوش ہو اور ہمیں جس چیز کی ضرورت ہو' پوری ہو جائے۔ اس کے بعد ہم اس جگہ واپس آ جاتے ہیں۔ ہماری باقی پانچ بہنیں بھی یہیں ہیں جو اس وقت جنگل میں شکار کھیلنے گئی ہیں کیونکہ یہاں بے شمار جنگلی جانور ہیں۔ ہم میں سے دو باری باری کھانا پکانے کے لئے یہاں ٹھہر جاتی ہیں۔ آج میری اور میری بہن کی باری ہے اور ہم کھانا پکانے کے لئے ٹھہرے

ہیں۔ ہم خدا سے دعا مانگ رہے تھے کہ وہ کسی انسان کو یہاں بھیج دے تاکہ ہم اس کے ساتھ بیٹھ کر خوش ہوں۔ اس کا شکر ہے کہ اس نے تجھے ہمارے پاس بھیج دیا۔ خوش اور دل شاد ہو' تجھے یہاں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔

یہ سن کر حسن خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا کہ اس نے مجھے چھٹکارے کے راستے پر لگا دیا اور اپنے بندوں کے دلوں کو میری طرف سے نرم کر دیا۔ اب اس کی بہن اٹھی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک کمرے میں لے گئی اور وہاں سے ایسے ایسے لباس اور فرش نکال کر لائی جو دنیا میں کسی کے پاس نہ ہوں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی بہنیں بھی سیر و شکار سے لوٹیں اس نے ان سے حسن کا ذکر کیا۔ وہ بھی خوش ہوئیں اور کمرے میں جا کر اسے سلام کیا اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی۔ حسن ان کے ساتھ بڑے عیش و عشرت سے رہنے لگا' ان کے ساتھ سیر و شکار کو جاتا اور شکار مار کر ذبح کرتا۔ غرض کہ بہت جلد وہ ان سے مانوس ہو گیا اور ان کے ساتھ اس طرح اس جگہ رہتے رہتے اس کے بدن میں توانائی بھی آ گئی' رنگ روپ نکل آیا۔ وہ ان کے ساتھ اس خوبصورت محل کی سیر کرتا' باغوں اور پھولوں کے مزے لیتا اور وہ اس کی خاطر تواضع کرتیں' بات چیت سے اس کا دل بہلاتیں۔ اس سے اس کے دل کی گھبراہٹ جاتی رہی اور لڑکیاں بھی اس کی وجہ سے خوش و خرم رہنے لگیں۔ جتنی ان کو اس سے خوشی ہوتی تھی اس سے زیادہ اسے ان سے۔ اس کے بعد چھوٹی بہن نے اپنی بہنوں سے بہرام مجوسی کا قصہ بیان کیا اور کہا کہ اس نے ہمیں شیطان اور ابلیس اور بھوت بتایا ہے اس پر سب نے قسم کھا کر کہا کہ ہم اسے بے قتل کئے نہ مانیں گے۔ جب دوسرا سال ہوا تو وہ ملعون ایک خوبصورت مسلمان جو ان کو ساتھ لے آیا جو چاند کا ٹکڑا تھا اس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور وہ سخت تکلیف میں تھا۔ حسن درختوں کے نیچے ایک چشمے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی حسن کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ ہاتھ ملنے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• سات سو پچاسی ویں رات

جب سات سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مجوسی کو دیکھ کر حسن سنار کا دل دھڑکنے لگا' اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ ہاتھ ملنے لگا اور اس نے لڑکیوں سے کہا کہ بہنو! خدا کے لئے اس ملعون کو قتل کرنے میں میری مدد کرو۔ دیکھو یہ آ گیا ہے اور تمہارے قبضے میں ہے۔ اس کے ساتھ ایک جوان مسلمان قیدی ہے جو کسی بڑے آدمی کا لڑکا معلوم ہوتا ہے۔ مجوسی اسے سخت تکلیف پہنچا رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے قتل کروں تاکہ میرا دل ٹھنڈا ہو جائے اور جوان کو اس کے ہاتھ تکلیف سے چھٹکارا ملے۔ میں ثواب لوں اور مسلمان جوان اپنے وطن واپس جا کر اپنے بھائیوں اور رشتے داروں اور دوستوں سے ملے۔ یہ تمہاری طرف سے خیرات ہو گی اور خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔ لڑکیاں بولیں کہ اے حسن! تیرا اور خدا کا حکم سر آنکھوں پر یہ کہہ کر انہوں نے اپنے چہروں پر نقابیں ڈالیں اور ہتھیار لگا کر کمرے سے تلواریں باندھ لیں اور حسن کے لئے بہترین گھوڑا منگوا کر اس پر چارجامہ کسا اور حسن کے عمدہ ہتھیار باندھے اس کے بعد سب چل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ مجوسی ایک اونٹ کو ذبح کرکے اس کی کھال کھینچ چکا ہے اور جوان کو سخت تکلیف دے رہا ہے کہ اس کی کھال کے اندر گھس' اتنے میں حسن پیچھے سے آ پہنچا۔ مجوسی کو اس کی خبر تک نہ ہوئی اور اس زور سے للکارا کہ اس کی عقل جاتی رہی' وہ بدحواس ہو گیا اب حسن نے آگے بڑھ کر کہا' اے ملعون اے خدا اور مسلمانوں کے دشمن اے کتے' اے دھوکے باز' اے آتش پرست' اے گنہگاروں کے راستے پر چلنے والے اپنا ہاتھ روک۔ کیا تو آگ اور روشنی کی پرستش کرتا اور دھوپ چھاؤں کی قسم کھاتا ہے؟ مجوسی نے مڑ کر دیکھا اور جونہی اس کی نظر حسن پر پڑی۔ وہ کہنے لگا کہ بیٹا! تو کیسے

چھوٹ کر زمین پر اتر آیا ہے؟ حسن نے جواب دیا کہ اے کافر زندیق! مجھے اس نے چھڑایا ہے جو تیری جان اسی طرح تیرے دشمنوں کے ہاتھ سے لے گا جس طرح تو نے مجھے راستے بھر تکلیفیں پہنچائی ہیں۔ اب تو مصیبت میں آ پھنسا ہے اور راستہ بھول گیا ہے' اب نہ ماں تجھے فائدہ پہنچا سکتی ہے' نہ بھائی نہ دوست' نہ کوئی پکا عہد و پیمان' تیرا ہی قول ہے کہ جو کوئی روٹی اور نمک میں خیانت کرتا ہے' خدا اس کا بدلہ لیتا ہے۔ تو نے روٹی اور نمک میں خیانت کی ہے اس لئے خدا نے تجھے میرے ہاتھ میں دے دیا ہے اور اب تیرا چھٹکارا مجھ سے ناممکن ہے۔ مجوسی نے کہا کہ بیٹا! خدا کی قسم میں تجھے اپنی جان اور اپنی آنکھوں کی روشنی سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔

حسن نے کچھ نہ سنا' بڑھ کر اس پھرتی سے اس کی گدی پر وار کیا کہ تلوار چمکتی ہوئی اس کی گردن کے آر پار ہو گئی اور خدا نے اس کی روح فوراً دوزخ میں پہنچا دی جو بری رہنے کی جگہ ہے۔ اس کے بعد حسن نے وہ تھیلا لیا جو مجوسی کے پاس تھا اور اسے کھول کر اس میں سے طبلہ اور ڈوری نکالی اور ڈوری سے طبلہ بجایا۔ اس پر تین اونٹنیاں بجلی کی طرح حسن کے پاس آ پہنچیں اس نے جوان کی مشکیں کھول کر اسے ایک اونٹنی پر بٹھا دیا اور دوسری پر کھانے پینے کا سامان باندھ کر اس سے کہا کہ اپنے وطن جا۔ جونہی خدا نے اسے حسن کی بدولت تکلیف سے نجات دی وہ روانہ ہو گیا۔ جب لڑکیوں نے دیکھا کہ حسن نے مجوسی کی گردن اڑا دی ہے تو وہ مارے خوشی کے اس کے اردگرد پھرنے لگیں اور انہیں اس کی بہادری اور قوت پر بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے اس کی کارگزاری پر اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی اور کہا کہ اے حسن تو نے وہ کام کیا جس سے بیمار شفا پاتے ہیں اور خدا خوش ہوتا ہے۔ اب وہ لڑکیوں کو لے کر محل میں گیا اور ان کے ساتھ کھانے پینے' ہنسی مذاق میں مشغول ہو گیا اور ان کی صحبت میں اسے اتنا مزہ آیا کہ وہ اپنی ماں کو بھول گیا۔

وہ ان کی صحبت کے مزے اڑا ہی رہا تھا کہ اتنے میں جنگل کی طرف سے ایسی گرد

اٹھتی دکھائی دی کہ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ لڑکیوں نے کہا کہ اے حسن' اٹھ اور اپنے کمرے میں جا کر چھپ جا' ورنہ باغ میں جا کر درختوں اور انگور کی بیلوں میں چھپ رہ لیکن ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ حسن جا کر اپنے کمرے میں چھپ رہا اور اسے اندر سے بند کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد گرد چھٹی اور اس میں سے متلاطم سمندر کی طرح ایک زبردست لشکر نکلا جو اس بادشاہ کے پاس سے آیا تھا جو ان لڑکیوں کا باپ تھا۔ جب لشکر وارد ہوا تو لڑکیوں نے انہیں بہترین جگہ ٹھہرایا اور تین روز تک ان کی دعوت کی پھر ان سے خیریت اور خبر پوچھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم بادشاہ کے پاس سے تمہیں لینے آئے ہیں۔ لڑکیوں نے پوچھا کہ بادشاہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک بادشاہ کے ہاں جشن منایا جا رہا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تم بھی آ کر اس میں شریک ہو۔ لڑکیوں نے پوچھا کہ ہمیں کتنے دن لگیں گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جانا آنا دو دو مہینے' لڑکیاں اٹھ کر محل میں حسن کے پاس گئیں اس سے سارا ماجرا بیان کرکے کہا کہ یہ مکان تیرا مکان ہے اور ہمارا گھر تیرا گھر ہے۔ تو خوش اور اطمینان سے رہیو' ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس جگہ آ سکے۔ ہر قسم کا سامان یہاں موجود ہے۔ ہم اپنے کمروں کی کنجیاں تیرے پاس چھوڑ جاتے ہیں لیکن بھائی تجھے بھائی چارے کی قسم! فلاں دروازے کو نہ کھولیو کیونکہ اس کا کھولنا تیرے لئے بیکار ہے۔ یہ کہہ کر وہ حسن سے رخصت ہوئیں اور لشکر کے ساتھ روانہ ہو گئیں۔ حسن محل میں اکیلا رہ گیا اور ان کی جدائی کی وجہ سے گھبرانے لگا۔ محل باوجود اتنا بڑا ہونے کے اسے تنگ معلوم ہوتا تھا۔ اسے وحشت ہونے لگی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چھیاسی ویں رات

سات سو چھیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکیوں کے چلے جانے کے بعد جب حسن اکیلا رہ گیا تو اس کی طبیعت گھبرانے لگی۔ وہ اکیلا سیر و شکار کے لئے جاتا' شکار مار کے اسے ذبح کرتا اور اکیلا کھاتا۔ جب تنہائی کی وجہ سے اسے وحشت اور گھبراہٹ ہونے لگی تو وہ اٹھ کر چاروں طرف گھومنے لگا۔ دل بہلانے کی غرض سے اس نے لڑکیوں کے کمرے کھولے اور دیکھا کہ ان میں اتنی دولت بھری پڑی ہے کہ جس کا حساب عقل بھی نہیں کر سکتی لیکن لڑکیوں کے نہ ہونے کی وجہ سے اسے اس کا کوئی مزا نہ آیا۔ جس دروازے کے بارے میں اس کی بہن نے کہا تھا اسے ہرگز نہ کھولیو بلکہ اس کے پاس تک نہ پھٹکیو اس کے لئے حسن کے دل میں ایک آگ سی لگی ہوئی تھی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ میری بہن نے اس دروازے کو نہ کھولنے کے لئے ضرور اس وجہ سے کہا ہو گا کہ اس میں کوئی ایسی چیز ہے جو وہ نہیں چاہتی کہ کوئی دیکھے۔ قسم ہے خدا کی کہ میں اسے کھول کر دیکھوں گا کہ اس میں کیا چیز ہے۔ خواہ موت ہی کیوں نہ ہو۔ یہ کہہ کر اس نے کنجی سے وہ کوٹھڑی کھولی اور دیکھا کہ اس میں مال و دولت کچھ بھی نہیں لیکن غور جو کیا تو اندر ایک زینہ دکھائی دیا جو سلیمانی پتھر کا بنا ہوا تھا۔ اس زینے پر چڑھ کر وہ محل کی چھت پر پہنچ گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ انہوں نے بس اسی لئے مجھے منع کیا تھا' اب وہ چھت پر گھومنے لگا اور اس نے دیکھا کہ محل کے نیچے بہت سے کھیت اور باغ اور درخت اور پھول اور جانور اور چڑیاں ہیں جو چہچہا رہی ہیں اور یکتا اور زبردست خدا کی پاکی بیان کر رہی ہیں۔ وہ ان سیر گاہوں کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ اسے بہت بڑا موجزن سمندر دکھائی دیا۔

وہ اس محل کے اردگرد چکر لگاتے لگاتے ایک بیٹھک کے پاس پہنچا جس کے نیچے چار کھمبے

تھے اور اوپر ایک چبوترا جس میں یاقوت اور زمرد اور بلخش اور طرح طرح کے جواہرات کے نقش و نگار تھے اور ایک ایک اینٹ سونے' چاندی' یاقوت اور زمرد کی تھی۔ اس بیٹھک کے بیچ میں ایک حوض تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا جس کے اردگرد صندل اور عود کی چوکھٹوں میں سرخ سونے اور ہرے زمرد کی جالیاں لگی ہوئی تھیں جن میں کبوتر کے انڈوں کے برابر طرح طرح کے ہیرے اور موتی جڑے ہوئے تھے حوض کے ایک طرف عود کا ایک تخت پڑا ہوا تھا جو موتی اور جواہرات سے مرصع تھا۔ کندن کی جالیاں تھیں اور رنگ برنگ کے جواہرات سے ایسا جڑاؤ کہ آدمی دیکھا کرے۔ حوض کے چاروں طرف چڑیاں مختلف آوازوں سے گا رہی تھیں اور ان کی خوش الحانی اور چہچے اللہ اللہ۔ اپنی اپنی بولیوں میں خدا کی پاکی کے نغمے گائے جا رہے تھے۔ اس محل کا جواب نہ کسریٰ کے پاس ہو گا نہ قیصر کے پاس۔ حسن اسے دیکھ کر دنگ ہو گیا اور بیٹھ کر اپنے اردگرد نظر دوڑانے لگا۔

وہ بیٹھا ہوا اس کی خوبصورتی پر تعجب کر رہا تھا کہ اس نے دیکھا' جنگل سے محل کی طرف دس چڑیاں آئیں۔ حسن سمجھا کہ وہ حوض پر پانی پینے آ رہی ہیں۔ وہ اس ڈر سے چھپ گیا کہ کہیں اسے دیکھ کر بھڑک نہ جائیں۔ اب چڑیاں اتر کر ایک خوبصورت درخت کے گرد پھدکنے لگیں۔ حسن نے دیکھا کہ ان میں ایک چڑیا اوروں سے بہت زیادہ خوبصورت ہے۔ جس کے اردگرد دوسری چڑیاں چڑیوں کی طرح ٹہل کر رہی ہیں۔ حسن کو بڑی حیرت تھی کہ وہ چڑیا باقی نو چڑیوں پر چونچ مارتی اور ان پر اپنی بڑائی جتاتی ہے اور وہ اس سے بھاگتی ہیں۔ حسن دور کھڑا ہوا یہ تماشا دیکھتا رہا۔ اب وہ ساری چڑیاں تخت پر بیٹھ گئیں اور پنجوں سے اپنی اپنی کھالیں پھاڑنے لگیں۔ اور پروں کا لباس اتار کر دس پاکیزہ لڑکیاں بن گئیں۔ جن کے حسن کے آگے چاند بھی مات تھا۔ برہنہ ہو کر وہ سب حوض میں اتریں اور نہانے کھیلنے اور ہنسی مذاق کرنے لگیں۔ سردار چڑیا انہیں دھکیلتی اور ڈبکیاں دیتی۔ اور وہ اس سے بھاگتیں' مگر ان کی یہ مجال نہ ہوتی

کہ اس کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔ حسن اس کو دیکھتے ہی لٹو ہو گیا' اس کے حواس جاتے رہے اور اسے یقین آ گیا کہ لڑکیوں نے اسی وجہ سے منع کیا تھا کہ میں اس دروازے کو نہ کھولوں۔ اس کی رعنائی بانکی ادا اور حسن کا انداز دیکھ کر حسن کی طبیعت بے چین ہو گئی۔ دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ کھڑا دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا اور یہ حسرت کرنے لگا کہ کاش وہ ان کے ساتھ ہوتا! ہوش ٹھکانے نہ تھے' کلیجہ دھڑک رہا تھا' آنکھ دیکھنے میں محو تھی اور تن بدن میں ایک آگ سی لگی ہوئی تھی اور اس کا نفس برے کام کا حکم دے رہا تھا۔ وہ اس نوبہار حسن کی گل چینی کے اشتیاق میں رونے لگا اور سر سے پاؤں تک بھٹی بن گیا اور ایسے شعلے اٹھنے لگے جن کا بجھانا مشکل پڑ گیا۔ عشق نے ایسے ٹوکے لگائے جن کا اثر چھپائے نہ چھپ سکا۔ اب لڑکیاں حوض سے باہر آئیں۔ حسن انہیں دیکھ رہا تھا' مگر وہ اسے نہ دیکھ سکتی تھیں۔ پانی سے نکل کر سب نے اپنے اپنے کپڑے اور زیور پہن لئے' بڑی نے ایک سبز پوشاک زیب جسم کی اور وہ دنیا کے تمام حسینوں سے حسین تر معلوم ہونے لگی اور چال کی لچک میں وہ ٹہنیوں پر سبقت لے گئی اور عقل اسے دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو ستاسی ویں رات

سات سو ستاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑی لڑکی کا حسن و جمال دیکھ کر حسن کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ جب لڑکیاں اپنے کپڑے پہن چکیں تو بیٹھ کر باتیں چیتیں اور ہنسی مذاق کرنے لگیں' حسن کھڑا ہوا انہیں دیکھ رہا تھا اور اپنے عشق کے سمندر میں غرق تھا اور اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم میری بہن نے انہی لڑکیوں کی وجہ سے مجھ سے کہا تھا کہ میں ان دروازوں کو نہ کھولوں تاکہ کہیں میں ان میں سے کسی سے پھنس نہ جاؤں۔ اب حسن اس کے ایک ایک عضو کو دیکھنے لگا۔ اس کا منہ سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کی طرح تھا' کالے کالے بال جیسے عاشق کے اوپر ہجر کی رات' پیشانی رمضان کی عید کا چاند' آنکھیں جیسے غزالوں کی آنکھیں' ناک ستواں اور چمک دار' دونوں رخسار شقائق النعمان' دونوں ہونٹ مرجان' دانت موتی کی لڑی' گلابدن کی شاخ کے اوپر چاندی کا ڈالا۔ رانیں موٹے موٹے مرمر کے ستونوں کی طرح' جیسے شترمرغ کے پروں سے بھرے ہوئے دو تکیے۔ یہ لڑکی بید کی شاخوں اور خیزراں کی چھڑیوں سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔ لڑکیاں خوش فعلیاں کرتی رہیں اور حسن برابر کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ وہ کھانا پینا تک بھول گیا تھا۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت آ گیا اور اس لڑکی نے اپنی ہم جولیوں سے کہا کہ اے شہزادیو! رات ہونے کو آئی' ہمارا ملک دور ہے اور ہم یہاں بیٹھے بیٹھے تھک بھی گئے ہیں چلو اب ہم گھر چلیں۔ سب نے اٹھ کر پروں کی پوشاک پہن لی اور پہلے کی طرح چڑیاں بن کر ایک ساتھ اڑ گئیں۔ آس پاس دوسری تھیں اور بیچ میں وہ لڑکی۔ جب حسن ان سے ناامید ہو گیا تو اس نے چاہا کہ اٹھ کر نیچے اترے لیکن اس میں اٹھنے تک کی سکت نہ تھی۔ آنسو اس کے رخسار پر بہہ رہے تھے۔ بہرحال حسن آہستہ آہستہ چلنے لگا اور الٹا سیدھا چلتے چلتے محل کے نیچے اترا اور بڑی مشکل سے کوٹھڑی کے دروازے تک پہنچا

اور اندر جا کر اسے بند کر لیا اور بیمار ہو کر لیٹ گیا' نہ کھاتا نہ پیتا بلکہ فکر میں ڈوبا رہتا۔ پھر وہ رونے پیٹنے لگا اور رات بھر روتا پیٹتا رہا۔ جب صبح ہوئی' سورج نکلا تو اس نے کوٹھڑی کا دروازہ کھولا اور اسی جگہ پہنچا جہاں وہ کل گیا تھا اور اسی منظر کے سامنے رات تک بیٹھا رہا لیکن کوئی چڑیا نہ آئی وہ زار زار رونے لگا۔ یہاں تک کہ غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو گھسٹتا ہوا محل کے نیچے اترا۔ رات ہو گئی تھی اور ہر چیز اسے کاٹنے کو دوڑتی تھی۔ وہ رات بھر برابر روتا اور آہ و زاری کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سویرا ہو گیا۔ ٹیلوں پر اور گھاٹیوں میں دھوپ نکل آئی وہ نہ کھاتا' نہ پیتا' نہ سوتا نہ اسے چین آتا بلکہ دن بھر پریشان رہتا اور رات بھر بیدار' مغموم اور بے چین ------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## سات سو اٹھاسی ویں رات

سات سو اٹھاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' نیک نہاد بادشاہ ------- جب حسن سنار کا عشق بہت زیادہ بڑھ گیا تو وہ برابر اشعار پڑھا کرتا اور چونکہ وہ محل میں اکیلا تھا اس کا دل ہرگز نہ بہلتا۔ وہ اسی پریشانی میں تھا کہ اسے جنگل کی طرف سے گرد اٹھتی دکھائی دی۔ وہ نیچے آ کر چھپ گیا اور اسے یقین ہوا کہ محل والے آ گئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد لشکر اتر کر محل کے آس پاس پھیل گیا اور ساتوں لڑکیاں اتر کر محل کے اندر آئیں اور اپنے ہتھیار اور جنگی لباس اتار ڈالے لیکن چھوٹی لڑکی نے اپنی جنگی وردی نہ اتاری بلکہ اسی طرح حسن کے کمرے میں گئی۔ اسے وہاں نہ پایا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اسے ایک دوسری کوٹھڑی میں دیکھا۔ وہ کمزور اور دبلا نظر آتا تھا۔ اس کا جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔ ہڈیاں دکھائی دیتی تھیں' رنگ زرد پڑ گیا تھا' آنکھیں دھنس گئی تھیں۔ لڑکی سے اسے اتنی محبت ہو گئی کہ کھانا پینا چھوٹ گیا تھا اور آنسو جاری تھے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر بڑی بہن گھبرا گئی' اس کے ہوش اڑ گئے۔ اس نے پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے اور کس مصیبت میں گرفتار ہے۔ بھائی! کہہ تو سہی تاکہ میں تیرا علاج کروں اور تجھ پر فدا ہو جاؤں۔ اس کے جواب میں حسن بلک بلک کر رونے لگا۔ حیران ہو کر اس کی بہن بولی' بھائی! تو اس مصیبت میں کب سے گرفتار ہے اور یہ بلا تجھ پر کب سے نازل ہوئی؟ کیونکہ میں دیکھتی ہوں کہ تو اشعار پڑھتا ہے اور تیرے آنسو برابر جاری ہیں۔ بھائی! تجھے خدا کی قسم اور اس محبت کا واسطہ جو ہمارے درمیان ہے' اپنا حال کہہ اور اپنے بھید سے مجھے مطلع کر اور مجھ سے کچھ نہ چھپا جو میری غیر موجودگی میں تجھ پر گزرا ہے کیونکہ تیری وجہ سے میں پریشان ہوں اور میری زندگی دوبھر ہو گئی ہے۔ یہ سن کر اس نے ٹھنڈا سانس بھرا' اس کے آنسو اور زیادہ بہنے لگے اور اس نے کہا بہن میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں تجھ سے کہوں گا تو تو میرے مقصد کے

حاصل کرنے میں میری مدد نہ کرے گی اور مجھے چھوڑ دے گی اور میں اپنے غم سے مر جاؤں گا۔ اس نے کہا کہ بھائی' میں تجھے ہرگز نہ چھوڑوں گی خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔ یہ سن کر اس نے سارا ماجرا اور دروازہ کھولنے کے بعد جو کچھ دیکھا تھا' بیان کر دیا اور کہا کہ تمام مصیبت اور بلا اس لڑکی کی محبت اور عشق کی وجہ سے پیش آئی ہے جسے میں نے دیکھا ہے اور یہ کہ دس دن سے میں نے نہ کھایا ہے نہ پیا ہے۔ یہ کہہ کر اس کی ہچکی لگ گئی۔ اسے اس طرح بے تحاشا روتا دیکھ کر اس کی بہن بھی رو پڑی اور اس کی حالت پر غمگین ہو گئی اور اس کی غربت پر اسے ترس آنے لگا۔ اس نے کہا کہ بھائی خوش ہو اور غم مت کر کیونکہ تیرے مقصد کے حاصل ہونے میں میں دل و جان سے کوشش کروں گی اور اپنی جان لڑا دوں گی اور کوئی نہ کوئی ترکیب ڈھونڈ نکالوں گی' خواہ اس میں میری جان اور میرا مال ہی کیوں نہ صرف ہو جائے۔ انشاء اللہ لیکن بھائی میرا مشورہ مان' میری بہنوں پر یہ راز نہ کھلنے پائے۔ اگر تو نے ان میں سے کسی سے بھی کہا تو میری اور تیری دونوں کی جان جائے گی۔ اگر وہ تجھ سے پوچھیں کہ تو نے دروازہ کھولا تو کہیو بالکل نہیں' میں محض اس وجہ سے پریشان خاطر ہوں کہ تم مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں اور میں محل میں اکیلا بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا تھا۔

حسن نے کہا یہ بہت ٹھیک ہے اور اس کے سر کو بوسہ دیا۔ وہ خوش ہو گیا اور اس کی گھبراہٹ جاتی رہی۔ اب تک تو وہ اپنی بہن سے ڈر رہا تھا کہ اس نے دروازہ کیوں کھولا اور مارے ڈر کے مرا جا رہا تھا لیکن اب اس کی جان میں جان آ گئی اور اس نے اپنی بہن سے کھانا مانگا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر غمگین اور روتی ہوئی اپنی بہنوں کے پاس چلی گئی۔ انہوں نے اس کی خیریت پوچھی اور اس نے جواب دیا کہ میں اپنے بھائی کی وجہ سے سخت پریشان ہوں کیونکہ وہ بیمار ہے اور دس دن سے اس کے پیٹ میں کوئی دانہ نہیں اترا۔ انہوں نے اس کی بیماری کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا کہ سبب یہی

ہے کہ ہم اسے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے اور ہماری غیر موجودگی کے دن اس پر ہزار سال سے بھی زیادہ سخت گزرے۔ اس میں اس کی کوئی خطا نہیں کیونکہ وہ پردیسی ہے اور اکیلا' اور ہم اسے تنہا چھوڑ کر چل دیئے اور اس کے پاس کوئی نہ تھا جو اس کا دل بہلاتا اور اسے گھبرانے نہ دیتا۔ بہرحال وہ ابھی کم سن جوان ہے اور جب کبھی وہ اپنے خاندان والوں اور خاص کر اپنی بوڑھی ماں کو یاد کرتا ہے تو اسے خیال ہوتا کہ وہ دن رات رو رو کر گزارتی ہو گی اور غمگین رہتی ہو گی اور محض ہماری محبت سے اسے ذرا ڈھارس سی بندھی رہتی ہے۔ اس کی یہ باتیں سن کر اس کی بہنیں بھی رونے لگیں اور انہیں اس پر بڑا ترس آیا اور کہنے لگیں کہ واللہ وہ معذور ہے اب لشکر کو رخصت کرکے وہ حسن کے پاس گئی اور اسے سلام کیا اور دیکھا کہ اس کی خوبصورتی ماند پڑ گئی ہے' رنگ زرد ہو گیا اور جسم گھل گیا ہے۔ ان کا دل بھر آیا' اس کے پاس بیٹھ کر باتوں سے اس کی پریشانی دور کرنے اور اس کا دل بہلانے لگیں اور اس سے وہ تمام عجیب و غریب باتیں بیان کیں جو انہوں نے دیکھی تھیں اور دولہا اور دلہن میں پیش آئی تھیں۔ اسی طرح پورے ایک مہینے تک وہ اس کی دل جوئی کرتی رہیں' مگر مرض روز بروز بڑھتا گیا جب کبھی وہ اسے اس حالت میں دیکھتیں تو آنسو بہائے بغیر نہ رہتیں اور چھوٹی لڑکی سب سے زیادہ روتی۔ مہینہ گزرنے کے بعد لڑکیوں کا جی سیر و شکار کے لئے چاہنے لگا اور جب انہوں نے پکا ارادہ کر لیا تو اپنی چھوٹی بہن سے کہا کہ تو بھی ہمارے ساتھ سوار ہو کر چل' لیکن اس نے کہا کہ بہنو! واللہ جب تک میرا بھائی اچھا نہ جائے اور اس کی بیماری جاتی نہ رہے میں اسے اس حالت میں چھوڑ کر تمہارے ساتھ نہیں چل سکتی بلکہ اس کے پاس ٹھہر کر اس کا دل بہلانا چاہتی ہوں۔ یہ سن کر انہوں نے اس کا شکریہ ادا کیا کہ وہ بڑی بامروت ہے اور کہا کہ جو بھلائی بھی تو اس پردیسی کے ساتھ کرے گی' تجھے اس کا اجر ملے گا یہ کہہ کر انہوں نے بہن کو اس کے پاس رہنے دیا اور بیس دن کا توشہ لے کر سوار ہو گئیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## سات سو نواسی ویں رات

سات سو نواسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکیاں اپنی چھوٹی بہن کو محل میں حسن کے پاس چھوڑ کر سیر و شکار کے لئے سوار ہو گئیں۔ جب وہ محل سے دور گئیں اور اس کی بہن کو یقین ہو گیا کہ اب وہ دور نکل گئی ہیں تو اس نے اپنے بھائی کے پاس آ کر کہا کہ بھائی! اٹھ کر مجھے وہ جگہ دکھا جہاں تو نے لڑکیوں کو دیکھا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بسرو چشم۔ بسم اللہ۔ وہ اس کی باتیں سن کر خوش ہوا اور اسے یقین آ گیا کہ اب میری مراد برآئیگی۔ اب وہ چاہتا ہی تھا کہ اسے وہ جگہ دکھائے لیکن اس میں چلنے کی بالکل سکت نہ تھی۔ اس لئے اسے لڑکی اپنی گود میں اٹھا کر لے گئی اور زینے کا دروازہ کھول کر محل کے اوپر چڑھ گئی اور پہنچ کر حسن نے وہ مقام اور بیٹھک کا حوض دکھایا جہاں اس نے لڑکیوں کو دیکھا تھا۔ اس کی بہن نے کہا کہ بھائی! اب یہ بتا کہ وہ کس طرح سے آئی تھیں؟

حسن نے جو کچھ دیکھا تھا' بیان کردیا۔ خاص کر اس لڑکی کے متعلق جس پر وہ عاشق ہو گیا تھا۔ اس کی تعریف سن کر لڑکی سمجھ گئی کہ وہ کون ہے اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور حالت دگرگوں ہو گئی۔ اس نے کہا کہ بہن! تیرا چہرہ کیوں اتر گیا اور تیری حالت ابتر کیوں ہو گئی۔ وہ بولی کہ بھائی! سن۔ یہ لڑکی جنوں کے بادشاہوں میں سے عظیم الشان بادشاہ کی بیٹی ہے جس کی حکومت انسانوں اور جنوں اور جادوگروں اور کاہنوں اور قبیلوں اور اقلیموں اور ملکوں اور بہت سے جزیروں پر ہے اور جس کے پاس بہت مال و دولت اور لشکر ہے۔ ہمارا باپ بھی اس کے نوابوں میں سے ایک نواب ہے۔ اس کے پاس اتنی زیادہ فوجیں اور اتنا بڑا ملک اور اتنی زیادہ دولت ہے کہ کسی کا بس اس پر نہیں چلتا۔ اس نے اپنی اولاد کے لئے جو وہی لڑکیاں ہیں جنہیں تو نے دیکھا ہے ملک کا اتنا بڑا حصہ الگ کر دیا ہے جس کی لمبائی چوڑائی سال سال بھر کے راستے کی ہے

اور جس کے اردگرد ایک بڑا سمندر ہے وہاں تک کسی کی پہنچ نہیں نہ انسان کی نہ جن کی۔ اس کے پاس پچیس ہزار لڑکیوں کا ایک لشکر ہے جو شمشیرزن اور نیزہ زن ہیں۔

جن میں سے ہر ایک ایسی ہے کہ جب وہ ہتھیار باندھ کر گھوڑے پر سوار ہوتی ہے تو ہزار بہادر سورماؤں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ اس کی سات بیٹیاں ہیں جو بہادری اور شہ سواری میں دوسری لڑکیوں سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہیں۔ اس نے اپنے ملک کے اس حصے کی حکومت اپنی بڑی بیٹی کو دے رکھی ہے جو ساتوں میں بڑی ہے اور اتنی بہادر اور شہ سوار اور مکار اورسیاست دان اور جادوگر ہے کہ اس کے ملک کے تمام لوگ بھی اسے زیر نہیں کر سکتے' اور جو لڑکیاں اس کے ساتھ تھیں وہ اس کی درباری اور سردار اور مصاحب ہیں۔ جن پروں کی کھالوں کو وہ پہن کر اڑتی ہیں وہ جن جادوگروں کی بنائی ہوئی ہیں۔ اگر تو چاہتا ہے کہ اس لڑکی کو اپنے بس میں لا کر اس سے شادی کرے تو یہاں ٹھہر کر اس کا انتظار کر کیونکہ وہ ہر چاند "رات کو یہاں آتی ہے جب ان لڑکیوں کو تو دوبارہ دیکھے تو چھپ جائیو۔ اس طرح سے کہ وہ تجھے نہ دیکھ سکیں ورنہ ہم سب کی جان جائے گی۔ میری بات پلے باندھ اور اسے اچھی طرح یاد کر لے۔ ان کے قریب کسی ایسی جگہ بیٹھ کر انتظار کر کہ وہ تیری آنکھوں سے اوجھل نہ ہوں۔ جب وہ اپنے کپڑے اتار ڈالیں تو اس لڑکی کے کپڑوں پر نگاہ جمائے رہیو جو سب سے بڑی ہے اور جسے تو چاہتا ہے اور آنکھ بچا کر انہیں اٹھا لیجیو مگر اور کسی کے نہ اٹھائیو کیونکہ وہ اپنے ہی کپڑے پہن کر وطن جا سکتی ہے۔ اگر کپڑے تیرے قبضے میں آ گئے تو لڑکی بھی تیرے قبضے میں آ جائے گی لیکن خبردار اس کی باتوں میں نہ آ جائیو کیونکہ وہ کہے گی کہ اے فلاں' جس نے میرے کپڑے چرائے ہیں مجھے واپس کردے اور میں تیرے پاس تیری ہو کر رہوں گی۔ اگر تو نے لوٹا دیئے تو وہ تجھے مار ڈالے گی اور ہمارا محل غارت کر دے گی اور ہمارے باپ کو قتل کر دے گی' بس سمجھ جا کہ تیری کیا گت بنے گی۔ جب اس کی بہنیں دیکھیں گی کہ اس کے کپڑے چوری ہو

گئے ہیں تو وہ اسے اکیلا چھوڑ کر اڑ جائیں گی۔ اس وقت تو اس کے پاس جائیو اور اس کے بال پکڑ کر خوب کھینچیو۔ جب تو اس طرح اسے کھینچے گا تو اس کے جادو کا زور ٹوٹ جائیگا اور وہ تیرے بس میں آ جائے گی۔ اس کے بعد پروں والا لباس حفاظت سے رکھیو۔ جب تک وہ تیرے قبضے میں رہے گا' وہ بھی تیری قید میں رہے گی کیونکہ بغیر اس لباس کے اپنے ملک کو اڑ کر نہیں جا سکتی۔ جب تو لڑکی کو پکڑ لے تو اسے اٹھا کر اپنے کمرے میں لے جائیو لیکن اس سے یہ نہ کہیو کہ تو نے اس کے کپڑے لئے ہیں۔

اپنی بہن کی باتیں سن کر حسن کو اطمینان ہوا اورڈر' جاتا رہا اور رنج و غم دور ہو گیا اور اس نے اٹھ کر اپنی بہن کا سر چوما اور دونوں محل پر سے اتر کر اپنی اپنی خوابگاہوں میں چلے گئے۔ حسن رات بھراپنے دل پر جبر کئے بیٹھا رہا۔ جب سویرا ہوا تو اٹھا اور دروازہ کھول کر اوپر چڑھ گیا اور بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ جب بیٹھے بیٹھے عشا کا وقت ہو گیا تو اس کی بہن اس کے لئے کچھ کھانا پینا لائی اور اس کے کپڑے بدلے اور وہ سو گیا۔ ہر روزاس کا یہی دستور تھا۔ یہاں تک کہ چاند نکلا اور چاند دیکھتے ہی وہ ان کا انتظار کرنے لگا۔ وہ اسی انتظار میں تھا کہ لڑکیاں بجلی کی طرح آ پہنچیں اور انہیں دیکھتے ہی وہ ایسی جگہ جا کر چھپ گیا جہاں سے وہ انہیں دیکھ سکے' مگر وہ اسے نہ دیکھ سکیں۔ اب چڑیاں اتریں اور ان میں سے ہر ایک الگ الگ بیٹھ گئی۔ انہوں نے اپنے اپنے کپڑے اتار ڈالے اور اسی طرح اس لڑکی نے بھی' جسے وہ چاہتا تھا اور اپنی بہنوں کے ساتھ حوض میں اتر گئی۔ اب حسن اٹھا اور چپکے چپکے آہستہ آہستہ بڑھا۔ خدا نے اس کی پردہ پوشی کی اور اس نے اس کے کپڑے اٹھا لئے۔ کسی ایک لڑکی کی بھی نظر اس پر نہ پڑی بلکہ وہ آپس میں کھیلتی اور چہلیں کرتی رہیں۔ جب وہ فارغ ہوئیں تو باہر آئیں اور ہر ایک نے اپنا اپنا پروں کا لباس پہن لیا۔ اس کی محبوبہ بھی اپنا چولا پہننے آئی لیکن اسے نہ پایا' وہ چیخنے چلانے اور اپنا منہ پیٹنے لگی اور اپنے کپڑے

پھاڑ ڈالے۔ اس کی بہنوں نے آ کر پوچھا تو اس نے کہا کہ میرے پروں کا لباس کوئی اٹھا لے گیا ہے۔ یہ سن کر وہ بھی رونے پیٹنے اور منہ پر طمانچے مارنے لگیں۔ جب رات ہوئی تو وہ اس کے ساتھ ٹھہر نہ سکتی تھیں اس لئے انہوں نے اسے محل کے اوپر چھوڑ دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو نوے ویں رات

سات سو نوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- لڑکی کی بہنیں اسے اکیلا چھوڑ کر اڑ گئیں۔ جب حسن نے دیکھا کہ وہ اڑ گئیں' اب نظر نہیں آتیں

اور لڑکی اکیلی رہ گئی تو اس نے اسے یہ کہتے سنا کہ اے وہ شخص جو میرے کپڑے لے گیا ہے اور مجھے ننگا کر گیا ہے ' میں تجھ سے درخواست کرتی ہوں کہ میرا چولا مجھے واپس دے دے اور میرے بدن کو چھپا' خدا تجھے وہ حسرت نہ دے جو اس نے مجھے دی ہے۔ جب حسن نے اس کی باتیں سنیں تو اس کی محبت کے مارے اس کی عقل جاتی رہی اور اس کا عشق دوبالا ہو گیا اور اس سے صبر نہ ہو سکا اور وہ دوڑ کر اس کے پاس گیا۔ جھپٹ کر اسے پکڑ لیا اور اپنی طرف کھینچا اور اسے لے کر محل کے نیچے اترا اواپنے کمرے میں لے جا کر اپنی عبا اس پر ڈال دی۔ وہ روتی جاتی اور دانتوں سے اپنے ہاتھ کاٹتی جاتی تھی۔ حسن اسے بند کرکے اپنی بہن کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ وہ میرے ہاتھ آ گئی ہے میں کامیاب ہو گیا ہوں اسے اپنے کمرے میں لے آیا ہوں اور اس وقت وہ میرے کمرے میں بیٹھی دانتوں سے اپنے ہاتھ کاٹ رہی ہے۔ یہ سن کر اس کی بہن اٹھی اور جا کر کمرے کے اندر داخل ہوئی اور دیکھا کہ وہ غم زدہ بیٹھی رو رہی ہے' اس کے آگے زمین چوم کر اسے سلام کیا۔ لڑکی نے کہا کہ اے شہزادی! کیا تم جیسے لوگ شہزادیوں کے ساتھ ایسی ناشائستہ حرکت کرتے ہیں؟ تجھے معلوم ہے کہ میرا باپ ایک بہت بڑا بادشاہ ہے اور تمام جن بادشاہ اس سے ڈرتے ہیں اور اس کا لوہا مانتے ہیں۔ اس کے پاس اتنے جادوگر اور حکیم اور کاہن اور شیطان اور دیو ہیں کہ کسی کا زور اس کے اوپر نہیں چلتا۔ اس کے ماتحت اتنی مخلوقات ہے کہ جنکی گنتی سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ اے شہزادیو! یہ تمہارے لئے کہاں

تک زیبا ہے کہ تم انسانوں کو اپنے یہاں پناہ دو اور ان سے اپنا اور ہمارا حال کہہ دو' ورنہ یہ انسان یہاں آیا کیسے؟ حسن کی بہن بولی کہ اے شہزادی! یہ انسان مروت کا پکا ہے اور وہ کوئی برا کام نہیں چاہتا' اسے تجھ سے محبت ہو گئی ہے اور عورتیں تو مردوں ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں۔ اگر وہ تجھ پر عاشق نہ ہوتا تو تیری وجہ سے وہ بیمار نہ پڑتا اور تیری محبت میں اس کی جان نہ جاتی۔ غرض کہ اس نے وہ تمام باتیں اس سے کہہ دیں جو حسن نے اپنے عشق کے بارے میں اس سے کہی تھیں کہ لڑکیاں کس طرح اڑتی ہوئی آئیں اور نہائیں اور اسے ان میں سے سوائے تیرے کوئی پسند نہ آئی کیونکہ وہ سب تیری کنیزیں تھیں' تو انہیں حوض میں ڈبکیاں دیتی تھی لیکن ان کی مجال نہ تھی کہ وہ اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھائیں۔

یہ باتیں سن کر اسے رہائی کی امید بالکل جاتی رہی۔ اب حسن کی بہن اٹھی اور جا کر اس کے لئے ایک نفیس پوشاک لائی اور اسے پہنا کر اس کے لئے کھانا پینا لائی اور دونوں نے بیٹھ کر کھایا اور لڑکی کے دل کو اطمینان ہوا اور اس کا ڈر جاتا رہا۔ حسن کی بہن برابر نرمی سے باتیں کرتی جاتی اور کہتی کہ رحم کرکے اسے ایک نظر دیکھ لے کیونکہ وہ تیری محبت کا مارا ہے۔ وہ اسے ڈھارس دیتی اور راضی کرتی اور اچھی اچھی باتیں کرتی لیکن لڑکی برابر روئے جاتی۔ جب سویرا ہوا تو اسے ذرا تسکین ہوئی اور اس نے رونا بند کیا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ پھنس گئی ہے' چھٹکارا ناممکن ہے اور وہ حسن کی بہن سے کہنے لگی کہ اے شہزادی! اگر میری قسمت میں یہی لکھا ہے کہ میں پردیس میں رہوں اور اپنے وطن اور خاندان والوں اور بہنوں کو چھوڑ دوں تو خدا کے حکم پر صبر ہی کرنا بہتر ہے۔ اب حسن کی بہن نے اس کے لئے ایک کمرہ خالی کر دیا جس سے زیادہ خوبصورت محل میں نہ تھا۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر برابر اس کی دل داری کرتی' اس کا غم غلط کرتی یہاں تک کہ وہ مان گئی۔ اسے اطمینان ہو گیا اور وہ ہنسنے لگی اور جو رنج و غم اسے اپنے خاندان والوں اور وطن اور بہنوں اور ماں باپ

اور ملک سے جدائی سے ہوا تھا' جاتا رہا۔ اب حسن کی بہن اٹھ کر حسن کے پاس گئی اور اس سے کہا کہ اس کے کمرے میں جا کر اس کے ہاتھ پاؤں چوم' حسن نے جا کر ایسا ہی کیا اور اس کے بعد اس کی پیشانی کو بوسہ دے کر کہا' اے حسینوں کی سرتاج اور روحوں کی جان اور دیکھنے والوں کی مسرت' اطمینان رکھ میں نے تجھے محض اس واسطے لیا ہے کہ قیامت تک میں تیرا غلام رہوں اور میری بہن تیری لونڈی۔ اے میری روح رواں' میرا ارادہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا اور رسول کے طریقے کے موافق' میں تجھ سے نکاح کروں اور اپنے وطن جا کر ہم دونوں بغداد میں رہیں اور میں تیرے لئے غلام اور باندیاں خریدوں' میری ماں جو بہترین عورت ہے' تیری خدمت کرے۔ ہمارا ملک دنیا میں سب سے اچھا ہے اور جو کچھ اس میں ہے' کسی اور ملک میں نہیں اور وہاں کے لوگ اچھے اور خوبصورت ہوتے ہیں۔

وہ اس قسم کی باتیں کرکے اس کا دل بہلانا چاہتا تھا اور وہ اس سے بات تک نہ کرتی تھی کہ کسی نے محل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ حسن نکل کر باہر گیا اور دیکھا کہ لڑکیاں سیر و شکار سے آ گئی ہیں۔ انہیں دیکھ کر وہ خوش ہو گیا اور خوش آمدید کہہ کر انہیں سلام کیا انہوں نے اسے اور اس نے انہیں سلامتی اور خیر وعافیت کی دعا دی۔ اس کے بعد وہ گھوڑوں پر سے اتر کر محل میں آئیں اوراپنے اپنے کمروں میں داخل ہو گئیں اور میلے کچیلے کپڑے اتار کر خوبصورت پوشاکیں پہنیں اور ہرن' نیل گائے' خرگوش اور بجو وغیرہ جو جو شکار مار کر لائی تھیں۔ ان میں سے ایک حصہ ذبح کرنے کے لئے دے دیا اور باقی کو اپنے پاس محل میں رہنے دیا۔ حسن کمر کسے چھری ہاتھ میں لئے ذبح کرتا جاتا تھا اور وہ کھیل کود رہی اور خوش ہو رہی تھیں۔ اس سے فارغ ہو کر وہ کھانا پکانے میں لگ گئیں۔ حسن نے بڑھ کر بڑی لڑکی کے سر کو بوسہ دیا' اسی طرح وہ ایک ایک کرکے سب کا سر چومتا اور وہ کہتیں کہ بھائی تو ہمارے ساتھ بہت انکسار کرتا ہے اور ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ تجھے ہم سے اتنی محبت کیوں ہے؟ بھائی تجھے ایسا ہرگز نہ چاہئے بلکہ یہ عاجزی تو ہمیں کرنی چاہئے' کیونکہ تو انسان ہے اور انسان ہم

سے برتر ہے کیونکہ ہم جن ہیں۔ یہ سن کر اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور وہ زور زور سے رونے لگا۔ انہوں نے پوچھا کہ خیر تو ہے' تو کیوں روتا ہے؟ تیرے رونے سے ہماری خوشی مٹی میں مل جاتی ہے۔ غالباً تو اپنی ماں اور وطن کی تمنا رکھتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ہم ابھی تیار ہو کر تجھے تیرے وطن دوستوں کے پاس پہنچائے آتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں تم سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ وہ بولیں کہ ہم میں سے کس نے تجھے پریشان کر رکھا ہے کہ تو اتنا غمگین ہے؟ حسن کو جواب میں یہ کہتے شرم محسوس ہوئی کہ مجھے اس لڑکی کی محبت نے پریشان کر رکھا ہے کیونکہ وہ ڈرتا تھا کہ کہیں وہ برا نہ مان جائیں۔ یہ سوچ کر وہ چپ ہو گیا اور اپنی حالت ان پر بالکل ظاہر نہ کی۔ اب اس کی بہن اٹھی اور کہنے لگی کہ اس نے ایک اڑتی ہوئی چڑیا پکڑی ہے اور چاہتا ہے کہ تم اس چڑیا کے سدھارنے میں اس کی مدد کرو۔ سب نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ہم سب تیری خدمت کے لئے حاضر ہیں اور تیرا ہر حکم ماننے کے لئے تیار ہیں لیکن اپنا ماجرا تو بیان کر اور اپنی حالت ہم سے بالکل مت چھپا۔ اس نے اپنی بہن سے کہا کہ میرا قصہ انہیں سنا دے کیونکہ میں ان سے شرماتا ہوں اور ان کے آگے ایسی باتیں بیان نہیں کر سکتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## سات سو اکیانوے ویں رات

جب سات سو اکیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- حسن نے اپنی بہن سے کہا کہ تو ہی سنا دے کیونکہ میں ان کے آگے ایسی باتیں کرتا شرماتا ہوں۔ اس کی بہن بولی کہ بھنو! جب ہم اس بے چارے کو یہاں اکیلا چھوڑ کر چلے گئے تھے تو وہ محل کے اندر گھبرانے لگا اور اسے ڈر لگا کہ کہیں کوئی گھس نہ آئے۔ تمہیں معلوم ہے کہ انسانوں کی عقل کم ہوتی ہے۔ اس لئے جب وہ اکیلا بیٹھے بیٹھے گھبرایا تو اس دروازے کو کھول کر جو اوپر کی طرف جاتا ہے چھت پر چڑھ گیا اور وہاں بیٹھ کر گھاٹی کی سیر کرنے لگا لیکن دروازے کی طرف برابر دیکھتا رہا کہ کہیں کوئی محل میں نہ گھس آئے۔ ایک دن وہ بیٹھا ہوا تھا کہ دس چڑیاں محل میں اتریں اور پھرتے پھرتے حوض پر آ بیٹھیں۔ اس نے دیکھا کہ ان میں سے ایک چڑیا ان سب سے زیادہ خوبصورت ہے اور وہ ان سب کے چونچیں مارتی ہیں لیکن• کسی کی مجال نہیں ہوئی کہ اسے ٹھونگ تک لگائے۔ اس کے بعد وہ اپنے پنجے گریبان کے پاس لے گئیں اور پروں کے لباس کھول کر اس میں سے نکل آئیں اور ہر ایک ان میں سے ایک ایسی لڑکی بن گئی جیسے چودھویں رات کا پورا چاند۔ حسن ان کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ کپڑے اتار کر پانی کے اندر گئیں اور کھیلنے کودنے لگیں بڑی لڑکی انہیں غوطے دیتی' مگر کوئی اسے ہاتھ نہ لگا سکتی۔ اس کا چہرہ سب سے زیادہ خوبصورت تھا اور جسم سب سے زیادہ سڈول اور پوشاک سب سے زیادہ صاف ستھری' حسن کھڑا ہوا انہیں اس حالت میں برابر دیکھتا رہا کہ عصر کا وقت ہو گیا اور انھوں نے حوض میں سے نکل کر اپنے کپڑے پہنے اور پروں کا لباس پہن کر ایک ساتھ اڑ گئیں۔ بڑی لڑکی کی وجہ سے اس کے دل میں ایک آگ بھڑک اٹھی اور اسے افسوس ہوا کہ اس نے اس کا پروں

کا لباس کیوں نہیں چرا لیا۔ اس پر وہ بیمار پڑ گیا اور محل کے اوپر بیٹھے بیٹھے ان کا انتظار کرنے لگا اور کھانا پینا بند اور سونا سوگند ہو گیا۔ چاند رات تک اس کی یہی حالت رہی کہ موافق دستور کے وہ پھر آئیں اور اپنے کپڑے اتار کر حوض میں چلی گئیں اب اس نے بڑی لڑکی کا چولا چرا لیا اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ ان کے بغیر نہیں اڑ سکتی تو اسے لے کر چھپا دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں خبر ہو جائے اور وہ مجھے مار ڈالیں۔ جب باقی چڑیاں اڑ گئیں تو وہ نکلا اور لڑکی کو پکڑ کر محل پر سے نیچے لے آیا۔

اس کی بہنوں نے پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس کے پاس فلاں کمرے میں۔ انہوں نے کہا کہ بہن ذرا اس کی تعریف تو بیان کر۔ وہ بولی کہ وہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ حسین ہے اور اس کا چہرہ سورج سے زیادہ چمک دار ہے' اس کا لعاب شہد سے زیادہ میٹھا ہے' اس کا قد بید سے زیادہ لچک دار ہے' اس کی آنکھیں کالی کالی ہیں اور چہرہ آب دار اور پیشانی چمک دار اور سینہ جیسے جوہر اور دونوں پستانیں جیسے انار اور دونوں رخسار جیسے سیب' اس کے پیٹ میں شکنیں پڑی ہوئی ہیں اور اس کی ناف ہاتھی دانت کا ڈبہ ہے جس میں مشک بھرا ہوا ہو' اس کی پنڈلیاں ایسی ہیں جیسے مرمر کے دو کھمبے' سرمئی آنکھوں اور پتلی کمر اور بھاری کولھوں اور میٹھی میٹھی باتوں سے وہ دلوں پر قبضہ کر لیتی ہے۔ یہ تعریف سن کر لڑکیوں نے حسن کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ہمیں لے چل اور دکھا۔ وہ گرتا پڑتا انہیں لے گیا اور اس کمرے کو کھولا جس میں شہزادی تھی اور آگے آگے اس میں داخل ہوا۔ جب ان کی نظر اس پر پڑی او انہوں نے دیکھا کہ وہ کیسی حسین ہے تو وہ اس کے آگے زمین چومنے لگیں اور اس کی ظاہری اور باطنی خوبصورتی پر متعجب ہوئیں اور اسے سلام کرکے کہا کہ اے بڑے بادشاہ کی بیٹی! یہ عجیب بات ہے لیکن اگر تو اس انسان کی تعریف عورتوں سے سنے تو عمر بھر تعجب کرے۔ وہ تجھ سے بے حد محبت کرتا ہے لیکن اے شہزادی! وہ کوئی بری حرکت نہیں کرنا چاہتا بلکہ حلال طریقے سے تیرا طالب ہے۔ اگر ہمیں معلوم

ہوتا کہ لڑکیاں مردوں سے مستغنی ہیں تو ہم اسے باز رکھتے۔ بجائے اس کے وہ تیرے پاس کوئی قاصد بھیجے' وہ خود آیا ہے۔ اس نے ہم سے کہا ہے کہ اس نے پروں کا لباس جلا دیا ورنہ وہ ہم اس سے لے لیتے۔اب ان میں سے ایک لڑکی شہزادی کی مرضی سے اس کی وکیل بن گئی اور اس کا نکاح حسن سے کرا دیا۔ حسن نے اس سے مصافحہ کیا اور انہوں نے شہزادیوں کی خلق کے موافق جشن منایا۔ اب اسے اس سے اور زیادہ محبت ہو گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو بانوے ویں رات

جب سات سو بانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اعلیٰ حضرت جب تخت کی رات ختم ہوئی اور صبح کو دولہا دلہن دونوں خوش خوش اٹھے تو حسن کی محبت پہلے سے دوبالا تھی۔ وہ اپنے حجلہ عروسی سے نکلا تو شہزادی کی تعریف میں اشعار پڑھتا ہوا۔ لڑکیاں تو دروازے پر ہی کھڑی تھیں۔ اشعار سن کر کہنے لگیں کہ اے شہزادی! سن کہ یہ انسان تیری تعریف کس طرح شعر میں کرتا ہے۔ شہزادی یہ سن کر باغ باغ ہو گئی۔ حسن نے چالیس دن اس کے ساتھ بڑے مزے سے گزارے اور لڑکیاں روز اس کی دعوتیں کرتیں۔ اس کو نئے نئے تحفے دیتیں اور وہ ان کے درمیان بڑا خوش و خرم رہتا۔ شہزادی بھی ان کے ساتھ رہ کر اتنی خوش ہوئی کہ اپنے لوگوں کو بھول گئی۔

چالیس دن کے بعد حسن نے خواب میں اپنی ماں کو دیکھا۔ کہ وہ اس کے لئے غمگین ہے' اس کی ہڈیاں نکل آئی ہیں اور بدن گھل گیا ہے اور حال سے بے حال ہو گئی ہے لیکن وہ خود بڑی اچھی حالت میں ہے۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر ماں نے کہا کہ اے حسن! میرے بیٹے' تو دنیا کے عیش میں پڑ کر مجھے کیوں بھول گیا؟ دیکھ تیرے پیچھے میرا کیا حال ہوا ہے' میں تجھے بھولی نہیں اور مرتے دم تک میری زبان تیرا ذکر نہ چھوڑے گی۔ میں نے گھر میں تیری قبر بنا رکھی ہے تاکہ تجھے کبھی نہ بھولوں۔ کاش میں اتنے دنوں زندہ رہوں کہ تجھے اپنے پاس دیکھ لوں اور ہم پہلے کی طرح مل جائیں!" آنکھ کھلی تو آنسو اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ وہ بے حد غمگین تھا' ماں کی یاد اسے تڑپا رہی تھی۔ لاکھ کروٹیں بدلیں' پھر بھی نیند نہ آئی۔ جب سویرا ہوا تو لڑکیاں دستور کے موافق اس کے پاس آئیں اور اسے صبح بخیر کہا اور حسب معمول اس سے مذاق کرنے لگیں۔ لیکن وہ بالکل متوجہ نہ ہوا۔ انہوں نے اس کی بیوی سے

پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس کی حالت پوچھ۔ وہ اس کے پاس گئی اور کہا کہ اے میرے شوہر! خیریت تو ہے؟ اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر اس سے اپنا خواب بیان کر دیا۔ بیوی نے ان سے وہ باتیں کہہ دیں جو اس نے کہی تھیں۔ یہ سن کر لڑکیوں کو اس کے حال پر ترس آ گیا۔ انہوں نے کہا کہ بسم اللہ چل ہم تجھے ماں کی زیارت سے روک نہیں سکتے' بلکہ جس طرح ہم سے ہو سکے گا تیری مدد کریں گے تا کہ تو اپنی ماں سے ملے۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تو ہم سے بھی ملتا رہے۔ خواہ سال میں ایک بار ہی کیوں نہ ہو۔ بالکل ہم میں جدائی نہ ہو جائے۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں پر۔ لڑکیوں نے فوراً اٹھ کر راہ کا توشہ اس کے لئے تیار کیا اور اس کی دلہن کو گہنوں اور پوشاکوں میں ایسی ایسی بیش بہا چیزوں کا جہیز دیا جس کی تعریف نہیں ہو سکتی اور حسن کو ایسے ایسے تحفے تحائف دیئے جنہیں لکھنے سے قلم عاجز ہے۔

اس کے بعد انہوں نے طبلہ بجایا اور ہر طرف سے اونٹنیاں آ پہنچیں۔ ان میں سے انہوں نے اتنی اونٹنیاں چن لیں جو سارا جہیز لے جا سکیں۔ اب انہوں نے لڑکی اور حسن کو سوار کیا اور ان کے ساتھ پچیس تخت سونے کے اور پچاس چاندی کے کر دیئے اور تین دن تک ان کے ساتھ گئیں اور تین مہینے کی راہ طے کی۔ اس کے بعد انہوں نے دونوں کو رخصت کرکے لوٹنے کا قصد کیا۔ لیکن اس کی چھوٹی بہن اس کے گلے لپٹ کر اتنی روئی کہ اسے غش آ گیا۔ جب اسے پھر ہوش آیا تو وہ اس سے رخصت ہوئی اور اس سے تاکید کر دی کہ جب تجھے ماں سے مل کر تسلی ہو جائے تو ہر چھٹے مہینے مجھ سے ملنے ضرور آئیو اور اس سے یہ بھی کہا کہ جب تجھے کوئی خطرناک بات پیش آئے اور تجھے اس سے ڈر لگے تو مجوسی کا طبلہ بجائیو تو یہی اونٹنیاں حاضر ہو جائیں گی اور تو ان پر سوار ہو کر ہمارے پاس آجائیو۔ حسن نے اس کی قسم کھا لی اور انہیں قسم دی کہ وہ لوٹ جائیں۔ وہ اس سے رخصت ہو کر لوٹ گئیں لیکن اس کی جدائی پر

بے حد غمگین تھیں اور سب سے زیادہ غم اس کی چھوٹی بہن کو تھا' اسے بالکل قرار اور چین نہ آتا تھا بلکہ وہ دن رات روتی رہتی۔

یہ تو لڑکیوں کا قصہ ہوا۔ اب حسن کا ماجرا سنو۔ وہ دن رات اپنی بیوی کے ساتھ جنگل' بیابان اور گھاٹیاں اور پہاڑیاں طے کرتا صحیح و سلامت بصرے پہنچ گیا اور وہاں سے روانہ ہو کر اونٹنیوں کو اپنے گھر کے دروازے پر لا بٹھایا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھولنے ہی والا تھا کہ اس نے سنا کہ اس کی ماں زخمی دل سے آہستہ آہستہ رو رہی ہے۔ ماں کو روتے سن کر حسن بھی رونے پیٹنے لگا اور زور سے دروازے پر دستک دی ماں نے پوچھا کہ دروازے پر کون ہے؟ اس نے کہا کہ کھول تو سہی۔ ماں دروازہ کھول کر اسے دیکھنے لگی اور پہچان کر بے ہوش گئی۔ حسن اسے پیار کرنے لگا' یہاں تک کہ اسے ہوش آیا اور دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگا لیا اور ماں اسے بوسے دینے لگی۔ اس کے بعد حسن اپنا سارا ساز و سامان مکان کے اندر لانے لگا اور لڑکی کھڑی اسے اور اس کی ماں کو دیکھتی رہی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو ترانوے ویں رات

جب سات سو اترانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- حسن اور اس کی ماں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور ماں نے کہا بیٹا! عجمی کے ساتھ تیری کیسی گزری؟ وہ بولا کہ اماں وہ عجمی تو مجوسی نکلا جو خدا کو چھوڑ کر آگ کی پرستش کرتا تھا۔ یہ کہہ کر اس نے اس کی ساری حرکتیں بیان کیں کہ اس نے مجھے لے جا کر اونٹ کی کھال میں بند کیا اور اسے سی دیا' چڑیاں مجھے وہاں سے اٹھا لے گئیں اور پہاڑ کے اوپر جا کر اتار دیا۔ پہاڑ پر میں نے بہت سے انسانوں کی لاشیں دیکھیں جن سے مجوسی اپنا مقصد پورا کرتا اور پھر انہیں وہیں پہاڑ پر پڑا رہنے دیتا۔ وہاں سے میں سمندر میں کود پڑا اور خدا نے مجھے صحیح و سلامت لڑکیوں کے محل تک پہنچا دیا اور ایک لڑکی نے مجھے بھائی بنا لیا اور میں انہی لڑکیوں کے پاس رہ پڑا۔ اس کے بعد پھر وہ مجوسی وہاں پہنچا اور میں‌نے اسے قتل کر دیا' پھر مجھے اس لڑکی سے عشق ہو گیا اور میں نے اسے پکڑ لیا اور پھر یہ واقعات پیش آئے یہاں تک کہ اب ہم پھر ملے گئے۔

ماں اس کی سرگزشت سن کر حیران ہو گئی اور اس کی سلامتی پر خدا کا شکر بجا لائی اور جا کر سامان دیکھا اور بیٹے سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جب اس نے بتایا کہ ان میں کیا ہے تو ماں بہت خوش ہوئی اور لڑکی کے پاس چلی گئی تاکہ اس سے ملے۔ جونہی اسکی نظر لڑکی کے چہرے پر پڑی تو اس کا حسن دیکھ کر ہوش جاتے رہے۔ نہال ہو گئی۔اس کی آنکھ' ناک' قد و قامت بہت پسند آیا۔ اس نے کہا کہ بیٹا خدا کا شکر ہے کہ تو خیرت سے رہا اور خیریت سے لوٹ آیا۔ اس کے بعد وہ لڑکی کے پاس جا بیٹھی اور پیار کی باتیں کرکے اس کا دل بہلانے لگی۔ دوسرے دن صبح کو وہ بازار جا کر دس جوڑے پوشاک کے خرید لائی جن سے بہتر شہر میں نہ تھے اور قالین خریدے اور لڑکی کو پوشاک پہنائی اور خوبصورت گہنوں سے اسے آراستہ کیا۔ پھر وہ اپنے بیٹے

کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ بیٹا! ہم لوگ اتنے مال و دولت کے ساتھ اس شہر میں نہیں رہ سکتے۔ ہم غریب ہیں' لوگ ہم پر کیمیاگری کا الزام لگائیں گے۔ چل ہم چل کر دارالسلام بغداد میں رہیں جو خلافت کی جگہ ہے اور تو وہاں دکان میں بیٹھ کر خرید و فروخت کیجیو اور خدا سے ڈر کررہیو' وہ اس مال میں تجھے برکت دے گا۔

حسن کو اپنی ماں کی رائے ٹھیک معلوم ہوئی اور وہ فوراً اس کے پاس سے اٹھا اور جا کر مکان کو فروخت کر دیا اور اونٹنیوں پر سارا مال متاع لادا اور اپنی ماں اور بیوی کو سوار کرکے چل دیا اور چلتے چلتے دجلے پر پہنچا او ایک کشتی کو بغداد کے لئے کرائے پر لیا اورسارا مال اور سامان اس میں رکھ کر ماں اور بیوی کو اس میں بٹھا دیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ ہوا موافق تھی' کشتی دس دن میں بغداد پہنچ گئی۔ وہاں پہنچ کر وہ سب بہت خوش ہوئے۔ جب کشتی شہر کے اندر داخل ہوئی تو وہ شہر میں اتر پڑے اور ایک سرائے میں ایک کوٹھڑی کرائے پر لی اور کشتی میں سے سارا سامان لاد کر اس میں رکھ دیا۔

سرائے میں اتر کر ایک رات آرام کیا۔ جب سویرا ہوا تو اس نے اپنے کپڑے بدلے اور دلال نے اسے دیکھ کر پوچھا کہ تجھے کس چیز کی ضرورت ہے؟ اس نے کہا کہ میں ایک مکان چاہتا ہوں جو خوبصورت اور بڑا ہو۔ دلال نے اسے تمام مکان دکھائے جو اس کے پاس تھے اور حسن کو ان میں سے ایک گھر پسند آیا جو کسی وزیر کا تھا۔ اس نے اسے ایک لاکھ دینار میں خرید کر اس کی قیمت ادا کر دی۔ اس کے بعد وہ اس سرائے میں آیا جہاں اترا تھا اور وہاں سے سارا مال اور سامان منتقل کر دیا اور پھر بازار جا کر گھر کے لئے ضروری برتن اور فرش وغیرہ خریدا۔ غلام مول لئے' منجملہ ان کے اندر کے لئے ایک غلام بچہ' یہاں اس نے اطمینان سے اپنی بیوی کے ساتھ تین سال تک نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کی اور بیوی سے اس کے دو لڑکے ہوئے جن میں سے ایک کا نام اس نے ناصر رکھا اور دوسرے کا منصور۔

اس مدت کے بعد اسے اپنی بہنوں کی یاد آئی اور یہ سوچ کر کہ ان کا کتنا احسان اس پر ہے۔ اور انھوں نے کس طرح اس کا مقصد حاصل کرنے میں اس کی مدد کی ہے۔

وہ انہیں دیکھنے کا مشتاق ہو گیا اور شہر کے بازار میں جا کر ان کے لئے کچھ گہنے اور عمدہ عمدہ کپڑے اور میوے خریدے جو انہوں نے کبھی نہ دیکھے ہوں گے بلکہ انہیں جانتی تک نہ ہوں گی۔ ماں نے ان تحفوں کے خریدنے کا سب پوچھا اس نے کہا کہ میں اپنی بہنوں کے پاس جانے کا ارادہ رکھتا ہوں' جنہوں نے مجھ پر ہر طرح کا احسان کیا ہے اور جو روزی آج مجھے مل رہی ہے' انہی کی عنایت اور احسان کی بدولت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ انہیں جا کر دیکھوں اور اگر خدا کو منظور ہے تو جلد لوٹ آؤں گا۔ ماں بولی کہ بیٹا' دیر نہ کیجیو۔ اس نے کہا اماں تجھے ایک بات جتانی چاہتا ہوں۔ سن جو صندوق زمین میں دفن ہے اس میں اس کا پروں کا لباس ہے اسے حفاظت سے رکھیو تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اسے پہن کر اڑ جائے اور اپنے بیٹوں کو ساتھ لیتی جائے اور مجھے ان کا پتہ نہ چلے اور میں ان کی وجہ سے مارے غم کے مر جاؤں۔ اماں! خبردار اس سے اس کا ذکر مت کیجیو اور سن' وہ جنوں کے ایک بادشاہ کی بیٹی ہے کوئی جن بادشاہ نہ اس سے بڑا ہے' اور نہ ہی کسی کے پاس اس سے زیادہ لشکر اور مال و دولت ہے اور سن وہ اپنی قوم کی سردار ہے اور اپنے باپ کی سب سے زیادہ چہیتی ہے۔ وہ بڑی خوددار ہے' اس کی خدمت خود اپنے ہاتھ سے کیجیو اور اسے نہ گھر سے نکلنے دیجیو اور نہ کھڑکی یا دیوار سے جھانکنے دیجیو کیونکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں اسے ہوا نہ لگ جائے۔ اگر اس کا ذرا بال بھی بیکا ہوا تو میں جان دے دوں گا۔ ماں نے کہا کہ بیٹا خدا نہ کرے کہ میں تیرے کہنے کے خلاف کروں۔ کیا میں پاگل ہو گئی ہوں کہ تیرا کہنا نہ مانوں۔ بیٹا تو بے دھڑک سفر پر جا اور خدا نے چاہا تو جب تو لوٹ کر آئے گا' سب خیریت ہو گی اور تو اسے دیکھے گا اور وہ تجھ سے کہے کہ میں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا لیکن بیٹا آنے جانے میں زیادہ دیر نہ ٹھہریو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- سات سو چورانوے ویں رات

جب سات سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- حسن نے چلتے وقت ماں کو بیوی کے بارے میں سارا دستور العمل بتا دیا۔ خدا کا کرنا کہ اس

کی بیوی وہ تمام باتیں سن رہی تھی جو اس نے ماں سے کیں مگر ماں بیٹوں کو اس کی خبر تک نہ تھی۔ اس کے بعد حسن اٹھ کر روانہ ہو گیا اور شہر کے بیچ میں پہنچ کر طبلہ بجایا اور اونٹنیاں آ پہنچیں۔ ان پر اس نے عراق کے تحفوں کے بیس گٹھے لادے اور ماں اور بیوی بچوں سے رخصت ہوا۔ ایک لڑکے کی عمر ایک سال کی تھی اور دوسرے کی دو سال کی۔ اس کے بعد وہ پھر ماں کے پاس گیا اور اسے دوبارہ وہی باتیں سمجھا کر سوار ہو گیا اور اپنی بہنوں کی طرف چل دیا اور دس روز تک دن رات گھاٹیوں اور پہاڑوں اور میدانوں اور پتھریلی زمین پر چلنے کے بعد گیارہویں روز محل میں پہنچ کر بہنوں سے ملا اور جو وہ لایا تھا' انہیں پیش کیا۔ لڑکیاں اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی۔ اس کی چھوٹی بہن نے محل کو اندر اور باہر سے آراستہ کیا' سوغاتیں لیں اور اسے پرانے دستور کے موافق ایک کمرے میں اتارا اور اس کی ماں اور بیوی کی خیریت پوچھی۔ اس نے کہا کہ بیوی سے میرے دو بیٹے پیدا ہوئے ہیں۔ اس کی چھوٹی بہن یہ دیکھ کر کہ وہ خوش اور بہ خیریت ہے' بہت خوش ہوئی اور وہ ان کے ساتھ تین مہینے تک دعوتیں کھاتا اور خوشیاں مناتا اور سیر و شکار میں مشغول رہا۔

یہ تو اس کا قصہ ہوا۔ اب اس کی ماں اور بیوی کی داستان سنو۔ حسن کے چلے جانے کے بعد اس کی بیوی دو روز تو اس کی ماں کے ساتھ چپ چاپ ٹھہری رہی لیکن تیسرے روز اس نے کہا کہ سبحان اللہ میں تین سال سے اس کے ساتھ ہوں' مگر آج تک حمام جانا نصیب نہیں ہوا اور رونے لگی۔ ماں کو اس کی حالت پر ترس آیا اور کہنے لگی

کہ بیٹی! ہم لوگ اس جگہ پردیسی ہیں اور تیرا شوہر شہر کے باہر گیا ہوا ہے' اگر وہ یہاں موجود ہوتا تو تیری خدمت کے لئے حاضر تھا۔ میرا تو حال یہ ہے کہ میں یہاں کسی کو بھی نہیں جانتی بیٹی میں پانی گرم کرکے تیرا سر یہیں گھر کے حمام میں دھلائے دیتی ہوں۔ وہ بولی اے میری آقا! اگر تو کسی باندی سے بھی یہ بات کہتی تو وہ ہرگز تیرے پاس نہ ٹھہرتی بلکہ تجھے مجبور کر دیتی کہ تو اسے بازار لے جا کر بیچ ڈالے۔ اے میری آقا! مرد تو اپنی غیرت کی وجہ سے مجبور ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر عورت گھر سے باہر گئی تو وہ ضرور عصمت فروشی کرے گی لیکن اے میری آقا! تمام عورتیں ایک سی نہیں ہوتیں اور تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اگر عورت کوئی کام کرنا چاہے تو کوئی اسے منع نہیں کر سکتا۔ نہ روک سکتاہے' نہ بچا سکتا ہے' نہ وہ حمام جانے سے رک سکتی ہے نہ کسی اور کام سے بلکہ جو وہ چاہے کر گزرتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ رونے اور اپنے آپ کو کوسنے اور اپنی غربت پر افسوس کرنے لگی۔ یہ حالت دیکھ کر ساس کو اس پر ترس آگیا' سمجھ گئی کہ وہ ٹھیک کہتی ہے اور اس نے حمام کی ضروری چیزیں تیار کیں اور بہو کو لے کر حمام گئی۔ جب وہ حمام میں داخل ہوئی اور کپڑے اتارے تو تمام عورتیں اسے دیکھنے' خدا کی پاکی بیان کرنے اور سوچنے لگیں کہ خدا نے یہ کیسی حسین صورت بنائی ہے! جو عورت بھی حمام کے پاس سے گزرتی' اندر جا کر تماشا دیکھتی۔ اس طرح سارے شہر میں یہ خبر پھیل گئی عورتوں کے ٹھٹ لگ گئے راستہ رک گیا۔

اتفاق کی بات ہے کہ اس روز امیر المومنین ہارون الرشید کی ایک کنیز بھی ادھر سے گزری جس کا نام تحفتہ العوادہ تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ ہزاروں آدمی کھڑے ہیں' حمام آنے جانے کا راستہ بند ہے تو اس کا سبب پوچھا لوگوں نے لڑکی کا ذکر کیا۔ کنیز اس کے پاس گئی اور اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر ہوش اڑ گئے۔ خدا کی پاکی بیان کرنے لگی۔ اس نے کیسی کیسی صورتیں بنائی ہیں۔ اتنے میں لڑکی غسل میں مصروف

ہو گئی جب وہ نہا چکی اور باہر نکل کر کپڑے پہنے تو اس کا حسن اور دوبالا ہو گیا۔ تھوڑی دیر وہ مسند پر بیٹھی۔ عورتیں برابر اسے دیکھا کیں' پھر وہ ان کی طرف دیکھتی

ہوئی چل دی۔ خلیفہ کی کنیز تحفتہ العوادہ اس کے ساتھ ساتھ چلی اور اس کا گھر دیکھ کر خلیفہ کے محل کو لوٹ گئی اور شہزادی زبیدہ کے پاس پہنچ کر اس کے آگے زمین چومی۔ شہزادی زبیدہ نے کہا اے تحفہ تجھے حمام میں اتنی دیر کیوں لگی؟ اس نے کہا اے میری آقا! میں نے ایک عجوبہ دیکھا ہے جس کی مثال نہ مردوں میں پائی جاتی ہے نہ عورتوں میں۔ اس میں' میں اتنی مشغول اور حیران رہی کہ میں نے سر تک نہیں دھویا۔ زبیدہ بولی اے تحفہ وہ کیا؟ کنیز نے جواب دیا اے میری آقا! میں نے حمام میں ایک لڑکی دیکھی جس کے ساتھ چاند جیسے دو چھوٹے چھوٹے بچے تھے جس کی نظیر نہ پہلے کسی نے دیکھی ہو گی اور نہ آئندہ کبھی کوئی دیکھے گا۔ اس کی شکل و صورت کی مثال تمام دنیا میں موجود نہیں۔ اے میری آقا! تیرے احسانوں کی قسم اگر امیرالمومنین کو اس کی خبر ہو جائے تو وہ اس کے شوہر کو قتل کر کے اسے چھین لے کیونکہ اس جیسی دنیا میں کوئی عورت نہیں۔ میں نے اس کے شوہر کے متعلق بھی پوچھا ہے' وہ ایک تاجر ہے جس کا نام حسن بصری ہے۔ جب تک وہ حمام سے نکل کر اپنے گھر نہ پہنچ گئی میں اس کے پیچھے پیچھے لگی رہی اور میں نے دیکھا کہ وہ اس گھر میں رہتی ہے جو وزیر کا ہے اور جس کے دو دروازے ہیں۔ ایک سمندر کی طرف اور دوسرا خشکی کی طرف۔ اے میری آقا میں ڈرتی ہوں کہ اگر امیر المومنین کے کانوں تک یہ خبر پہنچ گئی تو کہیں وہ شرع کے خلاف اس کے شوہر کو قتل کر کے اس سے شادی نہ کر لے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## سات سو پچانوے ویں رات

سات سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ کنیز سے لڑکی کی تعریف سن کر شہزادی زبیدہ نے کہا کہ دور ہو' کیا وہ ایسی خوبصورت ہے

کہ امیرالمومنین اپنے دین کودنیا کے ساتھ بیچ ڈالے اور اس کے پیچھے شرع کی مخالفت کرے! خدا کی قسم میں اس لڑکی کو دیکھنا چاہتی ہوں اور اگر وہ ایسی نہ ہوئی جیسا تو کہتی ہے تو میں تیری گردن مار دوں گی۔ چھوکری سال میں تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں اور امیرالمومنین کے محل میں اتنی ہی کنیزیں ہیں کیا ان میں سے کسی میں وہ خوبیاں نہیں جو اس میں ہیں۔ کنیز بولی اے میری مالکہ! خدا کی قسم نہیں۔ نہ کل بغداد میں اس کی مثال ہے اور نہ عجم و عرب میں بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ خدا نے اس کی مثال پیدا ہی نہیں کی۔

یہ سن کر شہزادی زبیدہ نے مسرور کو بلایا۔ مسرور نے آ کر اس کے آگے زمین چومی۔ زبیدہ نے کہا کہ اے مسرور! وزیر کے اس گھر کو جا جس کے دو دروازے ہیں۔ ایک سمندر کی طرف دوسرا خشکی پر اور فوراً اس لڑکی کو جو وہاں ہے مع اس کے دونوں بچوں اور بڑھیا کے' لے آ' دیر نہ کر۔ مسرور حکم پاتے ہی وہاں سے روانہ ہو کر مکان کے دروازے پر پہنچا اوردستک دی۔ حسن کی بڑھیا ماں نے پوچھا کہ دروازے پر کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ امیرالمومنین کا غلام مسرور۔ بڑھیا نے پوچھا کہ کیا چاہتا ہے؟ مسرور نے کہا کہ قاسم کی بیٹی اور نبی کے چچا عباس کی اولاد کے ساتویں خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی شہزادی زبیدہ نے تجھے' تیری بہو اور اس کے بچوں کو بلایا ہے کیونکہ عورتوں نے اس کے آگے تیری بہو اور اس کے حسن کی تعریف کی ہے۔ حسن کی ماں بولی کہ اے مسرور! ہم پردیسی ہیں اور لڑکی کا شوہر جو میرا بیٹا ہے' یہاں موجود نہیں

ہے اس کا حکم ہے کہ نہ میں اور نہ اس کی بیوی گھر سے نکل کر کسی شخص کے پاس جائے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی بات پیش آئی تو میرا بیٹا اپنی جان دے دے گا۔ اے مسرور! تیری مہربانی ہو گی اگر تو ہم سے کوئی ایسی بات نہ کرے جس کی ہم میں طاقت نہیں۔ مسرور نے کہا اے میری آقا! اگر میں جانتا کہ اس میں تیرے لئے کوئی اندیشہ ہے تو تجھے ہرگز تکلیف نہ دیتا۔ شہزادی زبیدہ بس اتنا چاہتی ہے کہ اسے دیکھ لے' اس کے بعد وہ واپس چلی آئے۔ اس کی مخالفت نہ کر ورنہ پچھتائے گی میں تمہیں جس طرح لے جاؤں گا اگر خدا کو منظور ہے تو اسی طرح واپس پہنچا جاؤں گا۔

حسن کی ماں سے مسرور کی مخالفت بن نہ پڑی اور اس نے اندر جا کر لڑکی کو بنایا سنوارا اور پھر وہ سب مسرور کے پیچھے پیچھے خلیفہ کے محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ مسرور نے انہیں اندر لے جا کر شہزادی زبیدہ کے آگے کھڑا کر دیا۔ انہوں نے زبیدہ کے آگے زمین چومی اور اسے دعا دی لیکن لڑکی نے اپنا منہ نہ کھولا۔ زبیدہ نے کہا ذرا اپنا منہ تو کھول کہ میں دیکھوں۔ لڑکی نے زمین چوم کر اپنا منہ کھول دیا جسے دیکھ کر آسمان پر چاند شرما جائے۔ زبیدہ کی نظر جب اس پر پڑی تو وہ دیکھتی کی دیکھتی ہی رہ گئی۔ اس کے نور اور چہرے کی روشنی سے محل چمک اٹھا۔ زبیدہ اس کا حسن دیکھ کر دنگ ہو گئی اور یہی حال سارے محل والوں کا ہوا۔ جو اسے دیکھتا' حواس باختہ ہو جاتا اور اس کے منہ سے بات تک نہ نکلتی۔ اب شہزادی زبیدہ اٹھ کھڑی ہوئی' لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر سینے سے لگا لیا' اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور حکم دیا کہ محل میں لے جایا جائے۔ اس کے بعد اس نے ایک نہایت شاندار جوڑا اور بہترین جواہرات کا ایک ہار منگوا کر اسے پہنایا اور کہا اے حسینوں کی سرتاج تو مجھے پسند ہے' تو نے میری آنکھیں ٹھنڈی کر دیں' تیرے پاس کون سی عمدہ چیز ہے؟ لڑکی بولی اے میری آقا' میرے پاس پروں کا ایک ایسا لباس ہے کہ اگر میں اسے تیرے سامنے پہنوں تو اس کی کاریگری پر تجھے تعجب ہو گا اور جو کوئی اسے دیکھے گا اس کا ذکر نسل در نسل کرتا رہے گا۔ زبیدہ

نے پوچھا' وہ تیرا لباس کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ میری ساس کے پاس ہے' اس سے مانگ لے۔
شہزادی زبیدہ نے کہا اے میری ماں! تجھے میری جان کی قسم! جا کر اس کا پروں کا لباس

لے آ تا کہ ہم اس کا تماشہ دیکھیں' پھر تو اسے لے جائیو۔ بڑھیا بولی اے میری آقا یہ جھوٹی ہے کبھی تو نے کسی عورت کے پاس پروں کا لباس بھی دیکھا ہے! وہ تو محض چڑیوں کی پوشاک ہے۔ لڑکی نے شہزادی زبیدہ سے کہا کہ اے میری آقا! تیری جان کی قسم میرا پروں کا لباس اس کے پاس ہے اور وہ گھر کی ایک کوٹھڑی میں دفن ہے۔

شہزادی زبیدہ نے اپنے گلے سے ہیروں کا ایک ہار اتارا جو کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کے برابر ہو گا اور کہنے لگی اے میری والدہ یہ لے...... یہ کہہ کر اس نے اسے وہ ہار دیا اور کہا کہ میری جان کی قسم جا کر وہ لباس لے آ۔ جب ہم اسے دیکھ لیں تو پھر لے جائیو۔ بڑھیا نے قسم کھائی کہ میں نے وہ لباس کبھی نہیں دیکھا ہے اور نہ میں یہ جانتی ہوں کہ وہ کہاں ہے۔ شہزادی زبیدہ نے اسے ڈانٹا اور اس سے کنجیاں لے لیں اور مسرور کو آواز دی۔ وہ حاضر ہوا تو زبیدہ نے کہا یہ کنجیاں لے اور اس کے گھر جا کر اسے کھول اور اس کوٹھڑی میں داخل ہو جس کا دروازہ اس طرح کا ہے۔ اس کے بیچ میں ایک صندوق ہے اسے توڑ کر اس میں جو پروں کا لباس ہے' اسے میرے پاس لے آ۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چھیانوے ویں رات

سات سو چھیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ زبیدہ نے مسرور کو حکم دیا کہ جا کر اس کا لباس لے آ۔ اور وہ شہزادی زبیدہ کے ہاتھ سے کنجیاں لے کر چل دیا۔ حسن کی ماں بھی روتی پیٹتی اس کے ساتھ ہو لی۔ وہ پشیمان تھی کہ لڑکی کا کہنا مان کر اسے حمام کیوں لے گئی۔ لڑکی کا حمام جانے کا ارادہ محض ایک فریب تھا۔ اتنے میں گھر آ گیا بڑھیا اور مسرور اندر گئے' کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اس میں داخل ہوئے۔ مسرور نے صندوق کھول کر اس میں سے پروں کا لباس نکالا اور اسے ایک رومال میں لپیٹ کر شہزادی زبیدہ کے پاس لے آیا۔ زبیدہ نے اسے ملاحظہ کیا اور اس کی کاریگری پر تعجب کرنے لگی۔ پھر اسے لڑکی کو دے کر کہا کہ کیا یہی تیرا پروں کا لباس ہے! وہ بولی ہاں میری آقا! ہاں۔ اور خوش خوش ہاتھ بڑھا کر اسے لے لیا اور الٹ پلٹ کر دیکھا کہ وہ پہلے کی طرح مکمل ہے اور اس کا ایک پر بھی ضائع نہیں ہوا۔ اپنا ہر طرح سے اطمینان کرکے وہ شہزادی زبیدہ کے پاس سے اٹھی اور لباس کو لے کر کھولا اور بچوں کو گود میں لے کر اسے پہن لیا۔ خدا کی قدرت سے وہ چڑیا بن گئی۔ زبیدہ اور تمام حاضرین تعجب کرنے لگے۔ سب کو اچنبھا تھا اب لڑکی مٹکنے' چلنے اور ناچنے کودنے لگی۔ لوگ اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے اور تعجب کرتے۔ لڑکی نے پوچھا اے میری آقا! کیوں یہ خوب صورت ہے نا؟ حاضرین نے کہا اے حسینوں کی سرتاج! بہت خوبصورت۔ لڑکی بولی اے میری آقا! جو کچھ میں کروں گی وہ اس سے بھی زیادہ نیا کرشمہ ہو گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے پر کھولے اور اپنے بیٹوں کو لے کر اڑ گئی اور اڑ کر گنبد پر بیٹھ گئی۔ لوگ اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے اور کہتے کہ خدا کی قسم یہ عجیب و غریب کاریگری ہے۔ ایسی بات ہم نے آج تک

نہیں دیکھی۔

اب لڑکی چاہتی تھی کہ اڑ کر اپنے وطن چلی جائے لیکن اسے حسن کی یاد آ گئی وہ رونے لگی۔ شہزادی زبیدہ نے کہا اے حسینوں کی سرتاج' اتر کر ہمارے پاس آ تاکہ ہم تیرا حسن دیکھ کر خوش ہوں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے تجھے فصاحت اور حسن دونوں عطا کئے۔ لڑکی نے جواب دیا کہ کہیں کوئی جا کر بھی آیا ہے۔ اس کے بعد اس نے حسن کی ماں سے کہا جو بیچاری غمگین کھڑی تھی۔ کہ اے میری آقا! اے حسن کی ماں! واللہ تجھ پر مجھے ترس آتا ہے جب تیرا بیٹا لوٹ کر آئے جدائی کے دن اس پر کٹھن گزریں اسے مجھ سے ملنے کی تمنا ہو' محبت اور عشق کی ہوا کے جھونکے چلنے لگیں تو وہ میرے پاس جزائر واق میں آ جائے۔ یہ کہہ کر وہ مع اپنے بچوں کے اڑی اور اپنے وطن کی طرف چل دی۔ یہ دیکھ کر حسن کی ماں رونے اور اپنا منہ پیٹنے لگی اور اتنی آہ و بکا کی کہ اسے غش آ گیا۔ ہوش آیا تو شہزادی زبیدہ نے کہا' اے میری پردیسن' مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایسا ہو گا۔ اگر تو مجھے پہلے سے بتا دیتی تو میں تجھ سے ضد نہ کرتی۔ میں یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اڑنے والے جنوں میں سے ہے۔ اگر مجھے یہ حال معلوم ہوتا تو میں اسے کبھی وہ لباس نہ پہننے دیتی اور نہ اسے بچوں کو لے جانے دیتی۔ بہرحال اے میری آقا! مجھے معاف کر دے۔ بڑھیا کے لئے اس کے سوا اور چارہ ہی کیا تھا اس نے کہا میں تجھے معاف کرتی ہوں اور یہ کہہ کر وہ محل سے نکلی' اپنے گھر پہنچی اور اپنے منہ پر اتنے طمانچے مارے کہ بے ہوش ہو گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ اس لڑکی اور اس کے بچوں پر افسوس اور اپنے بیٹے کی تمنا کرنے لگی۔ اس نے گھر کے اندر تین قبریں کھودیں۔ ان پر بیٹھ کر دن رات رویا کرتی بیٹے کو گئے جتنا عرصہ گزرا جاتا' اتنا ہی اس کے دل میں فکر اور رنج بڑھتا جاتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو ستانوے ویں رات

سات سو ستانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- حسن کی ماں کا حال تو یہ رہا' اب اس کے بیٹے حسن کا ماجرا سنو' جب وہ لڑکیوں کے پاس پہنچا تو انھوں نے اسے قسم دی کہ تین مہینے ٹھہرے۔ تین مہینے کے بعد انھوں نے اس کے لئے مال کے دس گٹھڑ تیار کئے - پانچ سونے اور پانچ چاندی کے اور ایک اونٹ پر کھانے پینے کا سامان ساتھ کر دیا اور اس کے ساتھ چلنے لگیں لیکن اس نے انہیں قسم دی کہ لوٹ جائیں اور وہ اسے رخصت کرنے کی غرض سے گلے ملنے لگیں۔ چھوٹی لڑکی بڑھ کر اس کے گلے سے لپٹ گئی اوراتنا روئی کہ اسے غش آ گیا۔ پھر دوسری' پھر تیسری' پھر چوتھی' پھر پانچویں' پھر چھٹی' پھر ساتویں ایک ایک کرکے اس کے گلے ملیں اور حسن ان سے رخصت ہوتے وقت اتنا رویا کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔ بالآخر وہ چل دیا اور دن رات چلتے چلتے بغداد پہنچا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس کے جانے کے بعد کیا حادثہ پیش آیا ہے۔ جب وہ گھر کے اندر گیا اور چاہتا تھا کہ اپنی ماں کو سلام کرے تو اس نے دیکھا کہ رونے پیٹنے اور جاگنے کی وجہ سے ماں کا جسم گھل گیا ہے اور اس کی ہڈیاں نکل آئی ہیں۔ وہ سوکھ کر تنکا سا ہو گئی ہے۔ اس کے منہ سے بات تک نہیں نکلتی۔ اونٹنیوں کو ایک جگہ کھڑا کرکے وہ ماں کی طرف بڑھا اور پوچھا کہ میرے بیوی بچے کہاں ہیں؟ یہ سن کر ماں اتنی روئی کہ بے ہوش ہو گئی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر حسن اٹھا اور بیوی بچوں کو ڈھونڈنے لگا لیکن ان کا کہیں پتا نہ چلا۔ اس کے بعد وہ کوٹھڑی میں جا کر تلاش کرنے لگا' دیکھا کہ کوٹھڑی بھی کھلی پڑی ہے اور صندوق بھی۔ لباس غائب ہے۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ بیوی اپنے پروں کے لباس کو لے کر اڑ گئی اور بچوں کو اپنے ساتھ لیتی گئی۔

کوٹھڑی سے نکل کر حسن اپنی ماں کے پاس آیا دیکھا کہ وہ ہوش میں آ گئی ہے۔ اس نے پوچھا کہ میرے بیوی بچے کہاں ہیں؟ ماں نے رو کر کہا۔ بیٹا خدا ان کے بارے میں تجھے بڑا اجر دے! یہ ان تینوں کی قبریں ہیں۔ اپنی ماں کی زبان سے یہ سن کر حسن نے زور سے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا۔ صبح سے ظہر تک اسی طرح پڑا رہا۔ ماں کو اور غم پر غم ہوا اور وہ اس کے جینے سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ جب حسن کو پھر ہوش آیا تو وہ منہ پر طمانچے مارنے اور کپڑے پھاڑنے اور گھر میں پاگلوں کی طرح پھرنے لگا۔ تلوار کھینچ کرماں کے پاس آیا اور کہنے لگا اگر تو نے ٹھیک نہ بتایا تو میں تیری بھی گردن اڑا دوں گا اور اپنے آپ کو بھی مار ڈالوں گا۔ وہ بولی بیٹا! ایسا نہ کر میں ابھی بتائے دیتی ہوں' تلوار کو میان میں ڈال لے اور بیٹھ کر سارا ماجرا سن۔ جب اس نے تلوار میان میں کرلی اور ماں کے پاس بیٹھ گیا تو اس نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا اور کہا بیٹا اگر میں حمام کے بارے میں اسے روتا نہ دیکھتی اور مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تیرے آنے پر وہ شکایت کرے گی اور تو مجھ پر ناراض ہو گا تو میں کبھی اسے حمام نہ لے جاتی اور اگر شہزادی زبیدہ ناراض ہو کر مجھ سے زبردستی کنجی نہ لے لیتی تو میں ہرگز لباس نہ نکالتی خواہ مر ہی کیوں نہ جاتی۔ بیٹا تو جانتا ہے کہ کسی کا ہاتھ خلیفہ کے ہاتھ سے زیادہ لمبا نہیں۔ جب اسے لباس مل گیا تو اس نے اسے لے کر الٹا پلٹا اور یہ سوچنے لگی کہ اس میں سے کوئی چیز جاتی تو نہیں رہی لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ مکمل ہے تو وہ خوش ہو گئی' بچوں کو اپنی کمر سے باندھا اور پروں کا لباس پہن لیا کیونکہ اس سے پہلے شہزادی زبیدہ اس کی عزت احترام اور خوبصورتی دیکھنے کی خاطر اس کے سارے کپڑے اتروا چکی تھی۔ پروں کا لباس پہنتے ہی اسے جھرجھری سی آئی اور وہ چڑیا بن گئی اور محل کے اندر ادھرادھر پھدکنے لگی۔ لوگ اسے دیکھنے اور اس کے حسن و جمال پر تعجب کرنے لگے۔ اس کے بعد وہ اڑ کر محل کے اوپر جا بیٹھی اور میری طرف دیکھ کر کہنے لگی' اگر تیرا بیٹا آئے اور

جدائی کی راتیں اس پر کٹھن گزریں' اسے مجھ سے ملنے کی خواہش ہو اور محبت اور تمناؤں کی ہوائیں چلنے لگیں تو وہ اپنا وطن چھوڑ کر جزائر واق آ جائے۔ یہ ہیں وہ باتیں جو اس نے تیرے پیچھے کیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اٹھانوے ویں رات

سات سو اٹھانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- اپنی ماں کی باتیں سن کر حسن نے زور سے چیخ ماری اور بے ہو ش ہو گیا اور شام تک بے ہوش پڑا رہا۔ ماں اس کے سرہانے بیٹھی آدھی رات تک روتی رہی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ پانچ دن تک یہی حالت رہی کہ وہ گھر میں سر ٹکراتا' روتا' پیٹتا اور ٹھنڈے سانس بھرتا' نہ کھاتا نہ پیتا' ماں اسے برابر قسمیں دیتی کہ رونا بند کردے مگر وہ اس کی بات نہ سنتا اور برابر روتا' پیٹتا رہتا' ماں اسے تسلی دیتی مگر وہ نہ مانتا۔ اسی طرح ایک بار وہ رات بھر روتا رہا۔ جب صبح کو اس کی آنکھ جھپک گئی تو اس نے خواب میں اپنی بیوی کو دیکھا کہ وہ غمگین ہے اور رو رہی ہے' اس پر وہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھا۔ دن نکلا تو اس کا رونا' پیٹنا اور زیادہ ہو گیا۔ پورے ایک مہینے تک وہ غمگین روتا رہا۔ رات بھر جاگتا رہتا اور بہت کم کھاتا پیتا۔ مہینہ ختم ہونے پر اسے خیال آیا کہ بہنوں کے پاس چلنا چاہئے تاکہ وہ اس کی مطلب براری میں مددگار ہوں۔ یہ ارادہ کرکے اس نے اونٹنیوں کو بلایا۔ پچاس کے اوپر عراق کے تحفے لادے اور ایک اپنی سواری کے لئے رکھ لی۔ پھر گھر کو ماں کے سپرد کرکے اپنی بہنوں کی طرف روانہ ہو گیا کہ شاید ان کی کوشش سے اس کی بیوی مل جائے اور چلتے چلتے لڑکیوں کے محل میں پہنچ گیا جو جبل السحاب میں تھا۔

بہنوں کے پاس پہنچ کر حسن نے انہیں تحفے دیئے وہ خوش ہو گئیں اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دینے لگیں اور کہا کہ بھائی تو اتنی جلدی کیوں لوٹ آیا؟ ابھی تو تجھے گئے دو مہینے بھی نہیں ہوئے یہ سن کر اس نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا۔ لڑکیاں اس کے اردگرد بیٹھ کررونے لگیں۔ کئی بار اسے ہوش آیا اور پھر بے ہوش ہو گیا۔

اس کی بہن نکل کر اس کے پاس آئی اور یہ دیکھ کر کہ وہ بے ہوش پڑا ہے چیخنے اور منہ پیٹنے لگی۔ یہ سن کر اس کی دوسری بہنیں بھی نکل آئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ حسن پر غشی طاری ہے تو وہ بھی اس کے اردگرد بیٹھ کر رونے لگیں۔ مگر اسے دیکھ کر ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یہ ساری مصیبت محبت اور عشق' شوق اور تمنا کی لائی ہوئی ہے۔ جب انہوں نے ماجرا پوچھا تو اس نے رو رو کر بیان کیا کہ میری غیر موجودگی میں میری بیوی اپنے بچوں کو لے کر اڑ گئی ہے۔

انہیں اس پر بڑا افسوس ہوا اور انہوں نے پوچھا کہ جاتے وقت اس نے کیا کہا تھا؟ حسن نے کہا بہنو! اس نے میری ماں سے کہا تھا کہ اپنے بیٹے سے کہہ دیجیو کہ اگر جدائی کی راتیں اس کے لئے کٹھن ہو جائیں اور وہ میرے ملنے کا مشتاق ہو' محبت اور تمنا زور کرے تو وہ میرے پاس جزائر واق میں آ جائے۔ اس کی باتیں سن کر وہ سر ہلانے لگیں اور سوچ میں پڑ گئیں۔ حسن نے دیکھا کہ وہ ایک دوسری کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ تھوڑی دیر سر جھکائے رہیں پھر سر اٹھا کر انہوں نے کہا کہ "لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔" اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا' اگر وہ آسمان تک پہنچ گیا تو تیری بیوی مل جائے گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## سات سو نناوے ویں رات

سات سو نناوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب لڑکیوں نے حسن سے کہا کہ اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا اگر وہ آسمان تک پہنچ گیا تو تجھے بیوی بچے مل جائیں گے تو اس کے آنسو مینہ کی طرح اس کے رخساروں پر بہنے لگے۔ یہاں تک کہ اس کے کپڑے بھیگ گئے۔ اسے روتا دیکھ کر لڑکیاں بھی رونے لگیں۔ انہیں اس پر ترس بھی آنے لگا اور رشک بھی۔ وہ اس کے ساتھ نرمی سے باتیں کرتیں' صبر دلاتیں اور دعا کرتیں کہ اس کے چہیتے اسے مل جائیں۔ اب اس کی ایک بہن نے آگے بڑھ کر کہا بھائی! اگر تو اطمینان رکھے گا اور صبر سے کام لے گا تو تیری مراد بر آئے گی۔ جو صبر اور انتظار کرتا ہے اس کی تمنا بر آتی ہے کیونکہ صبر خوشی کی کنجی ہے۔ اپنا دل مضبوط اور ارادہ پکا رکھ۔ دس برس والا نویں برس میں نہیں مرتا ہے۔ غم اور رنج سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ہمارے ہاں ٹھہر کر آرام کر۔ میں کوئی نہ کوئی تدبیر نکال کرخدا نے چاہا تو تیرے بیوی بچوں سے ملا دوں گی۔ حسن بلک بلک کر رونے لگا اور اپنی بہن کے پاس بیٹھ گیا بہن اس سے باتیں کرتی' اسے تسلی دیتی اور پوچھتی کہ وہ کس وجہ سے اڑ گئی ہے۔ وہ اس کی وجہ بتاتا۔ اس نے کہا بھائی! میں تجھ سے کہنے والی تھی کہ پروں کو آگ لگا دے لیکن شیطان نے مجھے بھلا دیا۔ جب اس کی بہن نے دیکھا کہ وہ محبت اور عشق کا مارا ہے تو وہ روتی ہوئی دوسری بہنوں کے پاس گئی اور نڈھال ہو کر ان پر گر پڑی۔ ان کے قدم چومنے لگی اور ان سے کہا کہ میرے بھائی کی مدد کرو تاکہ اس کے بچے بیوی اسے مل جائیں اور انہیں قسم دی کہ کوئی نہ کوئی تدبیر نکال کر اسے جزائر واق پہنچا دو۔ یہ کہہ کر وہ اپنی بہنوں کے آگے اتنا روئی کہ وہ بھی رونے لگیں اور انہوں نے کہا کہ اطمینان رکھ' ہم کوشش کریں گے اور اگر خدا نے چاہا تو اسے اس کی بیوی سے ملا دیں گے حسن

ان کے ساتھ ایک سال تک رہا اور ایک روز بھی اس کے آنسو نہ تھمے۔

اس کی بہنوں کا عبدالقدوس نامی ایک سگا چچا تھا۔ اسے اپنی بڑی بھتیجی سے بہت محبت تھی۔ وہ ہر سال ایک بار آتا اور جو اسے ضرورت ہوتی' پورا کردیتا۔ لڑکیوں نے اس مرتبہ اس سے حسن کا قصہ بھی بیان کیا تھا اور یہ کہ اس مجوسی کے ساتھ کیا پیش آیا اور اس نے اسے کس طرح قتل کیا۔ چچا نے یہ کہانی سنی تو بہت خوش ہوا اور اس نے بڑی لڑکی کو ایک تھیلا دے کر جس میں خوشبوئیں تھیں کہا کہ بھتیجی' اگر تجھے کوئی مشکل پیش آئے یا تکلیف ہو یا کسی قسم کی ضرورت پڑے تو ان خوشبوؤں کو آگ میں ڈال کر میرا نام لیجیو' میں فوراً آ کر تیری حاجت پوری کر دوں گا۔ یہ باتیں سال کے پہلے روز ہوئی تھیں۔ اب لڑکی نے اپنی بہن سے کہا کہ سال پورا ہو گیا ہے اور چچا نہیں آیا جا کر خوشبوؤں کی تھیلی لے آ اور چقماتی سے آگ جلا۔

لڑکی خوش خوش اٹھی اور خوشبوؤں کی تھیلی لا کر اسے کھولا اوراس میں تھوڑی خوشبوئیں نکال کر اپنی بہن کو دے دیں۔ اس نے انہیں آگ میں ڈال دیا اور اپنے چچا کا نام لینے لگی۔ ابھی خوشبو جل بھی نہیں چکی تھیں کہ گھاٹی کی طرف سے ایک گرد اٹھی اور تھوڑی دیر کے بعد اس میں سے ایک ہاتھی چنگھاڑتا ہوا اور اس پر ایک بوڑھا سوار دکھائی دیا جونہی لڑکیوں کی نظر اس پر پڑی انہوں نے دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے ان کی طرف اشارہ کررہا ہے چند لمحے نہ گزرنے پائے تھے کہ وہ ان کے پاس پہنچ گیا انہوں نے اس کے ہاتھ چومے اور سلام کیا۔ پھر وہ بیٹھ گیا اور لڑکیاں اس سے باتیں کرنے اور اس کے نہ آنے کا سبب پوچھنے لگیں۔ اس نے کہا کہ ابھی میں اور تمہاری چچی بیٹھے ہی ہوئے تھے کہ مجھے خوشبو آئی اور میں اس ہاتھی پر سوار ہو کر آ پہنچا۔ اے میری بھتیجی! تم لوگوں کو کیا ضرورت پیش آئی؟ اس نے کہا چچا! تجھے دیکھنے کا ہمیں بہت زیادہ اشتیاق تھا۔ کیونکہ سال گزر چکا ہے اور تو کبھی ایک سال سے زیادہ غائب نہیں رہتا۔ اس نے کہا میں کام میں لگا ہوا تھا اور کل تمہارے پاس آنے

کا ارادہ کر رہا تھا۔ لڑکیوں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اسے دعا دی اور اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو ویں رات

آٹھ سو ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب لڑکیاں بیٹھ کر اپنے چچا سے باتیں کرنے لگیں تو بڑی نے کہا چچا! ہم نے تجھے حسن بصری کا قصہ تو سنایا ہے جسے مجوسی لایا تھا اور جس نے اسے قتل کیا ہے اور ملک اکبر کی بیٹی کا ماجرا بھی بیان کیا ہے کہ کیسی کیسی مصیبتیں اور تکلیفیں جھیل کر اس نے اسے پکڑا' اس سے نکاح کیا اور پھر وہ اسے لے کر اپنے وطن گیا؟ چچا بولا ہاں' پھر کیا ہوا؟ لڑکی نے کہا کہ اس کی اس بیوی سے دو بچے ہوئے اور پھر اس کی غیر موجودگی میں لڑکی نے اس کے ساتھ بے وفائی کی بچوں کو لے کر اپنے وطن چلی گئی اور چلتے چلتے اس کی ماں سے یہ کہتی گئی کہ اگر اسے مجھ سے ملنے کی تمنا ہو تو وہ میرے پاس جزائر واق میں آ جائے۔ چچا اپنا سر ہلانے اور دانتوں سے انگلیاں کاٹنے لگا۔ پھر سر نیچا کرکے اپنی انگلی سے زمین پر لکیریں کھینچیں۔

اس کے بعد وہ پھر اپنا سر ہلانے لگا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا' حسن اس کی نظروں سے پوشیدہ اسے دیکھ رہا تھا۔ لڑکیوں نے چچا سے کہا ہمیں جواب دے کیونکہ ہمارا دل پھٹا جا رہا ہے۔ اس نے ان کی طرف سر ہلا کر کہا کہ اے میری بیٹیو! اس شخص نے بے کار ہی اپنی جان جوکھوں میں ڈال رکھی ہے اور مفت میں خطرناک چیزوں کا سامنا کر رہا ہے۔ کیونکہ جزائر واق تک اس کا پہنچنا ناممکن ہے۔ لڑکیوں نے حسن کو آواز دی۔ وہ نکل آیا اور شیخ عبدالقدوس کی طرف بڑھ کر اس کا ہاتھ چوما' اسے سلام کیا۔ شیخ نے خوش ہو کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا لڑکیوں نے چچا سے کہا جو کچھ تو نے ہم سے کہا ہے ہمارے بھائی سے بھی تفصیل کے ساتھ بیان کر دے۔ شیخ' حسن سے مخاطب ہو کر بولا بیٹا! اس سخت تکلیف اور عذاب میں اپنی جان نہ ڈال۔ جزائر واق تک تیرا پہنچنا ناممکن ہے۔ خواہ تیرے قبضے میں اڑنے والے جن اور چلنے والے ستارے ہی کیوں

نہ ہوں۔ کیونکہ تیرے اور ان کے جزیروں کے درمیان سات گھاٹیاں' سات بڑے پہاڑ اور سات سمندر ہیں تو اس جگہ کیسے پہنچ سکتا ہے اور تجھے وہاں کون پہنچا سکتا ہے' خدا کے لئے فوراً لوٹ جا اور اس بکھیڑے میں نہ پڑ۔

شیخ عبدالقدوس کی یہ باتیں سن کر حسن اتنا رویا کہ بے ہوش ہو گیا۔ لڑکیاں بھی اس کے آس پاس بیٹھ کر رونے لگیں۔ چھوٹی لڑکی نے تو اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اتنا منہ پیٹا کہ غش کھا کر گر پڑی۔ ان کے رنج و غم کو دیکھ کر شیخ عبدالقدوس کو ترس آ گیا۔ اس کا دل کڑھنے لگا اور اس نے کہا کہ چپ ہو جاؤ اور حسن کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ غم نہ کر خدا نے چاہا تو تیری مراد بر آئے گی۔اس کے بعد وہ کہنے لگا۔ بیٹا اٹھ اور دل مضبوط کرکے میرے ساتھ چل۔ حسن لڑکیوں سے رخصت ہوا اور دل مضبوط کرکے شیخ کے ہمراہ ہو گیا۔ وہ خوش تھا کہ اب میری مراد بر آئے گی۔ شیخ عبدالقدوس ہاتھی منگوا کر اس پر سوار ہو گیا۔ حسن کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور برابر تین دن اور تین رات بجلی کی طرح چلنے کے بعد ایک بہت بڑے پہاڑ کے پاس پہنچا جو نیلا تھا۔ اس پہاڑ کے بیچ میں ایک کھوہ تھی جس میں چینی لوہے کا دروازہ لگا ہوا تھا۔ شیخ نے حسن کا ہاتھ پکڑ کر اسے ہاتھی پر سے اتارا اور اس کے بعد خود اتر کر ہاتھی کو چلتا کیا اور کھوہ کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا اور اس میں سے دیو کی طرح ایک کالا بھجنگ ننگا غلام نکلا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں تلوار اور بائیں میں فولادی ڈھال تھی۔ شیخ عبدالقدوس کو دیکھتے ہی اس نے تلوار اور ڈھال ہاتھ سے پھینک دی اور شیخ کی طرف بڑھ کر اس کا ہاتھ چوما۔ شیخ' حسن کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا اور غلام نے ان کے پیچھے دروازے میں تالا ڈال دیا۔ حسن نے دیکھا کہ غار بڑا لمبا چوڑا ہے اور اس کی دہلیز ڈاٹ کی ہے۔ ایک میل تک برابر چلنے کے بعد وہ ایک بڑے میدان میں پہنچے جہاں ایک ستون میں پیتل کے ڈھلے ہوئے دو بڑے دروازے لگے ہوئے تھے۔ شیخ عبدالقدوس نے ان میں سے ایک دروازہ کھولا اور حسن سے یہ کہہ کر کہ یہیں دروازہ

پر بیٹھ رہیو خبردار اندر نہ آئیو میں ابھی لوٹ کر آتا ہوں۔ دروازے کے اندر گیا اسے پھر بھیڑ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ ایک گھوڑا لے کرنکلا جس پر زین اور لگام لگی ہوئی تھی۔ وہ گھوڑا ایسا تھا کہ اگر چلتا تو معلوم ہوتا کہ اڑ رہا ہے اور جب وہ اڑتا تو گرد بھی اس تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ شیخ نے اسے حسن کو دے کر کہا کہ سوار ہوجا اب شیخ نے دوسرے دروازہ کھولا اس میں ایک بڑا جنگل دکھائی دیا حسن گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں اس دروازے سے نکل کر جنگل میں داخل ہوگئے۔ شیخ نے حسن سے کہا بیٹا! یہ خط لے اور اس گھوڑے پر سوار ہو جا جہاں تک وہ جائے چلا جا جب تو دیکھے کہ وہ اسی غار کی طرح ایک غار کے دروازے پر ٹھہر گیاہے تو اس کی پیٹھ پر سے اتر کر اور اس کی باگ اس کی زین پر ڈال کر اسے جانے دیجیو وہ اسی غار کے اندر چلا جائے گا لیکن تو اس کے ساتھ نہ جائیو بلکہ پانچ روز تک غار کے دروازے پر ٹھہر رہیو' گھبرائیو نہیں چھٹے دن ایک سیاہ فام بڈھا نکل کر تیرے پاس آئے گا جس کا سیاہ لباس اور سفید داڑھی ناف تک ہو گی اسے دیکھتے ہی اس کے ہاتھ چومیو' اس کا دامن اپنے سر پر رکھیو اور اس کے آگے اتنا روئیو کہ اسے رحم آ جائے۔ وہ تجھ سے پوچھے گا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ جب وہ یہ سوال کرے تو اسے یہ خط دے دیجیو۔ وہ تجھ سے خط لے گا' مگر کوئی بات نہیں کرے گا اور تجھے اکیلا چھوڑ کر اندر چلا جائے گا اور پھرتو اور پانچ روز اطمینان سے رہیو' چھٹے دن اس کی راہ دیکھیو اگر وہ خود نکل کر تیرے پاس آئے تو جان جائیو کہ تیری مراد بر آئی اور اگر اس کا کوئی غلام نکل کر آئے تو سمجھ لیجیو کہ وہ شخص تجھے قتل کر دینا چاہتا ہے اور بس بیٹا تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ جو شخص اپنی جان پر کھیلتا ہے' اسی کا انجام موت ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو کے بعد پہلی رات

آٹھ سو کے بعد پہلی رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- شیخ عبدالقدوس نے کہا کہ جو شخص اپنی جان پر کھیلتا ہے اس کا انجام موت ہے۔ اگر تجھے اپنی جان پیاری ہے تو ہلاکت میں نہ پڑ اور اگر تو مرنے سے نہیں ڈرتا تو بسم اللہ! میں نے ہر بات صاف صاف بتا دی ہے۔ اگر تو اپنی بہنوں کے پاس جانا چاہتا ہے تو یہ ہاتھی حاضر ہے' وہ تجھے میری بھتیجیوں کے پاس پہنچا دے گا۔ پھر وہ تجھے تیرے وطن پہنچا دیں گی اور خدا تجھے اس لڑکی سے بہتر عطا کرے گا جس میں تیرا دل اٹکا ہوا ہے۔ حسن نے شیخ سے کہا جب تک میں اپنی مراد نہ پالوں زندگی میں کیا مزا آئیگا! خدا کی قسم میں لوٹوں گا تو اپنی محبوبہ کو لے کر لوٹوں گا ورنہ یہیں جان دے دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگا' شیخ کو یقین ہو گیا کہ جب تک اس کی مراد نہ بر آئے' وہ نہیں لوٹے گا' کسی کے کہنے سننے کا اس پر اثر نہ ہو گا اور وہ اپنی جان کو ضرور خطرے میں ڈالے گا۔ خواہ جان سے ہاتھ کیوں نہ دھونا پڑے۔ اب اس نے کہا کہ بیٹا سن' جزائر واق سات جزیرے ہیں اور وہاں بہت بڑا لشکر ہے جس میں محض کنواری لڑکیاں ہیں۔ اندرونی' جزائر میں صرف شیطان' جن جادوگر اور بھانت بھانت کے دیو بستے ہیں اور جو کوئی بھی ان کے ملک میں جاتا ہے لوٹ کر نہیں آتا۔ کم از کم اب تک تو کوئی ایسا نہیں کہ جا کر لوٹ آیا ہو۔ خدا کے لئے تو اپنے عزیزوں کے پاس واپس چلا جا۔ تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ جس لڑکی کی تجھے تلاش ہے وہ ان تمام جزیزوں کے بادشاہ کی بیٹی ہے' پھر بھلا اس تک تیری پہنچ کیونکہ ہو سکتی ہے! بیٹا' میری بات مان لے' خدا ضرور اس کے بدلے میں اس سے بہتر دے گا۔ حسن نے کہا اے میرے آقا! میں مرنے سے نہیں ڈرتا' اس کی محبت میری جان کے ساتھ ہے۔ میں جزائر واق میں جا کر اور اپنے بیوی بچوں کو دیکھ کر رہوں گا اور خدا نے چاہا تو بیوی بچوں کو لے کر لوٹوں گا۔

یہ سن کر شیخ عبدالقدوس نے کہا پھر تو بغیر گئے چارہ نہیں۔ حسن بولا' ہاں اور تجھ سے میں محض دعا اور مدد چاہتا ہوں تا کہ خدا مجھے بیوی بچوں سے جلد ملا دے۔ یہ کہہ کر وہ اتنا رویا کہ اسے غش آ گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو شیخ عبدالقدوس نے کہا' بیٹا تیری ایک ماں ہے' اسے موت کا غم نہ دے۔ حسن نے شیخ عبدالقدوس سے کہا' اے میرے آقا! خدا کی قسم یا تو میں اپنی بیوی کو لے کر لوٹوں گا اور یا جان دے دوں گا۔ اس سے زیادہ نہ مجھ میں کچھ کہنے کی تاب ہے نہ سننے کی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ شیخ کو یقین ہو گیا کہ اس پر کسی نصیحت کا اثر نہیں ہو گا۔ اب اس نے وہ خط دے دیا اور اس کے لئے دعا کی' اسے سمجھا دیا کہ اسے ایسا کرنا چاہئے اور کہا کہ میں نے تیرے بارے میں ابوالرویش بن بلقیس بنت معین کو تاکید کے ساتھ لکھ دیا ہے' وہ میرا پیر اور استاد ہے۔ تمام جن وانس اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں۔ اچھا روانہ ہو جا۔ خدا برکت دے! حسن رخصت ہوا اور اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور وہ بجلی سے تیز اڑنے لگا۔ دس دن تک چلنے کے بعد ایک بہت بڑی کالی سی چیز دکھائی دی جو رات سے بھی زیادہ تاریک تھی اور جس نے پورب سے لے کر پچھم تک روک رکھا تھا۔ جب حسن اس کے پاس پہنچا تو اس کا گھوڑا ہنہنانے لگا۔ اس کے ہنہناتے ہی لاکھوں گھوڑے آ پہنچے جن کا گننا ناممکن اور جن سے بچنا محال تھا۔ وہ اپنے جسموں کو اس گھوڑے سے رگڑنے لگے۔ انہیں دیکھ کر حسن ڈر اور سہم گیا۔ حسن چلا جاتا تھا اور گھوڑے اس کے آس پاس تھے۔ یہاں تک کہ وہ اس غار کے قریب جا پہنچا۔ جس کا ذکر شیخ عبدالقدوس نے کیا تھا۔ وہاں پہنچ کر گھوڑا غار کے دروازے پر ٹھہر گیا اور حسن نے اس پر سے اتر کر لگام زین پر ڈال دی۔ گھوڑا غار کے اندر چلا گیا اور حسن دروازے پر کھڑا رہا جس طرح کہ شیخ عبدالقدوس نے کہا تھا کہ سوچنے لگا کہ آخر اس کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

- ## آٹھ سو کے بعد دوسری رات

آٹھ سو کے بعد دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ حسن اسی طرح سے پانچ روز تک دروازے پر کھڑا رہا' نہ اسے نیند آئی نہ آنسو رکے اور نہ دل کی گھبراہٹ کم ہوئی۔ وہ حیران و پریشان تھا کہ اس کے گھروالے' وطن' ساتھی اور دوست سب چھوٹ گئے پھر اسے اپنی ماں یاد آئی۔ پھر وہ اپنی مصیبتوں' بیوی بچوں کی جدائی اور اپنی تکلیفوں کو سوچنے لگا۔ اسی حالت میں تھا کہ شیخ ابوالرویش نکل کر اس کے پاس آیا۔ وہ کالا تھا اور اس کے کپڑے بھی کالے تھے۔ حسن اسے دیکھتے ہی پہچان گیا کیونکہ شیخ عبدالقدوس نے اس کا رنگ روپ بتا دیا تھا۔ حسن فوراً اس کے قدموں پر گر پڑا۔ اپنے رخسار اس کے قدموں سے ملنے لگا۔ اس کا پاؤں اٹھا کر اسے سر پر رکھ لیا' اس کی آنکھوں سے آنسو برابر جاری تھے۔ اس نے حسن سے کہا بیٹا تو کیا چاہتا ہے؟ حسن نے ہاتھ بڑھا کر خط اسے دے دیا اور وہ خط لے کر بے جواب دیئے غار کے اندر چلا گیا۔ شیخ عبدالقدوس کی ہدایت کے مطابق اپنی جگہ دروازے پر کھڑا برابر روتا رہا۔ اس کی گھبراہٹ بڑھتی جاتی تھی اور ڈر زیادہ ہوتا جا رہا تھا۔ نیند بالکل نہ آتی تھی۔ ایک رات جب اسی حالت میں اسے تڑکا ہو گیا تو شیخ ابوالرویش نکل کر اس کے پاس آیا اس وقت وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس نے ہاتھ سے حسن کواشارہ کیا کہ اندر آ' وہ آگے بڑھا' شیخ اس کا ہاتھ پکڑ کر غار کے اندر لے چلا' حسن کا دل اچھلنے لگا' اسے یقین آ گیا کہ اس کی مراد بر آئی۔ آدھے دن تک چلنے کے بعد وہ ایک محراب دار دروازے پر پہنچے جس میں فولاد کے کواڑ لگے ہوئے تھے۔ شیخ نے دروازہ کھولا اور حسن کو لے کر ایک دہلیز میں داخل ہوا جس پر سلیمانی پتھر کی ڈاٹ تھی اور سونے کی مینا کاری' چلتے چلتے وہ ایک بڑے مرمر کے صحن میں پہنچے جس کے بیچ میں ایک باغ تھا جہاں طرح طرح کے درخت' پھول' پھل تھے' چڑیاں درختوں پر بیٹھی چہچہا

رہی تھیں اور زبردست خدا کی پاکی بیان کر رہی تھیں۔
اس صحن میں آمنے سامنے چار چبوترے تھے اور ہر چبوترے پر ایک ایک بیٹھک' جن میں ایک ایک حوض تھا اور ہر حوض کے ستونوں پر سونے کے شیر بنے ہوئے تھے۔ ہر بیٹھک میں ایک ایک کرسی پڑی ہوئی تھی جن پر ایک ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ ہر ایک کے سامنے بہت سی کتابیں تھیں اور سونے کی انگیٹھیاں جن میں انگارے اور خوشبوئیں تھیں شاگرد کتابیں پڑھ رہے تھے جب یہ دونوں ان کے پاس پہنچے تو وہ کھڑے ہو گئے شیخ نے آگے بڑھ کر ان سے اشارے سے کہا کہ حاضرین کو چلتا کرو۔ شاگرد چلے گئے تو وہ چاروں استاد آ کر شیخ ابولرویش کے آگے بیٹھ گئے اور حسن کے متعلق دریافت کرنے لگے۔ شیخ نے حسن کی طرف اشارہ کرکے کہا' ان لوگوں کو اپنا سارا قصہ اور ماجرا شروع سے لے کر آخر تک سنا۔ حسن نے رو رو کر انہیں اپنا سارا قصہ سنا دیا۔ جب حسن سنا چکا تو سب بوڑھوں نے چلا کر کہا یہ تو وہی شخص ہے جسے مجوسی نے اونٹ کی کھال میں سی کر گدھوں کے ذریعے سے جبل السحاب بھیجا تھا۔ حسن بولا ہاں! ان سب نے شیخ ابوالرویش سے مخاطب ہو کر کہا اے شیخ! بہرام نے تو اسے مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں رکھی تھی۔ پھر یہ پہاڑ سے کس طرح نیچے آیا۔ شیخ ابوالرویش نے کہا اے حسن! ان لوگوں سے بیان کر کہ تو نے کیا کیا عجیب باتیں دیکھیں اور کیسے نیچے اتر آیا۔ حسن نے شروع سے لے کر آخر تک سارا حال انہیں سنایا اور یہ بھی بیان کیا کہ مجوسی پھر کس طرح اس کے ہتھے چڑھا اور کیسے اس نے اسے قتل کیا اور کس صورت سے اس دوسرے شخص کو اس نے بہرام کے پنجے سے چھڑایا اور وہ لڑکی اسے کہاں ملی اور پھر وہ اسکے ساتھ بے وفائی کرکے اور بچوں کو لے کر اڑ گئی اور اسے تکلیف اور مصیبت میں چھوڑ گئی۔ اس کی سرگزشت سن کر حاضرین کو تعجب ہوا اور انھوں نے شیخ کی طرف مخاطب ہو کر کہا' اے شیخوں کے شیخ! خدا کی قسم یہ جوان مصیبت زدہ ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ تو اسکی مدد کرکے اس کے بیوی بچوں

کو اس سے ملا دے گا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو تیسری رات

آٹھ سو تیسری رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- انہوں نے شیخ ابوالرویش سے کہا کہ جوان مصیبت زدہ ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ تو اس کی مدد کرکے اس کے بیوی بچوں کو اس سے ملا دے گا۔ شیخ بولا' اے میرے بھائیو! یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے اور سوائے اس جوان کے میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اپنی جان سے تنگ آ چکا ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ جزائر واق تک پہنچنا آسان کام نہیں اور بغیر اپنی جان پر کھیلے کوئی وہاں تک نہیں پہنچا۔ تم جانتے ہو کہ وہ لوگ بڑے قوی ہیں۔ ان کے پاس بہت بڑا لشکر ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ نہ میں خود ان کی زمین پر قدم رکھوں گا نہ ان کی کسی بات میں مداخلت کروں گا۔ پھر یہ جوان ملک اکبر کی بیٹی تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ کس کی مجال ہے کہ اس لڑکی تک اس کو پہنچائے یا اس معاملے میں اس کی کچھ بھی مدد کر سکے۔ وہ بولے' اے شیخ! یہ شخص محبت کا مارا ہے' جان پر کھیل کر آیا ہے اور تیرے بھائی عبدالقدوس کا خط لایاہے' اس لئے اس کی مدد کرنا تجھ پر لازمی ہے۔اب حسن نے اٹھ کر شیخ ابوالرویش کے قدم پکڑ لئے' اس کا دامن لے کر اپنے سر پر رکھا اور رو رو کر کہنے لگا' خدا کے لئے میری بیوی بچوں کو مجھ سے ملا دے۔ خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔اسے روتا دیکھ کر سب حاضرین رونے لگے اور انہوں نے شیخ ابوالرویش سے کہا اس بیچارے کا ثواب غنیمت جان اور اپنے بھائی عبدالقدوس کے طفیل میں اس کے ساتھ بھلائی کر۔ شیخ بولا یہ جوان واقعی بے یارومددگار ہے اور اسے خبر نہیں کہ اس پر کیا کچھ گزرنے والی ہے لیکن خیر جہاں تک ہو سکے گا ہم اس کی مدد کریں گے۔ یہ سن کر حسن خوش ہو گیا' اس کے ہاتھ چومے' دوسرے کے ہاتھوں پر بھی بوسے دیئے اور ان سے مدد کی درخواست کی۔

اب ابوالرویش نے کاغذ اور قلم دوات لے کر ایک خط لکھا اور مہر لگا کر حسن کو دے

دیا۔ پھر اسے چمڑے کی ایک تھیلی دے کر جس میں خوشبوئیں اور آگ جلانے کا سامان مثلاً چقماق وغیرہ تھا کہا کہ اس تھیلی کو حفاظت سے رکھیو۔ جب تجھ پر کوئی مصیبت آئے تو تھوڑی سی خوشبو لے کر جلائیو اور میرا نام لیجیو میں فوراً تیرے پاس آ کر مدد کروں گا۔ بعدازاں اس نے حاضرین میں سے ایک شخص سے کہا کہ اڑنے والے جنوں میں سے ایک دیو لے آئے۔ دیو حاضر ہوا تو شیخ نے پوچھا' تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا تیرا غلام دہنش بن نقطش ہے' ابوالرویش بولا کہ آ۔ وہ پاس آیا تو شیخ ابولرویش نے اپنا منہ اس کے کان کے پاس لے جا کر کچھ کہا اور دیو نے اپنا سر ہلایا۔ اب شیخ نے حسن سے کہا کہ بیٹا' اٹھ کر اس اڑنے والے دیو دہنش پر سوار ہو جا۔ جب وہ تجھے لے کر آسمان پر پہنچے اور تیرے کان میں فرشتوں کی تسبیح کی آواز پہنچے تو تو تسبیح نہ پڑھیو ورنہ تو بھی ہلاک ہو جائے گا اور وہ بھی۔ حسن نے کہا کہ میں ہرگز کچھ نہ کہوں گا۔ شیخ نے کہا اے شیخ! یہ دیو تجھے لے جا کر کل صبح ایک سفید ملک میں اتارے گا جو کافور کی طرح صاف ہو گا۔ جب وہ تجھے وہاں اتار دے تو تنہا روانہ ہو جائیو' دس دن کے بعد تو ایک شہر کے دروازے پر پہنچے گا وہاں پہنچ کر اندر داخل ہو جائیو' بادشاہ کا پتا پوچھیو اور اس سے مل کر اسے سلام کیجیو اور اس کا ہاتھ چومیو اور اسے یہ خط دیجیو۔ وہ جو کچھ اشارے سے کہے' اسے سمجھیو۔ حسن نے کہا کہ سر آنکھوں پر اور جا کر دیو کے پاس کھڑا ہو گیا اور سب بزرگوں نے اسے دعا دی اور دیو سے کہا کہ اس کی نگہبانی کیجیو۔

دیو اسے اپنے کندھے پر بٹھا کر آسمان کی طرف اڑ گیا۔ ایک دن ایک رات اڑتا رہا۔ یہاں تک کہ حسن کو آسمان میں فرشتوں کی تسبیح سنائی دینے لگی۔ دوسرے دن صبح کو دیو نے اسے ایک ملک میں جا اتارا جو کافور کی طرح سفید تھا اور اسے وہاں چھوڑ کر لوٹ گیا۔ جب حسن کو اس بات کا احساس ہوا کہ وہ زمین پر ہے اور اس کے ساتھ کوئی اور نہیں تو وہ برابر دس دن اور دس رات چلتا رہا۔ چلتے چلتے ایک شہر کے دروازے پر پہنچا۔ اندر جا کر اس نے بادشاہ کا پتا پوچھا۔ لوگوں نے اس کا پتا بتایا اور کہا کہ

اس کا نام ملک حسون ہے' وہ ارض کافور کا بادشاہ ہے اور اس کے پاس اتنا لشکر ہے کہ زمین کی لمبائی اور چوڑائی اس سے بھر جائے۔ حسن نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔

بادشاہ نے اجازت دے دی۔ حسن نے دیکھا کہ وہ بہت بڑا بادشاہ ہے۔ اس کے آگے زمین چومی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کس ضرورت سے آیا ہے؟ حسن نے خط کو چوم کر اسے دے دیا۔ اس نے خط پڑھا اور تھوڑی دیر تک سر ہلاتا رہا۔ پھر اپنے ایک مصاحب غلام سے کہا کہ اس جوان کو لے جا کر دارالضیافت میں اتار۔ غلام اسے وہاں لے گیا۔ وہ تین دن تک کھانے میں مشغول رہا' سوائے اس ایک غلام کے اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہ تھا۔ وہی اس سے بات چیت کرتا' اس کا دل بہلاتا' اس کا حال دریافت کرتا اور پوچھتا کہ تو اس ملک میں کس طرح پہنچا۔ اور حسن اس سے بیان کرتا کہ اس پر کیا کیا مصیبتیں گزر چکی ہیں اور اب وہ کن کن بلاؤں میں گرفتار ہے۔

چوتھے روز غلام' حسن کو لے کر بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ نے کہا اے حسن تو میرے پاس اس لئے آیا ہے کہ یہاں سے جزائر واق جائے۔ جیسا کہ شیخ الشیوخ نے ہمیں لکھا ہے۔ بیٹا! اگر تو چاہے تو میں تجھے آج ہی روانہ کر دوں مگر یہ جان لے کہ راہ میں بے حد مخدوش مقامات ہیں اور بڑے بڑے خطرناک بیابان۔ لیکن صبر کر تیرے لئے بھلائی ہو گی اور خدا نے چاہا تو میں کسی نہ کسی تدبیر سے تجھے تیرے مقصد تک پہنچا دوں گا۔ اور بیٹا سن' مدت سے دیلم کا ایک لشکر پڑا ہوا ہے جن کے پاس ہتھیار اور گھوڑے اور جنگی سامان ہے پھر بھی وہ جزائر واق میں داخل نہیں ہو سکتے مگر بیٹا! شیخ الشیوخ ابوالرویش بن بلقیس بنت معین کی خاطر میں تجھے ناکام لوٹا نہیں سکتا۔ عنقریب یہاں جزائر واق سے کشتیاں آئیں گی' ان کے آنے میں اب زیادہ دیر نہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی آ گئی تو میں تجھے اس میں بٹھا کر ملاحوں سے تاکید کر دوں گا کہ وہ تجھے حفاظت کے ساتھ جزائر واق پہنچا دیں۔ اگر کوئی پوچھے تو کہیو کہ میں ارض کافور کے بادشاہ ملک حسون کا داماد ہوں۔ جب کشتی جزائر واق میں لنگر ڈالے اور ناخدا کہے کہ خشکی پر اتر تو اتر پڑیو۔ خشکی پر ہر طرف تجھے چوکیاں ہی چوکیاں پڑی نظر آئیں گی

ان میں سے ایک کے نیچے جا کر بیٹھ جائیو اور ہلیو نہیں۔ جب رات ہو جائے اور تو دیکھے کہ عورتوں کا لشکر آ کر سامان کے اردگرد جمع ہو گیا ہے تو اس چوکی والی کا دامن پکڑ کر جس کے نیچے تو ہو کہیو کہ مجھے پناہ دے اور بیٹا سن اگر اس نے تجھے پناہ دے دی تو جانیو کہ تیری مراد بر آئی اور تیری پہنچ تیرے بیوی بچوں تک ہو جائے گی اور اگر اس نے پناہ نہ دی تو اپنی جان کو رو بیٹھیو' زندگی سے ہاتھ دھو ڈالیو اور موت کا یقین کر لیجئو۔ بیٹا سن! تو اپنی جان کو خود خطرے میں ڈال رہا ہے اور میں اس سے زیادہ تیری مدد نہیں کر سکتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## آٹھ سو چوتھی رات

آٹھ سو چوتھی رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- ملک حسون نے حسن سے کہا کہ اس سے زیادہ میں تیری مدد نہیں کر سکتا اور بیٹا' یہ بھی سن رکھ کہ اگر تجھ پر آسمان کے خدا کی مہربانی نہ ہوئی تو یہاں بھی نہ پہنچ سکتا۔ ملک حسون کی یہ باتیں سن کر حسن رونے لگا اور اتنا رویا کہ اسے غش آ گیا۔ ہوش آیا تو اس نے بادشاہ کے آگے زمین چومی اور کہا اے زبردست بادشاہ! کشتیوں کے آنے میں ابھی کتنا زمانہ باقی ہے؟ اس نے جواب دیا' ایک مہینہ اور ان کا سامان بکنے میں دو مہینے اور لگیں گے' اس کے بعد وہ اپنے گھروں کو واپس جائیں گے لہٰذا کہیں چھ مہینے کے بعد تجھے سفر کی امید ہو سکتی ہے۔ اب بادشاہ نے حسن سے کہا کہ دارالضیافت جا اور حکم دیا کہ اس کے لئے شاہانہ انداز سے کھانے پینے اور پہننے کا سامان مہیا کیا جائے۔

اس طرح سے وہ ایک مہینے تک دارالضیافت میں رہا کیا۔ مہینے گزرنے کے بعد کشتیاں آئیں اور بادشاہ اور تاجر لوگ حسن کو لے کر کشتیوں کے پاس گئے۔ حسن کی نظر ایک کشتی پر پڑی۔ جس میں روڑوں کی طرح لوگ بھرے ہوئے تھے کہ ان کی گنتی محض اس ذات کو معلوم ہو سکتی تھی جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ یہ کشتی بیچ سمندر میں کھڑی تھی اور اس کے ساتھ چھوٹی چھوٹی کشستیاں سامان لے کر خشکی پر اترتی جاتی تھیں۔ حسن ان کے پاس کھڑا رہا' یہاں تک کہ کشتی والوں نے سارا سامان اتار کر خرید و فروخت شروع کر دی اور سفر میں محض تین روز باقی رہ گئے۔

اب بادشاہ نے حسن کو اپنے پاس بلایا اور تمام ضروری چیزیں اس کے لئے مہیا کیں۔ اسے بہت کچھ انعام دیا اور اس کشتی کے ناخدا کو بلا کر کہا کہ اس جوان کو اپنے ساتھ کشتی میں لیتا جا مگر کسی سے اس کا ذکر نہ کیجیو اور اسے جزائر واق پہنچا کر

چھوڑ دیجیو' واپس نہ لائیو۔ ناخدا نے کہا کہ سر آنکھوں پر۔ اس کے بعد اس نے حسن کو یہ مشورہ دیا کہ اپنا حال کشتی والوں سے بالکل نہ کہیو۔ نہ انہیں اپنا قصہ سنائیو ورنہ

تو مارا جائے گا۔ حسن نے بادشاہ کو دعا دی کہ اس کی عمر میں برکت ہو اور اسے حاسدوں اور دشمنوں پر کامیابی ملے۔ بادشاہ نے بھی اسے دعا دی کہ وہ صحیح و سلامت رہے اور اس کی مراد بر آئے۔ یہ کہہ کر اس نے حسن کو ناخدا کے سپرد کر دیا اور ناخدا نے اسے ایک صندوق میں بند کرکے ناؤ پر رکھ دیا اور صندوق کو اس وقت کشتی میں اتارا جب لوگ اپنا سامان چڑھانے میں مشغول تھے۔ اس کے بعد کشتیاں چل دیں اور برابر دس دن تک چلتی رہیں۔ گیارہویں دن جب کہ وہ خشکی پر پہنچے تو ناخدا نے اسے کشتی سے نکالا۔ کشتی سے اتر کر اس نے اتنی چوکیاں خشکی پر پڑی دیکھیں جن کا شمار سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔ چلتے چلتے حسن ایک چوکی کے پاس پہنچا جو لاجواب تھی اور اس کے نیچے جا کر چھپ گیا۔ جب رات ہوئی تو ٹڈیوں کی طرح بے حساب عورتیں آئیں' وہ سب پیدل تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں اور وہ زرہ بکتر میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ تجارت کا سامان دیکھ کر عورتیں اس میں مشغول ہو گئیں اور پھر ستانے کے لئے چوکیوں پر آ بیٹھیں۔ ان میں سے ایک عورت اسی چوکی پر آ بیٹھی۔ جس کے نیچے حسن چھپا ہوا تھا۔ حسن نے اس کا دامن لے کر اپنے سر پر رکھ لیا اور اس کے آگے گر پڑا اور رو رو کر اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔ عورت بولی۔ اے شخص نکل کر کھڑا ہو' کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی تجھے دیکھ لے اور مار ڈالے۔

یہ سن کر حسن چوکی کے نیچے سے نکل آیا اور گھٹنوں کے بل کھڑا ہو کر اس کے ہاتھ چومنے اور کہنے لگا کہ میری آقا! میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اس کے بعد وہ رو رو کر کہنے لگا کہ رحم کر اس شخص پر جو اپنے گھر والوں اور بیوی بچوں سے جدا ہو گیا ہے اور انہی سے ملنے کے لئے نکلا ہے اور اپنی جان پر کھیل رہا ہے۔ رحم کر میرے حال پر اور یقین کر کہ تجھے اس کے بدلے جنت ملے گی اور اگر تو مجھے اپنی پناہ میں

قبول نہیں کرتی تو پردہ پوش خدا کا تجھے واسطہ دیتا ہوں کہ میری پردہ پوشی کر۔ جب حسن اس سے یہ باتیں کر رہا تھا تو تاجر اسے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ جب اس عورت نے حسن کی باتیں سنیں اور اس کی عاجزی دیکھی تو اسے ترس آ گیا۔ اس کا دل پسیج گیا اور وہ سمجھی کہ وہ ضرور کسی دشوار کام کے لئے اس جگہ آیا ہے اور اپنی جان کو خطرے میں ڈالا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے حسن سے کہا' بیٹا پریشان نہ ہو' اطمینان رکھ پہلے کی طرح چوکی کے نیچے چھپ جا اور کل رات تک چھپا رہ' جو خدا کو منظور ہے ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر اس نے حسن کو رخصت کیا اور وہ پہلے کی طرح چوکی کے نیچے چل گیا۔ لشکر والوں نے عود اور عنبر کی شمعیں جلا کر رات گزاری۔

جب سویرا ہوا تو پھر کشتیاں خشکی پر آ گلیں اور تاجر سامان اتارنے لگے۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ حسن پریشان خاطر اور روتا چوکی کے نیچے چھپا بیٹھا رہا۔ اسے کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ غیب میں اس کے لئے کیا پوشیدہ ہے۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ وہی تاجر عورت جس کی پناہ میں حسن تھا' آئی اور ایک زرہ' تلوار' سونے کی پیٹی اور نیزہ دے کر لشکر کے ڈر سے چل دی۔ ان چیزوں کو دیکھ کر حسن سمجھ گیا کہ تاجر عورت نے اسے یہ چیزیں پہننے ہی کے لئے دی ہوں گی۔ اس نے اٹھ کر زرہ پہنی' اور کمر سے پیٹی باندھی' بغل کے نیچے تلوار لگائی اور ہاتھ میں نیزہ لے کر چوکی پر آ بیٹھا۔ زبان سے خدا کی یاد کرنے لگا اور اس سے پردہ پوشی کی درخواست کی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو پانچویں رات

آٹھ سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- حسن نے خدا سے پردہ پوشی کی درخواست کی۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ عورتوں کا لشکر مشعلیں اور فانوس اور شمعیں لئے آ پہنچا۔ حسن اٹھ کر لشکر میں مل گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انہی میں کا ایک ہے۔ جب سویرا ہونے لگا تو حسن ان کے ساتھ ان کے خیموں میں پہنچا۔ وہ سب ایک ایک خیمے میں داخل ہو گئیں۔ حسن بھی ایک خیمے کے اندر چلا گیا اس نے دیکھا کہ وہ اسی عورت کا خیمہ ہے جس سے اس نے پناہ کی درخواست کی تھی۔

جب وہ عورت اندر آئی تو اس نے اپنے ہتھیار کھول دیئے۔ زرہ اور نقاب اتار ڈالی۔ حسن نے بھی اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دیئے اور دیکھا کہ اس کی ساتھن بڑھیا ہے۔ اس کے بال سفید' آنکھیں نیلی اور ناک بڑی ہے۔ شکل چڑیل کی سی ہے جس سے زیادہ بدصورت ہونا ممکن نہیں۔ چیچک داغ منہ ہے' بھنوؤں پر بال نہیں' دانت ٹوٹے ہوئے' رخسار ڈھلے ہوئے' بال سفید ہیں' ناک سے پانی بہہ رہا ہے اور منہ سے رال ٹپک رہی ہے۔ اس کی شکل گنجی قحبہ اور چتکبرے سانپ کی سی ہے۔ حسن کی طرف دیکھ کر بڑھیا کو تعجب ہوا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ آخر یہ شخص یہاں پہنچا کس طرح' کس کشتی میں بیٹھ کر آیا اور کیسے صحیح و سلامت پہنچ گیا؟ اس کے بعد بڑھیا نے اس کا حال پوچھا اور اس کے آنے پر تعجب کیا۔ حسن اٹھ کر اس کے پاؤں سے اپنا چہرہ ملنے لگا اور اتنا رویا کہ بے ہوش ہو گیا۔

جب اسے ہوش آیا تو اس نے بڑھیا کا دامن اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ کبھی روتا اور کبھی دہائی دیتا۔ اس کی دل سوزی' تمنا' تکلیف اور مصیبت دیکھ کر بڑھیا کا دل کڑھنے لگا۔ اس نے کہا تو میری پناہ میں ہے' ڈر نہیں' پھر اس نے حسن کا ماجرا پوچھا۔ حسن

نے شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنایا۔ بڑھیا کو بڑا چنبھا ہوا۔ وہ کہنے لگی تو غم نہ کر' خدا نے چاہا تو تیری مراد بر آئے گی۔ یہ سن کر حسن کی باچھیں کھل گئیں۔

اس کے بعد بڑھیا نے لشکر کے سرداروں کو بلا بھیجا۔ یہ مہینے کا آخری دن تھا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو بڑھیا نے ان سے کہا کہ جا کر لشکر کو حکم دو کہ وہ کل صبح سویرے نکلیں۔ ان میں سے کوئی پیچھے نہ رہے ورنہ جان سے مارا جائے گا۔

انہوں نے کہا سر آنکھوں پر اور باہر جا کر منادی کرا دی کہ سارا لشکر کل سویرے نکلے اور لوٹ کر بڑھیا کو خبر دی۔ حسن جان گیا کہ بڑھیا لشکر کی سردار ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے وہ ان کی حاکم ہے حسن نے تمام دن اپنے ہتھیار نہ کھولے۔ اس بڑھیا کا نام شواہی تھا اور کنیت ام الدواہی' احکام صادر کرتے کرتے صبح ہو گئی اور تمام لشکر باہر نکل آیا مگر بڑھیا اندر ہی رہی۔ جب سارا لشکر باہر آ چکا اور بڑھیا اکیلی رہ گئی تو اس نے حسن سے کہا' بیٹا میرے پاس آ' حسن قریب جا کر سامنے کھڑا ہو گیا۔

بڑھیا اس کی طرف مخاطب ہو کر بولی۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ تو اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر یہاں آیا ہے؟ تو مرنے پر کیوں تلا ہوا ہے؟ اپنا سارا قصہ سچ سچ بتا دے۔ کوئی بات چھپا نہیں' خوف نہ کر' تو میری پناہ میں ہے۔ میں نے تجھے پناہ دی اور تیرے اوپر ترس کھایا ہے۔ اگر تو مجھ سے سچ سچ کہہ دے گا تو میں تیری مطلب بر آری میں تیری مدد کروں گی خواہ اس کے ساتھ جسم و جان کی تباہی کیوں نہ وابستہ ہو۔ اب چونکہ تو میرے پاس پہنچ گیا ہے' تیرا بال بیکا نہ ہو گا اور جزائر واق میں کسی کی یہ مجال نہیں ہو سکتی کہ تیرے اوپر نظر اٹھا سکے۔

یہ سن کر حسن نے اپنی تمام سرگزشت شروع سے لے کر آخر تک سنا دی بیوی اور چڑیوں کا قصہ بھی بیان کیا کہ اس نے اسے کس طرح دس چڑیوں میں سے شکار کر کے اس سے شادی کی پھر اس نے اس کے ساتھ بہت سے دن گزارے۔ دو لڑکے پیدا ہوئے بالآخر اس نے اپنے پروں کے لباس کا پتا لگا لیا اور اپنے بچوں کو لے کر اڑ گئی۔ غرض کہ اس نے پہلے روز سے لے کر اس وقت تک کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس

کی باتیں سن کر بڑھیا نے اپنا سر ہلایا اور کہنے لگی کہ پاک ہے وہ ذات جس نے تجھے صحیح و سلامت رکھا اور یہاں لا کر میرے پاس پہنچا دیا۔ اگر تو کسی اور کے ہتھے چڑھتا تو نہ تیری جان بچتی' نہ تیرا مقصد حاصل ہوتا لیکن تیری نیت کی سچائی' محبت اور بیوی بچوں کی تمنا تجھے تیرے مقصد تک پہنچا دے گی۔ اگر تو اس پر عاشق اور اس کی تمنا میں بے تاب نہ ہوتا تو اپنی جان پر یہ مصیبتیں نہ جھیلتا۔ خدا کا شکر ہے کہ تو صحیح و سلامت بچ گیا اور اب ہمارا فرض ہے کہ تیری حاجت پوری ہونے میں تیری مدد کریں اور خدا نے چاہا تو تیری مراد بر آئے گی۔ لیکن بیٹا! سن تیری بیوی جزائر واق کے ساتویں جزیرے میں ہے اور یہاں سے وہاں تک دن رات چلنے پر سات مہینے کی راہ ہے۔ یہاں سے چل کر ہم پہلے ایک ملک میں پہنچیں گے جس کا نام ارض طیور ہے' وہاں چڑیوں کی آواز اور ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ اتنی زیادہ ہے کہ کوئی ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھ سکتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو چھٹی رات

آٹھ سو چھٹی رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- اس ملک میں چڑیوں کی آواز اور ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ اتنی زیادہ ہے کہ ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھ سکتا۔ اس ملک سے گیارہ دن اور گیارہ رات چلنے کے بعد ہم دوسرے ملک میں پہنچیں گے۔ جس کا نام ارض الوحوش ہے۔ وہاں درندوں' بجوؤں اور وحشی جانوروں کی چیخم دہاڑ' بھیڑیوں کا شور اور شیروں کی ڈکاریں ایسی ہوں گی کہ ہمیں کچھ سنائی نہ دے گا۔ وہاں سے بیس روز چلنے کے بعد ہم ایک اور ملک میں پہنچیں گے جس کا نام ارض الجن ہے۔ اس میں جنات کا شور و غل اور آگ کی لپٹ کی انتہا نہ ہو گی۔ ان کے منہ سے اس قدر انگارے اور دھواں نکلتا ہو گا کہ ہمارا راستہ رک جائے گا اور کان اتنے بہرے ہو جائیں گے اور آنکھیں اس قدر چندھیا جائیں گی کہ نہ ہم سن سکیں گے' نہ دیکھ سکیں گے۔ اگر وہاں کسی نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ہلاک ہو جائے گا اور سوار وہاں اپنا منہ تین دن تک زین پر اوندھا کئے چلتا رہے گا۔ اس کے بعد ہمیں ایک بڑا پہاڑ اور ایک بہتا ہوا دریا ملے گا۔ جو جزائر واق سے ملے ہوئے ہیں۔ اور بیٹا سن! یہ سارا لشکر باکرہ عورتوں کا ہے اور ہماری حکمران ایک عورت ہے جو جزائر واق ہی کے ساتوں جزیروں میں سے ہے اور اگر کوئی سوار بہت تیز چلے تو پورے ایک سال میں ان جزیروں کو طے کر سکتا ہے۔ اس دریا کے کنارے ایک اور پہاڑ ہے جس کا نام جبل واق ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں ایک درخت پیدا ہوتا ہے جس کی شاخیں آدمیوں کے سروں کی سی ہوتی ہیں اور جب ان پر دھوپ پڑتی ہے تو تمام سر چلانے لگتے ہیں اور ان میں سے واق واق سبحان الملک الخلاق کی آوازیں نکلتی ہیں ہم ان کی آوازیں سنتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ دھوپ نکل آئی۔ اسی طرح جب سورج ڈوبنے لگتا ہے تو پھر ان سروں میں سے وہی آواز نکلتی ہے کہ واق واق سبحان الملک

الخلاق اور ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ سورج ڈوب رہا ہے۔ اس وقت کسی مرد کی مجال نہیں ہمارے ہاں ٹھہر سکے یا باہر سے آ کر ہمارے ملک میں داخل ہو۔

اس جگہ سے ملکہ تک جو ہم پر حکومت کرتی ہے' ایک مہینے کی راہ ہے۔ اس ملک کے تمام باشندے اس ملکہ کی رعیت ہیں۔ علاوہ ان کے اس کی رعیت میں جنوں' دیوؤں شیطانوں کے قبیلے بھی ہیں اور اتنے جادوگر ہیں جن کی تعداد سوائے اس ذات کے جس نے انہیں پیدا کیا ہے' کوئی نہیں جان سکتا۔ اگر تجھے اپنی جان کا ڈر لگتا ہو تو میں تجھے کسی کے ساتھ سمندر کے کنارے بھیجے دیتی ہوں اور وہاں ایک شخص کو اپنے ساتھ لاؤں گی جو تجھے کشتی پر بٹھا کر تیرے وطن پہنچا دے گا اور اگر تیرا دل چاہتا ہے کہ ہمارے ساتھ رہے تو میں تجھے منع نہ کروں گی بلکہ تجھے اپنی آنکھوں میں جگہ دوں گی اور خدا نے چاہا تو تیری مراد بر آئے گی۔ اس نے جواب دیا کہ اے میری آقا! جب تک میری بیوی نہ مل جائے یا میری جان نہ چلی جائے میں تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ بڑھیا بولی کہ یہ آسان کام ہے' اطمینان رکھ اور خدا کو منظور ہے تو عنقریب تیرا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ میں ضرور ملکہ کو تیرے حال سے مطلع کروں گی تا کہ وہ تیری مطلب برآری میں مدد کر سکے۔ حسن نے اسے دعا دی' اس کے ہاتھوں اور سر کو بوسہ دیا اور اس کے سلوک اور انتہائی مروت کا شکر گزار ہوا اور اپنا انجام سوچتا ہوا اس کے ساتھ ہو لیا اب بڑھیا کے حکم سے کوچ کا نقارہ بجایا گیا۔ لشکر چل کھڑا ہوا اور حسن اپنی فکروں میں غرق بڑھیا کے ساتھ ہولیا۔ بڑھیا اسے صبر اور تسلی دلانے کی کوشش کرتی مگر نہ اسے افاقہ ہوتا اور نہ وہ بڑھیا کی باتوں کی طرف دھیان دیتا۔

چلتے چلتے ساتوں جزیروں میں سے پہلے جزیرے میں پہنچے جو جزیرہ الطیور تھا۔ اس میں داخل ہوتے ہی حسن کو ایسا معلوم ہوا کہ شور و غل کی وجہ سے دنیا الٹ پلٹ ہوئی جا رہی ہے۔ اس کے سر میں درد ہونے لگا۔ ہوش جاتے رہے اور کان بہرے ہو گئے اور وہ بے حد ڈرنے لگا۔ موت کا یقین آ گیا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر ارض الطیور کا یہ رنگ ہے تو ارض الوحوش کا کیا حال ہو گا! بڑھیا شواہی اس کی یہ کیفیت دیکھ

کر ہنسنے لگی اور کہا بیٹا! اگر پہلے ہی جزیرے میں تیرا یہ حال ہے تو باقی جزیروں میں پہنچ کر تیرے اوپر کیا گزرے گی۔ حسن گڑگڑا کر خدا کے آگے دعا مانگنے لگا کہ خداوند' جس مصیبت میں تو نے مجھے مبتلا کیا ہے' اس میں میری مدد کر اور میری مراد برلا۔ غرض کہ ارض الطیور کو طے کرکے وہ ارض الوحوش میں پہنچے اور پھر اس سے گزرکر ارض الجان میں۔ اسے دیکھ کر حسن ڈر گیا اور اس کے ساتھ وہاں جانے پر پشیمان ہوا لیکن خدا کی مدد مانگ کر ان کے ساتھ چل کھڑا ہوا اور ارض الجان کو طے کرکے دریا پر پہنچ گیا اور لوگوں نے اس اونچے پہاڑ کے نیچے دریا کے کنارے خیمے ڈال دیئے۔ بڑھیا نے حسن کے لئے ایک مرمر کی چوکی بچھوا دی جس میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے اور دریا کے کنارے سرخ سونے کی اینٹیں بچھا دیں۔ حسن ان پر بیٹھ گیا اور بڑھیا نے لشکر کو اس کے سامنے سے گزارا پھر لوگوں نے اس کے اردگرد خیمے لگائے اور ذرا ستا کر کھایا پیا اور آرام سے سو گئے' کیونکہ اب وہ اپنے وطن میں پہنچ گئے تھے۔

حسن نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لی تھی۔ سوائے آنکھوں کے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اتنے میں لڑکیاں حسن کے خیمے کے پاس سے ہو کر گزریں اوراپنے کپڑے اتار کر دریا میں اتر گئیں۔ نہانے اور کھیلنے کودنے لگیں۔ انہیں یہ گمان نہ ہوا کہ کوئی مرد انہیں دیکھ رہا ہے کیونکہ انکے خیال میں وہ کوئی شہزادی تھی۔ حسن نے دیکھا کہ ان کے چہرے چاند کی طرح ہیں اور بال جیسے دن پر رات' وہ سب شہزادیاں تھیں۔ نہر سے نکل کر وہ ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے چودھویں رات کا چاند' لشکر کا لشکر آ کر حسن کے آگے جمع ہو گیا کیونکہ بڑھیا نے منادی کرا دی تھی کہ سب اس کے خیمے کے آگے آ کر جمع ہوں اور کپڑے اتار کر دریا میں اتریں اور نہائیں تا کہ ان میں اس کی بیوی ہو تو وہ پہچان لے۔ بڑھیا ایک ایک جماعت کو اس کے سامنے لاتی اور اس سے پوچھتی لیکن وہ کہتا کہ اے میری آقا! وہ ان میں نہیں ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو ساتویں رات

آٹھ سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب بڑھیا حسن سے پوچھتی تو وہ یہی کہتا کہ اے میری آقا! وہ ان میں نہیں ہے۔ اب سب کے بعد ایک لڑکی آئی جس کے ساتھ دس خواصیں اور تیس لونڈیاں تھیں۔ سب باکرہ اور سب کے سینے ابھرے ہوئے تھے۔ وہ سب اپنے کپڑے اتار کر لڑکی کے ساتھ دریا کے اندر چلی گئیں اور لڑکی ان کے ساتھ اٹکھیلیاں کرنے اور انہیں پانی میں دھکیلنے اور غوطے دینے لگی۔ تھوڑی دیر وہ یہی کرتی رہی' پھر اس دریا میں سے نکل کر وہ سب بیٹھ گئیں۔ لونڈیاں اس کے لئے ریشمی رومال لائیں جن پر سونے کا کام تھا۔ اس نے اپنا بدن پونچھا۔ پھر وہ اس کے لئے جنوں کی کاریگری کے کپڑے اور گہنے لائیں۔ اس نے انہیں پہنا اور اپنی کنیزوں کو لے کر لشکر کے درمیان ناز و انداز سے پھرنے لگیں۔

اسے دیکھ کر حسن کے ہوش اڑ گئے اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ اس چڑیا سے بے حد مشابہ ہے جسے میں نے اپنی بہن لڑکیوں کے محل میں حوض میں دیکھا تھا اور اسی کی طرح یہ بھی اپنی ساتھیوں سے اٹکھیلیاں کرتی تھی۔ بوڑھی بولی' اے حسن! کیا یہ تیری بیوی ہے؟ حسن نے کہا اے میری آقا' تیری جان کی قسم! یہ میری بیوی نہیں بلکہ اسے تو میں نے آج تک دیکھا بھی نہیں' جتنی عورتوں کو میں نے اس جزیرے میں دیکھا ہے ان میں سے ایک میں بھی وہ قد و اعتدال اور حسن و جمال نہیں پایا جاتا۔ بڑھیا نے کہا اس کی تعریف تو کر اور اس کا سارا حلیہ بتا تاکہ میں دیکھوں کہ وہ کون ہے۔ میں جزائر واق کی ہر لڑکی کو جانتی ہوں کیونکہ میں لڑکیوں کے لشکر کی سردار ہوں اور ان کی حکمران ہوں۔ اگر تو مجھ سے تفصیل کے ساتھ بیان کرے گا تو میں اسے پہچان جاؤں گی اور کسی نہ کسی طرح اسے لا موجود کروں گی۔ حسن نے کہا کہ میری بیوی کا چہرہ خوبصورت' قد سڈول اور رخسار چکنے چکنے اور سینہ ابھرا ہوا' آنکھیں

آبی سیال‘ پنڈلیاں موٹی موٹی‘ دانت سفید سفید‘ زبان میٹھی اور انداز دل فریب ہے۔ گویا وہ جھکی ہوئی ٹہنی ہے‘ اس کے ہونٹ گلابی اور پتلے پتلے‘ آنکھیں سرمگیں ہیں۔ اس

کے داہنے رخسار پر ایک تل ہے‘ اس کا چہرہ گول چاند کی طرح چمکتا ہوا ہے‘ اس کی کمر پتلی اور کولہے بھاری ہیں۔ اس کا لعاب بیمار کے لئے شفا ہے گویا وہ کوثر اور سلسبیل ہے۔

بڑھیا بولی کہ کچھ اور تعریف کر‘ خدا تجھے اس کا عشق زیادہ دے۔ حسن بولا‘ اس کی گردن لمبی‘ رخسار لعل کی طرح اور منہ عقیق کی انگوٹھی کا سا‘ اس کے دانت ایسے چمک دار ہیں کہ جام اور صراحی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بڑھیا نے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سر جھکا لیا اور پھر حسن کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔ سبحان اللہ! میں بھی تیرے ساتھ مصیبت میں پھنس گئی۔ اے حسن! کاش میں تجھ سے نہ ملی ہوتی! جس عورت کی تو نے تعریف کی ہے‘ جسے تو اپنی بیوی بتاتا ہے وہ تو ملک اکبر کی بڑی بیٹی ہے جو کل جزائر واق کی حکمران ہے۔ آنکھیں کھول اور اپنے معاملے پر غور کر‘ اگر تو سو رہا ہے تو جاگ جا کیونکہ اس تک ہرگز تیری پہنچ نہیں ہو سکتی اور اگر تو وہاں پہنچ بھی جائے تو تو اسے نہیں پا سکتا کیونکہ تجھ میں اور اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بیٹا تو جلدی سے واپس چلا جا ورنہ ہلاک ہو جائے گا اوراپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ تیری قسمت میں نہیں۔ بڑھیا کو اپنی اور حسن کی جان کے لالے پڑ گئے۔ اس کی باتیں سن کر حسن اتنا رویا کہ اسے غش آ گیا۔ بڑھیا اس کے منہ پر برابر پانی چھڑکتی رہی۔ یہاں تک کہ اسے ہوش آیا‘ مگر بڑھیا کی باتوں سے اسے اتنا رنج و الم ہوا کہ روتے روتے اس کے کپڑے آنسوؤں سے بھیگ گئے اور وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ پھر اس نے بڑھیا سے کہا‘ اے میری آقا! اب یہاں تک پہنچنے کے بعد میں کیسے واپس جا سکتا ہوں! پھر میرا دل بھی گواہی نہیں دیتا کہ تو میرے مطلب برآری میں ناکام رہے گی خاص کر جب کہ تو لڑکیوں کے لشکر کی سردار ہے اور ان کی حاکم۔ بڑھیا بولی‘ بیٹا! خدا کے واسطے تو ان لڑکیوں میں سے ایک لڑکی چن

لے اور میں تیری بیوی کے بدلے اسے تیرے حوالے کر دوں گی‘ ورنہ اگر تو بادشاہوں کے پنجے میں پڑ گیا تو پھر میں کسی تدبیر سے بھی تجھے چھڑا نہیں سکتی۔ خدا کے واسطے تو میرا کہنا مان جا اور کسی دوسری اچھی سے اچھی لڑکی کو اپنی بیوی بنا کر فوراً اپنے وطن کو چل دے۔ ایسا نہ ہو کہ تیرا غم مجھے اٹھانا پڑے۔ تو نے اپنے آپ کو ایسی بڑی بلا اور ہولناک خطرے میں ڈال رکھا ہے کہ کوئی تجھے اس سے چھٹکارا نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر حسن نے سر نیچا کر لیا اور بلک بلک کر رونے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## آٹھ سو آٹھویں رات

آٹھ سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- حسن نے سر نیچا کر لیا اور بلک بلک کر رونے لگا یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گیا' بڑھیا برابر اس کے منہ پر پانی چھڑکتی رہی۔ جب اسے ہوش آیا تو بڑھیا نے اس سے مخاطب ہو کرکہا کہ اے میرے آقا! اپنے وطن لوٹ جا' اگر میں تجھے شہر میں لے گئی تو تیری بھی جان جائے گی اور میری بھی کیونکہ اگر ملکہ کو اس کی خبر ہو گئی تو وہ مجھے برا بھلا کہے گی کہ میں تجھے اس کے ملک میں کیوں لائی؟ آج تک کوئی آدم زاد اس کے جزیروں میں نہیں پہنچا ہے۔ وہ مجھے اس جرم میں قتل کر ڈالے گی کہ میں تجھے اپنے ساتھ لائی اور تجھے ان باکرہ لڑکیوں پر نظر ڈالنے دی جنہیں تو نے دنیا میں دیکھا ہے کیونکہ ابھی تک نہ کسی غیر مرد نے انہیں چھوا ہے' نہ کوئی شوہر ان کے پاس پھٹکا ہے۔ حسن نے قسم کھائی کہ میں نے انہیں بری نظر سے ہرگز نہیں دیکھا۔ بڑھیا بولی بیٹا! بہتر ہے کہ تو اپنے وطن لوٹ جا اور میں تجھے اتنا مال و دولت اور تحفے تحائف دوں گی کہ تجھے کسی عورت کی پروا نہ رہے گی۔ میرا کہنا مان لے اور جانے میں دیر نہ کر اپنی جان پر نہ کھیل بس یہی میری آخری نصیحت ہے۔ بڑھیا کی باتیں سن کر حسن رو پڑا اور اپنا منہ اس کے قدموں سے رگڑنے لگا اور کہا اے میری آقا! مولیٰ اور آنکھ کی روشنی' یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں یہاں تک پہنچ کر بے اسے دیکھے چلا جاؤں' جس کی تمنا میں میں آیا ہوں' اس وقت میں اپنے محبوب کے گھر کے قریب ہوں اور امید ہے کہ اس کا دیدار جلد نصیب ہو اور ممکن ہے کہ وہ مجھے مل بھی جائے۔ بڑھیا کو اس پر رحم آ گیا اور وہ اس کی طرف مخاطب ہو کر اسے دلاسہ دینے لگی اور اس سے کہنے لگی کہ خوش ہو جا اور غم کو اپنے دل سے نکال ڈال۔ خدا کی قسم میں تیری خاطر اپنی جان لڑا دوں گی' تیری مراد برآئے گی یا میری جان جاتی رہے

گی۔ یہ سن کر حسن کی باچھیں کھل گئیں اور وہ شام تک بیٹھا بڑھیا سے باتیں کرتا رہا۔ جب دن چھپ گیا تو سب لڑکیاں چلی گئیں۔ بعض اپنے محل میں جو شہر میں تھا اور بعض نے خیموں میں رات بسر کی۔

اب بڑھیا حسن کو ساتھ لے کر شہر میں گئی اور اسے اکیلا ایک مکان میں اتارا کیونکہ وہ ڈرتی تھی کہ اگر ملکہ کو اس کی خبر ہو گئی تو وہ اسے بھی قتل کر ڈالے گی اور اس کے لانے والے کو بھی۔ بڑھیا خود اس کی خدمت کرتی اور اسے ملک اکبر کے دبدبے سے ڈراتی رہتی جو اس کی بیوی کا باپ تھا اور وہ بڑھیا کے آگے رو رو کر کہتا کہ اے میری آقا! میں نے تو موت پسند کر لی ہے اور دنیا سے بیزار ہو گیا ہوں‘ اگر میں اپنے بیوی بچوں سے نہ مل سکا تو اپنی جان پر کھیل جاؤں گا‘ یا تو میں اپنی مراد پوری کرکے رہوں گا‘ یا جان دے دوں گا‘ بڑھیا سوچ میں پڑ گئی کہ اس کے وصال کی کیا تدبیر نکلے اور اسے اس کی بیوی سے کیونکر ملایا جائے اور ایسے ضدی کا کیا علاج ہو جس نے اپنی جان تباہی میں ڈال رکھی ہے۔ کسی ڈرانے دھمکانے پر بھی اپنے مقصد سے باز نہیں آتا اور اپنی جان کی پروا نہیں کرتا۔ مثل ہے کہ عاشق اس شخص کی بات نہیں سنتا جسے عشق نہ ہو۔ وہ لڑکی اسی جزیرے کی ملکہ تھی جہاں یہ سب آ کر اترے تھے اور اس کا نام نور الہدیٰ تھا۔ اس ملکہ کی سات بہنیں تھیں اور سب کنواری اور اپنے باپ ملک اکبر کے ساتھ رہا کرتیں جو واق کے جزیروں اور ملکوں کا بادشاہ تھا۔ اس بادشاہ کا پایہ تخت اس ملک کا سب سے بڑا شہر تھا جس شہر میں اس وقت حسن تھا۔ اس پر اور اس کے گرد و نواح پر بادشاہ کی بڑی بیٹی نور الہدیٰ کی حکومت تھی۔

جب بڑھیا نے دیکھا کہ حسن اپنے بیوی بچوں سے ملنے کے لئے تڑپ رہا ہے تو وہ نور الہدیٰ کے محل میں جا کر اس سے ملی اور اس کے آگے زمین چومی۔ بڑھیا کا اس پر حق تھا کیونکہ اسی نے بادشاہ کی سب بیٹیوں کی پرورش کی تھی اور سب پر حکم چلاتی تھی۔ اس کی عزت لڑکیاں بھی کرتی تھیں اور بادشاہ بھی۔ جب بڑھیا نور الہدیٰ کے پاس پہنچی تو اس نے اٹھ کر اسے گلے لگایا اور اسے اپنے پاس بٹھا کر سفر کا حال پوچھا۔

بڑھیا نے کہا اے میری آقا! سفر بڑا مبارک رہا اور میں اپنے ساتھ تیرے لئے ایک ہدیہ لائی ہوں جسے ابھی پیش کروں گی۔ یہ کہہ کر بڑھیا بولی اے میری بیٹی! اور دنیا جہان کی ملکہ' میں اپنے ساتھ ایک عجیب و غریب چیز لائی ہوں اور چاہتی ہوں کہ اس سے تجھے مطلع کر دوں تا کہ اس کی حاجت روائی میں مدد کر سکے۔ ملکہ نے پوچھا وہ کیا؟ بڑھیا نے حسن کی کہانی شروع سے لے کر آخر تک سنا دی اور ایسا کانپی جیسے آندھی میں بید' یہاں تک کہ وہ شہزادی کے آگے گر پڑی اور کہنے لگی اے میری آقا! وہ شخص ایک چوکی کے نیچے چھپا بیٹھا تھا۔ اس نے مجھ سے پناہ کی درخواست کی میں نے اسے پناہ دی اور اس کے ہتھیار لگا کراس طرح اپنے ساتھ لڑکیوں کے لشکر کے ہمراہ لے کر شہر میں لائی کہ کسی نے اسے پہچانا تک نہیں۔ میں نے اسے تیرے دبدبے سے بہت ڈرایا' تیری قوت اور طاقت اسے جتلائی لیکن جب میں اسے ڈراتی تو وہ روتا اور کہتا کہ بغیر میری بیوی بچوں کے میرے لئے اور کوئی چارہ نہیں' مر جاؤں گا لیکن خالی ہاتھ لوٹوں گا نہیں۔ وہ اپنی جان پر کھیل کر جزائرِ واق آیا ہے۔ عمر بھر میں نے اس سے زیادہ مضبوط اور قوی دل آدمی نہیں دیکھا۔ اس کے دل میں بے حد عشق سمایا ہوا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو نویں رات

آٹھ سو نویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- بڑھیا نے ملکہ نور الہدیٰ سے حسن کا قصہ سنا کر کہا' میں نے اس سے زیادہ مضبوط اور قوی دل کسی کو نہیں دیکھا۔ اس کے سوا اس کے دل میں بے حد عشق سمایا ہوا ہے۔ ملکہ نے بڑھیا کی باتیں سنیں اور حسن کا ماجرا سنا تو وہ طیش میں آ گئی اور سر نیچا کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے نظر اٹھائی اور بڑھیا کی طرف دیکھ کر کہا' اے منحوس بڑھیا! کیا تیری بدذاتی اس حد تک بڑھ گئی کہ تو مردوں کو جزائر واق میں میرے پاس لاتی ہے اور میرے دبدبے سے بالکل نہیں ڈرتی۔ بادشاہ کے سر کی قسم! اگر میرے اوپر تیری تربیت کا حق نہ ہوتا اور تیری عزت مجھ پر واجب نہ ہوتی تو میں تجھے اور اسے ابھی بری طرح قتل کر دیتی تاکہ اے ملعونہ! آنے جانے والے لوگ عبرت پکڑتے اور کوئی ایسا کام نہ کرتا جیسا کہ تو نے کیا ہے اور جس کی جرات آج تک کسی کو نہیں ہوئی۔ جا اور اسے فوراً لے آ تاکہ میں اسے دیکھوں۔ بڑھیا اس کے پاس سے فوراً روانہ ہو گئی لیکن حیران تھی' اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جائے اور دل میں کہہ رہی تھی کہ یہ ساری بلا جو خدا اس ملکہ کے ہاتھ سے میرے اوپر لا رہا ہے' حسن کی وجہ سے ہے۔ جب وہ حسن کے پاس پہنچی تو اس نے کہا کہ چل ملکہ بلاتی ہیں' تیری زندگی کا آخری دن آ پہنچا ہے۔ حسن اٹھ کر اس کے ساتھ چل کھڑا ہوا لیکن اس کی زبان پر برابر خدا کے نام کی تسبیح تھی اور وہ کہہ رہا تھا کہ خداوند میرے اوپر رحم اور مصیبت میں میری مدد کر۔ بڑھیا حسن کو لئے ہوئے ملکہ نور الہدیٰ کے پاس پہنچ گئی لیکن راہ میں اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ ملکہ کے ساتھ کس طرح سے باتیں کرے۔ جب حسن نور الہدیٰ کے سامنے حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ نقاب ڈالے ہوئے ہے۔ حسن نے اس کے آگے جا کر زمین چومی اور سلام کیا۔

ملکہ نے بڑھیا کی طرف اشارہ کیا کہ حسن سے سوال و جواب کرے۔ بڑھیا نے حسن سے کہا کہ ملکہ تیرے سلام کا جواب دیتی ہے اور پوچھتی ہے کہ تیرا کیا نام ہے' وطن کہاں ہے اور جن بیوی بچوں کی خاطر تو آیا ہے' ان کا کیا نام ہے؟ یہ سن کر اس کا دل مضبوط ہو گیا اور تقدیر نے اس کی مدد کی۔ اس نے جواب دیا اے دنیا جہاں کی ملکہ اورسارے زمانے کی یکتا' میرا نام غمگین حسن ہے' میرا وطن بصرہ ہے۔ اپنی بیوی کانام تو مجھے معلوم نہیں لیکن ایک بیٹے کا نام ناصر اور دوسرے کا منصور ہے۔ اس کا جواب سن کر ملکہ نے کہا کہ وہ کون سی جگہ تھی جہاں سے وہ اپنے بیٹوں کو لے کراڑ گئی؟ حسن نے کہا اے ملکہ! بغداد میں خلیفہ کے محل سے۔ ملکہ نے پوچھا کہ اس نے اڑتے وقت تم میں سے کسی سے کچھ کہا بھی تھا؟ حسن نے جواب دیا کہ وہ میری ماں سے کہہ گئی تھی کہ جب تیرا بیٹا آئے اور جدائی کی وجہ سے اس کے دن کٹھن ہونے لگیں اور اسے میری ملاقات کی تمنا ہو اور اشتیاق حد سے بڑھ جائے تو وہ میرے پاس جزائر واق آ جائے۔ ملکہ نور الہدیٰ نے اپنا سر ہلایا اور کہا کہ اگر وہ تجھے نہ چاہتی ہوتی اور تیرے ملنے کی تمنا اسے نہ ہوتی تو وہ اپنے مکان کا پتا تجھے نہ بتاتی اور تجھے اپنے وطن نہ بلاتی۔ حسن نے کہا کہ اے بادشاہوں کی سرتاج اور ہر امیر و غریب کی حاکم! ساری باتیں میں نے تجھ سے بیان کر دی ہیں اور کوئی راز باقی نہیں رکھا۔ اب میں خدا اور تجھ سے پناہ کی درخواست کرتا ہوں کہ مجھ پر ظلم نہ کر بلکہ رحم کر اور میری وجہ سے اجر اور ثواب حاصل کر' بیوی بچوں سے ملنے میں میری مدد کر اور ان کا دیدار مجھے دکھا دے۔ یہ کہہ کر وہ رونے پیٹنے اور فریاد کرنے لگا۔ ملکہ نور الہدیٰ دیر تک آنکھیں نیچے کئے اپنا سر ہلاتی رہی اور پھر سر اٹھا کر کہنے لگی کہ میں تیرے حال پر رحم کھاتی اور تجھ پر افسوس کرتی ہوں اور میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ اس شہر اور باقی تمام جزیرے کی لڑکیاں تیرے سامنے پیش کروں اور اگر تو نے اپنی بیوی کو پہچان لیا تو اسے تیرے سپرد کر دوں گی اور اگر نہ پہچانا تو تجھے

قتل کر کے اسی بڑھیا کے دروازے پر لٹکا دوں گی۔ حسن نے کہا کہ اے ساری دنیا کی ملکہ! تیری یہ شرط مجھے منظور ہے اور سوائے خدا کے اور کسی میں نہ طاقت ہے نہ

زور۔

اب ملکہ نور الہدیٰ نے حکم صادر کر دیا کہ شہر کی ہر لڑکی محل آ کر اس کے سامنے سے گزرے۔ اور بڑھیا شواہی سے کہا کہ تو خود شہر میں جا کر ہرلڑکی کو میرے پاس محل میں لا' ملکہ لڑکیوں کو سو سو کرکے حسن کے آگے پیش کرتی یہاں تک کہ شہر کی کوئی لڑکی نہ بچی جو حسن کے سامنے پیش نہ کی گئی ہو لیکن ان میں کوئی بھی اس کی بیوی نہ نکلی۔ ملکہ نے پوچھا' ان لڑکیوں میں تو نے اپنی بیوی کو دیکھا؟ حسن بولا اے ملکہ! تیری جان کی قسم ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ اس پر ملکہ کا غصہ اور تیز ہو گیا! اس نے بڑھیا سے کہا کہ محل کے اندر جا کر سب کو نکال لا اور اس کے آگے پیش کر۔ بڑھیا نے سب لڑکیوں کو اس کے سامنے پیش کیا جو محل کے اندر تھیں لیکن حسن کو اپنی بیوی ان میں بھی دکھائی نہ دی اور اس نے ملکہ سے کہا اے ملکہ! تیرے سر کی قسم وہ ان میں بھی نہیں ہے۔ ملکہ غصے میں بھر گئی اور آس پاس کے لوگوں کو پکار کر کہا کہ اسے پکڑ کر زمین پر گھسیٹو اور اس کی گردن مار دو تا کہ پھر کوئی اپنی جان پر کھیل کر یہاں نہ آئے۔ ہمارے حال سے آگاہی نہ پائے' ہمارے ملک میں داخل نہ ہو اور ہمارے جزیروں میں قدم نہ رکھے۔

لوگوں نے اسے منہ کے بل گھسیٹا' اس کا دامن اس کے اوپر ڈال کر اس کی آنکھیں باندھ دیں اور تلواریں لے لے کر اس کے سر پر کھڑے ہونے لگے اور حکم کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں شواہی نے ملکہ کی طرف بڑھ کر زمین چومی' اس کا دامن اپنے سر پر لیا اور کہنے لگی اے ملکہ! تجھے میری تربیت کی قسم اتنی جلدی نہ کر خاص کر جب کہ تو جانتی ہے کہ یہ بیچارہ پردیسی ہے اور جان پر کھیل کر آیا ہے' اس نے ایسی ایسی مصیبتیں جھیلی ہیں جو کسی نے بھی نہ بھگتی ہوں گی' مگر خدا نے اسے موت

سے بچا لیا ہے اور اس کی عمر بڑھائی ہے۔ تیری انصاف پسندی سن کر وہ تیرے ملک اور وطن میں آیا ہے۔ اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو مسافر اس خبر کو لے کر دور دور پہنچا دیں گے کہ تو پردیسیوں سے بغض رکھتی اور انہیں قتل کر ڈالتی ہے۔ اگر اس کی بیوی تیرے شہر میں نہ نکلی تو وہ یوں بھی تیری تلوار کا شکار ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ اول تو جب کبھی اسے بلانا چاہے' تو میں اسے لا سکتی ہوں۔ دوسرے یہ بھی سمجھ لے کہ محض تیرے احسان کی امید میں' میں نے اسے پناہ دی ہے کیونکہ میری تربیت کا حق تیرے اوپر ہے۔ تیرے انصاف اور مہربانی کا مجھے یقین ہے۔ اگر مجھے تیری طرف سے ان باتوں کا یقین نہ ہوتا تو میں اسے کبھی تیرے شہر میں نہ لاتی۔ پھر مجھے تو گمان تھا کہ تو اسے دیکھ کر خوش ہو گی۔ اس کے اشعار اور باتوں کو پسند کرے گی جو ایسے ہیں جیسے پروئے ہوئے موتی۔ اور اب تو وہ ہمارے ملک میں آ گیا ہے۔ اس نے ہمارا کھانا کھایا ہے' ہم پر اس کا حق ہو گیا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو دسویں رات

آٹھ سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑھیا نے ملکہ نور الہدیٰ سے کہا کہ ہم پر اس کا حق ہو گیا ہے اور میں اس سے وعدہ کر چکی ہوں کہ اسے تجھ سے ملاؤں گی۔ تو جانتی ہے کہ جدائی کتنی کٹھن چیز ہے اور تجھے معلوم ہے کہ جدائی قاتل ہے۔ خاص کر اولاد کی جدائی۔ اب عورتوں میں سے سوائے تیرے کوئی باقی نہیں رہا، تو بھی اپنا چہرہ اسے دکھا دے۔ ملکہ نے مسکرا کر کہا کہ وہ کہاں سے میرا شوہر ہو سکتا ہے اور مجھ سے اولاد پیدا کر سکتا ہے کہ میں اسے اپنا چہرہ دکھاؤں۔ یہ کہہ کر اس نے حسن کو بلوایا اور جب لوگ اسے لے آئے تو اس نے اپنا چہرہ کھول دیا۔ اسے دیکھتے ہی حسن نے زور سے چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑا۔ بڑھیا اسے برابر پیار کرتی رہی۔ یہاں تک کہ اسے ہوش آ گیا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا لیکن ملکہ کو دیکھ کر اس نے پھر اس زور سے چیخ ماری کہ قریب تھا کہ محل گر پڑے اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ بڑھیا پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی اور جب اسے ہوش آیا تو بڑھیا نے اس کا سبب پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ یاتو یہ ملکہ خود میری بیوی ہے یا تمام لوگوں سے زیادہ میری بیوی سے مشابہت رکھتی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # آٹھ سو گیارہویں رات

آٹھ سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ حسن نے بڑھیا سے کہا کہ یہ ملکہ یا تو میری بیوی ہے یا تمام لوگوں کی نسبت میری بیوی سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے ملکہ نے بڑھیا سے کہا اے ماما! افسوس ہے کہ یہ پردیسی یا تو پاگل ہے یا کوئی فیلیا' کیونکہ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میری طرف دیکھتا ہے۔ بڑھیا بولی! اے ملکہ وہ معذور ہے اس لئے اس کے کسی فعل کا برا نہ مان۔ مثل ہے کہ محبت کا بیمار لادوا ہوتا ہے۔ اس میں اور دیوانے میں بالکل فرق نہیں ہوتا۔ اب حسن بلک بلک کررونے لگا اور ملکہ سے کہا کہ خدا کی قسم تو میری بیوی تو نہیں لیکن میری بیوی سے بے حد مشابہت رکھتی ہے۔ اس پر ملکہ نور الہدیٰ ہنستے ہنستے لوٹ گئی اور کہنے لگی میرے پیارے تو مجھے خوب دیکھ بھال لے اور میرے سوال کا جواب دے' دیوانے پن اور بھولے پن کو جانے دے' تجھے جلد خوشی حاصل ہو گی۔ حسن نے کہا' اے بادشاہوں کی سرتاج اور امیر و غریب کی پناہ! جب میری نظر تجھ پر پڑی تو میں دیوانہ ہو گیا کیونکہ یا تو تو میری بیوی معلوم ہتی تھی یا میری بیوی سے بے حد مشابہ۔ اب جو تو چاہتی ہے پوچھ۔ ملکہ بولی کہ تیری بیوی کس بات میں میرے مشابہ ہے؟ وہ بولا' اے میری آقا! تیری تمام چیزیں اس سے مشابہت رکھتی ہیں۔ مثلاً حسن و جمال اور خوبروئی' شان و شوکت'سڈول بدن' شیریں کلامی' رخساروں کی سرخی اور سینے کا ابھار وغیرہ وغیرہ' اب ملکہ نے شواہی ام الدواہی کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ اسے پھر تواپنے گھر لے جا اور خود اس کی خدمت کر۔ میں اس کے معاملے کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں اور اگر وہ مروت والا نکلا جو دوستی' صحبت اور محبت کی پاسداری کرتا ہے تو ہم پر واجب ہے کہ اس کی حاجت روائی میں مدد کریں۔ خاص کر اس وجہ سے کہ وہ ہمارے ملک میں آیا ہے اور ہمارا کھانا کھایا ہے۔ علاوہ بریں اس نے سفر کی مصیبتیں اٹھائی ہیں اور خطرے جھیلے ہیں'

لیکن اسے اپنے گھر پہنچا کر نوکروں کے حوالے کر دیجیو اور جلدی سے میرے پاس لوٹ آئیو۔ خدا نے چاہا تو اس کے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے۔

یہ سن کر بڑھیا نے حسن کو ساتھ لیا اور گھر پہنچ کر اپنی کنیزوں' غلاموں اور نوکروں چاکروں کو حکم دیا کہ اس کی خدمت کریں اور جس چیز کی اسے ضرورت ہو' مہیا کریں اور اس کی خدمت کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ اس کے بعد وہ فوراً ملکہ کے پاس پہنچی ملکہ نے حکم دیا کہ وہ فوراً ہتھیار لگائے اور بہادروں میں سے ایک ہزار سوار چن لے۔ بڑھیا شواہی نے حکم کی تعمیل کی اور زرہ بکتر پہن کر ایک ہزار سوار لے آئی۔

جب اس نے ملکہ کے پاس آ کر خبر دی کہ میں ایک ہزار سوار لے کر آئی ہوں تو ملکہ نے حکم دیا کہ میرے باپ ملک اکبر کے شہر میں جا اور وہاں پہنچ کر اس کی بیٹی منار النساء کے ہاں اتر جو میری سب سے چھوٹی بہن ہے اور اس سے کہیو کہ وہ اپنے دونوں بیٹوں کو وہ زرہیں پہنا کر جو اس نے ان کے لئے بنائی ہیں' اپنی خالہ کے پاس بھیج دے کیونکہ اس کا جی انہیں دیکھنے کو چاہتا ہے' اور اے بڑھیا میں تجھے مشورہ دیتی ہوں کہ حسن کا نام ہرگز نہ لیجیو بلکہ تو انہیں لے چکے تو میری بہن سے کہیو کہ وہ بھی آ کر مجھ سے مل جائے۔ جب وہ اپنے دونوں بیٹے تجھے دے دے اور تو انہیں لے کر میری طرف روانہ ہو تو انہیں بہت جلد لے کر یہاں آ جائیو اور ان کی ماں کو اطمینان سے تیاری کرنے دیجیو اور جس راہ سے تو گئی ہو اس سے نہ لوٹیو۔ دن رات سفر کیجیو اور اس راز کو کسی نے نہ کہیو۔ اس کے بعد میں ہر طرح سے قسم کھانے کو تیار ہوں کہ اگر میری بہن اس کی بیوی نکلی اور یہ ثابت ہو گیا کہ اس کے دونوں بیٹے حسن کے بیٹے ہیں تو میں ہرگز اسے اس بات سے نہ روکوں گی کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو لے کر چلا جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو بارہویں رات

آٹھ سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملکہ نے کہ اگر وہ اس کی بیوی نکلی تو میں اسے ہرگز اس بات سے نہ روکوں گی کہ وہ اسے مل جائے بلکہ اس کی مدد کروں گی کہ وہ اسے لے کر اپنے وطن چلا جائے۔ بڑھیا سمجھی کہ وہ سچ کہتی ہے اور اس کی اسے خبر نہ تھی کہ اس کے دل میں کیا کھوٹ ہے۔ اس چاتر نے اپنے دل میں یہ بات چھپا رکھی تھی کہ اگر وہ اس کی بیوی نہ ہو گی اور بچے اس کے مشابہ نہ ہوں گے تو وہ اسے قتل کر دے گی۔ اس کے بعد ملکہ نے بڑھیا سے کہا اگر میرا دل سچ کہتا ہے تو اس کی بیوی میری بہن منار النساء ہے لیکن اللہ بہتر جانتا ہے جو کچھ وہ کہتا ہے وہ میری بہن کی تعریف ہے اور جو جو خوبصورتی اور خوبروئی اس نے بیان کی ہے وہ سوائے میری بہنوں کے اور کسی میں پائی نہیں جاتی خاص کر سب سے چھوٹی بہن میں۔ بڑھیا نے اس کا ہاتھ چوما اور حسن کے پاس جا کر جو کچھ ملکہ نے کہا تھا' بیان کر دیا۔ مارے خوشی کے حسن دیوانہ سا ہو گیا اور اٹھ کر بڑھیا کا سر چومنے لگا۔ بڑھیا بولی بیٹا! میرے سر کو نہ چوم بلکہ میرے منہ کو اور اس بوسے کو اپنی سلامتی کا صدقہ سمجھ خوش ہو اور غم کو اپنے دل میں نہ آنے دے اور میرا منہ چومنے سے کراہیت نہ کر کیونکہ تیرے ملاپ کا سبب میں ہی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اس سے رخصت ہوئی اور ہتھیار لگا کر ایک ہزار مسلح سواروں کو لے کر اس جزیرے کو روانہ ہو گئی جہاں ملکہ کی بہن تھی۔ نور الہدیٰ اور اس کی بہن کے شہر میں تین دن کی راہ تھی۔

شہر میں پہنچ کر شواہی ملکہ کی بہن منار النساء کے پاس گئی۔ اسے سلام کرکے اس کی بہن نور الہدیٰ کا سلام پہنچایا اور اس سے کہا کہ تیری بہن تجھے اور تیرے بچوں کے دیکھنے کی مشتاق ہے اور تیری ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشان ہے۔ شہزادی

منار النساء نے کہا میری بہن کا مجھ پر حق ہے اور میں اس سے نہ ملنے کی قصوروار ہوں۔ اب ضرور جا کر اس سے ملوں گی۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ خیمے شہر کے باہر نکالے جائیں اور اپنے ساتھ اپنی بہن کے لئے تحفے اور ہدیئے لئے۔ جب اس کے باپ بادشاہ نے محل کی کھڑکیوں میں سے دیکھا کہ خیمے لگے ہوئے ہیں تو اس نے اس کا سبب دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا کہ شہزادی منار النساء اپنی بہن نور الہدیٰ کی ملاقات کے لئے جانا چاہتی ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے اس کے لئے ایک لشکر تیار کرا دیا جو اسے اس کی بہن کے پاس پہنچا آئے اور اپنے خزانوں میں سے اتنا مال' کھانے پینے کی چیزیں' ایسے ایسے تحائف اور جواہرات نکال کر دیئے کہ زبان اس کی تعریف نہیں کر سکتی۔ سوائے چھوٹی کے بادشاہ کی چھیوں بیٹیاں سگی بہنیں تھیں' بڑی بہن کا نام نور الہدیٰ تھا' دوسری کا نجم الصباح' تیسری کا شمس الضحیٰ' چوتھی کا تجرۃ الدر' پانچویں کا قوت القلوب' چھٹی کا شرف البنات اور ساتویں کا منار النساء۔ یہ سب سے چھوٹی' یہی حسن کی بیوی اور محض باپ کی طرف سے ان کی بہن تھی۔ بڑھیا نے بڑھ کر منار النساء کے آگے زمین چومی' منار النساء نے پوچھا' کیا تجھے کوئی ضرورت پیش آئی ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا' تیری بہن نور الہدیٰ نے تجھے یہ پیغام دیا ہے کہ اپنے دونوں بیٹوں کے کپڑے بدل کر انہیں وہ زرہیں پہنا دے جو تو نے ان کے لئے بنائی ہیں اور انہیں میرے ساتھ روانہ کر دے میں انہیں لے کر آگے آگے چلوں گی اور جا کر نور الہدیٰ کو تیرے آنے کی خوشخبری دوں گی۔ یہ سن کر منار النساء نے سر جھکا لیا' اس کا رنگ بدل گیا اور بڑی دیر تک سر جھکائے بیٹھی رہی۔ پھر اس نے سر کو ہلایا اور بڑھیا کو دیکھ کر کہا' بڑی بی! اپنے بیٹوں کا نام سن کر میرا دل کانپ رہا ہے اور گھبرا رہا ہے کیونکہ جب سے وہ پیدا ہوئے ہیں نہ کسی جن نے انہیں دیکھا ہے نہ کسی بشر نے' نہ عورت نے نہ مرد نے بلکہ انہیں ہوا بھی نہیں لگنے دیتی۔ بڑھیا نے کہا' اے میری آقا! یہ تو کیسی باتیں کرتی ہے؟ کیا تو ان کے بارے میں اپنی

بمن سے بھی ڈرتی ہے؟
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## آٹھ سو تیرہویں رات

آٹھ سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑھیا بولی اے میری آقا' خدا تیری عقل ٹھکانے رکھے! کیا تو ان کے بارے میں اپنی بہن سے بھی ڈرتی ہے؟ اس بات میں تیری مخالفت نہیں چل سکتی کیونکہ وہ تجھ سے ناراض ہو جائے گی لیکن اے میری آقا! تیرے بچے چھوٹے ہیں اور ان کے بارے میں تیرا ڈرنا بجا ہے' محبت کرنے والا ہمیشہ بدگمان ہوتا ہے' مگر بیٹی تو جانتی ہے کہ میں تجھے اور تیرے بچوں کو کتنا چاہتی ہوں' میں نے تجھے پالا ہے اور ان کو بھی' میں خود اپنے ساتھ انہیں لے کر جاؤں گی' اپنی آنکھیں ان کے لئے بچھاؤں گی اور اپنا دل کھول کر اس کے اندر انہیں جگہ دوں گی' ان باتوں میں تیری تاکید کی ضرورت نہیں۔ تو ڈر نہیں' اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھ اور انہیں ان کی خالہ کے پاس جانے دے۔ زیادہ سے زیادہ ہمارا ایک یا دو دن کا آگا پیچھا ہو گا۔ غرض کہ اس نے اتنی خوشامد کی کہ لڑکی کا دل نرم ہو گیا۔ وہ اپنی بہن کے غصے سے ڈرتی بھی تھی لیکن اسے یہ خبر نہ تھی کہ غیب میں اس کے لئے کیا پوشیدہ ہے۔ اس لئے وہ بچوں کو بڑھیا کے ساتھ بھیجنے پر راضی ہو گئی اور بچوں کو بلوا کر انہیں گرم پانی سے نہلایا' ان کا بناؤ سنگار کیا' کپڑے بدلے اور زریں پہنا کر بڑھیا کے حوالے کر دیا۔ بڑھیا انہیں لے کر اڑی اور جیسا کہ ملکہ نور الہدیٰ نے اس سے کہا تھا' اس راستے سے نہ آئی جس سے ان کی ماں آنے والی تھی۔ وہ بہت تیز روانہ ہوئی کیونکہ وہ ان کے بارے میں ڈرتی تھی۔ یہاں تک کہ نور الہدیٰ کے شہر میں پہنچی اوردریا پار کرکے اس کے پاس جا اتری اور بچوں کو اس کے سامنے پیش کردیا۔ ملکہ انہیں دیکھ کر خوش ہو گئی۔ انہیں لپٹایا' چپٹایا' گلے لگایا اور ایک کو دائیں ران پر اور دوسرے کو بائیں پر بٹھایا۔ اس کے بعد اس نے بڑھیا سے کہا' اب حسن کو بلا میں اس سے وعدہ کر چکی اور اپنی تلوار سے اسے پناہ دے

چکی ہوں۔ بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنے کے بعد اس نے ہمارے گھر میں آ کر پناہ لی ہے‘
اگرچہ ابھی تک یہ یقین نہیں کہ وہ موت کا جام پینے سے بچ گیا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو چودھویں رات

آٹھ سو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- ملکہ نور الہدیٰ نے بڑھیا سے کہا کہ ابھی تک اس بات کا یقین نہیں ہے کہ حسن کی جان بچ گئی

تو بڑھیا بولی کہ جب میں حسن کو تیرے پاس لاؤں گی تو کیا تو اسے ان سے ملا دے گی؟ اور اگر یہ معلوم ہوا کہ وہ اس کی اولاد نہیں ہے تو اسے اس کے وطن واپس بھیج دے گی؟ یہ سن کہ ملکہ کو طیش آ گیا۔ وہ کہنے لگی اے منحوس بڑھیا! کب تک اس پردیسی کے بارے میں تو چال بازیاں کرتی رہے گی جو ہمارے ملک میں زبردستی گھس آیا ہے' ہماری پردہ دری کرتا ہے اور ہمارے حالات سے واقف ہو گیا ہے۔ کیا تیرا خیال ہے کہ وہ ہمارے ملک میں آئے' ہمارے چہرے دیکھے' ہماری عزت پر دھبہ لگائے اور پھر اپنے ملک کو صحیح و سالم چلائے جائے' وہاں جا کر اپنے لوگوں میں ہماری فضیحت کرے' ساری دنیا کے بادشاہوں میں ہمارا ڈھنڈورا پٹ جائے اور تاجر ہماری خبریں ہر جگہ پہنچائیں اورکہیں کہ ایک انسان جادوگروں اور کاہنوں کے ملک سے گزر کر ارض جان اور ارض و حوش و طیور سے ہو کر جزائر واق گیا اور صحیح و سالم لوٹ آیا' ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا! قسم ہے آسمان کے پیدا کرنے اور اس کے بنانے والے کی اور زمین کے بچھانے اور برابر کرنے والے کی' مخلوق کے پیدا کرنے اور گننے والے کی کہ اگر وہ اس کے بچے نہ ہوئے تو میں اسے قتل کر دوں گی اور خود اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اڑا دوں گی۔ یہ کہہ کر اس نے بڑھیا کو اس زور سے ڈانٹا کہ وہ مارے ڈر کے گر پڑی۔ ملکہ نے حاجب اور بیس غلاموں کو اس پر مسلط کر دیا اور ان سے کہا کہ اس بڑھیا کے ساتھ جا کر فوراً اس جوان کو لے آؤ جو اس کے گھر میں ہے۔ وہ لوگ گھسیٹتے ہوئے اسے لے گئے' اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔

جب وہ گھر پہنچ کر حسن کے پاس گئی تو حسن نے اٹھ کر اس کے ہاتھ چومے' اسے سلام کیا لیکن بڑھیا نے سلام کا جواب دینے کے بدلے اس سے کہا کہ ملکہ کے پاس چل۔ میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ اپنے وطن لوٹ جا اور ان تمام باتوں سے روکا تھا! لیکن تو نے میرا کہنانہ مانا۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تجھے اس قدر مال و دولت دوں گی جتنی کسی کے پاس نہ ہو۔ مگر تو نے نہ مانا بلکہ سنا تک نہیں' میری مخالفت کی' مجھے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا۔ اب جیسی کرنی' ویسی بھرنی۔ موت قریب آ چکی ہے' چل کر اس ظالم اور بدذات عورت سے باتیں کر۔ حسن رنجیدہ اور شکستہ دل ہو کر مارے ڈر کے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے بچانے والے خدا! مجھ کو بچا' خداوندا جو امتحان تو میرا لے رہا ہے اس میں مہربانی سے پیش آئیو اور اے سب سے بڑے رحم کرنے والے! مجھے بچائیو۔ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ آخر غلاموں' حاجب اور بڑھیا کے ساتھ چل کھڑا ہوا۔ جب لوگ اسے لے کر ملکہ کے پاس پہنچے تو اس نے دیکھا کہ اس کے دونوں بیٹے ناصر اور منصور اس کی گود میں بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ ان کے ساتھ کھیل رہی ہے اور انہیں پیار کر رہی ہے۔ انہیں دیکھتے ہی حسن پہچان گیا اور اسے اتنی خوشی ہوئی کہ زور سے چیخ مار کر زمین پر گر پڑا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## آٹھ سو پندرہویں رات

آٹھ سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- حسن چیخ مار کر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دونوں بیٹوں کو پہچان لیا اور وہ بھی اپنے باپ کو پہچان گئے توان کی فطری محبت جوش میں آئی۔ وہ ملکہ کی گود سے نکل کر حسن کے پاس آ کھڑے ہوئے اور خدا نے ان کی زبان سے یہ لفظ نکلوا دیئے کہ "اے ہمارے باپ!" بڑھیا اور تمام حاضرین کو ان پر اتنا ترس آیا کہ سب رونے لگے اور کہا شکر ہے خدا کا کہ اس نے انہیں باپ سے ملا دیا۔ غشی دور ہونے کے بعد حسن نے اپنے بیٹوں کو گلے سے لگالیا اور اتنا رویا کہ بے ہوش ہو گیا۔ جب ملکہ کو یقین ہو گیا کہ بچے حسن کی اولاد ہیں اور اس کی بہن منار النساء اس کی بیوی ہے جس کی تلاش میں وہ آیا ہے تو اسے اپنی بہن پر اتنا غصہ آیا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اوراس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو سولھویں رات

آٹھ سو سولھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملکہ اپنی بہن پر اتنی ناراض ہوئی کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں اور حسن کو اس زور سے ڈانٹا کہ وہ تھرا اٹھا اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ آنکھ کھولی تو دیکھا کہ لوگ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر باہر ڈال آئے ہیں۔ وہ اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا چلنے لگا' مگر اسے یقین نہ آتا تھا کہ میں ملکہ کی ایذا رسانی سے بچ جاؤں گا۔ اس پر بڑھیا شواہی کو بھی بڑا افسوس ہوا لیکن ملکہ کے غصے کے ڈر سے وہ حسن ے بارے میں اس سے کچھ نہ کہہ سکتی تھی۔جب حسن محل سے نکلا تو وہ حیران پریشان تھا۔ اسکی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے اور کہاں جائے؟ زمین باوجود اتنی وسعت کے اسے تنگ معلوم ہوتی تھی۔ نہ کوئی باتیں کرنیوالا اسے ملتا تھا' نہ دل بہلانے والا' نہ تسلی دینے والا' نہ رائے بتانے والا اور نہ کوئی ایسا شخص جس کے پاس جا کر وہ پناہ لے۔ اسے موت سامنے کھڑی دکھائی دیتی تھی کیونکہ اس میں چلنے کی طاقت نہ تھی' نہ کوئی اس کا ہم سفر تھا' نہ اسے راستہ معلوم تھا' نہ وادی جنات' ارض و حوش اور جزائر طیور سے گزر سکتا تھا۔ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور اتنا رویا کہ غش آ گیا۔ ہوش آیا تو وہ اپنے بیٹوں اور اپنی بیوی کی فکر میں پڑ گیا اور یہ سوچنے لگا کہ اب وہ اپنی بہن کے پاس آئے گی اور نہ معلوم بہن اس کی کیا گت بنائے گی؟ یہ سوچ کر وہ پشیمان ہوا کہ کیوں اس ملک میں آیا۔ سمجھانے سے بھی کچھ نہ سمجھا۔ تاہم وہ برابر چلا گیا یہاں تک کہ شہر سے باہر دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ حیران و پریشان ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ادھر اس کی بیوی منار النساء کے ساتھ یہ پیش آیا کہ بڑھیا کے چلے آنے کے دوسرے روز جب کہ وہ سفر کرنے والی تھی' اس کے باپ بادشاہ کا حاجب اس کے پاس آیا اور اس کے آگے زمین چومی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو سترہویں رات

آٹھ سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا‘ اے نیک نہاد بادشاہ ------- منار النساء روانہ ہونے ہی والی تھی کہ اس کے باپ بادشاہ کا حاجب اس کے پاس آیا اور زمین چوم کر کہنے لگا‘ اے شہزادی! تیرے باپ ملک اکبر نے سلام بھیجا اور تجھے بلایا ہے۔ شہزادی فوراً اٹھ کر حاجب کے ساتھ چل کھڑی ہوئی تاکہ دیکھے اس کا باپ اس سے کیا چاہتا ہے۔ جب اس کے باپ کی نظر اس پر پڑی تو اس نے اسے اپنے پاس تخت پر بٹھا لیا اور کہا بیٹی! سن‘ میں نے رات ایک خواب دیکھا ہے جس کی وجہ سے مجھے تیرے بارے میں ڈر لگتا ہے کہ کہیں اس سفر میں تجھے کسی بڑی مصیبت کا سامنا نہ پڑے۔ بیٹی بولی کہ ابا! تو نے کیا خواب دیکھا؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ خواب میں‘ میں ایک خزانے کے اندر داخل ہوا‘ اس میں بہت مال و دولت اور بے شمار ہیرے جواہرات ہیں‘ مگر ان تمام مال و دولت اور ہیروں میں سے مجھے محض سات ہیرے پسند آئے جو سب سے زیادہ خوبصورت تھے‘ میں نے ان میں سے ایک کو چھانٹ کر لے لیا جو سب سے چھوٹا اور خوبصورت اور چمکدار تھا‘ اس کی خوبصورتی مجھے اتنی بھلی معلوم ہوئی کہ میں اسے اپنی ہتھیلی پر رکھ کر خزانے سے نکل آیا۔ دروازے کے باہر آ کر میں نے اپنا ہاتھ کھولا اور ہیرے کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا‘ اتنے میں ایک اجنبی چڑیا جو ہمارے ملک کی چڑیوں میں سے نہ تھی‘ بلکہ کسی دور کے ملک سے آئی تھی‘ آسمان سے میرے اوپر گری اور میرے ہاتھ سے وہ ہیرا جھپٹ لیا اور جہاں سے آئی تھی‘ چلی گئی۔ مجھے بہت رنج و افسوس ہوا اور اتنا ڈر لگا کہ میری نیند اچٹ گئی اور میں اس ہیرے پر افسوس کرتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

نیند سے اٹھ کر میں نے تعبیر دینے والوں کو بلوایا اور ان کے سامنے اپنا خواب بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ تیری سات بیٹیوں میں سے سب سے چھوٹی کھو جائے گی اور

کوئی شخص اسے جبراً تیری مرضی کے بغیر لے جائے گا۔ بیٹی تو میری سب سے چھوٹی بیٹی ہے۔ سب سے زیادہ پیاری اور عزیز۔ تو اپنی بہن کے پاس جا رہی ہے‘ معلوم نہیں وہاں تجھ پر کیا گزرے‘ بہتر ہے کہ سفر سے باز آ اور اپنے محل میں لوٹ جا۔ باپ کی باتیں سن کر منار النساء کا دل دھڑکنے لگا اور اپنے بیٹوں کے خیال میں ڈوب گئی۔ سر نیچا کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر باپ کی طرف دیکھا اور کہنے لگی‘ اے بادشاہ! ملکہ نور الہدیٰ نے میری دعوت کی تیاری کی ہے اور وہ میرا انتظار کر رہی ہے۔ چار سال سے اس نے مجھے نہیں دیکھا‘ اگر اب میں اس لے ملنے نہ گئی تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ میں اس کے پاس ایک مہینہ ٹھہر کر لوٹ آؤں گی۔ ایسا کون ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے ملک میں آ کر جزائر واق تک پہنچ سکے اور یہ کس کی مجال ہے کہ ارض بیضا‘ جبل اسود‘ جزیرہ کافور اور قلعہ طیور تک پہنچ جائے۔ وادی طیور پھر وادی حوش پھر وادی جنات طے کرکے ہمارے جزیروں میں قدم رکھے‘ اور اگر کوئی پردیسی ملک میں داخل ہو بھی جائے تو وہ خوفناک سمندروں میں ڈوب جائے گا‘ لہٰذا میرے سفر کے متعلق بالکل پریشان نہ ہو‘ کسی کی مجال نہیں کہ ہمارے ملک میں قدم رکھ سکے۔ غرض کہ وہ برابر باپ کو مناتی رہی یہاں تک کہ اس نے سفر کی اجازت دے دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو اٹھارہویں رات

آٹھ سو آٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- وہ برابر باپ کو مناتی رہی یہاں تک کہ اس نے سفر کی اجازت دے دی اور ایک ہزار سواروں کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ جائیں اور اسے دریا تک پہنچا کر وہاں ٹھہرے رہیں۔ جب وہ اپنی بہن سے مل کر لوٹے تو پھر اسے اپنے ساتھ لے آئیں۔ بیٹی سے اس نے یہ بھی کہا کہ اپنی بہن کے پاس دو دن ٹھہر کر لوٹ آئیو۔ اس نے جواب دیا کہ سر آنکھوں سے۔ اب وہ اٹھ کر باہر آئی اور باپ اس کے ساتھ باہر آ کر اس سے رخصت ہوا۔ باپ کی باتوں کا اس پر یہ اثر ہوا کہ وہ اپنے بیٹوں کے متعلق ڈرنے لگی' مگر تقدیر کے آگے کوئی خبرداری نہیں چلتی تین دن رات تیز تیز چلنے کے بعد وہ دریا کے پاس پہنچی اور اس کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے۔ وہاں سے وہ چند غلاموں' نوکروں اور وزیروں کو لے کر دریا کے پار اتری اور ملکہ نور الہدیٰ کے شہر میں پہنچ کر محل کے اندر گئی۔ دیکھا کہ اس کے بیٹے خالہ کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں اور ابا! ابا! چلا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس کے آنسو نکل پڑے اور وہ رونے لگی' اپنے بیٹوں کو چھاتی سے لگا لیا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم نے اپنے باپ کو دیکھا ہے؟ خدا اس گھڑی کا ستیاناس کرے جب میں اس سے جدا ہوئی! اگر مجھے معلوم ہو کہ وہ ابھی تک دنیا میں ہے تو میں تمہیں اس کے پاس پہنچا دوں گی۔ بچوں کو روتا دیکھ کر اور اپنا اور اپنے شوہر کا خیال کرکے وہ آہ زاری کرنے لگی۔ جب اس کی بہن نے دیکھا کہ اس نے اپنے بچوں کو لپٹا لیا ہے اور کہہ رہی ہے کہ میں نے اپنے اور اپنے بیٹوں کے ساتھ یہ ظلم کیا ہے اور اپنا گھر برباد کیا ہے تو وہ بے اسے سلام کئے کہنے لگی تیری یہ اولاد کہاں سے آئی؟ کیا تو نے بغیر باپ کو خبر کئے نکاح کیا؟ اگر تو نے زنا کیا ہے تو تجھے اس کی سزا ملنی چاہئے اور اگر تو نے ہم سے چھپا کر نکاح کیا ہے تو پھر تو

اپنے شوہر کو کیوں چھوڑ کر اپنے بچوں کو لے آئی اور ان میں اور ان کے باپ میں جدائی ڈال کر ہمارے ملک میں چلی آئی!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

آٹھ سو انیسویں رات

آٹھ سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملکہ نور الہدئی نے اپنی بہن منار النساء سے کہا کہ اگر تو نے ہم سے چھپا کر نکاح کیا ہے تو پھر تو کیوں اپنے شوہر کو چھوڑ کر اپنے بچوں کو لے آئی اور ان میں اور ان کے باپ میں جدائی ڈالی اور اپنے بچوں کو ہم سے چھپائے رکھا؟ کیا تیرا گمان تھا کہ ہمیں اس کی خبر نہ ہو گی؟ غیب داں خدا نے ہمارے اوپر تیری باتیں ظاہر کر دیں' تیرا حال کھول دیا اور تیرے راز فاش کر دیئے۔ یہ کہہ کر اس نے نوکروں کو حکم دیا کہ اسے پکڑ کرمیرے پاس لاؤ' جب وہ پکڑ کر لائے تو ملکہ نے اس کی مشکیں باندھ کر اس کے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال دیں' اتنا مارا کہ اس کا بدن پھٹ گیا اور اس کے بال پکڑ کر کھینچا اور قید خانے میں بند کر دیا اور اپنے باپ ملک اکبر کو خط لکھا' جس میں منار النساء کا سارا حال بیان کیا کہ ہمارے ملک میں ایک انسان آیا ہے' میری بہن منار النساء کہتی ہے کہ وہ اس کا شوہر ہے جس سے اس کے دو بیٹے پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں اس نے ہم سب سے اور خاص کر تجھ سے چھپا کر رکھا تھا۔ جب تک وہ شخص یہاں نہ آیا' بہن کے منہ سے بات تک نہ نکلی۔ وہ شخص انسانوں میں سے ہے' اس کا نام حسن ہے' وہ کہتا ہے کہ اس نے اس سے شادی کی ہے اور وہ بہت دنوں تک اس کے ساتھ رہی ہے' پھر اپنے بیٹوں کو لے کر بے کہے چل دی اور چلتے وقت اس کی ماں سے کہتی آئی کہ اپنے بیٹے سے کہہ دیجیو کہ اگر اسے میری تمنا ہو تو جزائر واق آ جائے۔ اس شخص کو ہم نے پکڑ کر رکھ لیا اور بہن کے پاس بڑھیا شواہی کو بھیجا کہ وہ جا کر اسے اور اس کے بیٹوں کو لے آئے۔ اب وہ یہاں آ گئی ہے میں نے بڑھیا کو حکم دیا تھا کہ وہ بچوں کو لے کر آگے چلی آئے تاکہ وہ اس سے پہلے یہاں پہنچ جائیں۔ بڑھیا بچوں کو لے کر یہاں آئی تو میں نے اس شخص کو بلوایا جو

اس کا شوہر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جب وہ میرے پاس پہنچا اور اس نے بچوں کو دیکھا تو انہیں پہچان لیا' بچے بھی اسے پہچان گئے جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ بچے اس کے بیٹے ہیں اور وہ اس کی بیوی ہے اور مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ سچ کہتا ہے اور اس کی طرف سے کوئی بری بات نہیں ہوئی' بلکہ ساری برائی اور عیب میری بہن کا ہے۔ میں ڈری کہ کہیں جزیرے والوں کے آگے ہماری بے عزتی نہ ہو جائے اس لئے جب یہ دغاباز لڑکی میرے پاس پہنچی تو میں اس پر سخت ناراض ہوئی' اسے خوب مارا اور اس کے بال باندھ کر اسے لٹکا دیا۔ تجھے میں نے اس کا سارا کچا چٹھا لکھ دیا' حکم تیرا حکم ہے' جو تو ہمیں حکم دے گا' وہ ہم کریں گے۔ تجھے خوب معلوم ہے کہ اس میں ہماری بے عزتی ہے اور اس سے ہماری اور خاص کر تیری عزت پر دھبہ لگتا ہے اگر جزیرے والوں کو اس کی خبر ہو گئی تو ہم سب ان کے لئے ضرب المثل بن جائیں گے' اس لئے ضروری ہے کہ جواب جلد بھیج۔

یہ خط لکھ کر اس نے قاصد کو دے دیا اور وہ اسے لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا۔ خط پڑھ کر ملک اکبر طیش میں آ گیا اور اس نے اپنی بیٹی نور الہدیٰ کو یہ جواب بھیجا کہ میں اسے بالکل تیرے سپرد کرتا ہوں اور اس کے خون کا تجھے حکم بناتا ہوں۔ اگر جیسا کہ تو نے لکھا ہے سچ ہے تو بے میری رائے لئے اسے قتل کر دے۔ جب یہ خط اس کے پاس پہنچا اور اس نے پڑھا تو منار النساء کو اپنے پاس بلایا۔ وہ لہو میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے بالوں سے اس کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں اور پاؤں میں لوہے کی بھاری بھاری بیڑیاں' وہ بالوں کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ جب لوگوں نے اسے لا کر ملکہ کے آگے کھڑا کیا تو وہ ذلت سے کھڑی ہو گئی اور اپنے آپ کو اس ذلت اور توہین کی حالت میں دیکھ کر اسے وہ زمانہ یاد آ گیا جب اس کے دن عزت سے گزرتے تھے اور وہ رونے لگی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

ооо

- ## آٹھ سو بیسویں رات

آٹھ سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب شہزادی منار النساء اپنی بہن نور الہدیٰ کے سامنے لائی گئی تو اس کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں بہن نے ایک لکڑی کی ٹکٹکی منگوا کر اسے لٹایا اور نوکروں کو حکم دیا کہ اسے پیٹھ کے بل ٹکٹکی سے باندھ دیا جائے اور اس کی کلائیاں کھینچ کر رسیوں سے باندھ دی جائیں۔

اس کے بعد اس نے اس کا سر کھول کر بال ٹکٹکی سے باندھ دیئے۔ غرض کہ اس کے دل میں مہربانی کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ اپنے آپ کو اس ذلت اور توہین میں دیکھ کر منار النساء رونے پیٹنے لگی لیکن کوئی اس کی مدد کو نہ آیا' وہ کہنے لگی بہن! تیرا دل کیونکر اتنا سخت ہو گیا کہ نہ تجھے مجھ پر رحم آتا ہے نہ ان چھوٹے بچوں پر۔ یہ باتیں سن کر اس کا دل اور سخت ہو گیا' وہ گالیاں دینے اور کہنے لگی اے عاشقہ! اے رنڈی! جو تیرے اوپر رحم کھائے' خدا اس پر رحم نہ کھائے! اے دغاباز! تجھ پر کیونکر ترس کھا سکتی ہوں! منار النساء جو ٹکٹکی سے بندھی پڑی تھی' کہنے لگی میں آسمانوں کے خدا سے تیری خلاف دہائی مانگتی ہوں' میں اس گناہ سے بری ہوں جو تو مجھ پر لگا رہی ہے۔ خدا کی قسم میں نے زنا نہیں کیا بلکہ حلال طریقے سے اس کے ساتھ شادی کی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ میں سچ کہتی ہوں یا جھوٹ' تیری سخت دلی سے مجھے تجھ پر سخت غصہ آتا ہے کہ بے جانے بوجھے تو مجھ پر زنا کا الزام لگاتی ہے۔ میرا پروردگار مجھے تجھ سے چھٹکارا دے گا اور اگر تیرا زنا کا الزام صحیح ہے تو مجھے اس کی سزا دے گا۔

اپنی بہن کی باتیں سن کر ملکہ سوچ میں پڑ گئی اور کہنے لگی تو اور مجھ سے ایسی باتیں کرے! ساتھ ہی اس نے اٹھ کر بہن کو مارنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گئی۔ لوگوں نے اس کے چہرے پر پانی چھڑکا اور اسے ہوش آیا لیکن مار کی وجہ

سے اس کی ساری خوبصورتی ڈھل گئی تھی۔ نور الہدیٰ اس پر ناراض ہو رہی اور اس سے کہہ رہی تھی کہ اے فاحشہ! تو میرے سامنے اپنے گناہوں کا عذر پیش کر رہی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ تجھے تیرے شوہر کے پاس بھیج دوں تا کہ تیری بدکاری کا مشاہدہ کروں' کیونکہ تو اس پر فخر کرتی ہے کہ تجھ سے بدکاری' بدفعلی اور گناہ سرزد نہیں ہوئے۔ اب اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ تاڑ کی چھڑی لائیں۔ چھڑی آ گئی تو اس نے اٹھ کر اپنی آستینیں چڑھائیں اور سر سے لے کر پاؤں تک اسے مارنا شروع کیا۔

اس کے بعد اس نے ایک گندھا ہوا کوڑا منگوایا کہ اگر اسے ہاتھی پر بھی لگا دیا جاتا تو وہ بھاگ نکلتا اور اس کی پیٹھ' پیٹ اور تمام اعضا پر اتنے کوڑے لگائے کہ اسے غش آ گیا۔ یہ دیکھ کر بڑھیا ملکہ کے پاس سے روتی اور کوستی بھاگی' ملکہ نے اپنے نوکروں کو پکار کر کہا کہ اسے پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ وہ اس کے پیچھے دوڑے اور اسے پکڑ کر ملکہ کے سامنے لے آئے۔ ملکہ نے حکم دیا کہ اسے زمین پر پٹک دو اور اپنی کنیزوں سے کہا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹو اور میرے سامنے سے لے جا کر باہر پھینک آؤ۔

یہ تو ان لوگوں کا حال ہوا' اب حسن کا قصہ سنو' وہ دل مضبوط کرکے اٹھا اور دریا کے کنارے کنارے جنگل کی طرف روانہ ہو گیا' لیکن پریشان و غمگین تھا اور جینے سے ناامیدی اور اس قدر حواس باختہ کہ دن اور رات میں فرق نہ کر سکتا تھا چلتے چلتے وہ ایک درخت کے پاس پہنچا جس پر ایک کاغذ کا پرزہ لٹکا ہوا تھا حسن اسے ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگا' دیکھا کہ اس میں یہ لکھا ہے: "جب تو اپنی ماں کے پیٹ میں تھا اس وقت میں نے تیرا زائچہ دیکھا تھا اور ہم تیرے رنج و الم میں تیری دست گیری کریں گے" اسے پڑھ کر اسے یقین آ گیا کہ اب مجھے تکلیف سے نجات مل جائے گی اور بچھڑے ہوؤں سے مل جاؤں گا۔ دو چار قدم چلنے کے بعد اس نے دیکھا کہ وہ اکیلا

ایک سنسان جگہ میں ہے جہاں کوئی مونس و غم خوار نہیں۔ اس تنہائی و خوف کا خیال کرکے اس کے ہوش جاتے رہے اور اس ڈراؤنی جگہ کو دیکھ کر وہ کانپنے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اوراس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ◯ ○

- ## آٹھ سو اکیسویں رات

آٹھ سواکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- کاغذ کا پرچہ پڑھ کر حسن کو یقین آ گیا کہ اب اسے تکلیف سے نجات مل جائے گی۔ دریا کے کنارے دو چار قدم چلنے کے بعد اسے جادوگروں کے دو چھوٹے لڑکے ملے جن کے پاس پیتل کا ایک ڈنڈا تھا جس پر طلسمات کندہ تھے اور اس کے قریب چمڑے کی ایک تکونی ٹوپی جس پر فولاد اور اسما طلسمات بنے ہوئے تھے۔ ڈنڈا اور ٹوپی دونوں زمین پر پڑے تھے دونوں آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کو اتنا مار رہے تھے کہ دونوں کے جسموں سے خون جاری ہو گیا۔ ایک کہتا تھا کہ یہ ڈنڈا اور ٹوپی میں لو گا۔ دوسرا کہتا تھا کہ میں۔ حسن نے قریب جا کر ان دونوں کو چھڑایا اور ان سے پوچھا کہ آخر تم کس بات پر لڑ جھگڑ رہے ہو؟ دونوں بولے چچا! ہم میں فیصلہ کر دے کیونکہ اس وقت خدا نے تجھے یہاں بھیجا ہے کہ ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے۔ حسن نے کہا مجھ سے اپنا قصہ بیان کرو؟ میں تم دونوں میں فیصلہ کر دوں گا۔ وہ بولے کہ ہم دونوں سگے بھائی ہیں۔ ہمارا باپ بہت بڑا جادوگر تھا اور اس پہاڑ کی ایک کھوہ میں رہتا تھا۔ مرنے کے بعد اس نے یہ ڈنڈا اور یہ ٹوپی ترکے میں چھوڑی' میرا بھائی کہتا ہے کہ انہیں میں لوں گا اور میں کہتاہوں کہ میں۔ ہمارا فیصلہ کرکے ہمیں اس سے نجات دے۔ ان کی باتیں سن کر حسن نے کہا کہ ڈنڈے اور ٹوپی میں کیا فرق ہے۔ ظاہراً تو ڈنڈا چھ پیسے کا ہو گا اور ٹوپی تین پیسے کی۔ لڑکوں نے کہا کہ تجھے ان کی خاصیت معلوم نہیں۔ حسن نے پوچھا کہ کیا خاصیت ہے۔ انہوں نے کہا کہ دونوں میں عجیب و غریب خاصیت ہے' ڈنڈے کی قیمت جزائر واق اور اس کے مقبوضات کا خراج ہے اور اسی طرح ٹوپی کی بھی۔

حسن نے کہا بیٹو! خدا کے لئے بتاؤ تو سہی کہ ان میں کیا بھید ہے۔ وہ بولے کہ چچا

ان میں بڑی خاصیت ہے' ہمارا باپ اک سو پینتیس سال تک زندہ رہا اور برابر انہیں کو بناتا رہا یہاں تک کہ انہیں خوب اچھی طرح سے بنایا اور ان میں بڑے بھید رکھے' ان کے ماتحت عجیب و غریب موکل رکھے' گھومنے والے آسمان کے سے اس میں نقش و نگار بنائے اور تمام طلسمات کوٹ کوٹ کر بھر دیئے۔ جب وہ انہیں مکمل بنا چکا تو اسے موت آ گئی۔ جس سے کسی کو مفر نہیں۔ ٹوپی کی تو یہ خاصیت ہے کہ اگرکوئی اسے پہن لے تو لوگوں کی نظروں سے چھپ جائے گا۔ رہا ڈنڈا اس کی یہ خاصیت ہے کہ وہ جس کے پاس ہو اس کے قبضے میں سات قبیلے جنوں کے آ جائیں گے۔ ساتوں اسی ڈنڈے کے ماتحت ہیں اس لئے وہ سب کا حکم مانیں گے۔ اگر ڈنڈے کا مالک اسے ہاتھ میں لے کر زمین پر مارے تو جنوں کے بادشاہ اس کی اطاعت کریں گے اور تمام جن اس کی خدمت میں آ موجود ہوں گے۔ یہ سن کر حسن تھوڑی دیر تک سر جھکائے رہا اور دل میں کہنے لگا کہ خدا کی قسم اگر خدا نے چاہا تومجھے یہ ڈنڈا اور یہ ٹوپی مل جائے گی کیونکہ لڑکوں سے زیادہ میں مستحق ہوں۔ میں ابھی کسی نہ کسی چال سے لڑکوں سے دونوں چیزوں کو لے لیتا ہوں تاکہ ان کی مدد سے میں اپنے بیوی بچوں کو اس ظالم ملکہ کے پنجے سے چھڑا سکوں اور اس اندھیر نگری سے چلتا بنوں جہاں سے آج تک کسی انسان کو چھٹکارا نہیں ملا ہے۔ شاید مجھے ان دونوں لڑکوں کے پاس اسی وجہ سے لایا گیا ہے کہ میں ان سے ڈنڈا اور ٹوپی لے اڑوں۔ اب اس نے سر اٹھا کر لڑکوں سے کہا کہ اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو میں تمہارا امتحان کرتا ہوں اور جو غالب آ جائے اس کا ڈنڈا اور جو مغلوب ہو اس کی ٹوپی' امتحان لے کر میں یہ فیصلہ کروں گا کہ تم میں سے کون کس چیز کا مستحق ہے؟ دونوں بولے کہ چچا! ہم تجھے امتحان لینے کا اختیار دیتے ہیں۔ جس طرح تیرا جی چاہے فیصلہ کر۔ حسن نے کہا کیا تم میری بات ماننے کے لئے تیار ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ حسن نے کہا کہ میں ایک پتھر پھینکتا ہوں' جو آگے دوڑ کر اسے اٹھا لے گا' اسے ڈنڈا ملے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا' ٹوپی

پائے گا۔ دونوں بولے کہ ہم اس بات کو منظور کرتے ہیں اور اس پر راضی ہیں۔
اب حسن نے ایک پتھر لے کر اپنی پوری قوت سے اسے پھینکا' اور وہ نظروں سے غائب ہو گیا اور دونوں لڑکے اس کے پیچھے دوڑے۔ جب وہ دور پہنچ گئے تو حسن نے ٹوپی لے کر پہن لی اور ڈنڈے کو ہاتھ میں لے کر اپنی جگہ بدل دی تاکہ وہ دیکھے کہ انہوں نے اپنے باپ کا بھید سچ بتایا ہے کہ نہیں۔ چھوٹے لڑکے نے آگے بڑھ کر پتھر اٹھا لیا اور اسے لے کر وہاں لوٹا جہاں حسن تھا لیکن اس کا پتا بالکل نہ پایا او اپنے بھائی کو پکار کر کہا کہ وہ شخص کہاں ہے جو ہمارا حکم تھا؟ بھائی بولا کہ وہ مجھے بھی دکھائی نہیں دیتا۔ معلوم نہیں کہ آسمان پر چڑھ گیا یا زمین میں دھنس گیا۔ دونوں نے حسنکو بہتیرا ڈھونڈا لیکن وہ دکھائی نہ دیا۔ اگرچہ حسن اپنی جگہ کھڑا تھا۔ لڑکے ایکدوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور بولا کہ ڈنڈا بھی جاتا رہا اور ٹوپی بھی' لڑکے ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور بولا کہ ڈنڈا بھی ٹوپی بھی نہ تجھے کچھ ملا نہ مجھے۔ ہمارے باپ نے یہی کہا تھا لیکن ہم اس کی بات بھول گئے۔ یہ کہہ کر دونوں لڑکے لوٹ گئے اور حسن ٹوپی پہنے اور ڈنڈا ہاتھ میں لئے شہر کے اندر گیا۔ کوئی اسے دیکھ نہ سکا اور محل میں داخل ہو کر اس جگہ پہنچا جہاں شواہی ذات الدواہی تھی۔ اسی طرح اس کے پاس پہنچ گیا وہ اسے دیکھ نہ سکی۔ چلتے چلتے وہ اس الماری کے پاس پہنچا جس کے نیچے بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی اور جس میں کانچ اور چینی کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ حسن نے الماری کو اپنے ہاتھ سے ہلایا اور جو کچھ اس کے اندر تھا' زمین پر گر پڑا۔ شواہی ذت الدواہی شور مچانے اور اپنا منہ پیٹنے لگی۔ اس نے اٹھ کر وہ چیزیں پھر ان کی جگہ پر رکھ دیں اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ ضرور ملکہ نور الہدیٰ نے کوئی شیطان بھیجا ہے جو میرے ساتھ یہ حرکت کررہا ہے میں خدا سے دعا مانگتی ہوں کہ وہ مجھے ملکہ کے پنجے سے چھڑائے اور اس کے غصے سے مجھے بچائے۔ خداوندا جس نے اپنی بہن کو جو باپ کی چہیتی ہے اتنا مارا اور لٹکایا اگر وہ مجھ غریب سے ناراض ہو گئی تو نہ معلوم میری کیا گت

بنائے گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

آٹھ سو بائیسویں رات

آٹھ سو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- بڑھیا ذات الدواہی نے کہا کہ جب ملکہ نور الہدیٰ نے اپنی بہن کے ساتھ یہ حرکت کی تو اگر وہ کسی غریب پر ناراض ہو گئی تو نہ معلوم اس کی کیا گت بنا ڈالے گی۔ اس کے بعد اس نے کہا اے شیطان! میں تجھے قسم دیتی ہوں اس ذات کی جو حنان منان عظیم الشان قوی السلطان اور انسانوں اور جنات کا پیدا کرنے والا ہے اور اس نقش کی جو سلیمان بن داؤد کی انگوٹھی پر ہے' بول اور مجھے جواب دے۔ اس کا جواب حسن نے دیا کہ میں شیطان نہیں بلکہ محبت کا مارا حیران و پریشان حسن ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے سر سے ٹوپی اتار لی۔ بڑھیا نے اسے پہچان لیا اور کہنے لگی کہ کیا تیری عقل ماری گئی ہے کہ یہاں آیا؟ جا کرکہیں چھپ جا' اس حرامزادی نے تیری بیوی کو سخت سے سخت تکلیف پہنچائی ہے حالانکہ وہ اس کی بہن ہے' پھر اگر تو اس کے ہتھے چڑھ گیا تو تیری کیا گت بنے گی! یہ کہہ کر اسے اس کی بیوی کا سارا قصہ سنا دیا کہ وہ کس تکلیف اور مصیبت اور بلا میں گرفتار ہے۔ اس کے بعد وہ بولی کہ ملکہ تجھے چھوڑ کر سخت پشیمان ہے اور اس نے تیرے پکڑنے کے لئے ایک شخص کو بھیجا ہے جسے وہ ڈھیروں سونا دے گی اور میرے عہدے پر مقرر کرے گی۔ اس نے قسم کھائی ہے کہ اگر وہ شخص تجھے پکڑ لائے تو وہ تجھے بھی قتل کردے گی اورتیرے بیوی بچوں کو بھی۔

بڑھیا نے یہ باتیں جو سنائیں تو حسن رونے لگا اور اس نے کہا اے میری آقا! اس ملک اور اس ظالم ملکہ سے کیونکہ چھٹکارا مل سکتا ہے اور تو مجھے کیا تدبیر بتا سکتی ہے جس سے میں بیوی بچوں کو چھڑا سکوں اورانہیں لے کر صحیح و سالم اپنے وطن پہنچ جاؤں۔

بڑھیا بولی کم بخت! اپنی جان لے کربھاگ' حسن نے کہا' میں تو اپنی بیوی اور اپنے بچوں

کوزبردستی چھڑا کر رہوں گا۔ بڑھیا بولی کہ تو انہیں کس طرح ان سے زبردستی چھڑائے گا؟ بیٹا جا کر کہیں چھپ رہ اور دیکھ کہ خدا کا کیا حکم ہوتا ہے۔ اب حسن نے اسے پیتل کا ڈنڈا اور ٹوپی دکھائی۔ بڑھیا انہیں دیکھ کر باغ باغ ہو گئی اور کہنے لگی کہ پاک ہے وہ خدا جو گلی سڑی ہڈیوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ بیٹا! تیرے اور تیری بیوی کے لئے سوائے مرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا لیکن بیٹا! اب تو بھی بچ گیا اور تیرے بیوی بچے بھی کیونکہ میں اس ڈنڈے کو بھی جانتی ہوں اور اس کے مالک کو بھی' وہ میرا استاد تھا جس نے مجھے جادو سکھایا ہے۔ وہ بہت بڑا جادوگر تھا اور ایک سو پینتیس سال زندہ رہا اور اس ڈنڈے اور ٹوپی کو مکمل کر کے چھوڑا۔ جب وہ انہیں تکمیل تک پہنچا چکا تو اسے موت آ گئی جس سے کسی کو مفر نہیں۔ میں نے خود سنا ہے کہ وہ اپنے بیٹوں سے کہتا تھا کہ یہ دونوں چیزیں تمہاری قسمت میں نہیں ہیں بلکہ انہیں تم سے ایک پردیسی لے جائے گا اور تمہیں پتا بھی نہ چلے گا کہ وہ کس طرح لے گیا۔ لڑکوں نے کہا ابا! بتا تو کہ وہ کس طرح انہیں لے جائے گا؟ باپ نے کہا کہ بیٹو! یہ مجھے بھی معلوم نہیں۔ بیٹا! بتا تو سہی کہ یہ چیزیں کیسے تیرے ہاتھ لگیں؟ حسن نے اپنا ماجرا سنا دیا کہ وہ انہیں کس طرح دونوں لڑکوں سے اڑا کر لے اڑا۔ یہ سن کر بڑھیا خوش ہو گئی اور کہنے لگی کہ بیٹا! اب چونکہ تیرے بیوی بچے تجھے مل جائیں گے' لہٰذا میری بات سن۔ اس تکلیف کے بعد جو اس حرامزادی نے مجھے پہنچائی ہے میں تو اس کے پاس نہ ٹھہروں گی بلکہ جادوگروں کے غار میں جا کر مرتے دم تک ان کے ساتھ رہوں گی۔ لیکن بیٹا! تو ٹوپی پہن کر اور ہاتھ میں ڈنڈا لے کر اس جگہ جا' جہاں تیرے بیوی بچے ہیں اور ڈنڈے کو زمین پر مار کر کہیو کہ اے طلسمات کے موکلو! تیرے یہ کہتے ہی موکل تیرے سامنے حاضر ہوں گے۔ اگر قبیلے کے سرداروں میں سے کوئی حاضر ہو تو جو تیری ضرورت ہو اس سے بیان کر دیجیو' اب وہ بڑھیا سے رخصت ہو کر باہر نکلا اور ٹوپی پہن کر اور ڈنڈا ہاتھ میں لے کر اس جگہ پہنچا۔ جہاں اس کی بیوی تھی اور دیکھا کہ اس پر مردنی چھائی ہوئی ہے اور وہ ٹکٹکی سے بندھی ہوئی لٹک رہی ہے۔ اس

کے بال لٹکے ہوئے ہیں۔ وہ غمگین ہے اور رو رہی ہے' برا حال ہے۔ اس کے بچے سیڑھی کے نیچے کھیل رہے ہیں اور وہ ان پر اور اپنے آپ پر واویلا کر رہی ہے اور سخت مصیبت میں مبتلا ہے۔ اسے اس تکلیف اور ذلت میں دیکھ کر حسن کو غش آ گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ بچے کھیل کود رہے ہیں اور ان کی ماں مارے تکلیف کے بے ہوش پڑی ہے تو اس نے ٹوپی اتار لی اور بچوں کے شور سے ماں کو ہوش آ گیا۔ اسے کوئی نظر نہ آیا۔ اس نے صرف یہ دیکھا کہ بچے رو رہے ہیں اور ابا ابا پکار رہے ہیں۔ بچوں کو باپ کا نام لیتے اور روتے دیکھ کر وہ بھی رو پڑی۔ اس کا سینہ پھٹنے لگا اور وہ زخم خوردہ دل سے کہنے لگی تم کہاں اور تمہارا باپ کہاں! اس کے بعد اسے وہ زمانہ یاد آ گیا جب کہ وہ ساتھ تھے۔ نیز وہ باتیں جو اس کی جدائی کے بعد اس پر گزری تھیں اور وہ اتنا روئی کہ آنسوؤں سے اس کے رخسار گھائل ہو گئے مگر اس کا کوئی ہاتھ کھلا ہوا نہ تھا کہ وہ آنسو پونچھ سکے' ہاں مکھیاں اس کی جلد پر بیٹھی خون چوس رہی تھیں اور اس کے لئے سوائے رونے کے کوئی چارہ نہ تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## آٹھ سو تیسویں رات

آٹھ سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- رونے دھونے کے بعد حسن کی بیوی نے ادھر ادھر دیکھا کہ آخر اس کے لڑکے کیوں رو رہے ہیں اور کسے اپنا باپ کہہ کر پکار رہے ہیں لیکن اسے کوئی شخص دکھائی نہ دیا جب اسے کوئی نظر نہ آیا تو اسے تعجب ہوا کہ اس وقت بچوں نے اپنے باپ کو کیوں یاد کیا۔

یہ تو اس کی داستان ہوئی' اب حسن کا ماجرا سنو' وہ اسے روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگا اور اتنا رویا کہ بے ہوش ہونے کے قریب ہو گیا۔ پھر روتے روتے بچوں کے پاس جا کر اس نے ٹوپی اتارلی۔ بچوں نے اسے دیکھ کر کر پھر پہچان لیا اور پھر ابا ابا کہہ کر چلانے لگے۔ بچوں کے منہ سے باپ کا نام سن کر ان کی ماں رونے لگی' اس نے کہا خدا کے لکھے کے خلاف کسی کی نہیں چلتی۔ وہ حیران تھی کہ یا اللہ! اس وقت بچے کیوں اپنے باپ کو یاد کر رہے ہیں اور پکار رہے ہیں۔ حسن سے اب زیادہ صبر نہ ہو سکا اوراس نے ٹوپی اتار لی۔ جونہی اس کی بیوی نے اسے دیکھا' اس زور سے چیخ ماری کہ سارے محل والے سہم گئے۔ پھر اس نے پوچھا کہ تو یہاں تک کیسے پہنچ گیا؟ کیا تو آسمان پر سے اترا ہے یا زمین توڑ کر نکل آیا ہے؟ اس کے بعد اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور حسن بھی رو پڑا۔ بیوی نے کہا کہ اے شخص! یہ نہ رونے کا وقت ہے نہ شکوے شکایت کا۔ جو قسمت میں لکھا تھا پورا ہو گیا اور آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ جو خدا نے ازل میں حکم دے دیا تھا' قلم نے لکھ دیا' میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ جہاں سے آیا ہے' وہاں لوٹ جا' کہیں کوئی تجھے دیکھ نہ لے۔ اگر میری بہن کو خبر ہو گئی تو وہ مجھے بھی ذبح کر ڈالے گی اور تجھے بھی۔ حسن بولا اے میری اور تمام شہزادیوں کی آقا! میں جان پر کھیل کر یہاں آیا ہوں' اب یا تو مر جاؤں گا یا اس مصیبت سے چھڑا کر تجھے اور اپنے بچوں کو وطن لے جاؤں گا' خواہ تیری بہن

.... کتنی ہی مخالفت کیوں نہ کرے۔
اس کی باتیں سن کر وہ مسکرانے اور ہنسنے لگی اور دیر تک اپنا سر ہلاتی رہی۔ پھر بولی اے میری جان! ممکن نہیں کہ سوائے خدا کے اور کوئی مجھے اس مصیبت سے چھڑا سکے' لہٰذا یہاں سے بھاگ جا اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈال۔ اس کے پاس اتنا زبردست لشکر ہے کہ کسی کو اس کے مقابلے کی تاب نہیں ہو سکتی اور مان لیا کہ تو مجھے لے کر یہاں سے چل دیا لیکن یہ تو بتا کہ آخر ان جزیروں سے نکل کر جہاں بے حد دشواریاں اور خطرے ہیں' اپنے وطن کس طرح پہنچے گا؟ راہ میں تو نے خود عجیب و غریب چیزیں' خطرے اور ایسی ایسی بلائیں دیکھی ہوں گی جن سے بڑے بڑے زبردست جنوں کا چھٹکارا بھی ممکن نہیں لہٰذا فوراً چل دے اور مجھے غم پر غم اور رنج پر رنج نہ دے اور یہ دعویٰ نہ کر کہ تو مجھے اس حالت سے نجات دے کر اپنے وطن لے جائے گا۔ حسن بولا! اے میری آنکھ کی روشنی' قسم ہے مجھے تیری جان کی میں بے تیرے نہ اس جگہ سے نکلوں گا' نہ سفر کروں گا۔ اس نے جواب دیا اے شخص تو یہ کام کیسے کر سکتا ہے! آخر تجھ میں کیا کمال ہے؟ تو سوچ سمجھ کر بات نہیں کرتا۔ اگر تیرے قبضے میں جن اور دیو اور جادوگر بھی ہوں تو بھی تو اس جگہ سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ بہتر ہے کہ تو اپنی جان لے کر بھاگ اور مجھے چھوڑ دے' ممکن ہے کہ خدا ان باتوں کے بعد دوسری باتیں پیدا کر دے۔
حسن بولا اے حسینوں کی سرتاج میں تو آیا ہی اس لئے ہوں کہ اس ڈنڈے اور ٹوپی کے زور سے تجھے چھڑاؤں۔ یہ کہہ کر وہ دونوں لڑکوں کا قصہ اس سے بیان ہی کر رہا تھا کہ ملکہ آ پہنچی اور ان کی گفتگو سننے لگی ملکہ کو دیکھ کر حسن نے ٹوپی پہن لی اور وہ اپنی بہن سے کہنے لگی' اے کم ذات! تو کس سے باتیں کر رہی تھی؟ اس نے جواب دیا سوائے ان بچوں کے یہاں کون ہے جو مجھ سے باتیں کرے۔ اب ملکہ نے کوڑا لے کر اسے مارنا شروع کر دیا اور حسن کھڑا دیکھتا رہا' اس نے اتنا مارا

کہ وہ بے ہوش ہو گئی اور حکم دیا کہ اسے اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔
لوگ اسے کھول کر دوسری جگہ لے گئے جہاں اسے لے گئے حسن بھی ساتھ گیا۔

وہاں پہنچ کر انھوں نے اسی بے ہوشی کی حالت میں اسے زمین پر ڈال دیا اور کھڑے دیکھتے رہے۔ جب اسے ہوش آیا تو کنیزیں اس کے پاس سے چلی گئیں۔ حسن نے پھر ٹوپی اتار لی۔ اس کی بیوی نے کہا' اے شخص! دیکھ یہ میری گت اس لئے بنی ہے کہ میں نے تیری نافرمانی کی اور تیرا حکم نہ مانا اور بغیر تیری اجازت کے چلی آئی۔
اے شخص! خدا کے لئے اس کی سزا مجھے نہ دیجیو۔ یقین جان کہ جب تک میاں بیوی میں جدائی نہیں ہوتی' اس وقت تک بیوی میاں کی قدر نہیں جانتی۔ سچ ہے کہ میں گنہگار اور خطاوار ہوں لیکن خدا کے آگے اپنے کئے کی معافی مانگتی ہوں۔ اگر خدا نے ہمیں پھر ملا دیا تو میں کبھی تیرے حکم کی نافرمانی نہ کروں گی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو چوبیسویں رات

آٹھ سو چوبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب حسن کی بیوی نے اس کے آگے معذرت کی تو حسن کا دل دکھنے لگا۔ اس نے کہا کہ خطا تیری نہیں ہے بلکہ میں خطاوار ہوں کیونکہ میں تجھے ایسے شخص کے پاس چھوڑ کر چلا گیا جسے تیری قدر و قیمت بالکل معلوم نہ تھی اور اے میرے دل کی ٹھنڈک اور آنکھ کی روشنی! خدا نے مجھے یہ قدرت دی ہے کہ میں تجھے چھڑا لوں لیکن یہ بتا اس کے بعد تو یہ چاہتی ہے کہ جب تک خدا کا حکم پورا نہ ہو لے اپنے باپ کے پاس رہے۔ یا یہ چاہتی ہے کہ فوراً ہمارے وطن چلی چلے جہاں تیرے لئے خوشی ہی خوشی ہے؟ اس نے جواب دیا سوائے آسمان کے پروردگار کے مجھے کون چھڑا سکتا ہے' لہٰذا اپنے ملک کو چلا جا اور لالچ اپنے دل سے نکال ڈال کیونکہ ان ملکوں کے خطروں کی تجھے خبر نہیں۔ اگر تو نے میرا کہنا نہ مانا تو عنقریب اس کا مزہ چکھ لے گا۔ اس کے بعد وہ اور اس کے بچے اتنا روئے کہ کنیزیں ان کی آواز سن کر اندر آ گئیں اور انہوں نے دیکھا کہ شہزادی منار النساء اور اس کے بچے رو رہے ہیں۔ حسن ان کی نظروں سے غائب تھا کنیزوں کا دل ان پر اتنا کڑھا کہ وہ رونے اور ملکہ نور الہدیٰ کو کوسنے لگیں۔ حسن نے رات تک انتظار کیا۔ جب پہرے دار چلے گئے تو وہ اٹھا کمر کس کر اپنی بیوی کے پاس آیا اسے کھول کر اس کا سر چوما' سینے سے لگایا اور کہا کہ میں اس بات کا کتنا مشتاق ہوں کہ اپنے وطن جا کر سب سے ملوں۔ معلوم نہیں کہ ہمارا اس وقت کا ملنا خواب میں ہے یا بیداری میں؟ یہ کہہ کر اس نے بڑے لڑکے کو گود میں اٹھایا اور اس کی بیوی نے چھوٹے لڑکے کو اور محل سے نکل کر چل دیئے۔ خدا نے ان کی پردہ پوشی کی۔ محل سے نکل کر وہ اس دروازے پر پہنچے جو ملکہ کی حرم سرا میں کھلتا تھا۔ یہ دیکھ کر کہ اس میں قفل پڑا ہوا ہے' حسن لاحول.... پڑھنے لگا اور انہیں یقین ہو گیا

کہ یہاں سے نکلنا ناممکن ہے حسن "یامشکل کشا" کہہ کر ہاتھ ملنے لگا کہ سوائے اس کے ہر بات کا میں نے انتظام کر لیا اور نتیجہ سوچ لیا تھا۔ دن نکلتے ہی لوگ ہمیں گرفتار کر لیں گے' اب کیا کرنا چاہیے! حسن کے آنسو نکل پڑے۔ اس کی بیوی بھی رونے لگی۔ اپنی توہین اور رنج و الم کا خیال کرکے افسوس کرتی اور کہتی کہ خدا کی قسم! ہمیں بے اس کے چین نہیں ملے گا کہ ہم خودکشی کرکے اس مصیبت سے نجات پائیں ورنہ کل صبح ہمیں پھر تکلیفوں کا سامنا ہے۔

وہ یہیں باتیں کر رہے تھے کہ کسی نے باہر سے آواز دی اور کہا اے میری آقا منار النساء اور اس کے شوہر حسن! جب تک تم میری بات نہ مان لو میں دروازہ نہ کھولوں گی۔ وہ چپ ہو گئے۔ اور چاہتے ہی تھے کہ جہاں سے آئے ہیں وہیں لوٹ جائیں کہ اتنے میں پھر کسی کی آواز آئی کہ تم چپ کیوں ہو' جواب کیوں نہیں دیتے۔ اب دونوں نے پہچان لیا کہ بڑھیا شواہی ذات الدواہی کی آواز ہے اور جواب دیا کہ جو کچھ تیرا حکم ہو' ہم ماننے کے لئے تیار ہیں لیکن پہلے دروازہ تو کھول دے' یہ زیادہ باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے۔ بڑھیا بولی کہ خدا کی قسم! میں اس وقت تک دروازہ نہ کھولوں گی جب تک تم قسم نہ کھاؤ کہ تم مجھے اپنے ساتھ لے چلو گے' میں اس ظالم کے پاس رہنا نہیں چاہتی جو تمہاری حالت ہو گی وہی میری بھی ہو گی اور اگر تم صحیح و سلامت رہے تو میں بھی رہوں گی اور اگر تم پر مصیبت آئے گی تو میں بھی اسے جھیلوں گی کیونکہ یہ حرامزادی ہر وقت میری ذلت کرتی ہے اور تمہاری وجہ سے میرے پیچھے پڑ گئی ہے اور اے بیٹی! تو میری قدر و قیمت جانتی ہے۔ جب انہوں نے بڑھیا کو پہچان لیا تو انہیں اطمینان ہوا اور انہوں نے اتنی قسمیں کھائیں کہ اسے یقین آ گیا اور اس نے دروازہ کھول دیا' دونوں باہر نکل آئے' دیکھا کہ بڑھیا ایک رومی سرخ مٹی کے مٹکے پر سوار ہے' مٹکے کے گلے میں تاڑ کے ریشوں کی ایک رسی پڑی ہوئی ہے' مٹکا اس کے نیچے گھوم رہا اور نجدی بچھیرے سے بھی تیز چل رہا ہے۔ بڑھیا نے آگے بڑھ

کرکہا کہ میرے پیچھے پیچھے آؤ اور کسی بات سے نہ ڈرو۔ جادو کے چالیس باب مجھے برزبان یاد ہیں جن میں سے سب سے چھوٹا یہ ہے کہ "میں اس شہر کو ایک متلاطم سمندر بنا سکتی ہوں جس میں تمام لڑکیاں جادو کے زور سے مچھلیاں بن جائیں اور سویرا ہونے سے پہلے پہلے یہ تمام باتیں پیش آ جائیں" لیکن میں محض اس کے باپ کے ڈر سے اور اس کی بہنوں کی خاطر یہ نہیں کر سکتی کیونکہ ان کے پاس دیووں اور جنوں کابہت بڑا لشکر ہے۔ تم عنقریب میرے جادو کی نیرنگیاں دیکھ لو گے۔ خدا سے برکت اور مدد کی دعا مانگ کر چل کھڑے ہو۔ یہ سن کر حسن اور اس کی بیوی خوش ہو گئے اور ان کو اپنی نجات کا یقین آ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو چھبیسویں رات

آٹھ سو چھبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب حسن' اس کی بیوی اور بڑھیا شاہی محل سے نکلے اور انہیں اپنے بچ جانے کا یقین ہو گیا تو وہ شہر کے باہر پہنچے' حسن نے ڈنڈا لے کر زمین پر مارا اور دل کو کڑا کر کے کہا' اے اس طلسمات کے موکلو' تم اپنے حال سے آ کر مجھے مطلع کرو! زمین پھٹی اور اس میں سے دس دیو نکلے جن کے پاؤں زمین کے اندر دھنسے ہوئے اور سر بادلوں سے ٹکر کھا رہے تھے۔ انہوں نے حسن کے آگے تین بار زمین چومی اور یک زبان ہو کرکہا اے ہمارے آقا اور حاکم! ہم حاضر ہیں' تیرا ہر حکم ماننے اور بجا لانے کے لئے تیار ہیں' اگر تو چاہے تو ہم سمندروں کو سکھا دیں اور پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دیں۔ حسن نے دیکھا کہ کتنی جلد انہوں نے جواب دیا تو وہ خوش ہو گیا اور اپنا دل مضبوط کر کے کہنے لگا تم لوگ کون ہو' تمہارے نام کیا ہیں' کس قبیلے کی طرف تم منسوب ہو' کس گروہ' کس جماعت اور کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ یہ سن کر انہوں نے دوبارہ زمین چومی اور بولے کہ ہم میں سات بادشاہ ہیں' ہر ایک جنوں' شیطانوں اور دیووں کے سات سات قبیلوں پر حکومت کرتا ہے' لہٰذا ہم سات بادشاہوں کے ماتحت جنات' شیاطین اور دیووں کے انچارج قبیلے ہیں جن میں اڑنے والے' زمین کے اندر گھسنے والے' پہاڑوں' جنگلوں' بیابانوں اور سمندروں کے اندر رہنے والے ہیں' تو جو حکم دینا چاہے دے' ہم تیرے نوکر اور غلام ہیں جس کے قبضے میں یہ ڈنڈا ہے وہی ہماری گردنوں کا بھی مالک ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

ان کی باتیں سن کر حسن' اس کی بیوی اور بڑھیا سب کے سب خوش ہو گئے اور حسن نے ان جنوں سے کہا' میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے قبیلوں اور لشکروں سے ملاؤ۔

انہوں نے جواب دیا اے ہمارے آقا! ہم تجھے اور تیرے ساتھیوں کواپنے لوگوں سے ملاتے

ہوئے ڈرتے ہیں کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ صورتیں' شکلیں' رنگ' چہرے اور بدن طرح طرح کے ہیں۔ بعض ہم میں سے سر ہیں بے جسمکے اور بعض جسم ہیں بے سر کے' بعضوں کی شکل وحشی جانوروں کی ہے اور بعضوں کی درندوں کی سی۔ لیکن اگر تو یہی چاہتا ہے تو ہم ضرور دکھائیں گے اور سب سے پہلے تو ان کو دیکھے گا جو وحشی جانوروں کی شکل کے ہیں۔ مگر اے ہمارے آقا! اس وقت تو ہم سے کیا چاہتا ہے؟ حسن نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے' میری بیوی اور اس نیک عورت کو ابھی بغداد لے چلو۔ یہ سن کر جنوں نے سر نیچا کر لیا' حسن نے پوچھا کہ تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ وہ یک زبان ہو کر بولے' اے ہمارے آقا اور حاکم! ہم حضرت سلیمان بن داؤد کے زمانے کے ہیں۔ انہوں نے ہمیں قسم دی تھی کہ ہم کسی آدم زاد کو اپنے اوپر سوار نہ کریں۔ اس وقت سے لے کر آج تک نہ کسی آدم زاد کو ہم نے اپنے اپنے کندھوں پر بیٹھایا ہے نہ پیٹھوں پر' لیکن ہم فوراً جنات کے گھوڑوں کو کس کر لاتے ہیں' وہ تجھے اور تیرے ساتھیوں کو تیرے وطن پہنچا آئیں گے۔ حسن نے پوچھا یہاں سے بغداد کتنی دور ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تیز رفتار سوار کے لئے سات برس کی راہ۔ حسن نے تعجب سے کہا پھر میں کیسے ایک سال سے کم میں پہنچ گیا؟ انہوں نے جواب دیا' خدا نے اپنے نیک بندوں کا دل تجھ پر مہربان کردیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس ملک تک تیری پہنچ نہ ہوتی بلکہ تو اس کی صورت بھی نہ دیکھ سکتا۔

شیخ عبدالقدوس نے تجھے ہاتھی اور میمون گھوڑے پر بٹھا کر تین دن میں اتنی دور پہنچایا ہے جتنا کہ ایک تیز رفتار سوار تین برس کی راہ چلتا ہے اور شیخ ابوالرویش نے جو تجھے دہنش کے سپرد کیا تھا اس نے ایک رات اور ایک دن میں تیرے ساتھ تین برس کی مسافت طے کی۔ یہ خدا کی مہربانی تھی کیونکہ شیخ ابوالرویش' آصف بن برخیا کی اولاد میں سے ہے اور اسے اسم اعظم آتا ہے۔ بغداد سے لڑکیوں کے محل تک ایک برس کی راہ ہے یہ پورے سات سال ہو گئے۔ یہ سن کر حسن کو بڑا تعجب ہوا اور وہ کہنے

لگا کہ پاک ہے وہ ذات جو مشکلیں آسان کرتی ہے' ٹوٹے ہوئے دل جوڑتی ہے' دور کو نزدیک کرتی ہے اور ہر ظالم سرکش کو نیچا دکھاتی ہے' اس نے ہماری مشکلیں آسان کیں اور مجھے اس ملک میں پہنچا کر ان تمام مخلوق کو میرا فرمانبردار بنایا اور مجھے میرے بیوی بچوں سے ملایا۔ نہ معلوم میں سو رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں' نشے میں ہوں یا ہوش میں۔ اس کے بعد حسن نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا اگر تم ہمیں اپنے گھوڑوں پر سوار کرا دو گے تو وہ ہمیں کتنے دن میں بغداد پہنچا دیں گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ پہنچا تو وہ تمہیں ایک سال سے کم میں دیں گے لیکن اس مدت میں بے شمار تکلیفوں' سختیوں اور خطروں کا سامنا ہو گا' خشک گھاٹیوں' دہشت ناک بیابانوں' جنگلوں اور مہلک مقامات میں سے ہو کر گزرنا ہو گا کیونکہ اے میرے آقا! ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ان جزیروں والوں سے تجھے نقصان نہ پہنچ جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## آٹھ سو چھبیس ویں رات

آٹھ سو چھبیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جنوں نے حسن سے کہا اے ہمارے آقا! ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ان جزیرے والوں سے تجھے نقصان نہ پہنچ جائے یا ملک اکبر سے' یا ان جادوگروں اور کاہنوں سے' ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں شکست دے کر تمہیں ہم سے چھین لیں اور ہماری بری درگت بنائیں اور جو کوئی یہ خبر سنے' ہم سے کہے کہ تم نے بڑی زیادتی کی ہے' تم نے یہ کیا کیا کہ ملک اکبر کے ملک میں جا کر اس لڑکی کو بھی اٹھا لے گئے اور ایک انسان کو بھی! اگر تو اکیلا ہمارے ساتھ ہوتا تو ہمارے لئے آسانی تھی لیکن پروا نہیں' جس ذات نے تجھے ان جزیروں تک پہنچایا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تجھے تیرے وطن پہنچا دے اور تو عنقریب اپنی ماں سے مل جائے۔ ہمت کرکے خدا پر بھروسہ کر اور ڈر نہیں' جب تک اپنے وطن نہ پہنچ جائے گا ہم تیرے ساتھ رہیں گے۔ حسن نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ خدا تمہیں نیک بدلہ دے! اچھا گھوڑے جلد لاؤ' انہوں نے پاؤں زمین پر مارے' زمین پھٹ گئی اور وہ اس کے اندر غائب ہوگئے اور تھوڑی دیر بعد تین گھوڑے لے کر نکلے جن پر زینیں کسی ہوئی' لگامیں لگی ہوئی تھیں او ہر زین کے اگلے حصے میں دو دو خرجیاں لٹکی ہوئی تھیں' ایک میں پانی بھری تھیلیاں تھیں اور دوسری میں کھانا' انہوں نے گھوڑے پیش کئے۔ ایک پر حسن سوار ہو گیا اور ایک لڑکے کو اپنے آگے بٹھا لیا' دوسرے پر اس کی بیوی بیٹھی او دوسرے لڑکے کو اپنے سامنے سوار کر لیا' پھر بڑھیا اپنے مٹکے پر سے اتر کر تیسرے گھوڑے پر بیٹھ گئی۔ رات بھر چلے'صبح ہوئی تو راستے سے ہٹ کر پہاڑ کا رخ کیا اور برابر خدا کی یاد میں لگے لگے چلتے رہے۔

چلتے چلتے حسن کو اپنے آگے ایک پہاڑ دکھائی دیا جو ایک ستون کی طرح تھا اور اتنا لمبا کہ گویا دھواں آسمان کی طرف اٹھ رہا ہے۔ اسے دیکھ کر حسن قرآن کی آیتیں پڑھنے

لگا اورخدا کے آگے مردود شیطان سے پناہ مانگی۔ جوں جوں وہ اس کے قریب ہوتے جاتے‘ سیاہی زیادہ صاف نظر آتی جاتی۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے نیچے پہنچ گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک دیو ہے‘ جس کا سر ایک بڑے گنبد جیسا‘ دانت نیزوں کی طرح‘ جبڑا سڑک کی مانند‘ نتھنے لوٹوں کی مثل‘ کان جیسے چڑے کی ڈھالیں‘ منہ غار‘ دانت پتھر کے ستون اور ہاتھ سلائیوں کی طرح اور ٹانگیں مستولوں جیسی‘ اس کا سر بادلوں کے اندر تھا اور پاؤں زمین کے نیچے مٹی میں۔ اس دیو کو دیکھتے ہی حسن نے اس کے آگے جھک کر زمین چومی‘ دیو نے کہا‘ اے حسن! مجھ سے ڈر نہیں میں اس ملک کے باشندوں کا سردار ہوں اور یہ جزائر واق میں سے پہلا جزیرہ ہے۔ میں مسلمان ہوں اور خدا کی توحید کا قائل‘ تمہارے آنے کی خبر سن کر اور تمہارا حال معلوم کرکے مجھے اس بات کی آرزو ہوئی کہ جادوگروں کے ملک کو چھوڑ کر ایسی جگہ رہوں جو غیر آباد ہو۔ جہاں دور دور نہ انسان بستے ہوں نہ جنات۔ اکیلا رہ کر میں خدا کی عبادت کرتا رہوں یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری رہبری کروں تا کہ تم ان جزیروں سے نکل جاؤ۔ میں محض رات کو دکھائی دیتا ہوں۔ میری طرف سے تم مطمئن رہوں۔ کیونکہ جیسے تم مسلمان ہو‘ میں بھی ہوں۔ دیو کی باتیں سن کر حسن بہت خوش ہوا۔ اسے اپنی نجات کا یقین آ گیا اور دیو ان کے آگے مخاطب ہو کر بولا‘ خدا تجھے نیک بدلہ دے! آ ہمارے ساتھ چل۔ دیو ان کے آگے آگے ہو لیا۔ ہم باتیں اور ہنسی مذاق کرتے روانہ ہوگئے۔ سب خوش اور مطمئن تھے اور حسن اپنی بیوی سے اپنی بپتا کہتا جاتا تھا۔ اسی طرح وہ رات بھر چلتے رہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- آٹھ سو ستائیس ویں رات

آٹھ سو ستائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ وہ لوگ رات بھر گھوڑوں پر سوار رہے اور گھوڑے بجلی کی طرح چلا کئے۔ جب دن نکلا تو ہر ایک نے اپنی خرجی میں ہاتھ ڈالا' کھانا نکال کر کھایا اور پانی نکال کر پیا۔ اس کے بعد وہ اور تیز تیز چلنے لگے' دیو ان کے آگے آگے تھا' وہ ایک راستہ چھوڑ کر انہیں دوسرے راستے سے لے گیا جہاں بالکل آمد و رفت نہ تھی اور جو سمندر سے لگا لگا جاتا تھا۔
اسی طرح وہ ایک مہینے تک گھاٹیاں اور بیابان طے کرتے رہے اور اکتیس ویں دن انہیں گرد اڑتی نظر آئی جو اٹھ کر چاروں طرف پھیل گئی او دن تاریک نظر آنے لگا اور ڈراؤنی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ حسن گھبرا گیا اور اس کے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی۔ بڑھیا نے حسن سے مخاطب ہو کر کہا بیٹا! جزائر واق کا لشکر آ پہنچا ہے اور وہ ہمیں فوراً گرفتار کرلیں گے۔ حسن بولا! اب کیا کیا جائے؟ اس نے جواب دیا کہ ڈنڈا زمین پر مار۔ ڈنڈا زمین پر مارنا تھا کہ ساتوں بادشاہ نکل کر حسن کے پاس آئے اور اس کے آگے زمین چوم کر کہنے لگے کہ ڈر نہیں' گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ ان کی یہ بات سن کر حسن خوش ہو گیا اور کہنے لگا اے جنوں اور دیوؤں کے سردارو! تم نے خوب کیا' یہی تمہاری مدد کا وقت ہے۔ وہ بولے کہ تو اپنی بیوی' بچوں اور ساتھیوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھ جا' ہم ان سے نبٹ لیں گے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ تم لوگ حق پر ہو اور وہ باطل پر' خدا ہمیں ان پر فتح دے گا۔ حسن' اس کے بیوی بچے اور بڑھیا گھوڑوں پر سے اتر پڑے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو اٹھائیس ویں رات

آٹھ سو اٹھائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ حسن اس کی بیوی بچے اور بڑھیا گھوڑوں پر سے اتر کر پہاڑ کے دامن پر چڑھ گئے۔ اتنے میں ملکہ نور الہدیٰ اپنے لشکر کے میمنے اور میسرے کے ساتھ آ پہنچی' سرداروں نے صفیں آراستہ کیں' دونوں لشکر مقابلے میں آئے۔ دونوں ایک دوسرے پر پل پڑے' شعلے بلند ہوئے' بہادر بڑھنے اور بزدل بھاگنے لگے' جنوں کے منہ سے آگ کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں یہاں تک کہ رات ہو گئی اور دونوں گروہ الگ الگ ہو گئے۔ جب وہ گھوڑوں سے اترے تو انہوں نے آگ جلائی۔ اب ساتوں بادشاہوں نے حسن کے پاس آ کر زمین چومی' اس نے شکریہ ادا کیا' فتح کی دعا دی اور ان سے پوچھا کہ ملکہ نور الہدیٰ کی فوج کے مقابلے میں ان کا کیا حال رہا؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ تین دن سے زیادہ ہمارے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتے! آج بھی میدان ہمارے ہی ہاتھ رہا ہے۔ ہم نے ان میں سے قریب دو ہزار کے قیدی پکڑے ہیں اور قتل تواتنوں کو کیا ہے جن کی گنتی نہیں' لہٰذا خوش ہو اور غم نہ کر۔ اس کے بعد وہ اس سے رخصت ہو کر اپنے لشکر کی حفاظت کے لئے روانہ ہو گئے اور انہوں نے رات بھر آگ جلتی رکھی۔ صبح ہوئی اور دن نکلا تو سوار گھوڑوں پر سوار ہ گئے' چمکدار تلواروں اور گندمی نیزوں سے لڑنے لگے تمام رات انہوں نے گھوڑوں کی پیٹھ پر گزاری' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک موجزن سمندر ہیں اور لڑائی کے شعلے لپٹیں مار رہے ہیں۔ انہوں نے اتنے سخت حملے کئے کہ واق کا لشکر دبنے لگا۔ ان کے دل ٹوٹ گئے' ہمت پست ہو گئی اور قدم ڈگمگانے لگے۔ وہ جس طرف بھاگ کر جاتے' شکست کھاتے بالاخر وہ دم دبا کر بھاگے۔ ان کا بڑا حصہ مارا جا چکا تھا' ملکہ نور الہدیٰ اور اس کے سردار اور مصاحب قید ہو چکے تھے۔

جب سویرا ہوا تو ساتوں بادشاہوں نے آ کر حسن کے لئے مرمر کا تخت لگایا جس میں

موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے اور تخت پر اسے بٹھا کر اس کے پاس ایک اور تخت بچھایا جو اس کی بیوی منار السناء کے لئے تھا۔ یہ تخت ہاتھی دانت کا تھا جس پر قیمتی سونے کے پتھر چڑھے ہوئے تھے۔ وہ اس پر بیٹھ گئی۔ اس کے پہلو میں انہوں نے تیسرا تخت ڈالا' اس پر بڑھیا شواہی ذات الدواہی کو بٹھایا۔ اس کے بعد انہوں نے حسن کے سامنے قیدیوں کو پیش کیا۔ ان میں ملکہ نور الہدیٰ بھی تھی' اس کی مشکیں بندھی ہوئی اور پاؤں میں بیڑیاں پڑی تھیں۔ بڑھیا نے اسے دیکھ کر کہا' اے ظالمہ اور فاجرہ! تیری سزا اب یہی ہو سکتی ہے کہ وہ کتیوں کو بھوکا اور دو گھوڑوں کو پیاسا رکھ کر تجھے گھوڑوں کی دموں سے باندھ دیا جائے اور اور انہیں سمندر کی طرف بھگا کر دونوں کتیوں کو تیرے پیچھے لگا دیا جائے تاکہ وہ تیرے تکے بوٹیاں کر ڈالیں۔ اے فاجرہ! تو نے اپنی بہن کے ساتھ یہ حرکت کیوں کی؟ حالانکہ اس نے خدا اور رسول کی سنت کے موافق حلال طور پر شادی کی ہے' اسلام بھی رہبانیت نہیں سکھاتا اور نکاح کرنا تمام بڑے پیغمبروں کی سنت رہی ہے' عورتیں مردوں ہی کے لئے تو پیدا ہوئی ہیں۔ اب حسن نے حکم دیا کہ تمام قیدی قتل کر دیئے جائیں اور بڑھیا نے چلا کر کہا کہ سب کو قتل کر دیا جائے' ایک بھی نہ بچنے پائے۔ شہزادی منار السناء نے اپنی بہن کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ گرفتار ہے اور اس کے بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں تو وہ رونے لگی' اس نے پوچھا کہ بہن تو جانتی ہے کہ یہ کون شخص ہے جس نے ہمارے ملک میں آ کر ہم پر فتح پائی ہے اور ہمیں قیدی بنایا ہے؟ اس نے جواب دیا یہ عجیب و غریب بات ہے۔ اس شخص نے ہمیں نیچا دکھایا ہے جس کا نام حسن ہے اور خدا نے اسے ہم پر بھی حاکم بنایا ہے اور ہمارے تمام ملک پر بھی' اسی نے ہمیں اور جنوں کے بادشاہوں کو شکست دی ہے۔ اس کی بہن نے کہا کہ محض اس ٹوپی اور ڈنڈے کی وجہ سے خدا نے اسے تم پر جیت دی ہے تمہیں نیچا دکھایا اور گرفتار کیا ہے۔ اب ملکہ کو یقین ہو گیا کہ اسی وجہ سے اس نے اپنی بیوی کو چھڑا لیا ہے' اور اس نے اپنی بہن کے آگے اس قدر ہاتھ جوڑے کہ اس کا دل پسیج گیا۔

شہزادی نے اپنے شوہر حسن سے کہا کہ تو میری بہن کو کیا سزا دینا چاہتا ہے؟ اس وقت وہ تیرے قبضے میں ہے لیکن اس نے تیرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی ہے جس کی

تو اسے سزا دے۔ حسن نے کہا کہ یہ کافی ہے کہ اس نے تیرے ساتھ برا سلوک کیا۔ اس نے جواب دیا کہ جو کچھ برائی اس نے میرے ساتھ کی اس میں وہ مجبور تھی۔ میرے باپ کا دل میرے لئے پہلے ہی میری وجہ سے دکھا ہوا ہے۔ اگر میری بہن بھی نہ رہی تو اس کا کیا حال ہو گا؟ حسن بولا کہ رائے تیری رائے ہے' جو تیرا جی چاہے کر۔ یہ سن کر شہزادی منار النساء نے حکم دیا کہ سب قیدی آزاد کر دیئے جائیں اور اسی طرح اس کی بہن بھی۔ اس کے بعد اس نے بڑھ کر اپنی بہن کو گلے لگا لیا۔ دونوں رونے لگیں اور بہت دیر تک روتی رہیں۔ پھر ملکہ نور الہدیٰ نے اپنی بہن سے کہا کہ بہن' جو برائی میں نے تیرے ساتھ کی ہے اس کا بدلہ نہ لیجیو۔ شہزادی منار النساء بولی بہن! تقدیر میں یہی لکھا تھا۔ دونوں تخت پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں اور منار النساء نے اپنی بہن اور بڑھیا میں بھی ملاپ کرا دیا اور دونوں خوش ہو گئیں۔

اس کے بعد حسن نے اس لشکر کو جو ڈنڈے کی خدمت میں تھا' رخصت کیا اور جو فتح انہوں نے اس کے دشمنوں پر حاصل کی تھی' اس کا شکریہ ادا کیا۔ شہزادی منار النساء نے اپنی بہن سے وہ ساری سرگزشت بیان کی جو اسے اس کے شوہر حسن کے ساتھ پیش آئی تھی اور تمام تکلیفیں جو حسن نے اس کی خاطر اٹھائی تھیں اور کہا کہ ایسے کارنامے کون کر سکتا تھا اور اتنی قوت کس میں تھی! محض خدا کی مدد تھی کہ وہ ہمارے ملک میں آیا' تجھے گرفتار کیا' تیرے لشکر کو مار بھگایا اور تیرے باپ ملک اکبر کو نیچا دکھایا جو تمام جنوں کے بادشاہوں کا سردار ہے۔ اس کے حق میں کمی کرنا ظلم ہے۔ اس کی بیوی بولی کہ اے بہن! تیرا کہنا سچ ہے کہ اس نے اس قدر مصیبتیں جھیلیں' اور بہن! یہ سب تیری خاطر تھیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اوراس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو انتیس ویں رات

آٹھ سو انتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب شہزادی منار النساء نے اپنی بہن سے حسن کے اوصاف بیان کئے اور اسی طرح کی باتوں چیتوں میں ساری رات گزار دی' جب سورج نکلا تو کوچ کی سوچی اور ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ منار النساء بڑھیا سے بھی رخصت ہوئی کیونکہ وہ اس کے اور اپنی بہن کے درمیان ملاپ کروا چکی تھی۔ اب حسن نے زمین پر ڈنڈا مارا' موکل آ پہنچے اور انہوں نے سلام کرکے کہا کہ شکر ہے خدا کا کہ اس نے تیرا دل ٹھنڈا کیا۔ اب بتا تیرا کیا حکم ہے تاکہ ہم اسے پلک مارنے سے پہلے بجا لائیں۔ حسن نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ خدا تمہیں نیک بدلہ دے۔ اچھا اب دو بہترین گھوڑے ہمارے لئے لے آؤ۔ وہ فوراً لے آئے اور اس کے سامنے کسے کسائے پیش کر دیئے۔ ایک پر حسن سوار ہو گیا اور اپنے بڑے بیٹے کو آگے بٹھا لیا' دوسرے پر اس کی بیوی بیٹھ گئی اور چھوٹے بیٹے کو ساتھ لیا۔ ملکہ نور الہدیٰ اور بڑھیا بھی سوار ہو گئیں اور سب اپنے وطن کو روانہ ہو گئے حسن اور اس کی بیوی دائیں طرف اور ملکہ نور الہدیٰ اور بڑھیا بائیں طرف پورے ایک مہینے تک سفر کرنے کے بعد حسن اور اس کی بیوی بچے ایک شہر کے قریب پہنچے' جس کے اردگرد بہت سے درخت اور نہریں تھیں' درختوں کے پاس پہنچ کر وہ گھوڑوں سے اتر کر ستانے لگے۔

بیٹھے باتیں کر ہی رہے تھے کہ بہت سے گھوڑے آتے دکھائی دیئے انہیں دیکھ کر حسن اٹھ کھڑا ہوا ان سے مل کر معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ حسون ارض کافور اور قلعہ طیور کا مالک ہے۔ حسن نے بڑھ کر اس کے ہاتھ چومے اور سلام کیا۔ بادشاہ بھی گھوڑے پر سے اتر پڑا۔ دونوں درختوں کے نیچے فرش پر بیٹھ گئے۔ بادشاہ نے حسن کو سلام کیا اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی۔ اس سے مل کر بہت خوش ہوا اور کہا اے حسن!

اپنی سرگزشت شروع سے لے کر آخر تک بیان کر۔ حسن نے ساری داستان سنا دی‘ بادشاہ حسون کو بڑا تعجب ہوا‘ وہ کہنے لگا کہ بیٹا‘ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی جزائر واق جا کر لوٹ آیا ہو سوائے تیرے۔ تیرا ماجرا عجیب و غریب ہے لیکن شکر ہے خدا کا کہ تو صحیح و سلامت رہا۔ اس کے بعد بادشاہ سوار ہو گیا اور حسن سے کہا کہ تو بھی سوار ہو جا اور میرے ساتھ چل۔ حسن نے ایسا ہی کیا‘ چلتے چلتے شہر پہنچے‘ شاہی محل میں داخل ہو کر بادشاہ اترا‘ حسن اور اس کے بیوی بچوں کو مہمان خانے میں اتارا جہاں وہ دس دن تک کھانے پینے اور کھیل کود میں مشغول رہے۔ پھر حسن نے بادشاہ حسون سے وطن جانے کی اجازت مانگی۔ اس نے اجازت دیدی۔ حسن اور اس کے بیوی بچے سوار ہو گئے‘ بادشاہ بھی سوار ہو کر دس دن تک ان کے ہم رکاب رہا اور ان سے رخصت ہو کر لوٹ آیا۔ حسن اور اس کے بیوی بچے پورے ایک مہینے تک چلنے کے بعد ایک بڑے غار کے پاس پہنچے جس کی زمین پیتل کی تھی۔ حسن نے اپنی بیوی سے کہا تو اسے پہچانتی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ حسن نے کہا اس میں ایک بزرگ رہتے ہیں جن کا نام ابوالرویش ہے‘ ان کا مجھ پر بڑا احسان ہے کیونکہ انہی نے مجھے بادشاہ حسون سے ملایا تھا۔

حسن اپنی بیوی سے شیخ ابوالرویش کا ذکر رہی رہا تھا کہ وہ غار میں سے نکلا۔ اسے دیکھ کر حسن اپنے گھوڑے پر سے اتر پڑا اور اس کے ہاتھ چومے۔ شیخ نے اسے سلام کیا اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی اور بہت خوش ہوا‘ پھر دونوں بیٹھ گئے اور حسن نے اس سے وہ ساری باتیں بیان کیں جو اسے جزائر واق میں پیش آئی تھیں۔ شیخ ابوالرویش نے پوچھا‘ اے حسن! تو نے اپنے بیوی بچوں کو کس طرح چھڑایا؟ حسن نے ڈنڈے اور ٹوپی کا قصہ اسے سنایا۔ شیخ کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے کہا‘ اے حسن بیٹا! اگر یہ ڈنڈا اور ٹوپی نہ ہوتی تو تو اپنے بیوی بچوں کو چھڑا نہ سکتا تھا۔ حسن بولا اے میرے آقا! ہاں۔ وہ باتیں کر رہی رہے تھے کہ کسی نے غار کے دروازے پر دستک دی۔ شیخ ابوالرویش نے دروازہ کھولا دیکھا کہ شیخ عبدالقدوس ہاتھی پر سوار آیا ہے۔ شیخ عبدالرویش

نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا' گلے لگایا اور بہت خوش ہوا اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی۔ اس کے بعد اس نے حسن سے کہا کہ شیخ عبدالقدوس کو بھی ساری کہانی سنا دے۔

حسن نے ساری کہانی شروع سے لے کر آخر تک سنا دی یہاں تک کہ وہ ڈنڈے اور ٹوپی کے قصے تک پہنچا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو تیسویں رات

آٹھ سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب حسن اپنا قصہ بیان کرتے کرتے ڈنڈے اور ٹوپی تک پہنچا تو شیخ عبدالقدوس نے کہا بیٹا! اب چونکہ تو اپنے بیوی بچوں کو چھڑا لایا ہے۔ ڈنڈے اور ٹوپی کی ضرورت باقی نہیں۔ علاوہ ازیں ہماری مدد سے تو جزائر واق تک پہنچا ہے اور میں نے اپنی بھتیجیوں کی وجہ سے تجھ پر احسان کیا ہے لہٰذا مہربانی کرکے تو ڈنڈا مجھے دے اور ٹوپی شیخ ابوالرویش کو۔ یہ سن کر حسن نے سر نیچا کر لیا' اسے انکار کرتے شرم آئی۔ اپنے دل میں کہا کہ ان دونوں بزرگوں نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے اور محض انہی کی وجہ سے میری رسائی جزائر واق تک ہوئی ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو نہ میں اس جگہ تک پہنچتا نہ اپنے بیوی بچوں کو چھڑا سکتا' نہ مجھے یہ ڈنڈا اور یہ ٹوپی ملتی۔ یہ سوچ کر اس نے سر اٹھایا اور کہا ہاں' میں تمہیں دیتا ہوں لیکن اے میرے آقاؤ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری بیوی کا باپ ملک اکبر فوج لے کر آ جائے اور ڈنڈے اور ٹوپی کے چلے جانے کی وجہ سے میں اس کا مقابلہ نہ کر سکوں۔ شیخ نے حسن سے کہا بیٹا! ڈر نہیں' ہم تیری طرف سے اس جگہ گھات میں لگے رہیں گے اور جو کوئی بھی تیرے خسر کی طرف سے آئے گا اسے تیرے پاس نہ پھٹکنے دیں گے۔ تو مطمئن رہ اور کسی طرح کا خوف نہ کر۔

شیخ کی گفتگو سن کر حسن کو شرم آئی اور اس نے ٹوپی شیخ ابوالرویش کو دے کر عبدالقدوس سے کہا کہ مجھے میرے وطن پہنچا دے اور ڈنڈا لے لے۔ دونوں بزرگ خوش ہو گئے اور حسن کو اس قدر مال دیا کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ تین دن ٹھہرنے کے بعد حسن نے سفر کی اجازت مانگی' شیخ عبدالقدوس بھی اس کے ساتھ سفر کے لئے تیار ہو گیا جب حسن ایک گھوڑے پر بیٹھ کر دوسرے پر اپنی بیوی کو سوار کر دیا تو شیخ نے سیٹی بجائی' جنگل میں سے ایک بہت بڑا ہاتھی دوڑتا ہوا آ پہنچا۔ شیخ اس پر سوار ہو گیا۔

سب روانہ ہو گئے اور شیخ ابوالرویش اپنے غار کے اندر چلا گیا۔ شیخ کی رہبری سے وہ آسان راستوں اور قریب موڑوں میں سے ہو کر چلنے لگے۔ اس کا وطن جتنا قریب آتا جاتا' اتنی ہی اسے خوشی ہوتی کہ اب وہ بیوی بچوں کو لے کر اپنی ماں سے ملے گا۔ اس نے خدا کا شکر کیا اور اس کی عنایتوں اور مہربانیوں کا ممنون ہوا۔ اتنے میں انہیں قبہ خضرا' فوارہ اور سبز محل دکھائی دینے لگے اور جبل سحاب بھی دور سے نظر آنے لگا۔ شیخ عبدالقدوس نے کہا' اے حسن خوش ہو' اب آرام ہی آرام ہے' آج ہی رات تو میری بھتیجیوں کا مہمان ہو گا۔ حسن اور اس کی بیوی سن کر بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے گنبد کے پاس اتر کر ذرا دم لیا اور کھاپی کر پھر سوار ہوگئے اور محل کے قریب پہنچے۔

جب وہ محل کے پاس پہنچ گئے تو شیخ عبدالقدوس کے بھائی بادشاہ کی بیٹیوں نے نکل کر ان کا خیرمقدم کیا۔ اسی طرح انہوں نے اپنے چچا کو بھی سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا اور ان سے کہا اے میری بھتیجیو! میں نے تمہارے بھائی حسن کی مراد پوری کر دی ہے اور اس کی مدد کرکے اس کے بیوی بچوں کو چھڑا دیاہے۔ لڑکیوں نے بڑھ کر حسن کو گلے لگایا' اس سے مل کر خوش ہوئیں' اس کی خیر و عافیت پر اسے مبارکباد دی اور نیز اس بات پر کہ اس کی بیوی بچے اسے مل گئے۔ یہ دن اس کے لئے عید کا دن تھا۔ اب حسن کی چھوٹی بہن بڑھ کر اس کے گلے سے لپٹ گئی اور بلک بلک کر رونے لگی۔ حسن بھی یہ خیال کرکے کہ وہ بہن سے اتنے دنوں جدا رہا ہے' رو پڑا۔ اس کے بعد وہ شکوے شکایت کرنے لگی کہ جدائی اور فراق کے کتنے صدمے اٹھائے ہیں۔ حسن نے کہا بہن' میں اس معاملے میں تیری بہنوں سے بھی زادہ شکرگزار ہوں' خدا تیری مدد کرے اور تجھ پر عنایت کی نظر رکھے۔ پھر اس نے سفر کے تمام حالات شروع سے لے کر آخر تک اور ساری مصیبتیں جو اس نے جھیلی تھیں مع ان واقعات کے جو سالی کے ساتھ پیش آئے تھے اور یہ کہ کس طرح اس نے بیوی بچوں کو چھڑایا بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ اسے کس قدر خطروں کا سامنا ہوا۔

یہاں تک کہ اس کی سالی اسے اور اس کے بچوں کو ذبح کر ڈالنے کے لئے تیار تھی۔
اس کے بعد اس نے اسے ڈنڈے اور ٹوپی کی کہانی سنائی اور کہا کہ ان دونوں چیزوں کو شیخ عبدالرویش اور شیخ عبدالقدوس نے مجھ سے مانگ لیا ہے اور محض تیری خاطر میں نے انہیں دونوں چیزیں دے دیں۔ لڑکی نے اس پر حسن کا شکریہ ادا کیا اور اسے عمر کی درازی کی دعا دی۔ حسن نے کہا کہ خدا کی قسم میں تیری بھلائیوں کو ہرگز نہیں بھول سکتا جو تو نے میرے ساتھ شروع سے لے کر آخر تک کی ہیں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## آٹھ سو اکتیس ویں رات

آٹھ سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ حسن نے اپنی بہن سے کہا کہ میں تیری بھلائیاں ہرگز نہیں بھول سکتا جو تو نے میرے ساتھ شروع سے لے کر آخر تک کی ہیں۔ اب اس نے حسن کی بیوی منار النساء کو گلے لگا لیا اور اس کے بیٹوں کو سینوں سے چمٹا کر کہا' اے ملک اکبر کی بیٹی! کیا تیرے دل میں اتنا کم رحم تھا کہ تو نے اسے اس کے بچوں سے جدا کر دیا اور اس کا دل جلایا؟ کیا اس سے تیرا یہ مقصد تھا کہ وہ مر جائے؟ منار النساء ہنس پڑی اور کہا خدا کا یہی حکم تھا' جو کوئی لوگوں کے ساتھ برائی کرتا ہے' خدا اس کے ساتھ بری طرح پیش آتا ہے۔ اس کے بعد ان کے لئے کھانا آیا' سب نے کھایا اور خوش ہوئے۔ اسی طرح کھانے پینے میں انہوں نے خوش و خرم دس دن گزارے اور جب دس دن ہو چکے تو حسن نے سفر کی تیاری کی' اس کی بہن نے اس قدر مال و دولت اور تحفے تحائف اس کے ساتھ کر دیئے کہ بیان سے باہر ہے۔ اس کے بعد اس نے حسن کو رخصت کرنے کی غرض سے اسے اپنے گلے اور سینے سے لگا لیا۔ حسن نے شیخ عبدالقدوس کو ڈنڈا دے دیا جس پر وہ بہت خوش ہوا' اس کا شکریہ ادا کیا اور اسے لے کر اپنی جگہ چلا گیا۔ اب حسن اور اس کے بیوی بچے سوار ہو گئے لڑکیاں اپنے محل سے نکل کر اسے پہنچا آئیں۔ دو مہینے اور دس دن تک جنگل بیابان میں سفر کرتے کرتے حسن بغداد پہنچا اور اپنے گھر کے چور دروازے پر پہنچ کر جو جنگل کی طرف کھلتا تھا دستک دی۔ وہ اتنے دنوں غائب رہا تھا کہ اس کی ماں کی نیند حرام ہو گئی تھی رونے پیٹنے میں اس کے دن گزرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ بیمار پڑ گئی نہ کھاتی نہ پیتی' ہمیشہ اپنے بیٹے کو یاد کرتی۔ اسے بیٹے کے واپس آنے کا کوئی آسرا نہیں رہا تھا۔ حسن کو اپنی ماں کے رونے کی آواز آئی اور ماں نے اسے دروازے پر یہ کہتے سنا کہ اماں' زمانے کی مہربانی

سے ہم سب پھر مل گئے۔
حسن کی آواز پہچان کر ماں دروازے کی طرف بڑھی لیکن ایک دل کہتا کہ وہی ہے اور ایک دل کہتا کہ نہیں ہے۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ اس کا بیٹا اور بیوی بچے کھڑے ہیں۔ مارے خوشی کے اس نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑی۔ حسن نے ہوش میں لانے کی کوشش کی اور وہ ہوش میں آ گئی۔ اس نے حسن کو گلے سے لگا لیا اور رونے لگی۔ اس کے بعد اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ سارا سامان اندر لے جائیں اور وہ اندر لے گئے اور ماں نے اپنی بہو کو گلے لگایا' اس کے سر اور دونوں پاؤں چومے اور کہا اے ملک اکبر کی بیٹی! اگر مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہے تو میں خدا سے معافی مانگتی ہوں۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تو اتنی مدت تک کیوں غائب رہا؟ جس پر حسن نے اپنی ساری کہانی شروع سے آخر تک کہہ سنائی۔ ماں نے زور سے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑی۔ ہوش آیا تو بولی بیٹا تو نے ڈنڈا اور ٹوپی ناحق دے دی۔ اگر تو انہیں اپنے پاس رکھتا تو ساری دنیا کا بادشاہ ہو جاتا لیکن شکر ہے کہ تو' تیری بیوی اور تیرے بچے سلامت ہیں۔ رات انہوں نے بڑی خوشی سے گزاری' صبح ہوئی تو حسن نے اپنے کپڑے بدل کر ایک نہایت نفیس پوشاک پہنی اور بازار جا کر غلام' باندیاں' کپڑے' گہنے' قالین اور قیمتی برتن خریدے جن کا جواب بادشاہوں کے ہاں بھی نہ ہو گا اور پھر مکان' باغ اور جاگیریں مول لیں۔ اس کے بعد وہ اور اس کی اولاد' بیوی اور ماں خوب کھانے پینے اور مزے اڑانے' زندگی بسر کرنے اور بڑے عیش و عشرت سے رہنے لگے۔ یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ساری حکومت ہے اور جو ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والی ہے اور کبھی نہیں مرتی۔

○ خلیفہ ماہی گیر کی کہانی

پرانے زمانے کا ذکر ہے' بغداد میں خلیفہ نام کا ایک ماہی گیر رہتا تھا۔ بہت غریب' بیچارے نے افلاس کے مارے شادی بھی نہیں کی تھی۔ ایک دن وہ اپنا جال لے کر دستور کے موافق دریا پر پہنچا تاکہ دوسرے ماہی گیروں سے پہلے شکار کھیلے۔ دریا کے کنارے پہنچ کر اس نے دامن اوپر اٹھائے' کمر کسی اور پانی میں جال پھینکا۔ ایک بار پھر دوسری بار' تیسری بار' یہاں تک کہ دس مرتبہ جال ڈالے' مگر کوئی چیز نہ پھنسی' یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوا' اپنے دل میں غور کرنے لگا اور کہا کہ میں اس خدا سے مغفرت مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جو ہمیشہ زندہ ہے اور تمام چیزوں کو سنبھالے ہوئے ہے' سوائے خدا کے نہ کسی میں قوت ہے نہ طاقت' جو وہ چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ رزق دینے کا ذمے دار وہی خدا ہے اگر وہ کسی کو دینا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا اور اگر وہ کسی کو نہ دینا چاہے کوئی اسے نہیں دے سکتا۔ یہ کہہ کر وہ سر جھکائے سوچتا رہا' طبیعت نے صلاح دی کہ ایک آخری بار اور پھینکوں اور خدا پر بھروسہ کروں' ممکن ہے کہ وہ مجھے ناامید نہ کرے۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا' اپنا ہاتھ خوب لمبا کرکے جال پھینکا اور اس کی رسیاں پکڑ کر تھوڑی دیر انتظار کیا پھر اسے کھینچا تو دیکھا کہ وہ بھاری ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو بتیسویں رات

آٹھ سو بتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جو ماہی گیر نے جال کھینچا تو اسے بھاری معلوم ہوا' اس نے بہت سنبھال کر کھینچا۔ جب وہ باہر آیا تو اس میں ایک کانا اور لنگڑا بندر نکلا۔ اسے دیکھ کر خلیفہ لاحول پڑھنے لگا اور کہا کہ میری قسمت بھی عجب منحوس ہے کہ آج کے مبارک دن میں مجھے یہ ہاتھ آیا لیکن قسمت میں یہی لکھا ہے کیا کیا جائے! اس نے بندر کو ایک رسی سے باندھا اور رسی ایک درخت سے اٹکا دی۔ ماہی گیر کے پاس ایک کوڑا تھا' اس نے کوڑا ہاتھ میں لے کر اوپر اٹھایا اور چاہتا ہی تھا کہ بندر کو مارے' اتنے میں خدا کی قدرت سے بندر نہایت فصیح زبان میں بولا اے خلیفہ' اپنا ہاتھ روک لے اور مجھے نہ مار بلکہ مجھے یہیں بندھا چھوڑ کر دریا پر جا اور خدا پر بھروسہ کرکے جال پھینک' وہ تجھے روزی دے گا۔ بندر کی باتیں سن کر خلیفہ نے جال اٹھایا' دریا پر جا کر پھینکا اور کچھ دیر تک ڈوریاں ڈھیلی رکھنے کے بعد اسے کھینچا محسوس ہوا کہ جال پہلے سے بھی بھاری ہے' وہ بہ مشکل اسے کھینچتا کھینچتا کنارے پر لایا اور دیکھا کہ اس میں ایک دوسرا بندر ہے' جس کے دانت دور دور ہیں' آنکھیں کالی کالی' ہاتھ لال لال' وہ ہنس رہا ہے اور اس کی کمر سے ایک چیتھڑا بندھا ہوا ہے' خلیفہ بولا کہ سب تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس نے دریا کی مچھلیوں کو بندر بنا دیا اور اس بندر کے پاس جو درخت سے بندھا ہوا تھا آ کر کہنے لگا اے منحوس! تو نے مجھے کیسا برا مشورہ دیا کہ دوسرا بندر بھی میرے پلے پڑا۔ چونکہ سویرے سویرے میں نے تجھ لنگڑے اور کانے کا منہ دیکھا ہے اسی لئے میں دن بھر پریشان رہوں گا' مجھے نہ دینار ملے گا نہ درہم' یہ کہہ کر اس نے ایک ڈنڈا لیا اور اسے تین بار ہوا میں چکر دے کر چاہتا ہی تھا کہ بندر کو مارے' بندر دہائی مانگنے لگا اور کہا کہ خدا کے لئے میرے ساتھی کے طفیل مجھے معاف کر دے اور اس سے اپنا مطلب بیان کر کہ

تو کیا چاہتا ہے' وہ تیری مراد پوری کر دے گا۔ خلیفہ نے ڈنڈا پھینک دیا اور اسے معاف کر دیا۔

اس کے بعد وہ دوسرے بندر کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ بندر نے کہا اے خلیفہ' ایسی باتوں سے تجھے کچھ نہ ملے گا۔ تو اپنا فائدہ چاہتا ہے تو میری بات سن' اگر تو نے میرا کہنا مان لیا اور مخالفت نہ کی تو میرے سبب سے تو امیر ہو جائے گا۔ خلیفہ بولا وہ کیا بات ہے جس میں تومیری موافقیت چاہتا ہے؟ بندر نے کہا مجھے یہیں بندھا چھوڑ کر دریا پر جا اور جال پھینک' اس کے بعد میں بتاؤں گا کہ تجھے کیا کرنا چاہیے' خلیفہ جال لے کر دریا کے پاس گیا' جال پھینک کر تھوڑی دیر تک انتظار کیا' کھینچا تو بھاری معلوم ہوا' آہستہ آہستہ کھینچ کر کنارے پر لایا۔ دیکھا کہ اس کے اندر ایک بندر اور ہے لیکن یہ بندر سرخ سفید تھا اور نیلے کپڑے پہنے ہوئے۔ اس کے ہاتھ پاؤں رنگے ہوئے تھے اور آنکھیں سرمئی' خلیفہ بولا' سبحان اللہ' واقعی آج کا دن شروع سے لے کر آخر تک مبارک نکلا کیونکہ پہلے بندر کی وجہ سے اس کا شگون اچھا نکلا' مضمون کی سرخی سے پتا چل جاتا ہے کہ اس کے اندر کیا ہو گا۔ آج کا دن بندروں کا دن ہے اور دریا میں ایک بھی مچھلی باقی نہیں' گویا ہم بندر ہی کا شکار کرنے آئے ہیں۔ ساری تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس نے مچھلیوں کو بندر سے بدل دیا۔ پھر وہ اس تیسرے بندر کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا' اے منحوس' بتا تو کون ہے؟ اس نے کہا خلیفہ کیا تو مجھے پہچانتا نہیں؟ خلیفہ بولا نہیں۔ بندر بولا کہ میں یہودی صراف ابوالسعادات کا بندر ہوں۔ خلیفہ نے پوچھا تیرا کام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب میں اسے صبح بخیر کہتا ہوں تو وہ پانچ دینار کما لیتا ہے اور جب میں شام کو شام بخیر کہتا ہوں تو وہ پھر پانچ دینار کما لیتا ہے۔ خلیفہ نے پہلے بندر کی طرف مخاطب ہو کر کہا' اے منحوس' دیکھ دوسرے لوگوں کے بندر کیسے اچھے ہیں! ایک تو ہے کہ صبح کو اپنی لنگڑی' کانی اور منحوس صورت دکھا کر مجھے فقیر مفلس اور بھوکا بنا دیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ڈنڈا اٹھایا اور ہوا میں تین بار گھما کر چاہتا ہی تھا کہ بندر کو مارے' ابوالسعادات کا بندر بولا۔ اے

خلیفہ جانے دے، اسے مار نہیں بلکہ میرے پاس آ تاکہ میں بتاؤں کہ تجھے کیا کرنا چاہیے۔ خلیفہ نے ڈنڈا پھینک دیا اور اس کے پاس جا کر کہا اے تمام بندروں کے سرتاج، تو مجھ سے کیا کہنا چاہتا ہے؟ بندر بولا کہ جال لے کر دریا میں پھینک، مجھے اور ان بندروں کو اپنے پاس بیٹھا رہنے دے اور جو کچھ جال میں آئے، اسے لے کر میرے پاس آ، میں تجھے ایسی بات بتاؤں گا کہ تیرا دل خوش ہو جائے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

آٹھ سو تینتیس ویں رات

آٹھ سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابوالسعادات کے بندر نے خلیفہ سے کہا کہ میں تجھے ایسی بات بتاؤں گا کہ تیرا دل خوش ہو جائے گا۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ بسرو چشم اور جال لپیٹ کر اپنے کندھے پر رکھا' دریا پر جا کر اسے پھینکا اور تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد کھینچا دیکھا کہ اس میں ایک مچھلی کا بچہ آیا ہے جس کا سر بڑا' دم ڈوئی جیسی ہے اورآنکھیں ایسی ہیں جیسے دو دینار' اسے دیکھ کر خلیفہ خوش ہو گیا' کیونکہ عمر بھر کبھی اس نے ایسی مچھلی نہیں پکڑی تھی اور تعجب کے ساتھ اسے لے کر یہودی ابو السعادات کے بندر کے پاس آیا' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ساری دنیا اس کے قبضے میں آگئی۔ بندر بولا' اے خلیفہ تو اس مچھلی کا کیا کرے گا اور اپنے بندر کے متعلق تیرا کیا ارادہ ہے؟ خلیفہ نے کہا اے بندروں کے آقا! سن میں کیا کیا کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی نہ کسی ترکیب سے اپنے اس ملعون بندر کو مار ڈالوں' اس کے بدلے تجھے اپنے پاس رکھوں اور ہر روز جو تیرا جی چاہے' تجھے کھلاؤں بندر بولا چونکہ تو نے مجھے پسند کر لیا ہے میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تجھے کیا کرنا چاہیے' خدا نے چاہا تو تیری حالت سدھر جائے گی جو کچھ میں چاہتا ہوں اسے اچھی طرح سمجھ لے۔ وہ یہ ہے کہ میرے لئے بھی ایک رسی بٹ اور مجھے کسی درخت سے باندھ کر دریا کے پشتے کے بیچ میں کھڑا ہو' پھر دجلہ میں جال پھینک اور تھوڑی دیر ٹھہر کر اسے کھینچ' اس میں تجھے ایک ایسی مچھلی ملے گی جیسی تو نے عمر بھر نہ دیکھی ہو گی۔ مچھلی کو لے کر میرے پاس آئیو تاکہ میں بتاؤں کہ اس کے بعد تجھے اور کیا کرنا ہے۔ خلیفہ نے فوراً اٹھ کر دجلہ میں جال پھینکا اور جب اسے کھینچا تو اس میں ایک بیاض مچھلی نکلی جو بھیڑ کے بچے کے برابر تھی اور

بالکل نئی صورت شکل کی۔

خلیفہ اس مچھلی کو لے کر بندر کے پاس گیا۔ بندر بولا کہ تھوڑی سی ہری گھاس لے آ' اور اس میں سے آدھی ایک ٹوکرے میں ڈال کر مچھلی کو اس کے اوپر رکھ دے' باقی آدھی سے اسے ڈھانک دے پھر اس ٹوکرے کو کندھے پر رکھ کر بغداد جا۔ ہمیں یہیں بندھا رہنے دے کوئی بھی تجھ سے بات کرے یا کچھ پوچھے تو بالکل جواب نہ دیجیو۔ جب تو صرافوں کے بازار میں پہنچے گا تو اس کے صدر میں تجھے صرافوں کے چودھری استاد ابوالسعادات یہودی کی دکان ملے گی' تو دیکھے گا کہ وہ ایک گدے پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے پیچھے تکیے لگے ہوئے ہیں۔ سامنے دو صندوق ایک سونے کے لئے' دوسرا چاندی کے لئے اور اس کے اردگرد بہت سے نوکر چاکر اور غلام ہیں۔ اس کے پاس پہنچ کر ٹوکرا اس کے آگے رکھ دیجیو اور کہیو اے ابو السعادات' میں آج مچھلیاں مارنے نکلا تھا' تیرے نام پر جال پھینکا اور خدا نے یہ مچھلی بھیجی۔ وہ کہے گا کہ تو نے کسی اور کو تو نہیں دکھایا؟ تو کہیو کہ خدا کی قسم نہیں۔ وہ تجھ سے مچھلی لے لے گا اور تجھے ایک دینار دے گا لیکن تو اسے منظور نہ کیجیو۔ پھر وہ تجھے دو دینار دے گا' انہیں بھی نہ لیجیو۔ غرض کہ جو کچھ وہ تجھے دینا چاہے' اسے قبول نہ کیجیو' خواہ وہ اس کے برابر سونا بھی تول کر تجھے کیوں نہ دے۔ پھر وہ پوچھے گا کہ آخر تو کیا چاہتا ہے؟ کہیو کہ خدا کی قسم میں اسے محض دو بولوں کے بدلے بیچوں گا اگر وہ پوچھے کہ وہ دو بول کیا ہیں تو کہیو کہ اپنے پاؤں کے بل کھڑا ہو جا اور کہہ کہ اے بازار والو' گواہ رہو کہ میں خلیفہ ماہی گیر کے بندر سے اپنا بندر بدلتا ہوں اور اس کا حصہ اپنے حصے سے اور اس کی قسمت اپنی قسمت سے بس یہی مچھلی کی قیمت ہے۔ اشرفیوں کی مجھے ضرورت نہیں۔ اگر اس نے یہ کہہ دیا تو میں ہر روز تیرے پاس صباح بخیر اورشام بخیر کہنے آؤں گا اور ہر روز تو دس دینار سونے کے کما لیا کرے گا' اور یہ کانا لنگڑا بندر روز ابوالسعادات یہودی کو صباح بخیر کہے گا اور خدا اسے ہر روز قرض میں

مبتلا کرتا رہے گا یہاں تک کہ وہ فقیر ہو جائے گا' اور اس کے پلے ایک دمڑی بھی نہ رہے گی۔ یہ میری بات غور سے سن لے تاکہ تو امیر ہو جائے۔ بندر کی باتیں سن کر خلیفہ ماہی گیر بولا' اے تمام بندروں کے سرتاج میں تیرا مشورہ مانتا ہوں' لیکن خدا اس منحوس سے سمجھے! سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے ساتھ کیا کروں۔ بندر بولا کہ اسے بھی پانی میں چھوڑ دے اور مجھے بھی۔ خلیفہ نے کہا کہ سر آنکھوں پر۔ یہ کہہ کر وہ بندر کے پاس گیا اور انہیں کھول کر چھوڑ دیا' وہ دریا میں چلے گئے۔ خلیفہ نے مچھلی اٹھائی اور اسے دھویا' ٹوکرے میں ہری گھاس بچھائی اور مچھلی کو اس پر رکھ کر باقی گھاس سے ڈھانک دیا اور ٹوکرے کو کندھے پر رکھ کر چل دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو چونتیس ویں رات

آٹھ سو چونتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ ماہی گیر ٹوکرے کو اپنے کندھے پر رکھ کر چل دیا۔ شہر کے اندر پہنچا تو لوگوں نے اسے دیکھ کر آواز دی اور کہا اے خلیفہ تیرے پاس کیا ہے؟ لیکن وہ کسی کی طرف متوجہ نہ ہوا بلکہ سیدھا صراف کی طرف چلا گیا اور بندر کے کہنے کے موافق دکانوں کے آگے سے گزرنے لگا یہاں تک کہ اس کی نظر یہودی پر پڑی۔ دیکھا کہ وہ دکان میں بیٹھا ہوا ہے اور غلام اس کی خدمت میں حاضر ہیں۔ گویا وہ خراسان کا کوئی بادشاہ ہے۔ خلیفہ نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ یہودی نے سر اٹھا کر دیکھا اور پہچان کر کہا کہ اے خلیفہ مرحبا! تو کیا چاہتا ہے اور تیرا کیا مقصد ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے تجھ سے ٹیڑھی بات کہی ہے یا جھگڑا کیا ہے بتا تاکہ میں تجھے والی کے پاس لے چلوں اور وہ تیرے حق میں انصاف کرے۔ خلیفہ بولا' اے یہودیوں کے سردار! تیرے سر کی قسم مجھ سے کسی نے ٹیڑھی بات نہیں کہی بلکہ آج میں تیری قسمت پر گھر سے نکلا اور دجلہ میں جا کر جال پھینکا اور یہ مچھلی نکلی۔ یہ کہہ کر اس نے ٹوکرا کھولا اور مچھلی کو یہودی کے آگے ڈال دیا۔ یہودی نے اسے دیکھ کر پسند کیا اور کہا قسم ہے توریت' زبور اور احکامات کی کہ رات جب میں سو رہا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت مریم کے آگے کھڑا ہوں اور وہ کہہ رہی ہیں کہ سن اے ابو السعادات' میں نے تیرے پاس ایک ہدیہ بھیجا ہے۔ بے شک وہ ہدیہ یہی ہو گا۔ اس کے بعد اس نے خلیفہ سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ تجھے قسم ہے اپنے دین کی بتا کہ اس مچھلی کو کسی اور نے تو نہیں دیکھا؟ خلیفہ نے کہا اے یہودیوں کے سردار! ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی قسم! سوائے تیرے کسی نے نہیں دیکھا۔

اب یہودی نے اپنے ایک غلام سے مخاطب ہو کر کہا۔ یہ مچھلی میرے گھر لے جا اور سعادات سے کہیو کہ وہ اسے بنا کر اور صاف کرکے میری واپسی کے وقت تک تل رکھے۔ خلیفہ نے بھی کہا کہ اے غلام! استاد کی بیوی سے کہیو کہ اس میں سے کچھ تلے اور کچھ بھونے' غلام مچھلی لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہودی نے ایک دینار نکال کر خلیفہ ماہی گیر کو دیا اور کہا اے خلیفہ' اسے لے کر اپنے بال بچوں پر صرف کر۔ خلیفہ دینار اپنے ہاتھ میں دیکھ کر کہنے لگا کہ پاک ہے سارے عالم کا مالک' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے کبھی کوئی سونے کی چیز نہ دیکھی تھی۔ وہ دینار لے کر چند قدم چلا' یکایک اسے بندر کا کہنا یاد آ گیا۔ اس نے واپس آ کر دینار پھینک دیا اور کہا کہ لے اپنا دینار اور مچھلی واپس دے دے' کیا تو لوگوں کا مذاق نہیں اڑانا چاہتا ہے؟ یہ سن کر یہودی کو گمان ہوا کہ وہ اس سے مذاق کرتا ہے۔ اس نے خلیفہ کو دو دینار اور دے دیئے۔ خلیفہ بولا کہ مچھلی واپس دے دے۔ مذاق نہیں' کیا تو سمجھتا ہے کہ میں ان داموں میں مچھلی بیچ ڈالوں گا؟ یہودی نے ہاتھ بڑھا کر اور دو دینار نکالے اور کہا کہ لے یہ پانچ دینار اپنی مچھلی کے دام لے اور لالچی نہ بن۔ خلیفہ انہیں ہاتھ میں لے کر خوش خوش چل دیا۔ وہ دیناروں کو دیکھتا اور تعجب کرتا اور کہتا کہ پاک ہے اللہ! جو میرے پاس ہے وہ بغداد کے خلیفہ کے پاس بھی نہ ہو گا۔ وہ سڑک کے دوسرے کنارے پر پہنچا تو اسے بندر کا کہنا پھر یاد آ گیا جو اس نے چلتے وقت کہا تھا اور یہودی کے پاس لوٹ کر اس نے دینار پھینک دیئے۔ یہودی نے کہا اے خلیفہ! تجھے کیا ہو گیا ہے؟ آخر تو کیا چاہتا ہے؟ کیا میں تیرے دیناروں کو توڑ کر درہم دے دوں؟ خلیفہ بولا نہ میں درہم چاہتا ہوں' نہ دینار' تو مچھلی واپس کر دے۔ یہودی کو غصہ آ گیا اور ڈانٹ کر کہا اے ماہی گیر! تو ایک مچھلی لایا جس کے دام ایک دینار بھی نہیں۔ میں تجھے اس کے بدلے پانچ دینار دیتا ہوں اور تو راضی نہیں ہوتا۔ کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گیا ہے؟ اچھا بتا کتنے میں بیچے گا؟

خلیفہ بولا کہ نہ میں اسے درہم کے بدلے بیچوں گا نہ دینار کے بلکہ دو بولوں کے بدلے جو تو مجھ سے کہہ دے۔ دو بولوں کا نام سن کر یہودی کی آنکھیں دھنس گئیں' سانس اکھڑ گیا اور دانت پیس کر کہنے لگا اے مسلمانوں کے ڈاکو! تو چاہتا ہے کہ میں تیری مچھلی کے بدلے اپنا دین بیچ ڈالوں؟ کیا تو میرا مذہب اور عقیدہ بگاڑنے آیا ہے جس پر میرے باپ دادا چلے آئے ہیں؟ اب اس نے اپنے غلاموں کو آواز دی' وہ آئے تو اس نے کہا کہ پکڑو اس منحوس کو' مارے گھونسوں کے توڑ ڈالو اس کی گردن اور اتنا مارو کہ وہ بھی یاد کرے۔ یہ سنتے ہی انہوں نے مارنا شروع کردیا اور اتنا مارا کہ وہ دکان کے نیچے جا گرا۔ یہودی بولا کہ اب اسے چھوڑ دو کہ کھڑا ہو جائے' خلیفہ اٹھ کھڑا ہوا' گویا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ یہودی بولا' بتا تو مچھلی کے دام کیا چاہتا ہے تاکہ میں تجھے دے دوں کیونکہ اس وقت میں نے تیرے ساتھ برا برتاؤ کیا ہے۔

خلیفہ نے کہا' استاد' مار کی پروا نہ کر' میں دس گدھوں کے برابر مار کھا سکتا ہوں۔ یہودی ہنس پڑا اور کہنے لگا خدا کے لئے بتا تو سہی کہ تو کیا چاہتا ہے اور میں اپنے دین کی قسم کھاتا ہوں کہ تو جو مانگے گا میں دوں گا۔ خلیفہ نے کہا اس مچھلی کی قیمت سوائے دو بولوں کے اور کچھ نہ لوں گا۔ یہودی بولا' شاید تو چاہتا ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔ خلیفہ نے کہا اے یہودی! اگر تو مسلمان ہو گیا تو تیرے اسلام سے نہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا نہ یہودیوں کو نقصان' اور اگر تو کافر ہی رہا تو تیرے کفر سے نہ مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا نہ یہودیوں کو فائدہ۔ میں تو محض اتنا چاہتا ہوں کہ تو کھڑا ہو کر کہہ دے کہ اے بازار والو! گواہ رہو کہ میں اپنے بندر کو خلیفہ کے بندر سے بدلتا ہوں' اپنے دنیوی فائدے کو اس کے دنیوی فائدے سے اور اپنی قسمت کو اس کی قسمت سے۔ یہودی بولا کہ اگر تو اتنی سی بات چاہتا ہے تو وہ میرے لئے آسان ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- آٹھ سو پینتیس ویں رات

آٹھ سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ یہودی خلیفہ ماہی گیر سے بولا کہ اگر تو اتنی ہی سی بات چاہتا ہے تو وہ میرے لئے آسان ہے۔

یہ کہہ کر وہ فوراً کھڑا ہو گیا' جو کچھ خلیفہ ماہی گیر نے کہا تھا کہہ دیا اور پھر اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا' اب اور کچھ تو باقی نہیں؟ ماہی گیر نے کہا نہیں۔
یہودی بولا کہ اچھا خدا حافظ' خلیفہ فوراً اٹھا ٹوکرا اور جال لے کر دجلہ پر پہنچا۔ جال پھینک کر کھینچا تو وہ بھاری معلوم ہوا۔ اور بڑی مشکل سے نکلا۔ جال باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ طرح طرح کی مچھلیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اتنے میں ایک عورت آئی جس کے پاس ایک سینی تھی۔ اس نے خلیفہ کو ایک دینار دیا اور خلیفہ نے اسے ایک دینار کی مچھلیاں دے دیں پھر ایک نوکر آیا۔ اس نے بھی ایک دینار کی مچھلیاں مول لیں۔ اسی طرح اس نے دس دینار کی مچھلیاں بیچ لیں اور پھر برابر دس دن تک دس دس دینار کی مچھلیاں بیچتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس سونے کے سو دینار اکٹھے ہو گئے۔
اس ماہی گیر کا مکان ایک گلی میں تھا' جہاں سوداگر رہا کرتے تھے ایک رات وہ اپنے گھر میں بھنگ کے نشے میں پڑا ہوا تھا کہنے لگا کہ اے خلیفہ! تمام لوگ جانتے ہیں کہ تو ایک غریب ماہی گیر ہے لیکن تو نے سونے کے سو دینار کما لئے ہیں۔ اب خلیفہ ہارون الرشید کو ضرور کسی نہ کسی شخص سے اس کی خبر مل جائے گی۔ ممکن ہے کہ اسے داموں کی ضرورت ہو اور وہ تجھے بلا بھیجے اور تجھ سے کہے کہ مجھے کچھ دیناروں کی ضرورت ہے مجھے خبر ملی ہے کہ تیرے پاس سو دینار ہیں لہٰذا وہ مجھے قرض دے دے۔ میں کہوں گا کہ اے امیر المومنین میں تو قلاش ہوں جس نے تجھ سے کہا ہے کہ میرے پاس سو دینار ہیں' جھوٹ کہتا ہے بلکہ اس کا ایک حصہ بھی نہ میرے پاس ہے۔ نہ میری ملکیت' یہ سن کر وہ مجھے والی کے حوالے کر دے گا اور کہے گا کہ

اس کے کپڑے اتار کر اسے ڈنڈے مارو اس لئے بہتر ہے کہ میں فوراً اٹھ کر خود کو کوڑے ماروں تاکہ مجھے مار کھانے کی مشق ہو جائے۔ بھنگ نے اس سے کہا کہ اٹھ کر کپڑے اتار ڈال اور اس نے فوراً کپڑے اتار ڈالے اور ہاتھ میں ایک کوڑا لے لیا۔ اس کے پاس چمڑے کا ایک تکیہ تھا وہ ایک کوڑا اس پر اور ایک اپنے اوپر مارنے اور کہنے لگا آہ آہ! اے میرے آقا' خدا کی قسم یہ سب جھوٹ ہے' لوگ میرے اوپر بہتان لگاتے ہیں' میں تو ایک غریب ماہی گیر ہوں اور دنیاداری کی کوئی چیز میرے پاس نہیں۔ جب خلیفہ ماہی گیر ایک کوڑا اپنے ا اور ایک تکیے کے مار رہا تھا تو لوگوں کے کان میں اس کی آواز پہنچی کیونکہ رات میں آواز زیادہ گونجتی ہے منجملہ دوسرے لوگوں کے سوداگروں نے بھی سنا' وہ کہنے لگے کہ اس بیچارے کو کیا ہوا کہ چلا رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اسے مار رہا ہے' ہو نہ ہو چور اس کے گھر آئے ہیں اور اسے مار رہے ہیں۔ وہ سب کے سب اٹھے اور اپنے گھر لے نکل کر خلیفہ کے گھر پہنچے۔

وہاں پہنچ کر انھوں نے دیکھا کہ گھر میں قفل پڑا ہوا ہے آپس میں کہنے لگے کہ غالباً چور پچھواڑے سے اترے ہوں گے۔ اس لئے ہمیں چھت پر چڑھنا چاہیے۔ یہ کہہ کر وہ چھت پر چڑھ گئے اور روشندان میں سے ہو کر اندر اترے۔ دیکھا کہ وہ ننگا اپنے آپ کو مار رہا ہے۔ انھوں نے کہا اے خلیفہ! تجھے کیا ہو گیا؟ اس نے کہا اے لوگو! میں نے چند دینار کمائے ہیں میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا حال خلیفہ ہارون الرشید کو معلوم ہو جائے اور وہ مجھے بلا کر دینار مانگے اور میں انکار کروں۔ اگر میں نے انکار کیا تو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے سزا دے گا' اس لئے میں خود ہی اپنے آپ کو سزا دے رہا ہوں تاکہ جو کچھ میرے اوپر گزرنے والی ہے اس کی مشق ہو جائے۔

اس پر سوداگر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ ایسی باتیں جانے دے' خدا تجھ سے بھی سمجھے اور تیرے دیناروں سے بھی۔ تو نے ہمیں گھبرا دیا اور پریشان کردیا۔ یہ سن کر خلیفہ نے اپنے آپ کو مارنا بند کردیا اور جا کر سو گیا' صبح تک سوتا رہا۔ جاگا اور اپنے کام

پر جانے لگا تو اسے اپنے سو دیناروں کی فکر پڑی۔ دل میں کہا کہ اگر میں انہیں گھر میں چھوڑے جاتا ہوں تو چور لے جائیں گے اور اگر میں انہیں کمر میں باندھ لوں تو ممکن ہے کہ کسی کی نظر پڑ جائے۔ وہ گھات میں لگا رہے مجھے کسی اکیلی جگہ پا کر قتل کر دے اور دینار لے اڑے' لیکن ایک ترکیب ہے بڑی عمدہ اور سودمند' یہ کہہ کر وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا' اپنے گریبان میں ایک جیب لگائی اور دیناروں کو تھیلی میں رکھ کر جیب کے اندر ڈال لیا اس کے بعد وہ اپنا جال اور ٹوکرا اور ڈنڈا لے کر چل دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو چھتیس ویں رات

آٹھ سو چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ دجلہ پہنچ کر ماہی گیر نے جال پھینکا' کھینچا تو اس میں کچھ نہ تھا۔ اب وہ اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ گیا اور جال ڈالا وہاں بھی کچھ نہ نکلا۔ اسی طرح وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا رہا یہاں تک کہ وہ شہر سے آدھے دن کے فاصلے پر پہنچ گیا۔ ہر بار وہ جال پھینکتا اور وہ خالی نکلتا۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب میں آخری دفعہ جال ڈالتا ہوں' یا تو چپ یا پٹ' یہ کہہ کر اس نے غصے میں بھر کر زور سے جال پھینکا' ساتھ وہ تھیلی بھی جس میں سو دینار تھے دریا میں جا پڑی اور پانی اسے بہا کر لے چلا۔ اس نے جال کو وہیں پھینکا اور کپڑے اتار تھیلی کے پیچھے دریا میں غوطہ مارا۔ تقریباً سو غوطے لگائے' مگر تھیلی ہاتھ نہ آئی۔ یہاں تک کہ اس کی قوت نے جواب دے دیا۔ اور وہ تھک کر خالی ہاتھ پانی کے اوپر آ گیا۔ ناامید ہو کر کنارے پر آیا تو دیکھا کہ سوائے ڈنڈے اور جال اور ٹوکرے کے وہاں کچھ نہیں۔ اس نے اپنے کپڑے بہت ڈھونڈے لیکن پتا نہ چلا۔ آخر جال کو اپنے بدن پر لپیٹ' ڈنڈا ہاتھ میں لے کر ٹوکرا کندھے پر رکھ کر ایسا بھاگا جیسے بولایا ہوا اونٹ دائیں بائیں اور آگے پیچھے بھاگتا ہے یا بال بکھرے گرد آلود جیسے کوئی نافرمان جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے قید خانے سے چھوٹا ہو۔

یہ تو خلیفہ ماہی گیر کا قصہ ہوا۔ اب خلیفہ ہارون الرشید کا ماجرا سنو۔ ایک جوہری ابن القرناص نامی اس کا مصاحب تھا تمام لوگوں خاص کر تاجروں دلالوں اور سٹے والوں کو معلوم تھا کہ ابن قرناص خلیفہ کا تاجر ہے اور خلیفہ جتنے تحفے تحائف اور قیمتی چیزیں مول لینا چاہتا ہے بے اس کے مشورے کے نہیں لیتا یہاں تک کہ غلام اور باندیاں بھی۔

ایک روز جب کہ وہ تاجر اپنی دکان پر بیٹھا ہوا تھا دلالوں کا چودھری ایک کنیز کو لے کر اس کے پاس آیا۔ جس کا قد و قامت اور حسن و جمال ایسا عجیب و غریب تھا کہ

کسی کی نظر سے نہ گزرا ہو گا۔ منجملہ اور خوبیوں کے وہ تمام علوم و فنون میں بھی ماہر تھی۔ شعر کہتی اور تمام باجے بجاتی۔ ابن قرناص جوہر نے اسے پانچ ہزار دینار میں مول لے لیا اور ایک ہزار دینار کے کپڑے پہنا کر امیر المومنین کے پاس لے گیا۔ خلیفہ اس رات اس کے ساتھ سویا۔ ہر علم و فن میں اس کا امتحان لیا۔ دیکھا کہ واقعی صاحب کمال ہے اور اس کا جواب کہیں نہیں۔ اس کا نام قوت القلوب تھا' صبح اٹھ کر ہارون الرشید نے ابن قرناص جوہری کو بلوایا وہ حاضر ہوا تو کنیز کے بدلے دس ہزار دینار عنایت کئے۔

خلیفہ اس کنیز کا اتنا گرویدہ ہو گیا کہ اس نے شہزادی زبیدہ بنت قاسم کو جو اس کی چچیری بہن تھی اور تمام چہیتی کنیزوں کو بالکل ترک کر دیا اور پورے ایک مہینے تک اس نئی کنیز کے ساتھ رہا۔ محض جمعے کی نماز پڑھنے کے لئے وہ اس سے جدا ہوتا اور نماز پڑھ کر فوراً اس کے پاس لوٹ آتا۔ امرا کو بڑا فکر پیدا ہوا' انہوں نے اس کی شکایت وزیر جعفر برمکی سے کی۔ وزیر نے آئندہ جمعے تک انتظار کیا۔ جمعے کے دن جامع مسجد میں جا کر امیر المونین سے ملا اور جتنے عجیب و غریب عشق کے قصے اسے اس وقت یاد آئے کہہ سنائے تاکہ خلیفہ کے دل میں جو بات ہے نکل جائے۔ خلیفہ نے کہا اے جعفر خدا کی قسم یہ میرے اختیار سے باہر ہے' میرا دل اس درجے اس کی محبت کا شکار ہو گیا ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ وزیر جعفر بولا' امیر المومنین سن' یہ چہیتی کنیز قوت القلوب اب تیرے قبضے میں ہے' تیری خادمہ ہے اور مثل ہے کہ جو چیز ہاتھ میں آ جاتی ہے اس سے دل ہٹ جاتا ہے اور میں تجھے ایک دوسری بات بتاتا ہوں کہ بادشاہ اور شہزادے جس چیز پر سب سے زیادہ فخر کرتے ہیں وہ سیر و شکار ہے۔ اگر تو اس طرف مشغول ہو تو غالباً اسے بھول جائے گا اور تیرا دل اس کی طرف سے ہٹ جائے گا۔ خلیفہ بولا: اے جعفر! یہ تو نے خوب بات کی۔ ہمارے ساتھ فوراً شکار کھیلنے چل۔ جمعے کی نماز ختم ہوتے ہی دونوں جامع مسجد سے نکلے اور فوراً سوار ہو کر سیر و شکار کے لئے چل دیئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو سینتیس ویں رات

آٹھ سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ ہارون الرشید اور جعفر سیر و شکار کے لئے چل کھڑے ہوئے چلتے چلتے ایک جنگل میں پہنچے۔

امیر المومنین اور جعفر دونوں خچروں پر سوار تھے۔ باتوں میں اس قدر مصروف ہوئے کہ لشکر آگے نکل گیا۔ گرمی کا موسم تھا' رشید نے کہا اے جعفر! مجھے سخت پیاس لگی ہے۔ نظر دوڑائی تو اسے ایک اونچے ٹیلے پر کوئی چیز ہلتی ہوئی دکھائی دی۔ اس نے وزیر سے پوچھا کہ کیا تجھے بھی ایسا ہی دکھائی دیتا ہے' جیسا مجھے؟ وزیر بولا کہ اے امیرالمومنین! ہاں مجھے بھی ایک اونچے ٹیلے پر کوئی چیز ہلتی دکھائی دے رہی ہے یا تو کسی باغ کا باغبان ہے یا کسی کھیرے کے کھیت کا رکھوالا' بہرحال اس کے قریب پانی ہو گا۔ میں ابھی جا کر تیرے لئے پانی لاتا ہوں۔ رشید بولا کہ میرا خچر تیرے خچر سے تیز ہے تو لشکر کی خاطر یہیں ٹھہر رہ' میں خود جا کر اس شخص کے پاس سے پانی پی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر رشید نے اپنے خچر کو ایڑ لگائی' خچر اس طرح چل نکلا جیسے آندھی اور دریا کا پانی اور پلک مارتے اس نے خلیفہ کو اس ہلتی ہوئی چیز کے پاس پہنچا دیا جو دراصل خلیفہ ماہی گیر تھا۔ رشید نے دیکھا کہ اس کے بدن پر بجائے کپڑوں کے جال لپٹا ہوا ہے اور آنکھیں مشعل کی طرح سرخ ہیں۔ اس کی صورت ڈراؤنی' قد جھکا ہوا ہے اور وہ ایسا گرد آلود ہے جیسے کوئی دیو یا شیر۔ رشید نے اسے سلام کیا۔ اس نے غصے کے لہجے میں سلام کا جواب دیا گویا اس کے بدن سے شعلے نکل رہے تھے۔ رشید نے پوچھا' اے شخص تیرے پاس کچھ پانی ہے؟ خلیفہ نے جواب دیا کیا تو اندھا ہے یا پاگل ہے؟ تیرے پاس ہی تو دجلہ بہہ رہا ہے اور اسی ٹیلے کے پیچھے رشید ٹیلے کے پیچھے سے گھوم کر دجلہ پر پہنچا۔ خود بھی پانی پیا اور اپنے خچر کو بھی پلایا۔

پانی پی کر رشید فوراً خلیفہ ماہی گیر کے پاس آیا اور کہا اے شخص' تو کون ہے اور یہاں

کھڑا کیا کرتا ہے۔ خلیفہ بولا یہ تیرا سوال پانی کے سوال سے بھی عجیب و غریب ہے‘ کیا تجھے میرے پیشے کا سامان میرے کندھے پر رکھا دکھائی نہیں دیتا؟ رشید بولا تو ماہی گیر معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ رشید نے پوچھا تیری قبا کہاں ہے اور شملہ کیا ہوا‘ پٹکا کدھر گیا اور کپڑے کیا ہوئے؟ لطف کی بات یہ تھی کہ اسی ترتیب سے خلیفہ کی یہ چیزیں غائب ہوتی رہی تھیں‘ لہٰذا جب خلیفہ نے خلیفہ کی باتیں سنیں تو اسے یقین ہو گیا کہ یہی شخص میرے کپڑے دریا کے کنارے سے لے گیا ہے اور وہ بجلی کی طرح ٹیلے سے اترا اور خلیفہ کے خچر کی لگام تھام کر کہنے لگا‘ اے شخص میرے کپڑے مجھے دے دے۔ ہنسی مذاق جانے دے۔ خلیفہ بولا خدا کی قسم! میں نے تیرے کپڑے دیکھے تک نہیں۔ نہ میں جانتا ہوں کہ وہ کیسے ہیں؟ رشید کے رخسار بڑے اور منہ چھوٹا تھا۔ اس لئے خلیفہ نے اسے دیکھ کر کہا تو گویا یا بانسری بجانے والا معلوم ہوتا ہے لیکن ان دونوں سے بہتر ہے کہ تو میرے کپڑے دے دے ورنہ میں اس ڈنڈے سے تجھے اتنا ماروں گا کہ تیرے کپڑے پیشاب سے تر ہو جائیں گے۔ جب خلیبفہ نے دیکھا کہ خلیفہ ماہی گیر کے پاس ڈنڈا ہے اور وہ مارنے کے لئے تیار تو اپنے دل میں کہنے لگا کہ واللہ اس پاگل قلاش کے ڈنڈے کی آدھی مار بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس نے اپنی اطلس کی قبا اتار کر خلیفہ سے کہا کہ اپنے کپڑوں کے بدلے اس قبا کو لے لے۔ خلیفہ نے الٹ پلٹ کر دیکھا اور کہنے لگا میری قبا اس رنگین قبا سے دس گنی بہتر تھی۔ رشید بولا کہ جب تک میں تیرے کپڑے نہ لے آؤں‘ اسی قبا کو پہن لے۔ جب خلیفہ نے اسے لے کر پہنا تو دیکھا کہ وہ بہت لمبی ہے اس کے پاس ٹوکرے سے بندھی ہوئی ایک چھری تھی۔ اسے لے کر خلیفہ نے نیچے سے ایک تہائی کاٹ ڈالا اب وہ اس کی گھٹنوں تک آئی۔

پھر ماہی گیر نے رشید کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے بانسری بجانے والے‘ خدا کے لئے مجھے بتا دے کہ تیرا مشاہرہ کیا ہے جو تیرا استاد تجھے دیتا ہے۔ خلیفہ نے جواب

دیا سونے کے دس دینار' خلیفہ بولا اے مسکین تو نے اپنے غم کا بوجھ بھی میرے اوپر ڈال دیا۔ خدا کی قسم میں ہر روز دس دینار کماتا ہوں' اگر تو چاہتا ہے تو میری نوکری کر لے' میں تجھے مچھلیاں پکڑنا سکھا دوں گا اور میری کمائی میں تیرا حصہ ہو گا۔ اس طرح سے تو ہر روز پانچ دینار کمائے گا اور میرا غلام بن کر رہے گا اور اگر تیرے استاد نے کچھ چون و چرا کی تو اسی ڈنڈے سے میں اس کی خبر لوں گا۔ رشید بولا منظور ہے خلیفہ نے کہا اچھا اپنی گدھی کی پیٹھ پر سے اتر پڑ اور اسے باندھ دے تاکہ میں اس سے مچھلیاں ڈھونے کا کام لوں اور فوراً میرے ساتھ چل میں تجھے مچھلیاں پکڑنا سکھا دوں۔ یہ سن کر رشید اپنے خچر سے اتر پڑا اور اسے ایک طرف باندھ کر اپنا دامن پٹی میں اڑس لیا۔ خلیفہ نے کہا' اے بانسری بجانے والے' جال کو یوں پکڑ اور اسے یوں اپنے بازوؤں پر لپیٹ اور یوں دجلہ میں پھینک رشید نے دل مضبوط کرکے ایسا ہی کیا جیسا کہ اسے خلیفہ نے بتایا تھا اور جال کو دریا میں پھینکا لیکن جب اس نے اسے کھینچنا چاہا تو کھینچ نہ سکا۔ اب خلیفہ نے بھی آ کر زور لگایا وہ پھر بھی نہ کھنچا' خلیفہ کہنے لگا کہ اے منحوس بانسری بجانے والے' ایک بار تو میں اپنے کپڑوں کے بدلے تیری قبا لے چکاہوں' اگر اس بار میرا جال پھٹ گیا تو اس کے بدلے میں تیری گدھی لے لوں گا اور تجھے اتنا ماروں گا کہ تجھے دم دبا کر بھاگتے ہی پڑے گی۔ رشید بولا کہ آ ہم دونوں مل کر کھینچیں۔ اس پر بھی جال مشکل سے کھنچا' اور جب باہر نکلا تو انہوں نے دیکھا کہ اس میں رنگ رنگ کی مچھلیاں ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو اڑتیس ویں رات

آٹھ سو اڑتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب خلیفہ ماہی گیر اور خلیفہ نے جال کھینچا تو دیکھا کہ وہ طرح طرح کی مچھلیوں سے بھرا ہوا ہے تو خلیفہ بولا اے بانسری والے' خدا کی قسم تو بڑا خوش نصیب ہے' اگر تو نے ذرا محنت سے کام لیا تو بڑا ہوشیار ماہی گیر ہو جائیگا۔ اب بہتر ہے کہ تو اپنی گدھی پر سوار ہو کر بازار جا اور وہاں سے دو ٹوکرے لے کر آ۔ تیرے آنے تک میں ان مچھلیوں کی خبر گیری کا کام کروں گا' پھر ہم دونوں انہیں تیری گدھی پر لاد کر لے چلیں گے۔ میرے پاس ترازو' بٹے اور تمام ضروری چیزیں ہیں۔ تیرا کام بس اتنا ہو گا کہ تول تول کر دیتا جائے اور دام لیتا جائے۔ ہمارے پاس بیس دینار کی مچھلیاں ہوں گی' جلدی جا کر دو ٹوکرے لے آ اور دیر نہ کر۔ خلیفہ نے سر آنکھوں پر کہہ کر ماہی گیر اور مچھلیوں کو وہیں چھوڑا اور اپنے خچر پر خوش خوش بیٹھ کر چل دیا۔ راستے بھر ہنستا رہا یہاں تک کہ جعفر کے پاس پہنچا۔ اسے دیکھ کر جعفر نے کہا امیرالمومنین جب تو پانی پینے گیا تھا تو شاید تجھے کوئی عمدہ باغ مل گیا اور تو اس میں جا کر اکیلے سیر و تفریح کرنے لگا۔ جعفر کی یہ باتیں سن کر رشید ہنس پڑا اور تمام برمکیوں نے اٹھ کر اس کے آگے زمین چومی اور کہنے لگے کہ اے امیر المومنین خدا تجھے ہمیشہ خوش رکھے' غم کو تیرے پاس پھٹکنے نہ دے! جب تو پانی پینے گیا تو تجھے دیر کیوں لگی' تیرے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا؟ خلیفہ نے کہا میرے ساتھ عجیب و غریب واقعہ پیش آیا یہ کہہ کر اس نے خلیفہ کا ماجرا دہرایا اور اس کا کہنا کہ تو نے میرے کپڑے چرائے ہیں' بیان کیا اور اس نے ماہی گیر کو اپنی قبا دے دی اور ماہی گیر نے اسے لمبا دیکھ کر نیچے سے کاٹ ڈالا۔

یہ سن کر جعفر بولا۔ امیر المومنین واللہ میرا خیال تھا کہ میں تجھ سے وہ قبا مانگ لوں

لیکن اب فوراً جا کر وہ قبا ماہی گیر سے خرید لاتا ہوں۔ خلیفہ نے کہ اب تو اس نے قبا کو نیچے کی طرف سے کاٹ کے بیکار کر دیا ہے۔ اے جعفر' دریا پر مچھلیاں پکڑتے پکڑتے میں تھک گیا ہوں میں نے بہت سی مچھلیاں ماری ہیں اور وہ سب میرے استاد خلیفہ کے پاس دریا کے کنارے پڑی ہوئی ہیں اور وہ کھڑا ہوا میری راہ دیکھ رہا ہو گا کہ میں دو ٹوکرے لے کر پہنچوں اور ہم دونوں بازار جا کر انہیں بیچیں اور دام تقسیم کریں۔ جعفر نے کہا امیرالمومنین میں تمہارے پاس گاہکوں کو لے آؤں گا۔ خلیفہ بولا اے جعفر! قسم ہے اپنے پاک بزرگوں کی جو کوئی اس خلیفہ کی جس نے مجھے مچھلیاں مارنا سکھایا ہے ایک مچھلی لے کر میرے پاس آئے گا' میں اسے ایک سونے کا دینار دوں گا۔ یہ سن کر ڈھنڈورا پیٹنے والے نے لشکر میں ڈھنڈورا پیٹ دیا کہ جا کر امیر المومنین کے لئے مچھلیاں خرید لاؤ۔ سارے غلام دریا کی طرف چل کھڑے ہوئے خلیفہ امیر المومنین کی راہ دیکھ ہی رہا تھا کہ غلام اس پر گدھوں کی طرح ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو مار مار کر پیچھے ہٹانے لگے اور مچھلیاں لے کر زردوز رومالوں میں باندھ لیں۔ خلیفہ نے اپنے دل میں کہا کہ بے شک یہ جنت کی مچھلیاں ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے دو مچھلیاں اپنے دائیں ہاتھ میں لیں دو بائیں اور گلے گلے پانی میں اتر کر کہنے لگا کہ یا اللہ ان مچھلیوں کی قسم تیرا بندہ بانسری بجانے والا جو میرا شریک ہے' ابھی آتا ہو گا۔

خلیفہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک غلام پہنچا جو خلیفہ کے غلاموں کا سردار تھا اور اس نے دیکھا کہ وہاں مچھلیاں باقی نہیں۔ جب اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ خلیفہ ماہی گیر مچھلیاں لئے پانی میں کھڑا ہے۔ وہ کہنے لگا اے ماہی گیر' ادھر آ۔ ماہی گیر نے جواب دیا چلتا ہو اور فضول باتیں نہ کر۔ غلام نے آگے بڑھ کر کہا یہ مچھلیاں مجھے دے دے' میں تجھے اس کی قیمت دیتا ہوں۔ خلیفہ ماہی گیر نے غلام سے کہا کیا تو پاگل ہو گیا ہے؟ میں انہیں نہیں بیچتا۔ یہ سن کر غلام نے اپنا گرز اٹھایا۔ خلیفہ

بولا کم بخت مجھے مار نہیں' گرز کی مار کھانے سے تو یہی بہتر ہے کہ میں تجھے مفت میں دے دوں۔ یہ کہہ کر اس نے مچھلیاں پھینک دیں اور غلام نے انہیں اٹھا کر رومال میں باندھ لیا۔ جب اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں ایک درہم بھی نہ نکلا۔ وہ کہنے لگا اے ماہی گیر! تیری قسمت کھوٹی ہے' خدا کی قسم میرے پاس ایک درہم بھی نہیں' لیکن کل خلیفہ کے محل میں آ جائیو اور کہیو کو مجھے صندل غلام کے پاس لے چلو۔ غلام تجھے میرے پاس لے آئیں گے' وہاں جو تیری قسمت میں ہے' تجھے مل جائیگا۔ خلیفہ بولا آج کا دن بڑا مبارک ہے اور اس کی برکت شروع ہی سے ظاہر ہے۔ یہ کہہ کر اس نے جال کندھے پر رکھا اور چل دیا۔ بغداد پہنچ کر بازار میں سے گزرا۔ لوگوں نے اسے خلیفہ کی قبا پہنے دیکھا تو حیران ہو کر دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے محل میں پہنچا۔ اسی محلے کے نکڑ پر خلیفہ کے درزی کی دکان تھی۔ درزی نے دیکھا کہ ماہی گیر ایک ہزار دینار کی قبا پہنے ہوئے ہے جو خلیفہ کی پوشاکوں میں سے ہے' وہ بولا اے خلیفہ' یہ قبا تجھے کہاں سے ملی؟ خلیفہ نے جواب دیا تو فضول باتیں کیوں کرتا ہے؟ مجھے یہ قبا ایک شخص سے ملی ہے جسے میں نے مچھلیاں پکڑنا سکھائی ہیں' جو میرا شاگرد بن گیا ہے اور جس کے ہاتھ کاٹے جانے کا گناہ میں نے بخش دیا ہے کیونکہ اس نے میرے کپڑے چرا لئے تھے ان کے بدلے اس نے مجھے یہ قبا دی ہے۔ درزی سمجھ گیا کہ جب وہ مچھلیاں مار رہا تھا تو خلیفہ اس کے پاس سے گزرا ہو گا اور اس کا مذاق بنا کر اسے یہ قبا دے دی ہو گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو انتالیس ویں رات

آٹھ سو انتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ درزی سمجھ گیا کہ خلیفہ نے اس کے ساتھ مذاق کیا ہے۔

یہ تو ماہی گیر کا قصہ ہوا۔ اب خلیفہ ہارون الرشید کا حال سنو۔ وہ سیروشکار کے لئے اسی غرض سے گیا تھا کہ کنیز قوت القلوب کی یاد اس کے دل سے نکل جائے۔ ادھر زبیدہ کو یہ خبر ہوئی کہ خلیفہ اس کنیز کی محبت میں گرفتار ہے تو اسے ویسا ہی رشک ہونے لگا جو عورتوں کو ہوا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا کھانا پینا بند ہو گیا' میٹھی نیند نے اسے خیرباد کہہ دیا اور وہ اسی تاک میں لگی رہی کہ خلیفہ کہیں باہر جائے یا سفر کرے تو وہ قوت القلوب کے لئے مکر کا جال بچھائے۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ خلیفہ سیر و شکار کے لئے گیا ہے تو اس نے باندیوں کو حکم دیا کہ کمروں میں فرش بچھائیں اور اسے خوب سجائیں پھر اس نے کھانے اور مٹھائیاں چنیں' منجملہ ان کے ایک چینی طباق میں بہترین حلوہ منگوا کر اس میں بھنگ ملا دی اور ایک غلام سے کہا کہ کنیز قوت القلوب کے پاس جا کر کہہ کہ امیر المومنین کی بیوی شہزادی زبیدہ بنت قاسم تجھے کھانے پر مدعو کرتی ہے اور اس سے یہ بھی کہیو کہ امیر المومنین کی بیوی آج بیمار ہے' اس نے سنا ہے تو گاتی اچھا ہے اس لئے وہ تیرے فن کو سن کر خوش ہونا چاہتی ہے۔ کنیز نے جواب بھیجا کہ پہلے خدا کا اور پھر شہزادی زبیدہ کا حکم سر آنکھوں پر۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ غیب کے پردے میں اس کے لئے کیا پوشیدہ ہے اور تمام ضروری باجے لے کر غلام کے ساتھ شہزادی زبیدہ کے پاس پہنچ گئی۔ اس کے آگے کئی بار زمین کو بوسہ دیا پھر کہنے لگی کہ سلام ہو بلند منزلت اور عالی جناب ذات پر جو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نبی علیہ السلام کے خاندان سے ہے! خدا تجھے روز بروز اور سال بہ سال اقبال دے اور امن و امان سے

رکھے! یہ کہہ کر وہ دوسرے غلاموں اور باندیوں کے برابر کھڑی ہو گئی۔

شہزادی زبیدہ نے اس کی طرف نظر اٹھائی‘ دیکھا کہ وہ نہایت حسین و جمیل ہے‘ اس کے رخسار چکنے چکنے ہیں‘ سینہ انار کی طرح‘ چہرہ جیسے چاند‘ پیشانی آب دار اورآنکھیں سرگیں ہیں‘ گویا سورج اس کے ماتھے سے طلوع ہوتا ہے اور اندھیری رات اس کی زلفوں سے نکلتی ہے۔ مشک میں اسی کی خوشبو ہے اور پھولوں میں اسی کی خوش نمائی‘ چاند اسی کی جبین سے روشن ہے اور شاخ میں اس کے قد کی لچک ہے۔ گویا وہ پورا چاند ہے جو کالی رات میں چمک رہا ہے۔ اس کی آنکھیں گویا ہیں‘ بھنویں کمان کی سی اور ہونٹ مونگے کے بنے ہوئے جو کوئی اسے دیکھتا ہے‘ حیران ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھیں اس پر جادو کر دیتی ہیں۔ عالی شان ہے وہ ذات جس نے اسے پیدا کیا اور یہ خوبیاں عطا کیں۔ شہزادی زبیدہ نے کہا اے قوت القلوب اہلاً و سہلاً مرحبا۔ بیٹھ کر اپنے فن سے ہمیں خوش کر‘ وہ بیٹھ کر دف بجانے لگی اور اتنا گایا بجایا کہ چڑیاں اڑنے سے رک گئیں اور مکان رقص کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے دف کو رکھ دیا اور بانسری بجائی‘ پھر سارنگی اٹھائی‘ تاروں کو کھینچ اور کھونٹیوں کوگھما کر اسے اپنی گود میں رکھ لیا اور اس پر اس طرح جھک گئی جیسے بچے پر ماں اور چودہ مختلف راگ بجائے یہاں تک کہ دیکھنے والے دنگ ہو گئے اور سننے والے جھومنے لگے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو چالیس ویں رات

آٹھ سو چالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ شہزادی زبیدہ کے سامنے سارنگی بجانے کے بعد قوت القلوب نے انگلیوں اور ہاتھوں کے کرتب دکھانے شروع کئے یہاں تک کہ شہزادی زبیدہ کو اس سے عشق ہو گیا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ میرا چچیرا بھائی رشید اس کے عشق میں حق بجانب ہے۔ اس کے بعد کنیز زبیدہ کے آگے زمین چوم کر بیٹھ گئی۔ کھانا لایا گیا' پھر مٹھائیاں اور وہ طباق جس میں بھنگ ملی ہوئی تھی۔ کنیز نے اس میں سے کھایا ابھی حلوہ اس کے پیٹ میں بھی نہ پہنچا ہو گا کہ اس کا سر چکرانے لگا اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔ شہزادی زبیدہ نے باندیوں سے کہا' اسے اٹھا کر کسی کوٹھڑی میں لے جاؤ اور جب میں کہوں تو اسے لانا پھر زبیدہ نے ایک غلام سے کہا کہ ایک صندوق تیار کر اور ایک قبر سی بنا کر مشہور کر دے کہ کنیز کے گلے میں کوئی چیز پھنس گئی اور وہ مر گئی۔ زبیدہ نے اپنی خواصوں کو تنبیہہ کر دی کہ اگر کسی نے بھی کہا کہ وہ زندہ ہے تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ اتنے میں خلیفہ سیر و شکار سے لوٹا اور سب سے پہلے اس کنیز کے متعلق دریافت کیا۔ ایک غلام آگے بڑھا جسے شہزادی زبیدہ نے سکھا دیا تھا کہ اگر خلیفہ تجھ سے اس کے بارے میں پوچھے تو کہہ دیجیو کہ مر گئی۔ اس نے خلیفہ کے آگے زمین چوم کر کہا اے میرے آقا! خدا تجھے سلامت رکھے! یقین جان کہ قوت القلوب کے حلق میں کھانے کی کوئی چیز پھنس گئی اور وہ مر گئی۔ خلیفہ بولا اے کم بخت غلام' خدا تجھے کبھی کوئی خوشخبری نصیب نہ کرے یہ کہہ کر وہ محل کے اندر گیا اور ہر ایک کو یہی کہتے سنا کہ وہ مر گئی۔ خلیفہ نے پوچھا کہ اس کی قبر کہاں ہے؟ لوگ اسے اس قبر کے پاس لے آئے جو جھوٹ موٹ بنا دی گئی تھی اور کہنے

لگے کہ یہ ہے اس کی قبر اسے دیکھ کر خلیفہ نے ایک چیخ ماری اور قبر سے لپٹ کر رونے لگا۔ بہت دیر تک اسی حالت میں رہا پھر وہ نہایت غمگین قبر کے پاس سے اٹھا' شہزادی زبیدہ کو یقین ہوگیا کہ اس کی چال چل گئی۔ اس نے غلام سے کہا کہ وہ صندوق لا' صندوق آگیا تو زبیدہ نے کنیز کو اس میں بند کیا اور غلام سے کہا کہ کوشش کرکے اس صندوق کو بیچ آ مگر اس شرط سے بیچیو کہ وہ بند رہے اور پھر دام اسے لوٹادیجیو۔ غلام اسے لے کر زبیدہ کے پاس سے چل دیا اور جیسا کہا تھا ویسا ہی کیا۔

یہ تو ان لوگوں کا ماجرا ہوا' اب خلیفہ ماہی گیر کا قصہ سنو۔ دوسرے دن جب صبح ہوئی اور دن نکلا تو اس نے اپنے دل میں کہا کہ بہتر ہے آج میں اس غلام کے پاس جاؤں جس نے مجھ سے مچھلیاں خریدی تھیں اور کہا تھا کہ میں خلیفہ کے محل میں جا کر اس سے ملوں' چنانچہ خلیفہ اپنے گھر سے نکلا اور خلیبفہ کے محل کی طرف چل دیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ غلام اور نوکر چاکر کچھ کھڑے ہیں' کچھ بیٹھے اور وہ غلاموں کا سردار بھی موجود ہے۔ خلیفہ کو دیکھ کر ایک غلام نے زور سے ڈانٹا جس کی وجہ سے سردار اس کی طرف متوجہ ہوا کہ دیکھے کون شخص ہے' ماہی گیر نے اسے پہچان لیا اور اسے یقین آگیا کہ سردار نے بھی اسے پہچان لیا ہے تو وہ بولا اے لال بالوں والے' تو نے کسر باقی نہیں رکھی کیا ایمان دار آدمی ایساہی کیا کرتے ہیں؟ اس کی باتیں سن کر سردار ہنس پڑا اور کہنے لگا اے ماہی گیر واللہ تو سچ کہتا ہے۔

غلاموں کے سردار صندل نے چاہا کہ اسے کچھ دے' اسی لئے اس نے اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اتنے میں شور وغل کی آوازیں آئیں۔ سردار نے سر اٹھایا کہ دیکھے کیا بات ہے۔ اس کی نظر وزیر جعفر برمکی پر پڑی جو خلیفہ کے پاس سے آ رہا تھا سردار فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے آگے آگے چلنے اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ اس میں اتنی دیر ہو گئی کہ خلیفہ ماہی گیر بیٹھے بیٹھے تھک گیا اور اسے خلیفہ سے بات کرنے کا موقع نہ ملا۔ زیادہ دیر ہو گئی تو اس نے دور ہی سے اس کی طرف

اشارہ کرکے کہا اے میرے لال بالوں والے آقا' آخر تو مجھے رخصت کیوں نہیں کرتا؟ سردار نے سن تو لیا لیکن وزیر جعفر کے سامنے جواب دیتے اسے شرم آئی۔ وہ وزیر کے ساتھ گفتگو کرتا رہا اور ماہی گیر کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوا۔ خلیفہ نے کہا اے قرضے کو دیر میں ادا کرنے والے' خدا دیر لگانے والوں کا ستیاناس کرے اور ان تمام لوگوں کا جو اوروں کا مال لے کر اس کی ادائیگی میں شش و پنج کرتے ہیں۔ اے بڑی توند والے آقا' مجھے اپنی پناہ میں لے لے اور میرا قرض ادا کر دے تاکہ میں چلا جاؤں سردار تو کچھ بول نہ سکا لیکن جعفر نے دیکھ لیا کہ ایک آدمی سردار کیطرف ہاتھ ہلا ہلا کرکچھ کہنا چاہتا ہے۔ اسے برا معلوم ہوا اس نے سردار سے کہا اے غلام! یہ بیچارہ فقیر تجھ سے کیا مانگ رہا ہے؟ صندل نے عرض کیا اے میرے مولا وزیر' کیا تو اسے نہیں پہچانتا؟ وزیر جعفر نے جواب دیا' خدا کی قسم میں نہیں پہچانتا اور پہچانوں بھی تو کس طرح؟ اس وقت سے پہلے میں نے کبھی اسے دیکھا بھی نہیں۔ غلام بولا' اے میرے مولا' یہ وہی ماہی گیر ہے جس کی مچھلیاں ہم نے دجلہ کے کنارے لوٹی تھیں۔ میرے ہاتھ کچھ نہیں لگا تھا اور امیر المومنین کے پاس خالی ہاتھ جاتے شرم آتی تھی کیونکہ سارے غلام مچھلیاں لا رہے تھے۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ دریا کے بیچ کھڑا خدا سے دعا مانگ رہا ہے اور اس کے پاس چار مچھلیاں ہیں۔ میں نے کہا کہ جو کچھ تیرے پاس ہے مجھے دے دے' اس کے دام لے لے۔ اس نے مجھے مچھلیاں دے دیں تو میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تاکہ میں اسے کچھ دوں لیکن میری جیب خالی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس محل میں آ جائیو اور میں تجھے اتنا کچھ دوں گا کہ تیری مفلسی دور ہو جائے گی آج وہ آیا اور میں نے اسے کچھ دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ تو آ گیا۔ میں تیری خدمت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا' اسے بھول گیا اور وہ انتظار کرتے کرتے تھک گیا' بس یہ ہے اس کا قصہ اور اسی وجہ سے وہ ٹھہرا ہوا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

- # آٹھ سو اکتالیس ویں رات

آٹھ سو اکتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ صندل نے جعفر برمکی سے خلیفہ ماہی گیر کا قصہ سنا کر کہا کہ بس یہ ہے اس کا قصہ اور اسی وجہ سے وہ ٹھہرا ہوا ہے یہ سن کر وزیر مسکرایا اور کہنے لگا اے غلاموں کے سردار! یہ تو نے کیا کیا کہ یہ ماہی گیر تیرے پاس اتنی حاجت لے کر آیا اور تو نے اسے پورا نہ کیا؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ یہ کون ہے؟ صندل نے جواب دیا نہیں وزیر بولا' یہ امیر المومنین کا استاد اور شریک ہے۔ ہمارا مولا خلیفہ آج صبح سے پریشان خاطر ہے اور سوائے اس ماہی گیر کے کوئی اسے خوش نہیں کر سکتا۔ ماہی گیر کو جانے نہ دیجیو جب تک میں خلیفہ کی اجازت لے کر اسے اس کے آگے پیش نہ کر لوں۔ ممکن ہے کہ اس کی پریشانی دور ہو جائے۔ اسے دیکھ کر خلیفہ قوت القلوب کو بھول جائے اور ماہی گیر کی کچھ مدد کرے اور اس کا سبب تو ہو۔ غلام نے کہا کہ میرے مولا' جو تیرا جی چاہے کر' خدا تجھے بطور امیر المومنین کی سلطنت کے رکن کے قائم رکھے اور سلطنت پر خدا ہمیشہ اپنا سایہ رکھے اور اس کی حفاظت کرے! وزیر جعفر! خلیفہ کے پاس گیا اور غلاموں کے سردار نے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ ماہی گیر کا ساتھ نہ چھوڑیں۔

خلیفہ نے کہا کہ اے لال بالوں والے' تیرا کس قدر مجھ پر احسان ہے۔ قرض خواہ قرض دار ہو گیا تیرا گریبان پکڑتے الٹا میرا گریبان پکڑا گیا۔ ادھر جب جعفر خلیفہ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ پریشان حال سر جھکائے بیٹھا ہوا ہے۔ خلیفہ کے سامنے آ کر جعفر نے کہا اے امیر المومنین دین کی حرمت بچانے والے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائی' سلامتی ہو تجھ پر! خلیفہ سر اٹھا کر بولا' تیرے اوپر بھی سلامتی ہو' خدا کی رحمت اوراس کی برکتیں! جعفر نے کہا اگر امیو المومنین کی اجازت

ہو اور میرا اس میں نقصان نہ ہو تو بندہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ خلیفہ نے کہا بات کرنے میں کب تجھے نقصان پہنچا ہے! تو تو وزیروں کا سردار ہے' جو تیرا جی چاہے کہہ۔

وزیر جعفر بولا! اے میرے مولا' جب میں تیرے پاس سے نکل کر گھر جا رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ تیرا استاد' معلم اور شریک دروازے پر کھڑا ہے تجھ سے ناراض ہے' تیری شکایت کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ سبحان اللہ میں نے اسے مچھلیاں مارنی سکھائیں اور جب وہ ٹوکرے لینے گیا تو لوٹ کر بھی نہ آیا۔ یہ عجیب طرح کی شرکت ہے اور وہ عجیب قسم کا شاگرد اگر تجھے اس کے شریک بننے کی ضرورت ہے تو بسم اللہ ورنہ اس سے کہہ دے کہ وہ دوسرے کو شریک بنا لے۔ یہ سن کر خلیفہ مسکرا دیا' اس کی پریشانی دور ہو گئی اور وہ جعفر سے کہنے لگا تجھے میری جان کی قسم! کیا تو سچ کہتا ہے' ماہی گیر دروازے پر کھڑا ہے؟ جعفر نے جواب دیا' امیر المومنین' تیری جان کی قسم وہ دروازے پر کھڑا ہے۔ خلیفہ نے کہا اے جعفر! واللہ میں اس کا حق ادا کرنے کی ضرور کوشش کروں گا' اگر میرے خدا کو میرے ہاتھ سے اس کی بدبختی منظور ہے تو اسے بدبختی ملے گی اور اگر نیک بختی منظور ہے تو نیک بختی ملے گی۔ یہ کہہ کر خلیفہ نے ایک کاغذ لیا اور اس کے کئی پرزے کرکے جعفر سے کہا کہ تو ان پر اپنے ہاتھ سے ایک دینار سے لے کر ایک ہزار دینار تک مختلف رقمیں لکھ اور چھوٹے چھوٹے عہدے سے لے کر خلافت تک مختلف مراتب اور سرداریاں اور چھوٹی سے چھوٹی سزا سے لے کر قتل تک طرح طرح کی سزائیں' جعفر نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی۔ اب خلیفہ نے کہا اے جعفر! قسم ہے مجھے اپنے پاک آباؤ اجداد کی' حمزہ اور عقیل کے ساتھ اپنی قرابت کی کہ میں خلیفہ ماہی گیر کو بلا کر حکم دیتا ہوں کہ وہ ان پرزوں میں سے جن کے مضمون کی خبر سوائے میرے اور تیرے کسی کو نہیں' ایک پرزہ اٹھا لے اور جو بات اس میں نکلے گی' وہ میں اسے دوں گا' اگر اس میں خلافت بھی نکلی تو میں اسے ماہی گیر کو دے دوں گا' اور اس میں کسی طرح کی کنجوسی نہ کروں گا

اور اگر پرزے میں پھانسی یا ہاتھ کاٹنا یا قتل کرنا نکلا تو وہی اس کے ساتھ کروں گا‘ اسے لے آ۔ یہ سن کر جعفر نے دل میں کہا لاحول ولا قوہ ------- اگر اس بیچارے کے لئے کوئی نقصان دہ چیز نکلی تو اس کا گناہ میرے اوپر ہو گا لیکن خلیفہ قسم کھا چکا ہے اور اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ اندر آئے اور خدا کو جو منظور ہے وہی ہو گا۔

یہ کہہ کر وہ خلیفہ ماہی گیر کے پاس گیا اور چاہتا تھا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے جائے۔ خلیفہ کے ہوش جاتے رہے اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا میری کیا عقل ماری گئی تھی کہ میں اس لال بالوں والے منحوس غلام کے پاس آیا اور اس بڑی توند والے سے ملا۔ جعفر اسے اپنے ساتھ لئے جا رہا تھا‘ غلام اس کے آگے آگے اور پیچھے پیچھے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ میری گرفتاری کافی نہ تھی کہ یہ لوگ میرے آگے اور پیچھے بھی ہو لئے کہ میں بھاگ بھی نہ سکوں۔ جب جعفر اسے لئے ہوئے سات دہلیزیں طے کر چکا تو کہنے لگا اے ماہی گیر‘ تو اس وقت مسلمانوں کے سردار اور دین کی حرمت کے بچانے والے کے سامنے کھڑا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے بڑا پردہ اٹھایا اور خلیفہ ماہی گیر کی خلیفہ رشید سے آنکھیں چار ہو گئیں جو تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور جس کے آس پاس بڑے بڑے عہدے دار خدمت کے لئے کھڑے تھے۔ جب خلیفہ نے اسے پہچان لیا تو آگے بڑھ کر کہا اے بانسری بجانے والے‘ اہلاً و سہلاً یہ ٹھیک نہیں کہ ہم ماہی گیری کریں اور تو مجھے مچھلیوں کی خبر گیری کرتا چھوڑ کر چلتا بنے اور لوٹ کر نہ آئے۔ غلام طرح طرح کے چوپایوں پر سوار میرے پاس آ پہنچے اور مچھلیاں چھین کر لے گئے۔ میں اکیلا کھڑا دیکھتا رہا۔ یہ سب تیرا قصور ہے کیونکہ تو اگر ٹوکرے جلد لے آتا تو ہم سو دینار کی مچھلیاں بیچ لیتے۔ اب جب کہ میں اپنے دام لینے آیا تو لوگوں نے مجھے گرفتار کر لیا‘ لیکن یہ تو بتا کہ تجھے کس نے یہاں باندھ کر بٹھایا ہے یہ سن کر خلیفہ مسکرا دیا اور پردے کا ایک کنارہ اٹھا کر اپنا سر نکالا اور کہا آگے بڑھ کر ان میں سے ایک کاغذ اٹھا لے۔ خلیفہ ماہی گیر نے امیر المومنین سے کہا کہ آج تک تو ماہی

گیر تھا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آج تو نجومی ہو گیا ہے' لیکن تجھے معلوم نہیں کہ جو شخص زیادہ پیشے اختیار کرتا ہے اس کی مفلسی زیادہ ہوجاتی ہے۔ جعفر نے کہا جلدی سے پرنہ اٹھا لے' باتیں مت کر اور امیر المومنین کا حکم مان' خلیفہ ماہی گیر نے آگے بڑھ کر ہاتھ بڑھایا اور کہنے لگا کاش کہ یہ بانسری بجانے والا میرا پورا شاگرد ہو جاتا اور میرے ساتھ مچھلیاں مارتا! اس کے بعد اس نے پرنہ اٹھا کر خلیفہ کو دے دیا اور کہنے لگا اے بانسری بجانے والے' جوکچھ اس میں نکلے اسے مجھ سے ہرگز نہ چھپائیو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو بیالیس ویں رات

آٹھ سو بیالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ماہی گیر نے خلیفہ سے کہا اے بانسری بجانے والے! جو کچھ اس میں نکلے اسے مجھ ضرور بتائیو۔ خلیفہ نے وہ پرزہ لے کر وزیر جعفر کو دے دیا اور کہا پڑھ اس میں کیا لکھا ہا ہے۔ جعفر اسے دیکھ کر لاحول پڑھنے لگا' خلیفہ نے کہا اے جعفر! خیر تو ہے' اس میں کیا لکھا ہے؟ اس نے کہا' امیر المومنین پرزے میں لکھا ہوا ہے کہ اس کے سو ڈنڈے مارے جائیں۔ خلیفہ نے سو ڈنڈے مارنے کا حکم دے دیا اور لوگ اس کا حکم بجا لائے۔ خلیفہ کے سو ڈنڈے مارے گئے۔ اس کے بعد وہ اٹھا اور کہنے لگا اے بڑی توند والے' خدا اس مذاق پر لعنت بھیجے! کیا گرفتاری اور مار پیٹ بھی مذاق کا ایک حصہ ہے؟ جعفر نے کہا امیر المومنین یہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بیچارہ دریا پر آئے اور پیاسا لوٹ جائے۔ اتنی مہربانی کر کہ وہ ایک اور پرزہ اٹھائے ممکن ہے کہ اس میں کوئی ایسی چیز نکل آئے جس کے پانے سے اس کی مفلسی دور ہو جائے۔ خلیفہ نے جواب دیا اے جعفر! خدا کی قسم اگر اس نے دوسرا پرزہ اٹھایا اور اس میں قتل کیا جانا نکلا تو میں اسے ضرور قتل کر دوں گا اور اس کا گناہ تیری گردن پر ہو گا۔ جعفر بولا اگر وہ مر گیا تو آرام سے رہے گا۔ خلیفہ ماہی گیر نے کہا خدا تیرا برا کرے! کیا میری وجہ سے بغداد تم پر تنگ ہو گیا ہے کہ تم میری جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہو۔ جعفر بولا ایک پرزہ اٹھا لے اور خدا سے بھلائی کی دعا کر۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور ایک پرزہ اٹھا کر جعفر کو دے دیا۔ جعفر نے اسے لے کر پڑھا اور چپ ہو گیا۔ خلیفہ نے کہا اے یحیٰی کے بیٹے کیا ہے کہ تو چپ ہو گیا؟ اس نے کہا کہ امیر المومنین! اس پرزے میں لکھا ہے کہ ماہی گیر کو کچھ نہ دیا جائے۔ خلیفہ نے کہا اس کی روزی ہمارے پاس نہیں' اس سے کہہ دے کہ کالا منہ کرے۔ جعفر بولا کہ قسم ہے تیرے پاک باپ داداؤں

کی اسے ایک بار اور اٹھانے دے ممکن ہے کہ اس میں اس کی روزی نکل آئے خلیفہ نے کہا اچھا اسے ایک پرزہ اور اٹھا لینے دے' لیکن یہ سب سے آخری ہے۔ خلیفہ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر تیسرا پرزہ اٹھایا' اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ماہی گیر کو ایک دینار دے دیا جائے۔ جعفر نے خلیفہ ماہی گیر سے کہا کہ میں تو چاہتا تھا کہ خدا تجھے مالا مال کر دے لیکن خدا کی مرضی میں فقط یہ دینار تھا۔ خلیفہ ماہی گیر بولا ہر سو ڈنڈے کے بدلے ایک دینار بڑی برکت ہے خدا تیرے بدن کو تندرست رکھے۔

خلیفہ ہنس پڑا اور جعفر خلیفہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لے گیا۔ دروازے پر پہنچ کر صندل سے اس کی آنکھیں چار ہوئیں۔ وہ کہنے لگا اے ماہی گیر! امیر المومنین کی بخشش سے ہمیں بھی کچھ دیتا جا۔ خلیفہ نے کہا اے لال بالوں والے! واللہ تو سچ کہتا ہے۔ اے کلوٹے! تو میرے ساتھ حصہ بخرا کرنا چاہتا ہے؟ میں نے سو ڈنڈے کھائے اور ایک دینار پایا۔ وہ تیرے لئے حلال ہے۔ یہ کہہ کر اس نے دینار کو غلام کے آگے پھینک دیا اور روتا ہوا باہر چلا گیا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر غلام کو یقین آ گیا کہ وہ سچ کہتا ہے وہ اس کی طرف بڑھا اور غلاموں سے کہا اسے واپس لے آؤ۔ او وہ اسے واپس لے آئے۔ غلام نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک تھیلی نکالی اور اسے کھول کر الٹا تو اس میں سے سو دینار نکل پڑے۔ اس نے کہا اے ماہی گیر! یہ سونے کے دینار لے لے' یہ تیری مچھلیوں کی قیمت ہے اور چلتا بن۔ یہ دیکھ کر خلیفہ ماہی گیر خوش ہو گیا اور یہ سو دینار اور خلیفہ کا ایک دینار لے کر چل دیا اور یہ بھول گیا کہ اس پر مار پڑی تھی۔ اب خدا کو یہ منظور ہوا کہ وہ کنیزوں کے بازار میں سے ہو کر گزرے۔ وہاں اس نے دیکھا کہ بہت سے لوگ حلقہ باندھے کھڑے ہیں۔ خلیفہ نے اپنے دل میں کہا کہ یہ لوگ آخر کیوں کھڑے ہیں؟ آگے بڑھ کر تاجروں کے اندر گھس گیا۔ تاجر بولے کہ اس لچے لفنگے کو جگہ دو' وہ ہٹ گئے اور خلیفہ نے دیکھا کہ ایک بوڑھا کھڑا ہے اور اس کے آگے ایک صندوق رکھا ہے اور ایک غلام اس پر بیٹھا ہے اور بوڑھا پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے تاجرو' اے مال والو! کون ہمت کرتا ہے اس

صندوق کو خریدنے کی جس کے اندر معلوم نہیں کیا ہے اور جو امیر المومنین ہارون الرشید کی بیوی شہزادی زبیدہ بنت قاسم کے گھر سے آیا ہے۔ خدا تمہیں برکت دے! تمہاری طرف سے کیا بولوں؟ ایک تاجر بولا کہ واللہ یہ بڑی خطرناک بات ہے لیکن مجھے ملامت نہ کرو تو میں ایک بات کہتا ہوں بیس دینار میں' میں اسے لیتا ہوں۔ دوسرا بولا کہ پچاس دینار' پھر دوسرے تاجر نے بڑھ کر بولی بولی یہاں تک کہ سو دینار ہو گئے۔
اب دلال نے کہا' اے تاجرو! کوئی اس سے بڑھ کر بولی بولنا چاہتا ہے؟ خلیفہ ماہی گیر بولا کہ میں ایک سو ایک دینار لگاتا ہوں۔ یہ سن کر تاجر سمجھے کہ خلیفہ مذاق کرتا ہے' ہنس دیئے اور کہنے لگے اے غلام! اسے خلیفہ کے ہاتھ ایک سو ایک دینار میں بیچ ڈال۔ غلام بولا خدا کی قسم میں بھی سوائے اس کے اور کسی کے ہاتھ نہ بیچوں گا۔ اے ماہی گیر لے اور خدا اس میں تجھے برکت دے! دینار لا۔ خلیفہ نے دینار نکال کر اسے دے دیئے اور سودا پکا ہو گیا۔ پھر غلام نے اسی وقت دینار اسے بخش دیئے اور محل میں جا کر اپنی کارروائی کی خبر دی' زبیدہ خوش ہو گئی۔ خلیفہ ماہی گیر نے صندوق اپنے کندھے پر رکھا لیکن وہ اتنا بھاری تھا کہ وہ اسے اٹھا نہ سکا اس لئے وہ اسے اپنے سر پر رکھ کر اپنے محلے میں پہنچا اور اسے سر پر سے اتار تھک کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ اور اپنے دل میں کہنے لگا کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اس صندوق میں کیا ہے؟ اس نے اپنے گھر کا دروازہ کھولا' صندوق کو بہ مشکل اندر لے گیا۔ پھر اس کے کھولنے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ نہ کھلا' وہ اپنے اوپر لعنت بھیجنے لگا کہ میری عقل پر کیا پتھر پڑے تھے جو میں نے یہ صندوق خرید لیا' خیر اسے توڑ کر دیکھنا تو چاہیے کہ اس کے اندر کیا ہے۔ پھر اس نے قفل پر زور لگایا آخر ہار کر سونے کا ارادہ کیا کہ کل دیکھا جائے گا۔ صندوق بڑا تھا اور ماہی گیر کی کوٹھڑی چھوٹی' لیٹنے کی جگہ نہ تھی لہٰذا وہ صندوق کے اوپر لیٹ گیا لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد اسے صندوق میں کوئی چیز ہلتی ہوئی معلوم ہوئی اور وہ اتنا ڈرا کہ اس کی نیند اڑ گئی اس کے ہوش جاتے رہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## آٹھ سو تینتالیس ویں رات

آٹھ سو تینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ ماہی گیر کے ہوش اڑ گئے اٹھ بیٹھا سمجھا کہ اس کے اندر جن ہیں اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا کہ اس نے مجھے کھولنے نہ دیا' اگر میں نے اسے کھول لیا ہوتا تو وہ اندھیرے میں مجھ پر چڑھ کر مجھے مار ڈالتے اور الٹے لینے کے دینے پڑ جاتے۔ یہ کہہ کر وہ پھر صندوق پر لیٹ گیا' اب وہ پہلے سے زیادہ ہلنے لگا۔ خلیفہ پھر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ یہ دوسری بار ہے اور پہلے سے زیادہ خطرناک' اب وہ چراغ ڈھونڈنے چلا لیکن اسے نہ پایا اور نہ اس کے پاس چراغ خریدنے کے لئے ٹکے تھے۔ اس لئے اس نے گھر سے نکل کر آواز دی کہ اے محلے والو! محلے والے سو گئے تھے' وہ سب اس کی آواز سن کر جاگ پڑے اور کہنے لگے خلیفہ' تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا مجھے ایک چراغ لا دو کیونکہ جنات میرے پیچھے دوڑتے ہیں۔ لوگ خوب ہنسے اور ایک چراغ لا کر دیا۔ خلیفہ چراغ لے کر گھر میں گیا اور صندوق کے قفل کو پتھر مار کر توڑ ڈالا' دیکھا کہ اس کے اندر ایک لڑکی پڑی سو رہی ہے جو حور کی طرح ہے۔ اس وقت بھنگ کا نشہ اتر رہا تھا اور اس نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھول دی تھیں' کسمسانا شروع کر دیا تھا۔ اسے دیکھ کر خلیفہ بولا' اے میری آقا تو کہاں سے آئی ہے؟ لڑکی نے آنکھیں کھول دیں اور بولی یاسمین' نرگس ------ خلیفہ نے کہا یہاں تو مہندی کے علاوہ کوئی بھی نہیں۔ اب لڑکی کو ہوش آیا اور وہ خلیفہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگی' تو کون بلا ہے اور میں کہاں ہوں؟ اس نے جواب دیا تو میرے گھر میں ہے۔ لڑکی بولی کیا میں خلیفہ ہارون الرشید کے محل میں نہیں ہوں؟ خلیفہ نے جواب دیا اے پاگل' رشید کس بلا کا نام ہے؟ تو تو میری زر خرید باندی ہے' آج ہی تو میں تجھے ایک سو ایک دینار میں خرید کر گھر لایا ہوں' اسی صندوق میں تو سو رہی تھی۔

اس کی باتیں سن کر لڑکی نے کہا، تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا نام خلیفہ ہے۔ نہ معلوم میرا ستارہ کیوں چمک اٹھا۔ اب تک تو میری تقدیر الٹی تھی۔ لڑکی ہنس پڑی، اس نے کہا یہ باتیں جانے دے، بتا کہ تیرے پاس کھانے کے لئے بھی کچھ ہے۔ اس نے کہا کہ پینے کے لئے بھی کچھ نہیں۔ دو دن سے میں نے کچھ کھایا بھی نہیں اور اس وقت میں ایک نوالے کے لئے محتاج ہوں۔ لڑکی نے کہا تیرے پاس دام ہیں؟ اس نے جواب دیا خدا اس صندوق کو سلامت رکھے! اس نے مجھے کنگال کر دیا ہے، جو کچھ میرے پاس تھا میں اس پر لگا چکا اور مفلس ہو گیا۔ لڑکی ہنس پڑی اور کہنے لگی، اچھا جا کر پڑوسیوں کے ہاں سے کچھ کھانے کے لئے لا کیونکہ میں بھوکی ہوں۔ خلیفہ اٹھ کر باہر گیا اور آواز دی کہ اے محلے والو! اے میرے پڑوسیو، میں بھوکا ہوں اور میرے پاس کھانے کو کچھ نہیں، یہ سن کر ایک شخص روٹی لے آیا، دوسرا گوشت کی بوٹیاں، تیسرا ایک ٹکڑا پنیر اور چوتھا کھیرا۔ خلیفہ اپنی جھولی بھر کر اندر گیا اور لڑکی کے آگے سب چیزیں ڈال دیں اور کہا کہ کھا۔ لڑکی ہنس پڑی اور کہنے لگی میں کھاؤں کیسے؟ پینے کے لئے پانی تو ہے نہیں اگر نوالہ پھنس گیا تو میں مر جاؤں گی۔ خلیفہ نے کہا میں تیرے لئے یہ گھڑا بھرے لاتا ہوں۔ اور نکل کر محلے کے بیچ میں پہنچا اور آواز دی کہ اے محلے والو! ------- انہوں نے کہا۔ اے خلیفہ، آج رات تجھ پر کیا مصیبت آئی ہے؟ اس نے کہا تم نے مجھے کھانا دیا اور میں نے کھایا اور اب مجھے پیاس لگی ہے لہٰذا پانی پلاؤ۔ یہ سن کر ایک شخص کوزہ بھر لایا ایک ایک لوٹا اور ایک لٹیا۔ خلیفہ گھڑا بھر کر اندر لایا اور کہا اے میری آقا، اب تیری کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ لڑکی نے کہا ٹھیک ہے، اس وقت اور کوئی ضرورت نہیں۔ خلیفہ نے کہا اب مجھ سے باتیں کر اور اپنا قصہ سنا۔ لڑکی بولی اگر تو مجھے نہیں جانتا تو سن، میں خلیفہ ہارون الرشید کی کنیز قوت القلوب ہوں۔ شہزادی زبیدہ نے رشک سے مجھے بھنگ کھلا کر اس صندوق میں بند کر دیا۔ لیکن شکر ہے خدا کا کہ اس نے یہ کام مشکل سے آسان کر دیا اور محض تیری خوش قسمتی سے یہ ماجرا میرے ساتھ پیش آیا کیونکہ اب تجھے خلیفہ ہارون

الرشید سے اتنا مال ملے گا کہ تو امیر ہو جائے گا۔
خلیفہ نے کہا وہی رشید تو نہیں جس کے محل میں' میں قیدی تھا؟ لڑکی نے کہا ہاں وہی۔

خلیفہ نے کہا واللہ میں نے اس سے زیادہ کنجوس کسی کو نہیں دیکھا۔ یہ بے خبر اور کم عقل بانسری بجانے والا! اس نے کل میرے سو ڈنڈے لگوائے اور ایک دینار دیا' اگرچہ میں نے اسے مچھلیاں مارنا سکھایا اور اپنا شریک بنایا تھا' پھر بھی اس نے میرے ساتھ دھوکے بازی کی۔ لڑکی نے کہا ایسی بری باتیں نہ کر آنکھیں کھول' اگر تو اسے پھر دیکھے تو ادب سے بات کیجیو اور تیرا مقصد پورا ہو جائے گا۔ یہ باتیں سن کر ایسا معلوم ہوا کہ گویا وہ سوتے سے جاگ اٹھا اور چونکہ خدا کو اس کی بہتری منظور تھی اس کی عقل ٹھکانے آ گئی اور اس نے کہا کہ سر آنکھوں پر' اچھا اب سوجا' وہ جا کر سو گئی اور خلیفہ اس سے دور جا کر سو رہا۔ صبح تک سوتا رہا۔ جب دن نکلا تو لڑکی نے اس سے دوات اور کاغذ مانگا۔ وہ دونوں چیزیں لے آیا تو لڑکی نے اس تاجر کے نام ایک خط لکھا جو خلیفہ کا مصاحب تھا' اس میں اپنی ساری کہانی بیان کی اور یہ کہ اب اسے خلیفہ ماہی گیر نے خرید لیا ہے اور وہ اس کے پاس ہے۔ خلیفہ کو یہ خط دے کر لڑکی نے کہا کہ اسے لے کر جوہری بازار جا' ابن قرناص جوہری کی دکان پوچھ کر اسے دے دیجیو اور کوئی بات نہ کیجیو۔ خلیفہ بولا۔ سر آنکھوں سے اور لڑکی کے ہاتھ سے خط لے کر جوہری بازار گیا۔ وہاں پہنچ کر ابن قرناص کی دکان پوچھی۔ لوگوں نے اس کا پتہ بتا دیا۔ خلیفہ نے اس کے پاس جا کر سلام کیا۔ جوہری نے نہایت حقارت سے اس کے سلام کا جواب دیا اور پوچھا کیسے آنا ہوا؟ خلیفہ نے اسے خط دے دیا' اس نے خط لے تو لیا مگر پڑھا نہیں کیونکہ وہ سمجھا کہ یہ کوئی فقیر ہے جو بھیک مانگنے آیا ہے اور اپنے غلام سے کہا اسے آدھا درہم دے دے۔ خلیفہ بولا مجھے بھیک نہیں چاہیے' خط پڑھ۔ جب اس نے خط پڑھا تو اس کا مطلب سمجھا اور اسے چوم کر اپنے سر پر رکھ لیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو چوالیس ویں رات

آٹھ سو چوالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابن قرناص نے خط چوم کر اپنے سر پر رکھ لیا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا بھائی تیرا گھر کہاں ہے؟ خلیفہ نے جواب دیا تو میرے گھر کیوں جانا چاہتا ہے؟ کیا تیرا ارادہ ہے کہ میرے گھر جا کر میری کنیز کو چرا لائے؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ کچھ کھانا خرید کر تیرے ساتھ کر دوں تا کہ تو اور تیری کنیز کھائے۔ خلیفہ نے کہا میرا گھر فلاں محلے میں ہے۔ تاجر بولا شاباش! کم بخت' خدا تیرا بھلا کرے! یہ کہہ کر اس نے اپنے دو غلاموں کو آواز دی اور کہا کہ اس شخص کو محسن صراف کی دکان پر لے جاؤ' اس سے کہنا کہ اسے ایک ہزار دینار سونے کے دے دے اور پھر اسے فوراً میرے پاس لے آنا۔ دونوں غلام خلیفہ کو صراف کی دکان پر لے گئے اور اس سے کہا اے محسن' اس شخص کو ایک ہزار دینار سونے کے دے دے۔ خلیفہ دینار لے کر دونوں غلاموں کے ساتھ ابن قرناص کی دکان پر لوٹ آیا اور دیکھا کہ وہ زرزوری خچر پر سوار ہے جس کی قمیت ایک ہزار دینار ہو گی' کالے اور گورے غلام اس کے آس پاس ہیں' اس کے خچر کے برابر ایک اور خچر اسی طرح کا ہے جس پر زین کسا ہوا اور لگام لگی ہوئی ہے۔ ابن قرناص نے خلیفہ سے کہا بسم اللہ' اس خچر پر سوار ہو جا' اس نے جواب دیا' میں نہیں سوار ہوں گا۔ خدا کی قسم میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے گرا دے گا' تاجر بولا خدا کی قسم تجھے سوار ہونا پڑے گا۔ خلیفہ سوار ہونے کے لئے آگے بڑھا اور الٹا سوار ہوا۔ خچر کی دم پکڑ لی اور ایک چیخ ماری۔ خچر نے اسے زمین پر پھینک دیا اور لوگ اس پر ہنس پڑے۔ خلیفہ اٹھ کر کہنے لگا۔ میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ میں اس اونچے گدھے پر سوار نہ ہوں گا۔ اب ابن قرناص خلیفہ کو بازار میں کھڑا چھوڑ کر امیر

المومنین کے پاس گیا' اسے کنیز کی خبر دے کر کنیز کو اپنے گھر لے آیا۔ جب خلیفہ اپنے گھر گیا کہ دیکھے کنیز کس حال میں ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ محلے والے جمع ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ آج خلیفہ بے حد ڈرا معلوم ہوتا ہے' نہ معلوم یہ کنیز اسے کہاں سے ہاتھ لگ گئی۔ ایک بولا کہ وہ پاگل کتنا معلوم ہوتا ہے اس نے لڑکی کو راہ میں بدمست پایا ہو گا' اٹھا کر اپنے گھر لے آیا اور اب اپنا جرم معلوم کرکے روپوش ہو گیا۔

وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ خلیفہ جا پہنچا' لوگوں نے کہا کم بخت' یہ تو نے کیا کیا؟ تجھے معلوم ہے کہ تجھ پر کیا گزری۔ اس نے جواب دیا خدا کی قسم نہیں۔ انہوں نے کہا کہ جس کنیز کو تو چرا لایا تھا ابھی غلام آ کر اسے لے گئے' وہ تجھے بھی ڈھونڈتے تھے لیکن تو غائب تھا۔ خلیفہ بولا وہ کیونکر میری کنیز کو لے گئے؟ ایک شخص نے جواب دیا کہ اگر تو ان کے ہتھے چڑھ جاتا تو وہ تجھے مار ڈالتے۔ خلیفہ ان کی طرف زیادہ متوجہ نہ ہوا بلکہ الٹے پاؤں ابن قرناص کی دکان پر گیا' دیکھا کہ وہ سوار ہے اس سے کہنے لگا کہ خدا کی قسم یہ تیری حرکت ٹھیک نہیں' ادھر تو نے مجھے باتوں میں لگایا ادھر غلاموں کو بھیج کر میری کنیز کو پکڑوا بلایا۔ ابن قرناص نے کہا چپ چاپ میرے ساتھ چل۔ یہ کہہ کر وہ اسے ایک خوبصورت مکان میں لے گیا۔ وہاں پہنچ کر خلیفہ نے دیکھا کہ کنیز ایک سونے کے تخت پر بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کے آس پاس چاند سی خوبصورت دس لونڈیاں ہیں۔ ابن قرناص نے اسے دیکھتے ہی زمین کو بوسہ دیا' کنیز نے پوچھا کہ تو نے میرے نئے آقا' میں نے اسے ایک ہزار دینار سونے کے دیئے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے خلیفہ کا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ کنیز نے ہنس کر کہا کہ اس کا برا نہ مان کیونکہ وہ سیدھا سادا آدمی ہے' لے یہ ایک ہزار دینار میری طرف سے اس کی نذر ہیں اور خدا نے چاہا تو خلیفہ اسے مالا مال کر دے گا۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ خلیفہ کے پاس سے ایک خادم آیا کہ وہ قوت القلوب کو بلاتا ہے کیونکہ جس وقت اسے معلوم ہوا ہے کہ وہ ابن قرناص کے گھر میں ہے' وہ بے

چین ہے۔ جب قوت القلوب خلیفہ کے پاس گئی تو خلیفہ کو اپنے ساتھ لیتی گئی۔ خلیفہ کے پاس پہنچ کر اس نے زمین چومی۔ خلیفہ نے اٹھ کر اسے سلام کیا' مرحبا کہا اور پوچھا کہ اس شخص کے ساتھ تیری کیسی گزری جس نے تجھے خریدا تھا؟ کنیز نے کہا اس شخص کا نام خلیفہ ماہی گیر ہے' وہ دروازے پر کھڑا ہے۔ اس نے مجھ سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس کے اور میرے مولا امیر المومنین کے درمیان مچھلیاں مارنے کی شرکت کے بارے میں کچھ حساب کتاب باقی ہے۔ خلیفہ نے پوچھاوہ کیا واقعی دروازے پر کھڑا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے بلاؤ۔ وہ آیا تو اس نے خلیفہ کے سامنے زمین چومی اور دعا دی کہ تیری عزت اور نعمتیں ہمیشہ قائم رہیں۔

یہ سن کر خلیفہ کو تعجب ہوا' وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا اے ماہی گیر' کیا آج رات تو سچے معنوں میں میرا شریک تھا؟ خلیفہ' امیر المومنین کا مطلب سمجھ گیا اور اس نے دل کڑا کرکے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے تجھے تیرے چچیرے بھائی کا خلیفہ بنایا' سوائے دیکھنے او باتیں کرنے کے' میں نے اس کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ اس کے بعد ماہی گیر اس سے سارا ماجرا کہتا جاتا اور وہ ہنستا جاتا۔ پھر اس نے غلام کا قصہ بیان کرنا شروع کیا اور یہ کہ اس نے خلیفہ کے ایک دینار کے ساتھ سو دینار اور دیئے اس نے یہ بھی کہا کہ بازار جا کر میں نے ان ایک سو ایک دینار میں ایک صندوق خریدا جس کے اندر مجھے معلوم نہ تھا کہ کیا ہے۔ غرض اس نے سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنایا۔ اس پر خلیفہ خوب ہنسا اور کہنے لگا اے حق کو حقدار تک پہنچانے والے' مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ خلیفہ کو پچاس ہزار دینار اور خلفا کی پوشاک میں سے ایک عمدہ خلعت او ایک خچر دیا جائے۔ علاوہ ازیں خلیفہ کو خدمت کے لئے حبشی غلام عطا کئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی اس زمانے کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہے۔ خلیفہ کو اپنی کنیز کے مل جانے کی بڑی خوشی ہوئی او اسے یقین ہو گیا کہ یہ حرکت اس چچیری بہن شہزادی زبیدہ کی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

آٹھ سو پینتالیس ویں رات

آٹھ سو پینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ قوت القلوب کے دوبارہ مل جانے پر خلیفہ بہت خوش ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ حرکت شہزادی زبیدہ کی تھی۔ وہ زبیدہ پر سخت ناراض ہوا۔ ایک مدت اس کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا' نہ وہ اس سے ملتا اور نہ اس کا دل اس سے ملنے کو چاہتا۔ زبیدہ کو خلیفہ کے غصے کا علم ہوا تو اسے بڑا رنج ہوا۔ اس کا رنگ سرخ سے زرد ہو گیا۔ زیادہ صبر نہ ہو سکا تو اپنے چچیرے بھائی امیر المومنین کے پاس خط بھیجا جس میں اس نے اپنے جرم کا اعتراف کیا اور معافی مانگی۔ جب شہزادی زبیدہ کا خط امیر المومنین کے پاس پہنچا اور اس نے پڑھا تو اسے معلوم ہو گیا کہ وہ اپنے گناہ کو تسلیم کرتی ہے اور اپنے کئے پر پشیمان ہے وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا سارے گناہ بخش دیتا ہے وہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے زبیدہ کے خط کا جواب لکھا کہ میں نے تجھے معاف کردیا اور تجھ سے پھر خوش ہو گیا۔ اس کے بعد خلیفہ نے خلیفہ ماہی گیر کی تنخواہ پچاس دینار ماہانہ مقرر کر دی اور اس کی بڑی عزت و احترام کرنے لگا۔ چلتے وقت خلیفہ نے امیر المومنین کے آگے زمین چومی اور اکڑتا ہوا چل دیا۔ جب وہ دروازے پر پہنچا تو اس پر اس غلام کی نظر پڑی جس نے اسے ایک سو دینار دیئے تھے۔ اس نے اسے پہچان لیا اور کہا کہ اے ماہی گیر! یہ تمام چیزیں تجھے کہاں سے ہاتھ لگیں؟ ماہی گیر نے سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنایا۔ غلام بھی خوش ہو گیا کیونکہ ماہی گیر کے امیر ہو جانے کا وہی سبب تھا اور کہنے لگا کہ اپنے مال میں سے مجھے بھی کچھ انعام دے۔ خلیفہ نے اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس میں سے ایک ہزار دینار کی ایک تھیلی نکال کر غلام کو دی۔ غلام نے کہا کہ اپنا مال اپنے پاس رکھ' خدا اس میں تجھے برکت دے! اور اسے اس بات پر تعجب ہوا کہ ماہی گیر باوجود

غریب ہونے کے اس قدر بامروت اور سخی ہے۔
اب خلیفہ خچر پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ غلام اس کی رکابیں پکڑے ہوئے تھے وہ سرائے پہنچا تو لوگ اسے دیکھ کر اچنبھے میں آ گئے۔ جب وہ خچر سے اترا تو لوگوں نے بڑھ کر اس سے اس کی خوش قسمتی کا سبب پوچھا' اس نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ اس کے بعد اس نے ایک خوبصورت مکان خریدا اسے خوب آراستہ کیا اور اس میں رہنے لگا۔
جب وہ اس مکان میں رہنے لگا تو اس نے شہر کے ایک بڑے آدمی کی بیٹی سے نکاح کر لیا جو بڑی حسین تھی۔ اپنے آپ کو ان نعمتوں میں دیکھ کر اس نے خدا کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کیا اور اس کی حمد و ثنا کی۔ خلیفہ سے خلیفہ ہارون الرشید بہت خوش تھا۔ وہ اکثر اس کے دربار میں آیا جایا کرتا اور بہت کچھ انعام و اکرام پاتا۔ اس طرح خلیفہ نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگا یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جس کے لئے عزت اور بقا ہے' جو ہمیشہ زندہ رہنے والی ہے اور کبھی مرتی نہیں۔

○ مسرور تاجر اور زین المواصف کی کہانی

پرانے زمانے میں ایک تاجر تھا مسرور نام اور اپنے زمانے کے حسین ترین لوگوں میں بڑا مال دار اور خوش حال تھا لیکن اسے چمنوں' باغوں کی سیر بہت پسند تھی۔ اور خوب صورت عورتوں کو بہت چاہتا تھا۔ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک نہایت خوبصورت چمن میں ہے جہاں چار چڑیاں ہیں' منجملہ ان کے ایک فاختہ ہے جو صاف چاندی کی طرح سفید ہے۔ یہ فاختہ اسے بہت پسند آئی۔ وہ دل سے اسے چاہنے لگا۔ اس کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک بڑا پرندہ جھپٹ کر اسے اٹھا لے گیا۔ اس صدمے سے اس کی آنکھ کھل گئی اور فاختہ کو نہ پا کر صبح تک بے چین رہا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو چھیالیس ویں رات

آٹھ سو چھیالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مسرور تاجر نے کہا کہ کسی ایسے شخص کو ڈھونڈنا چاہیے جو اس خواب کی تعبیر بتا سکے۔ یہ ارادہ کرکے وہ اٹھ کھڑا ہوا' ادھر ادھر پھرتے پھراتے وہ اپنے گھر سے دور پہنچ گیا' لیکن کوئی تعبیر بتانے والا نہ ملا۔ مجبور ہو کر لوٹا۔ موڑ پر ایک عالی شان حویلی دیکھی یہ امیر آدمی کا مکان تھا۔ اسے اندر سے ایک دردناک آواز گانے کی سنائی دی۔ آواز سن کر مسرور نے دروازے کے اندر نظر دوڑائی' دیکھا کہ وہاں ایک عمدہ سے عمدہ چمن ہے اور اندر سرخ زربفت کے پردے پڑے ہیں جن پر موتی اور جواہرات کا کام ہے' ان کے پیچھے چار لڑکیاں بیٹھی ہیں' ایک میانہ قد' چہرہ چاند کی طرح گول اور روشن' آنکھیں سرمئی' بھنویں ملی ہوئی' منہ گویا سلیمان کی انگوٹھی' ہونٹ اور دانت گویا موتی اور مونگے' اپنے حسن و جمال اور قد و قامت سے وہ عقلوں کو سلب کرتی ہے۔ اسے دیکھ کر مسرور مکان کے اندر چلا گیا اور اتنا آگے بڑھا کہ وہ پردے کے پاس جا پہنچا۔ لڑکی نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا' مسرور نے فوراً اسے سلام کیا۔ اس نے نہایت میٹھی آواز سے سلام کا جواب دیا۔ اسے دیکھتے ہی مسرور کے ہوش جاتے رہے۔ باغ میں چنبیلی' لالہ' بنفشہ' گلاب' نارنگی اور طرح طرح کے خوشبو دار درخت ہیں۔ میووں سے لدے ہوئے اور چار چبوتروں پر سے جو اس کے سامنے ہیں' پانی گر رہا ہے۔ قمریاں' کبوتر' بلبلیں اور قسم قسم کی چڑیاں اپنی اپنی بولیاں بول رہی ہیں اور لڑکی اپنے حسن و جمال میں اس آن بان سے جھک کر چل رہی ہے کہ دیکھنے والا اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔

لڑکی نے مسرور سے کہا' اے شخص تو اپنے گھر کے علاوہ دوسرے گھر میں اور اپنی لڑکیوں کو چھوڑ کر دوسروں کی لڑکیوں کے پاس بغیر گھر والوں کی اجازت کے کیسے آ

گیا؟ مسرور بولا اے میری آقا! جب میں نے یہ چمن دیکھا تو اس کا ہرا بھرا پن' اس کے پھول او چڑیوں کا گانا مجھے اتنا بھایا کہ میں اندر آ گیا تا کہ تھوڑی دیر سیر و تفریح کر کے چلا جاؤں۔ لڑکی نے کہا اچھا آ بیٹھ جا۔ مسرور تاجر نے اس کی باتیں سنیں' اس کی ترچھی نظروں اور سڈول قد و قامت کی طرف دیکھا تو اس کے ہوش جاتے رہے اور چمن کی لطافت اور چڑیوں کے نغموں نے مست کر دیا۔ زین المواصف کے دل میں بھی اسے دیکھ کر ہزاروں تمنائیں آنے لگیں اور مسرور نے کوشش کر کے اپنا راز چھپایا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ مصیبت پر سوائے صبر کے اور چارہ نہیں۔ اسی حالت میں رات ہو گئی اور لڑکی نے حکم دیا کہ دسترخوان بچھایا جائے۔ دسترخوان آیا تو اس پر طرح طرح کے کھانے تھے۔ دونوں نے پیٹ بھر کر کھایا' پھر دسترخوان بڑھایا گیا۔ ہاتھ دھونے کا سامان آیا انہوں نے ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد شمع دان رکھے گئے اور اس میں کافوری موم بتیاں لگائی گئیں۔ زین المواصف نے کہا' آج رات میری طبیعت بہت گھبرا رہی ہے کیونکہ مجھے کچھ حرارت ہے۔ مسرور نے کہا خدا تیری گھبراہٹ دور کرے اور رنج و غم سے نجات دے! لڑکی نے کہا کہ مجھے شطرنج کھیلنے کی عادت ہے۔ تجھے بھی شطرنج کھیلنا آتا ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں آتا ہے لڑکی نے بساط بچھائی جو آبنوس اور ہاتھی دانت کی تھی۔ خانوں کے بیچ میں سونے کا کام تھا اور مہرے موتی اور یاقوت کے تھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

- آٹھ سو سینتالیس ویں رات

آٹھ سو سینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا‘ اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بساط بچھ گئی تو زین المواصف نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تو لال چاہتا ہے یا سفید؟ وہ بولا اے حسینوں کی سرتاج اورخوبصورتوں کی زینت‘ تو لال لے کیونکہ وہ خوبصورت ہیں اور تیری شان کے شایاں‘ سفید میرے لئے رہنے دے۔ لڑکی نے کہا منظور‘ اور انہیں لے کر اس نے سفید مہروں کے مقابلے میں رکھا۔ مسرور کی نظر اس کی انگلیوں پر پڑی‘ اس نے دیکھا کہ گویا وہ چاندی کی بنی ہوئی ہیں۔ ان کی خوبصورتی دیکھ کر مسرور دنگ ہو گیا اور لڑکی اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی‘ گھبرا نہیں بلکہ صبر سے کام لے اور ثابت قدم رہ۔ مسرور بولا اے حسن کی دیوی‘ تیرے آگے چاند اور سورج مات ہیں‘ پھر عاشق کو کیونکر صبر ہو سکتا ہے؟ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ لڑکی نے کہا کہ شاہ مات اور اس نے مات مان لی اور زین المواصف کو یقین آ گیا کہ وہ اس کی محبت میں پاگل ہے‘ اس نے کہا اے مسرور‘ میں تیرے ساتھ بے شرط لگائے نہیں کھیل سکتی اور ہم دونوں قسم کھائیں کہ ہم میں سے ایک‘ دوسرے کو دھوکہ نہ دے گا‘ دونوں نے قسم کھالی۔ لڑکی بولی اے مسرور! اگر میں جیت جاؤں تو تجھ سے دس دینار لوں گی اور اگر تو جیت جائے تو میں تجھے کچھ نہ دوں گی۔ مسرور کو خیال تھا کہ میں جیتوں گا‘ کہنے لگا‘ اے میری آقا‘ اپنی قسم کو جھوٹ نہ کیجیو‘ میں دیکھتا ہوں کہ شطرنج میں تو مجھ سے زبردست ہے۔ لڑکی بولی‘ منظور‘ دونوں کھیلنے‘ پیادے بڑھانے اور ان کے مقابلے میں فرزیں رکھنے‘ رخوں سے زور ڈالنے اور گھوڑے بڑھا بڑھا کر خوش ہونے لگے۔

زین المواصف کے سر پر نیلے زربفت کا ایک رومال تھا‘ اسے اس نے سر سے گرا دیا۔ اپنی کلائیاں کھول لیں جو نور کے ستونوں کی طرح تھیں اور لال مہروں کی طرف اپنا

ہاتھ بڑھا کر کہا ہوشیار ہو جا۔ ان پیاری پیاری باتوں کو سن کر مسرور کے ہوش و حواس جاتے رہے اور جب اس نے اپنا ہاتھ سفید مہروں کی طرف بڑھایا تو وہ سرخ پر جا پڑا۔ لڑکی بولی اے مسرور! کیا تیری عقل ماری گئی ہے؟ لال مہرے میرے ہیں اور سفید تیرے۔ مسرور نے کہا جو کوئی تیری طرف دیکھتا ہے اس کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی۔ زین المواصف نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اس سے سفید مہرے خود لے لئے لال اسے دے دیئے اور ان سے کھیل کر اسے مات کر دی۔ اسی طرح وہ اس سے برابر کھیلتی اور مات پر مات دیتی رہی اور وہ ہر بار دس دینار ہارتا رہا۔ جب زین المواصف نے دیکھا کہ وہ اس کی محبت میں گرفتار ہے تو کہنے لگی اے مسرور! جب تک شرط کے مطابق تو مجھے ہرا نہ دے اس وقت تک تیری مراد حاصل نہ ہو گی اور اب میں سو دینار فی بازی تجھ سے کھیلوں گی۔ مسرور نے کہا کہ سر آنکھوں سے' پھر حاضر کروں گا۔ اس نے جواب دیا' تیرے پلے ٹکے تو رہے ہی نہیں' لائے گا کہاں سے؟ مسرور بولا اے امیدوں کی انتہا' اگرچہ میرے پاس کچھ نہیں رہا لیکن لوگ میری مدد کریں گے۔ لڑکی نے کہا کہیں دینے والے بھی مانگتے ہیں! مسرور بولا میرے عزیز و اقارب اور دوست ہیں جو کچھ میں ان سے مانگوں گا' وہ انکار نہ کریں گے۔ لڑکی نے کہا میں چارنافے خالص مشک چار کپیاں مشک بلاؤ کا مشک' چار رطل عنبر' چار ہزار دینار نقد اور چار سو پوشاکیں شاہی زربفت کی چاہتی ہوں۔ اگر اے مسرور تو یہ چیزیں لے آئے تو تجھے میرا وصال حاصل ہو گا۔ مسرور نے کہا اے چاندوں کو شرمانے والی' یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

یہ کہہ کر مسرور وہاں سے چل دیا تاکہ لڑکی کی مانگی ہوئی چیزیں لے آئے اور لڑکی نے اپنی باندی ہیوب کو اس کے پیچھے پیچھے بھیجا تاکہ وہ دیکھے کہ جن لوگوں کا مسرور نے ذکر کیا ہے' وہ اس کی بات کہاں تک مانتے ہیں۔ وہ چلا ہی جا رہا تھا کہ اس کی نظر دور سے ہیوب پر پڑی۔ وہ ٹھہر گیا کہ ہیوب قریب آ جائے۔ وہ قریب آ گئی تو اس نے پوچھا اے ہیوب تو کہاں جا رہی ہے؟ اس نے جواب دیا اے میرے آقا!

میری مالکہ نے مجھے فلاں کام کے لئے تیرے پیچھے بھیجا ہے۔ پھر اس نے شروع سے لے کر آخر تک ساری باتیں کہہ دیں جو زین المواصف نے کہی تھیں۔ مسرور نے کہا واللہ اے ہیوب! میرے پلے اب کوڑی بھی باقی نہیں۔ ہیوب بولی پھر تو نے وعدہ کیوں کیا؟ اس نے کہا کتنے ایسے وعدے ہیں جنہیں وعدہ پورا کرنے والا پورا نہیں کر سکتا اور محبت کا گھائل تو وعدہ پورا کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ یہ سن کر ہیوب نے کہا اے مسرور خوش ہو اور گھبرا نہیں' خدا کی قسم میری وجہ سے تیرا وصال ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ مسرور کے پاس سے چل دی' اپنی آقا کے پاس پہنچی' بلک بلک کر رونے لگی اور کہا واللہ اے میری آقا! وہ شخص بڑے مرتبے والا ہے۔ لوگ اس کی بہت عزت کرتے ہیں۔ آقا نے کہا خدا کا لکھا کوئی مٹا نہیں سکتا' ہم نے اس شخص کے ساتھ نرم دلی کا برتاؤ نہیں کیا' اس کے ٹکے تو سب وصول کر لئے لیکن نہ اس کے ساتھ محبت سے پیش آئے نہ اس سے وصال کیا۔ اگر میں اس کی مراد پوری کر دوں تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ بات پھیل نہ جائے۔ ہیوب بولی۔ اے میری آقا' ہمیں اس کے حال پر اور مال کے لے لینے پر افسوس ہے لیکن تیرے پاس سوائے میرے اور دوسری باندی سکوب' تیسرا ہے کون! اور ہم دونوں تیری کنیزیں ٹھہریں' ہم میں سے کس کی مجال ہو سکتی ہے کہ اپنی زبان کھول سکے۔ یہ سن کر لڑکی نے اپنا سر جھکا لیا' تھوڑی دیر کے بعد پھر باندیوں نے کہا اے ہماری آقا! ہماری رائے میں تو اسے بلا بھیج' اس پر مہربانی کر اور اسے اس بات پر مجبور نہ کر کہ وہ کمینوں کے آگے ہاتھ پھیلائے' ایسی درخواست بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ لڑکی نے باندیوں کا کہنا مان لیا' قلم دوات اور کاغذ منگا کر مسرور کے نام خط لکھا اور اسے بند کرکے اپنی باندی ہیوب کے حوالے کر دیا۔ ہیوب وہ خط لے کر مسرور کے پاس گئی' دیکھا کہ وہ رو رہا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو انچاس ویں رات

آٹھ سو انچاس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ہیوب کے کانوں میں اس کے رونے کی آواز آئی تو اس نے دروازے پر دستک دی۔ مسرور نے اٹھ کر دروازہ کھولا' ہیوب نے اندر بڑھ کر اسے خط دیا۔ اس نے خط لے کر پڑھا اور کہا اے ہیوب' تو اپنی آقا کے پاس سے کیا خبر لائی ہے؟ اس نے کہا اے میرے آقا! اس سوال کے جواب دینے کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے! سب کچھ اس کے اندر ہے اور تو تو سمجھ دار آدمی ہے۔ مسرور خوش ہو گیا اور خط کا جواب لکھ کر اس نے ہیوب کو دے دیا۔ جب وہ خط لے کر زین المواصف کے پاس پہنچی تو مسرور کی خوبیاں بیان کرنے لگی' اس کے کرم کا ذکر کیا اور کوشش کی کہ وہ اس سے مل جائے۔

زین المواصف نے کہا اے ہیوب! اس نے یہاں آنے میں دیر کی۔ ہیوب بولی وہ آ ہی رہا ہو گا۔ ابھی یہ بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ مسرور نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ہیوب نے دروازہ کھولا اور اسے لے کر اپنی آقا زین المواصف کے پاس گئی۔ زین المواصف نے اسے سلام کیا' مرحبا کہہ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور ہیوب سے کہا کہ اس کے لئے ایک بہترین پوشاک لا۔ وہ جا کر ایک زربفت کی پوشاک لے آئی۔ لڑکی نے اسے لے کر مسرور کو پہنا دیا' خود بھی ایک نہایت نفیس پوشاک پہن لی۔ اپنے سر پر سفید موتیوں کی جالی ڈال کر اس کے اوپر ایک رومال باندھ لیا جس میں موتی' جواہرات اور یاقوت ٹنکے ہوئے تھے اور بال کھول دیئے جو کالی رات کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ عود کی دھونی لی۔ مشک اور عنبر سے اپنے آپ کو معطر کیا۔ اس کی باندی ہیوب بولی کہ خدا تجھے نظر سے بچائے! پھر وہ نہایت ناز و انداز سے ٹہلنے لگی اور مسرور کی طرف متوجہ ہوئی۔ مسرور اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر میرا گمان ٹھیک ہے تو تو انسان نہیں بلکہ جنت کی دلہنوں میں سے ایک دلہن ہے۔

اس کے بعد اس نے دسترخوان منگوایا دونوں نے کھایا اور مزے اڑائے' پھر کھانے کے بعد شراب نوشی کا سامان آیا' جام اور پیالوں کا دور چلنے لگا' دونوں مزے میں آ گئے۔

مسرور نے ایک جام بھر کر کہا کہ یہ اس کی صحت کا جام ہے جس کا میں غلام ہوں اور جو میری آقا ہے۔ لڑکی نے کہا اے مسرور! جو شخص اپنے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہے جس نے ہماری روٹی اور نمک کھایا ہے اس کا حق ہمارے اوپر ہو گیا لہٰذا یہ باتیں جانے دے' تیرا مال و دولت میں تجھے لوٹائے دیتی ہوں۔ اس نے جواب دیا اے میری آقا! جن چیزوں کا تو ذکر کر رہی ہے' وہ تجھ پر حلال ہو چکی ہیں۔ اگر تو اس قسم کو توڑنا چاہتی ہے جو میرے اور تیرے درمیان ہے تو ابھی جا کر مسلمان ہوئے جاتا ہوں۔ ہیوب نے کہا اے میری آقا! تو ابھی کم سن ہے تاہم بہت سی باتیں جانتی ہے' میں خدا کو تیرے آگے سفارش میں پیش کرتی ہوں' اگر تو نے میرا کہنا نہ مانا اور میری دل دہی نہ کی تو میں آج رات تیرے گھر میں نہ سوؤں گی۔ اس نے کہا اے ہیوب جو تو چاہتی وہی ہو گا' اٹھ اور ہمارے لئے ایک کمرہ تیار کر۔ ہیوب نے اٹھ کر ایک اور کمرہ تیار کیا' اپنی پسند کے مطابق اس کے لئے کھانا تیار کر کے لائی۔ شرابیں حاضر کیں' جام کے دور چلنے لگے اور ان پر مستی چھا گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # آٹھ سو پچاس ویں رات

آٹھ سو پچاس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب دور چلنے اور نہیں مزا آنے لگا تو زین المواصف بولی اے مسرور! اب وصل کا وقت قریب آ گیا ہے یہ کہہ کر وہ ایک کمرے میں گئی اور وہاں جا کراس نے مسرور کو بلایا۔ مسرور کمرے کے اندر جا کر اس سے لپٹ گیا۔اسے گلے سے لگایا' بوسے دیئے اور اس کی وہ مراد پوری ہو گئی جسے وہ ناممکن سمجھتا تھا۔ اس کے بعد زین المواصف نے کہا اے مسرور! تیرا مال اب ہم پر حرام ہے اور تجھ پر حلال کیونکہ ہم دوست ہو گئے۔ یہ کہہ کر اس نے مسرور کا مال واپس کر دیا جو اس نے لیا تھا اور کہنے لگی اے مسرور! کیا تیرا کوئی باغ ہے جہاں چل کرہم سیر کریں؟ اس نے کہا کہ اے میری آقا! میرا ایک ایسا باغ ہے جس کی نظیر نہیں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھر گیا اور اپنی کنیزوں کو حکم دیا کہ نہایت نفیس کھانا تیار کریں اور عمدہ محفل آراستہ ہو۔ پھر اس نے لڑکی کو اپنے گھر بلایا۔ وہ اپنی کنیزوں کو لے کر آئی۔ سب نے مل بیٹھ کر کھانا کھایا' خوش ہوئے اور پھر دور چلنے لگا۔ انہیں بڑا مزا آیا اور دوست کا دوست سے وصال ہوا۔ پھر لڑکی نے مسرور سے کہا' میں سارنگی بجانا چاہتی ہوں اور اس نے سارنگی ہاتھ میں لے کر اس کے تاروں کو جنبش دی اور نہایت عمدہ راگ بجائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو اکیاون ویں رات

آٹھ سو اکیاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ راگ بجانے کے بعد لڑکی بولی اے مسرور صبح ہونے والی ہے اور سوائے رخصت ہونے کے کوئی چارہ نہیں تا کہ کہیں بدنامی نہ ہو جائے۔ مسرور بسرو چشم کہہ کر اسے گھر تک پہنچا آیا اور رات بھر اسی کی یاد میں گزاری۔ سویرا ہوا اور دن نکلا تو وہ ایک عمدہ ہدیہ تیار کرکے اس کے پاس لے گیا اور اس کے ساتھ رہا۔ اسی طرح ایک مدت تک دونوں نے نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کی۔ ایک دن لڑکی کے پاس اس کے شوہر کا خط آیا کہ وہ عنقریب آنے والا ہے۔ لڑکی اپنے دل میں کہنے لگی خدا اس کا ستیاناس کرے! اگر وہ یہاں آ گیا تو ہمارا مزا کرکرا ہو جائے گا۔ کاش کہ میں اسے رو چکی ہوتی! جب مسرور اس کے پاس آیا اور دستور کے موافق بیٹھ کر باتیں کرنے لگا تو وہ بولی اے مسرور! میرے شوہر کا خط آیا ہے' وہ عنقریب سفر سے لوٹنے والا ہے۔ اب کیا کرنا چاہیے؟ ہم دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مسرور نے کہا میں کیا بتاؤں کیا کرنا چاہیے تو اپنے شوہر کی عادتوں سے زیادہ واقف ہے علاوہ اس کے تو بڑی سمجھ دار عورت ہے' ایسی ایسی ترکیبیں سوچتی ہے جن کی مردوں کو ہوا تک نہیں لگ سکتی۔ لڑکی بولی' وہ بہت سخت آدمی ہے اور شک کرنے والا بھی۔ لیکن جب وہ سفر سے لوٹے اور تجھے خبر ملے کہ وہ آ گیا ہے تو اس کے پاس آ کر سلام کیجیو' اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رکھیو اور اس سے کہیو کہ بھائی' میں عطر فروش ہوں' مختلف قسم کے عطر اس سے خریدیو' اس کے پاس آتا جاتا رہیو اور اس کے ساتھ بات چیت کیا کیجیو' اگر وہ تجھ سے کوئی بات کہے تو اس کی مخالفت نہ کیجیو۔ غالباً اس طرح سے میری چال اس پر چل جائے گی۔ مسرور نے کہا سر آنکھوں پر' اور وہاں سے روانہ ہو گیا مگر محبت کی آگ اس کے دل میں سلگتی رہی۔

اس کا شوہر گھر آیا تو اس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا' مرحبا کہا اور سلام کیا۔ شوہر نے دیکھا کہ بیوی کا چہرہ زرد پڑ گیا ہے۔ عورت نے اپنا منہ زعفران سے دھویا تھا اور بعض دوسری ترکیبیں بھی کی تھیں جو عورتیں کیا کرتی ہیں۔ پوچھنے لگا خیریت تو ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جب سے تو گیا ہے میں اور کنیزیں سب بیمار ہیں' ہم سب کا دل تجھ میں لگا ہوا تھا۔ غرض کہ وہ جدائی کی تکلیفیں بیان کرکے رونے لگی اور کہا تو نے بھی غضب کیا اتنے لمبے سفر میں اکیلا چلا گیا۔ میرے دل میں نہ جانے کیسے کیسے وہم آتے تھے۔ اے میرے آقا! اب اگر جاؤ تو اکیلے نہ جانا اور مجھے برابر اپنی خیریت بھیجتے رہنا تاکہ میرے دل کو اطمینان رہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو باون ویں رات

آٹھ سو باون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب زین المواصف نے اپنے شوہر سے کہا کہ بے ساتھی کے سفر پر نہ جائیو تو اس نے جواب دیا کہ سر آنکھوں سے' واللہ تیرا کہنا بجا ہے اور تیری رائے ٹھیک' تیری جان کی قسم جیسا تو چاہتی ہے ویسا ہی ہو گا۔ اس کے بعد وہ اپنا سامان لے کر دکان پر گیا۔ دکان کھولی اور لین دین کرنے لگا۔ وہ ابھی دکان پر ہی تھا کہ مسرور پہنچا' سلام کرکے اس کے پاس جا بیٹھا' دیر تک باتیں کرتا رہا۔ پھراس نے ایک تھیلی نکالی' تھیلی کھول کر اس میں سے دینار نکالے اور انہیں زین المواصف کے شوہر کو دے کر کہا کہ ان دیناروں کے بدلے مجھے مختلف قسم کے عطر دے دے تاکہ میں بھی کچھ نفع کمالوں۔ اس نے بہت اچھا کہہ کر مختلف قسم کے عطر دے دیئے۔ مسرور ایک مدت تک اس کے پاس آتا جاتا رہا۔ ایک دن اس نے مسرور سے مخاطب ہو کر کہا کہ میری خواہش ہے کہ کسی شخص کو تجارت میں اپنا شریک بناؤں۔ مسرور بولا میں بھی اسی خیال میں ہوں کہ کوئی شخص میرے ساتھ مل کرتجارت کرے کیونکہ میرے باپ نے جو یمن میں تجارت کرتا تھا' میرے لئے بہت مال چھوڑا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ضائع نہ ہو جائے۔ زین المواصف کے شوہر نے کہا کیا تجھے یہ منظور ہے کہ تو میرا رفیق بنے اور میں سفر اور حضر میں تیرا ساتھی رہوں' تجھے خرید و فروخت اور لین دین سکھاؤں۔ مسرور نے اقرار کر لیا۔ تاجر اسے لئے ہوئے اپنے گھر پہنچا اور اس کو دروازے پر بٹھا کر اندر اپنی بیوی زین المواصف کے پاس گیا اور کہا میں نے ایک شخص کو اپنا رفیق بنایا ہے اور اسے کھانے پر بلایا ہے' لہٰذا ہمارے لئے نہایت نفیس کھاناتیار کر۔ زین المواصف سمجھ گئی کہ ہو نہ ہو مسرور ہے۔ اب اس کی خواہش کا کیا پوچھنا۔ یار کی مہمانی میں اس نے

نہایت عمدہ کھانے پکوائے اور اس کی دعوت کی خوب تیاری کی۔
جب مسرور زین المواصف کے شوہر کے گھر میں آیا تو اس نے اپنی بیوی سے کہا پردہ نہ کر' اس سے کہہ تیرے آنے سے ہمیں خوشی ہوئی۔ زین المواصف نے ناراض ہو کر کہا' کیا تو مجھے ایک غیر مرد کے سامنے لے جائے گا' خدا نہ کرے! اگر تو میری تکے بوٹیاں بھی کر ڈالے تو بھی اس کے سامنے نہیں آؤں گی۔ شوہر بولا تو اس سے کیوں شرماتی ہے؟ وہ عیسائی ہے اور ہم یہودی۔ اب تو میں اور وہ دوست ہو گئے ہیں۔ بیوی نے جواب دیا' میں ایسے اجنبی مرد کے سامنے نہیں آنا چاہتی جس کو نہ میری آنکھوں نے کبھی دیکھا نہ میں اسے پہچانتی ہوں۔ شوہر کو اس کی عصمت کا یقین ہو گیا اور وہ برابر اس کی خوشامد کرتا رہا۔ آخر وہ اٹھی نقاب ڈالی اور کھانا لے کر مسرور کے پاس گئی اور اسے خوش آمدید کہا۔ مسرور نے اپنا سر نیچا کر لیا گویا وہ شرماتا ہے۔ شوہر اسے سر جھکائے دیکھ کر اپنے دل میں کہنے لگا بے شک یہ شخص بڑا پارسا ہے۔
اب انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا' اس کے بعد دسترخوان بڑھایا گیا' شراب پیش کی گئی۔ زین المواصف مسرور کے ٹھیک سامنے بیٹھی اور اسے دیکھتی رہی' وہ بھی اسے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا اور مسرور اپنے گھر کو روانہ ہوا۔ اس کے سینے میں ایک آگ سی لگی رہی۔ ادھر زین المواصف کا شوہر اپنے دوست کی خوبیوں اور خوبصورتی میں محو تھا۔ رات ہوئی تواس کی بیوی اس کے لئے رات کا کھانا لائی تاکہ وہ عادت کے مطابق کھائے۔ گھر میں ایک بلبل تھی جب وہ کھانا کھانے بیٹھتا تو بلبل اس کے پاس آتی اور سر پر اڑتی۔ جانور کو کیا خبر اسے مسرور سے کوئی خوف نہیں رہا تھا۔ مسرور کھانا کھانے بیٹھا تو بلبل بھی اس کے آس پاس اڑتی رہی' مگر جب مسرور چلا گیا اور بلبل کا مالک آیا تو اس نے اسے بالکل نہ پہچانا اوراس کے پاس بھی نہ پھٹکی۔ چڑیا کی یہ کیفیت دیکھ کر اور یہ کہ وہ اس سے دور دور بھاگتی ہے وہ سوچ میں پڑ گیا۔
اب زین المواصف کا حال سنو' اسے رات بھرنیند نہ آئی۔ وہ مسرور کی یاد میں بے چین

رہی۔ یہی حال دوسری رات کو بھی رہا اور تیسری رات کو بھی۔ یہودی کو دال میں کچھ کالا کالا معلوم ہوا۔ چوتھی رات کو آدھی رات کے قریب اس کی آنکھ جو کھلی تو کیا

دیکھا کہ وہ اس کی گود میں لیٹی ہوئی نیند میں ہے اور مسرور کا نام لے رہی ہے۔

یہ بات اسے بہت ناگوار گزری لیکن زبان سے کچھ نہ بولا۔ سویرا ہوا تو وہ اپنی دکان پر جا کر بیٹھا' اتنے میں مسرور پہنچا اور سلام کیا۔اس نے سلام کا جواب دیا اور کہا اے میرے بھائی' خوش آمدی' میں تیرے دیدار کا مشتاق تھا۔ یہ کہہ کر وہ دیر تک باتیں چیتیں کرتا رہا اور آخر میں کہا بھائی' میرے ساتھ میرے گھر چل تا کہ ہم بھائی چارہ کریں۔ مسرور بولا سر آنکھوں پر۔ جب دونوں گھر پہنچے تو یہودی نے آگے جا کر اپنی بیوی کو خبر دی کہ مسرور آیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں مل کر تجارت کریں اور ایک دوسرے کے بھائی بنیں' لہٰذا ہمارے لئے ایک کمرے کو خوب سجا' تجھے بھی ہمارے پاس موجود رہنا اور بھائی چارہ دیکھنا ہو گا۔ بیوی نے کہا خدا کے لئے مجھے اس غیر مرد کے سامنے روز روز نہ آنے دے۔ اس کے سامنے آنے سے مجھ کو کیا واسطہ؟ یہ سن کر یہودی چپ ہو گیا اور باندیوں کو حکم دیا کہ کھانا اور شراب لائیں۔ اس کے بعداس نے کہا بلبل کو لاؤ۔ وہ آ کر مسرور کی گود میں بیٹھ گئی اور اپنے مالک کو پہچانا تک نہیں۔ یہودی نے پوچھا اے میرے آقا تیرا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا میرا نام مسرور ہے' اس کی بیوی سوتے میں یہی نام لیا کرتی تھی۔ اب اس نے سر اٹھا کر دیکھا کہ وہ مسرور کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور آنکھیں مار رہی ہے۔ اسے یقین آ گیا کہ اس کی چال چل گئی۔ اس نے کہا اے میرے آقا! اجازت دے کہ میں جا کر اپنے چچیرے بھائی کو لے آؤں تا کہ وہ بھی بھائی چارے کے وقت موجود ہو۔ مسرور بولا کہ جیسی تیری مرضی ہو کر' یہودی گھر سے نکلا اور کمرے کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو ترپن ویں رات

آٹھ سو ترپن ویں رات ہوئی تواس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ زین المواصف کا شوہر کمرے کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا جہاں ایک محراب تھی اور وہ دونوں دکھائی دیتے لیکن وہ اسے نہ دیکھ سکتے۔ اس نے سنا کہ زین المواصف اپنی باندی سکوب سے پوچھ رہی ہے کہ تیرا آقا کدھر گیا؟ اس نے جواب دیا باہر۔ زین المواصف بولی کہ دروازہ بند کرکے لوہے کا کھٹکا لگا دے اور جب وہ دروازہ کھٹکھٹائے تو پہلے مجھے خبر کرکے کھولیو۔ باندی بولی کہ ایسا ہی ہو گا۔ اب زین المواصف نے پیالہ اٹھایا اور اسے گل و مشک سے دھو کر مسرور کے پاس آئی۔ مسرور اٹھ کراس سے ملا اور کہنے لگا خدا کی قسم تیرا لعاب دہن اس شراب سے میٹھا ہے۔ اس نے اسے شراب پلائی اور اس نے اسے۔ اس کے بعد اس نے مسرور پر سر سے لے کر پاؤں تک گلاب چھڑکا یہاں تک کہ اس کی خوشبو سے سارا کمرہ مہک اٹھا۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر اس کا شوہر دونوں کو دیکھ رہا اور ان کی محبت پر تعجب کر رہا تھا۔ اس کے دل میں غصے کی آگ بھڑکتی جاتی تھی اور رشک کے مارے اس کے تن بدن میں پتنگے لگے جاتے تھے۔ اب وہ دروازے کے پاس آیا دیکھا کہ وہ بند ہے۔ طیش میں آ کر زور سے کھٹکھٹایا باندی نے کہا اے میری آقا! تیرا آقا آ گیا۔ اس نے جواب دیا کھول دے۔ خدا اسے خیریت سے واپس نہ لے جائے۔ سکوب نے جا کر دروازہ کھولا۔ یہودی نے کہا تو نے دروازہ کیوں بند کر رکھا ہے؟ باندی نے کہا جب تو نہیں ہوتا تو دروازہ بند رکھا جاتا ہے۔ نہ دن میں کھلا رہتا ہے نہ رات میں۔ آقا بولا تو نے خوب کیا' یہ مجھے پسند ہے۔ اس کے بعد وہ ہنستا ہوا مسرور کے پاس پہنچا۔ اپنے دل کا بھید بالکل ظاہر نہ کیا اور بولا اے مسرور! آج بھائی چارہ رہنے دے' کسی اور دن بھائی چارہ کر لیں گے۔ مسرور نے کہا سر آنکھوں سے' جیسی تیری مرضی' مسرور اپنے گھر کو روانہ ہوا اور زین المواصف کا شوہر

سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا کرے۔ وہ نہایت حیران و پریشان اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ بلبل تک مجھے نہیں پہچانتی' باندیاں میرے ہوتے ہوئے دروازہ بند کر لیتی ہیں اور دوسروں کو مجھ پر ترجیح دیتی ہیں۔

جب زین المواصف کے شوہر کو سچ مچ واقعہ معلوم ہو گیا تو اس نے اپنا سارا مال و متاع بیچنا شروع کیا اور دل میں یہ منصوبہ باندھا جب تک ان دونوں کو ایک دوسرے سے دور نہ کیا جائے گا' یہ اپنی حرکت سے باز نہ آئیں گے۔ وہ اپنا مال اسباب بیچ چکا تو اس نے جھوٹ موٹ ایک خط لکھا اور اپنی بیوی کو سنا کر کہا کہ یہ خط میرے چچیرے بھائیوں کے پاس سے آیا ہے' وہ مجھے اور تجھے دعوت دیتے ہیں۔ بیوی نے پوچھا' ہمیں کتنے دن وہاں ٹھہرنا ہو گا؟ اس نے جواب دیا بارہ دن۔ یہ سن کر وہ راضی ہو گئی اور اس نے پوچھا کہ کسی باندی کو بھی ساتھ لیتی چلوں؟ شوہر نے کہا ہیوب اور سکوب کو لیتی چل' خطوب کو یہیں رہنے دے۔ پھر اس نے ان کے لئے ایک نفیس محمل تیار کرایا اور انہیں سفر میں لے چلنے کی ٹھان لی۔ زین المواصف نے مسرور کو کہلا بھیجا کہ اگر میعاد گزرنے کے بعد ہم نہ آئیں تو سمجھ جائیو کہ اس نے دھوکہ دے کر ہم دونوں کو جدا کیا ہے' مجھے اس کے مکرو فریب سے ڈر لگتا ہے۔ لیکن جو عہد و پیماں میرے اور تیرے درمیان ہے' اسے نہ بھولیو' ادھر زین المواصف کا شوہر سفر کی تیاریاں کر رہا تھا اور ادھر وہ روتی پیٹتی تھی اور اسے دن رات کسی کل چین نہ آتا تھا۔ شوہر نے اس کی بالکل پروا نہ کی۔ جب زین المواصف نے دیکھا کہ اس کا شوہر سفر پر تلا ہوا ہے تو اس نے اپنے کپڑے لتے اور مال و دولت جمع کرکے اپنی بہن کے سپرد کئے اسے اپنا سارا ماجرا سنایا اور رخصت ہو کر روتی ہوئی اپنے گھر آئی۔ اتنے میں اونٹ دروازے پر آ گئے تھے ان پر سامان لدوایا جا رہا تھا اور سب سے زیادہ خوبصورت اونٹنی زین المواصف کے لئے تیار تھی۔ سفر کے سوا زین المواصف کو کوئی چارہ نظر نہ آیا تو وہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔ اتفاق کی بات کہ اس کا شوہر کسی کام سے باہر گیا' اسے موقف ملا اور وہ باہر نکل کر ہر دروازے پر کچھ لکھ آئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو چون ویں رات

آٹھ سو چون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا‘ اے نیک نہاد بادشاہ ------ زین المواصف تمام دروازوں پر لکھ چکی تو بلک بلک کر گزرے ہوئے زمانے کو یاد کرنے لگی اور کہا

کہ پاک ہے وہ ذات جس نے ہماری قسمت میں یہ باتیں لکھیں۔ اس کے بعد وہ اپنے شوہر کے پاس گئی۔ اس نے اسے محمل میں بٹھا دیا جو اس کے لئے بنایا گیا تھا اور اس سے کہا اے زین المواصف‘ گھر چھوڑنے پر افسوس نہ کر ہم لوٹ کر جلد آ جائیں گے۔ وہ اسے تسلی دیتا رہا یہاں تک کہ قافلہ شہر کے باہر نکل آیا اور اپنی راہ لگا۔
زین المواصف کو جدائی کا یقین آ گیا۔ اسے تکلیف ہونے لگی۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر مسرور اپنے گھر میں بیٹھا اپنی محبوبہ کے خیال میں محو تھا کہ اس کے دل میں جدائی محسوس ہونے لگی۔ فوراً اٹھ کر اس کے گھر پہنچا۔ دیکھا کہ دروازے پر قفل پڑا ہوا ہے اور اوپر زین المواصف کے ہاتھ سے کچھ لکھا ہوا ہے۔ اسے پڑھ کر مسرور کو غش آ گیا۔ ہوش آیا تو پہلے دروازے کو کھول کر دوسرے کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ وہاں بھی کچھ اشعار لکھے ہوئے ہیں اور اسی طرح تیسرے پر بھی۔ انہیں پڑھ کر اس کے اشتیاق اور تمنا نے اتنا زور کیا کہ وہ قافلے کے نشان قدم پر دوڑا اور انہیں جا لیا‘ دیکھا کہ وہ سب کے پیچھے ہے اور اس کا شوہر سامان کی حفاظت کی خاطر سب سے آگے ہے۔ اسے دیکھتے ہی مسرور روتا ہوا محمل سے لپٹ گیا اور زین المواصف کو خبر ہو گئی کہ مسرور ہے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## آٹھ سو پچپن ویں رات

آٹھ سو پچپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب زین المواصف کو معلوم ہوا کہ مسرور ہے تو وہ اور اس کی کنیزیں رونے لگیں۔ اس نے کہا اے مسرور' خدا کے لئے لوٹ جا کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا شوہر تجھے اور مجھے دیکھ لے۔ یہ سن کر مسرور کو غش آ گیا۔ ہوش آیا تو وہ دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے لیکن مسرور برابر روتا اور ٹھنڈے سانس بھرتا محمل کے ساتھ ساتھ لگا رہا اور وہ سمجھاتی رہی کہ صبح ہونے سے پہلے لوٹ جائیو تاکہ بدنامی نہ ہو۔ مسرور دوبارہ محمل کے پاس جا کر اس سے رخصت ہوا اور دیر تک بے ہوش رہا۔ حواس درست ہوئے تو اس نے دیکھا کہ قافلہ چلا جا رہا ہے آخر لوٹ کر اس کے گھر پہنچا دیکھا کہ وہاں نہ کچھ سامان باقی ہے نہ کوئی رہنے والا۔ یہ دیکھ کر وہ اتنا رویا کہ اس کے کپڑے بھیگ گئے۔ اسے غش آ گیا اور قریب تھا کہ اس کی روح بدن سے پرواز جائے دیر تک اسی حالت میں پڑا رہا پھر اٹھا حیران پریشان اپنے گھر گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے دس دن تک اس کی یہی کیفیت رہی۔

یہ تو مسرور کا حال ہوا' اب زین المواصف کا قصہ سنو۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس کے شوہر کی چال چل گئی۔ دس دن تک برابر سفر کرنے کے بعد ایک شہر میں اترے یہاں زین المواصف نے ایک خط لکھ کر اپنی کنیز ہیوب کو دیا اور کہا کہ جس طرح ہو سکے اس خط کو مسرور کے پاس بھیج دے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ یہودی نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور اس کا داؤ ہم پر چل گیا۔ کنیز نے وہ خط مسرور کو بھیج دیا۔ خط مسرور کے پاس پہنچا تو اسے بڑا صدمہ ہوا اور وہ اتنا رویا کہ زمین بھیگ گئی اور اس نے خط کا جواب لکھ کر زین المواصف کو بھیجا۔ جب یہ خط زین المواصف کے پاس پہنچا تو اس نے پڑھا اور پھر اپنی کنیز ہیوب کو دے کر کہا کہ اس کا ذکر کسی

سے نہ کیجیو۔ لیکن اس کے شوہر کو خبر ہو گئی کہ دونوں آپس میں خط و کتابت کرتے ہیں۔ وہ زین المواصف اور اس کی کنیزوں کو لے کر بیس دن سفر کرتا رہا۔ ادھر مسرور کا یہ حال تھا کہ نہ اسے رات کو نیند آتی تھی' نہ دن کو چین' نہ صبر آتا تھا۔ اسی حالت میں ایک رات کو جو اس کی پلک ذرا جھپکی تو اس نے خواب میں دیکھا کہ زین المواصف اسی باغ میں آئی ہوئی ہے او اسے گلے لگا رہی ہے۔ اتنے میں اس کی آنکھ کھل گئی اپنے پہلو میں اسے ٹٹولنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے' دل محبت سے بے چین ہو گیا اور وہ روتا ہوا اس کے گھر کی طرف چل کھڑا ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ گھر خالی پڑا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس کی تصویر سامنے کھڑی ہے۔ اس کے دل کی آگ اور بھڑک اٹھی' غم دوبالا ہو گیا اور وہ غش کھا کر گر پڑا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو چھپن ویں رات

آٹھ سو چھپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مسرور کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ مکان کے ایک طرف ایک کوا بیٹھا کائیں کر رہا ہے۔ اس نے کہا سبحان اللہ کوا تو خالی جگھوں پر بولا کرتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ حسرت سے دیکھنے اور آہیں بھرنے لگا۔ زین المواصف کی ایک بہن تھی جس کا نام نسیم تھا' اس نے مسرور کی یہ حالت جو دیکھی تو تڑپ اٹھی۔ اس کو معلوم تھا کہ دونوں کو ایک دوسرے سے کس قدر عشق و محبت ہے۔ وہ کہنے لگی اے مسرور! خدا کے لئے اس گھر میں نہ آیا کر' کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دیکھ لے اور یہ خیال کرے کہ تو میری وجہ سے آتا ہے۔ تیرے ہی سبب سے میری بہن گئی ہے' اب کیا تو چاہتا ہے کہ میں بھی یہاں سے چلتی بنوں؟ تجھے معلوم ہے کہ اگر تو نہ ہوتا تو گھر والے گھر چھوڑ کر نہ جاتے' لہٰذا اب دل پر صبر کر لے اور اسے بھول جا' جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اس کی بہن کی یہ باتیں سن کر مسرور بلک بلک کر رونے لگا اور کہا اے نسیم' اگر مجھے اڑنا آتا ہوتا ہے تو مارے اشتیاق کے میں اڑ کر اس کے پاس پہنچ جاتا' ایسی حالت میں اسے کیونکر دل سے بھلا سکتا ہوں! بہن نے کہا تیرے لئے سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔ وہ بولا خدا کے لئے اپنی طرف سے اسے ایک خط بھیج اور اس کا جواب منگوا تا کہ میرے دل کو تسکین ہو اور سینے کی آگ میں ٹھنڈک پڑے۔ اس نے جواب دیا کہ سر آنکھوں سے۔

بہن نے دوات قلم اور کاغذ لیا او مسرور نے اپنی محبت کی زیادتی اور جدائی کا غم لکھوانا شروع کیا اور کہا یہ خط اس غم ناک عاشق اور غریب بچھڑے ہوئے کی طرف سے ہے جسے بالکل چین نہیں آتا' نہ دن میں نہ رات میں بلکہ جو آنسو بہاتا رہتا ہے۔ ان

سے اس کے پپوٹے گھائل ہو گئے ہیں اس کے جگر میں غم کی آگ دہک رہی ہے‘ رنج و الم سہتے سہتے زمانہ ہو گیا ہے۔ اس کی مثال اس چڑیا کی سی ہے جس کا ساتھی کھو گیا ہو اور جس کی تباہی قریب ہو ہائے تیری جدائی اور تجھ سے نہ ملنے کا افسوس۔ میرا جسم لاغر ہو گیا ہے‘ آنسوؤں کی جھڑی برابر لگی رہتی ہے اور دنیا میرے اوپر تنگ ہے۔ نسیم کو اس کی فصاحت بلاغت اور معنی خیزی پر تعجب ہوا۔ اس نے خط پر خالص مشک سے مہر لگائی‘ عنبر سے دھونی دی اور اسے ایک سوداگر کے پاس بھیج کر کہلا بھیجا کہ اسے سوائے میری بہن یا اس کی کنیز ہیوب کے کسی اور کے ہاتھ میں نہ دیجیو۔ جب یہ خط زین المواصف کے پاس پہنچا تو وہ سمجھ گئی کہ مسرور کا لکھوایا ہوا ہے۔ اس نے اسے چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھا‘ رونے لگی اور اتنا روئی کہ اسے غش آ گیا۔ ہوش آیا تو اس نے دوات قلم اور کاغذ منگوا کر جواب لکھا اور اپنی محبت‘ شوق اور تمنا کا ذکر کیا اور دوست احباب کی جدائی کی شکایت کی اور اپنا رونا رویا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو ستاون ویں رات

آٹھ سو ستاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ زین المواصف نے مسرور کے خط کے جواب میں لکھا کہ یہ خط میرے آقا' مالک اور مولا کے نام ہے جو میرے ظاہر اور باطن کا مالک ہے۔ معلوم ہو کہ جاگتے جاگتے میں پریشان ہو گئی ہوں فکر میں پڑی رہتی ہوں' تیری جدائی میں مجھے صبر نہیں آتا۔ اے سورج اور چاند سے زیادہ حسین' محبت مجھے گھلائے ڈالتی ہے اور اشتیاق مارے ڈالتا ہے' اے دنیا کی رونق اور زندگی کی زینت' جس کی جان نکل رہی ہو اسے جام میں کیا مزا آئے کیونکہ نہ اس کا شمار زندوں میں ہے نہ مردوں میں۔ یہ خط لکھ کر خط پر مشک اور عنبر چھڑکا اور اس پر مہر لگا کر ایک سوداگر کو دے دیا اور کہا کہ سوائے میری بہن نسیم کے اور کسی کے ہاتھ میں نہ دیجیو۔ جب یہ خط نسیم کے پاس پہنچا تو اس نے اسے مسرور کے پاس بھیج دیا۔ مسرور نے خط کو اپنی آنکھوں سے لگایا اور اتنا رویا کہ بے ہوش ہو گیا۔

یہ تو ان لوگوں کا حال ہوا' اب زین المواصف کے شوہر کی داستان سنو' جب اسے معلوم ہوا کہ دونوں میں خط و کتابت ہوتی ہے تو زین المواصف اور اس کی کنیزوں کو لئے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتا رہا۔ زین المواصف نے کہا سبحان اللہ تو ہمیں کہاں کہاں اور وطن سے کتنی دور لے جائے گا؟ اس نے جواب دیا ایک سال کی دوری پر تاکہ تیرے پاس مسرور کے خط نہ پہنچ سکیں۔ تم لوگوں نے کس طرح میرا مال لے کر مسرور کو دے دیا' میرا جتنا مال ضائع ہوا ہے' وہ سب میں تم سے وصول کروں گا۔ دیکھوں اب تمہیں مسرور سے کیا فائدہ پہنچتا ہے یا وہ کس طرح تمہیں میرے پنجے سے چھڑا سکتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ ایک لوہار کے پاس گیا اور لوہے کی تین بیڑیاں بنوا لایا اور ان کے ریشمی کپڑے اتار کر انہیں بالوں کا لباس پہنایا' ان میں گندھک کی

دھونی دی اور لوہار کو بلا کر کہا کہ ان لڑکیوں کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دے۔ سب سے پہلے زین المواصف آگے بڑھی' اسے دیکھتے ہی لوہار کے ہوش اڑ گئے' وہ اپنی انگلیاں کاٹنے لگا۔ اس کی عقل سلب ہو گئی۔ وہ اس پر عاشق ہو گیا اور یہودی سے پوچھا کہ ان کنیزوں نے کیا جرم کیا؟ اس نے جواب دیا کہ یہ میری لونڈیاں ہیں' انہوں نے میرا مال چرایا تھا اور میرے پاس سے بھاگ گئی تھیں۔ لوہار نے کہا خدا تیرا بھلا کرے! واللہ اگر یہ کنیز قاضی القضاۃ کے پاس ہوتی اور ہر روز ایک ہزار جرم کرتی تو بھی وہ اسے سزا نہ دیتا۔ علاوہ اس کے وہ صورت سے چور نہیں معلوم ہوتی اور بیڑیوں کا بوجھ اس سے نہیں اٹھ سکتا۔ اس کے بعد لوہار نے اس سے درخواست کی کہ وہ زین المواصف کو بیڑیاں نہ پہنائے اور سفارش پر سفارش کرتا رہا کہ اسے بیڑیاں نہ پہنائی جائیں۔ جب زین المواصف نے لوہار کو سفارش کرتے دیکھا تو اس نے یہودی سے کہا خدا کے لئے مجھے اس غیر مرد کے سامنے نہ کر۔ اس نے جواب دیا تو پھر مسرور کے سامنے کس طرح آتی تھی؟ اس کا جواب اس نے نہ دیا۔

یہودی نے لوہار کی سفارش مان لی' زین المواصف کے پاؤں میں ہلکی بیڑیاں ڈلوا دیں اور لونڈیوں کے پاؤں میں بھاری بیڑیاں۔ زین المواصف نازک بدن تھی اور سخت کپڑے نہیں پہن سکتی تھی اس لئے دن رات بالوں کے کپڑے پہنتے پہنتے اس کے اور اس کی کنیزوں کے جسم کی کھال چھل گئی اور چہرے اتر گئے۔ ادھر لوہار کو زین المواصف سے بے حد عشق ہو گیا اور وہ گھر جا کر آہیں بھرنے لگا۔ اتفاق سے اسی وقت قاضی القضاہ لوہار کے گھر کے پاس سے گزرا اور اس کی آہیں سن کر اسے بلوایا۔ پوچھا اے لوہار! تو کس عورت کو یاد کر رہا ہے اور تیرا دل کس کی محبت میں گرفتار ہے؟ لوہار نے اٹھ کر قاضی کا ہاتھ چوما اور کہا خدا ہمارے مولا قاضی کی عمر دراز کرے اور اس میں برکت دے! پھر لوہار نے لڑکی کے حسن و جمال اور قد و قامت کی تعریف کی اور یہ کہ اس کا چہرہ خوبصورت ہے' کمر پتلی اور کولہے بھاری۔ اس کے بعد اس نے یہ بھی بیان کیا کہ وہ کس خواری کیساتھ قید اور بیڑیوں کی تکلیف میں مبتلا ہے اور اسے

کس قدر کم کھانے کو دیا جاتا ہے۔ قاضی نے کہا اے لوہار! تو مجھے اس کے پاس لے چل' اس سے ملا تا کہ میں اس کا حق اسے دلاؤں۔ ورنہ کنیز کا گناہ آئندہ تیری گردن پر ہو گا' اگر تو نے اسے مجھ سے نہ ملایا تو قیامت کے دن خدا تجھ سے بدلہ لے گا۔ لوہار نے کہا' سر آنکھوں پر اور فوراً زین المواصف کے مکان پر گیا' مگر دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور کوئی شخص غمگین دل سے رو رہا ہے لوہار کے آنسو مینہ کی طرح برسنے لگے' اس نے دستک دی۔ لڑکیوں نے کہا کہ دروازے پر کون ہے؟ اس نے جواب دیا' میں ہوں لوہار' قاضی تم لوگوں کو اپنے پاس بلاتا ہے تا کہ اس کے آگے مقدمہ پیش ہو اور تمہارے ساتھ انصاف کیا جا سکے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## آٹھ سو اٹھاون ویں رات

آٹھ سو اٹھاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لوہار نے کہا کہ تمہیں قاضی بلاتا ہے تو زین المواصف بولی کہ ہم کیوں کر اس کے پاس جا سکتے ہیں دروازہ بند ہے' ہمارے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں اور کنجیاں یہودی کے پاس ہیں۔ لوہار نے کہا کہ میں ابھی کنجیاں بنا کر قفل کھولے دیتا ہوں اور تمہاری بیڑیاں بھی اتار دوں۔ گا۔ اس نے کہا کہ قاضی کا گھر ہمیں کون بتائے گا؟ لوہار بولا کہ میں اس کا پتا بتا دوں گا۔ زین المواصف نے کہا ہم قاضی کے پاس کس طرح جا سکتے ہیں ہمارے کپڑے تو بالوں کے ہیں اور ان میں گندھک بسی ہوئی ہے۔ لوہار نے کہا کہ قاضی اس کا برا نہ مانے گا کہ تم اس حالت میں ہو۔ اب لوہار نے فوراً قفلوں کی کنجیاں بنائیں دروازہ کھول کر اندر گیا' ان کی بیڑیاں اتار دیں اور انہیں باہر لا کر قاضی کے گھر کا پتا بتا دیا۔ ہیوب نے اپنی آقا کے کپڑے اتار ڈالے جو بالوں کے تھے اسے حمام لے گئی اور نہلا دھلا کر ریشمی کپڑے پہنائے جس سے اس کے چہرے میں رنگ و روپ آ گیا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کا شوہر کسی تاجر کے ہاں دعوت کھانے گیا ہوا تھا اور اس لئے وہ خوب بن ٹھن کر قاضی کے گھر پہنچی۔
اسے دیکھتے ہی قاضی کھڑا ہو گیا اور اس نے اس شیریں کلامی اور میٹھے الفاظ میں قاضی کو سلام کیا کہ قاضی کا دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ لڑکی بولی خدا ہمارے مولا قاضی کو سلامت رکھے اوراس کے ذریعے سے فریادیوں کی مدد کرے! اس کے بعد اس نے لوہار کا قصہ سنایا اور اس کا شریفانہ برتاؤ بتایا اور اس تکلیف کا ذکر کیا جو یہودی نے اسے پہنچائی تھی اور کہا کہ اس نے ہمیں مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور کوئی ہمیں چھڑانے والا نہ ملا۔
قاضی نے پوچھا اے لڑکی! تیرا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا میرا نام زین المواصف

اور میری کنیز کا نام ہیوب ہے۔ قاضی بولا تو اسم بامسمی ہے۔ لڑکی نے مسکرا کر اپنا منہ چھپا لیا۔ قاضی نے کہا اے زین المواصف تیرا شوہر ہے یا نہیں؟ اس نے جواب دیا میرا کوئی شوہر نہیں۔ قاضی نے پوچھا تیرا مذہب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میرا دین اسلام ہے اور میں خیرالانام کی ملت میں سے ہوں۔ قاضی نے کہا کہ شریعت کی قسم کھا کہ تو رسول اللہ کی ملت میں سے ہے۔ لڑکی نے قسم کھائی اور شہادت کا کلمہ پڑھا۔ قاضی بولا پھر تو اپنی جوانی اس یہودی کے ساتھ کیوں برباد کر رہی ہے؟ اس نے کہا اے قاضی' سن' مرتے وقت میرے باپ نے پندرہ ہزار دینار ترکے میں چھوڑے اور وہ سب اس یہودی کے حوالے کر دیئے تا کہ وہ ان سے تجارت کرے اور نفع میرے اور اس کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہو مگر پونجی شرع کی بنا پر محفوظ رہے۔ جب میرا باپ مر گیا تو یہودی کا جی میرے لئے للچانے لگا۔ اس نے میری ماں سے کہا کہ وہ میری شادی اس کے ساتھ کر دے۔ میری ماں نے جواب دیا کہ وہ مجھے میرا دین چھڑا کر کس طرح یہودی بنا سکتی ہے! خدا کی قسم میں حکومت میں تیری شکایت کر دوں گی۔ یہ سن کر یہودی ڈرا اور سارا مال لے کر عدن بھاگ آیا۔ جب ہم نے سنا کہ وہ عدن چلا گیا ہے تو ہم بھی اس کے پیچھے پیچھے عدن پہنچے' اس سے ملے تو اس نے کہا کہ وہ تجارت اور خرید و فروخت کرتا ہے۔ ہمیں اس کی باتوں کا یقین آ گیا۔ اسی طرح وہ ہمیں برابر دھوکہ دیتا رہا یہاں تک کہ اس نے ہمیں قید کر دیا اور بیڑیاں ڈال کر ہمیں طرح طرح کی تکلیف پہنچائی۔ ہم یہاں پردیسی ہیں اور سوائے خدا اور ہمارے آقا قاضی کے ہمارا کوئی مددگار نہیں۔

یہ قصہ سن کر قاضی نے اس کی کنیز ہیوب سے پوچھا کہ کیا یہ واقعی تیری آقا ہے اور تم لوگ پردیسی ہو اور اس کا کوئی شوہر نہیں؟ وہ بولی ہاں۔ قاضی نے کہا کہ میری شادی اس کے ساتھ کر دے اور اگر میں اس کتے کو سزا دے کر تمہارا حق اس سے نہ دلا دوں تو اس کا کفارہ غلام آزاد کرنا' روزہ' حج اور صدقہ ہو گا۔ ہیوب نے کہا تیرا حکم سر آنکھوں پر۔ قاضی نے کہا' جا اور مطمئن ہو بیٹھ اور اپنی آقا کو بھی تسلی

دے' اگر خدا نے چاہا تو میں کل اس کافر کو بلا کر تمہارا حق تم کو دلا دوں گا اور اسے اتنی سزا دوں گا کہ تم کو تعجب ہو گا۔ لڑکی نے دعا دی اور اسے اپنی محبت میں گرفتار چھوڑ کر چل دی۔ ہیوب اور اس کی آقا قاضی کے گھر سے روانہ ہو گئیں تو انہوں نے لوگوں سے دوسرے قاضی کا پتا پوچھا' اس کا پتا معلوم ہو گیا تو دونوں وہاں پہنچیں اور اس سے بھی باتیں بیان کیں۔ اسی طرح تیسرے اور چوتھے قاضی کے پاس گئیں یہاں تک کہ چاروں سے وہی شکایت کر آئیں۔ ہر قاضی اس سے شادی کی درخواست کرتا اور وہ حامی بھر دیتی انہیں ایک دوسرے کی خبر نہ ہوتی اور ان میں سے ہر ایک کا دل لڑکی کے لئے للچایا۔ یہودی کو ان باتوں کی بالکل اطلاع نہ تھی کیونکہ وہ دعوت میں تھا۔ دوسرے دن صبح کو کنیز نے زین المواصف کو بہترین کپڑے پہنائے اور اس محکمے میں لے گئی جہاں چاروں قاضی بیٹھے تھے۔ قاضیوں کو دیکھتے ہی لڑکی نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دی اور انہیں سلام کیا۔ چاروں نے سلام کا جواب دیا اور اسے پہچان گئے۔ ایک ان میں سے لکھنے میں مشغول تھا' اس کے ہاتھ سے قلم گر گیا۔ ایک باتیں کر رہا تھا' وہ ہکلانے لگا۔ ایک کچھ حساب لگا رہا تھا' اس نے جوڑنے گھٹانے میں غلطی کر دی۔ سب نے لڑکی سے کہا اے خوبصورت اور خوش سیرت' تیرے آگے اب خوشی ہی خوشی ہے' اب ہم تیرا حق ضرور دلوائیں گے اور تیری مراد پوری ہو جائے گی۔

لڑکی انہیں دعا دے کر رخصت ہو گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو انسٹھویں رات

آٹھ سو انسٹھ ویں رات ہوئی تواس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ قاضیوں کو دعا دے کر رخصت ہو گئی۔ ادھر یہ لگاوٹ بازیاں ہو رہی تھیں اور ادھر یہودی ان باتوں سے بے خبر اپنے دوستوں کے ساتھ دعوت میں مشغول تھا۔ ساتھ ہی زین المواصف نے دربار کے حاکموں اور کاتبوں سے بھی درخواست کی کہ وہ اس مردود کافر کے مقابلے میں اس کی مدد کریں اور اسے اس بے پناہ عذاب سے چھٹکارا دیں۔ اس کے بعد اس نے ایک خط لکھا جس میں شروع سے لے کر آخر تک وہ تمام حرکتیں بیان کیں جو یہودی نے اس کے ساتھ کی تھیں اور اپنے مسلمان ہونے کا بھی ذکر کیا۔ خط بند کرکے اپنی کنیز ہیوب کو دے دیا اور کہا کہ اسے حفاظت سے اپنی جیب میں رکھیو میں اسے مسرور کو بھیجوں گی۔ اتنے میں یہودی آیا اور انہیں نہایت خوش دیکھ کر کہنے لگا تم اس قدرخوش کیوں ہو؟ زین المواصف نے کہا تیرے پنجے سے ہمیں سوائے خدا کے اور کوئی نہیں چھڑا سکتا وہی ہمیں تیرے ظلم سے نجات دے گا۔ اگر تم نے ہمیں ہمارے وطن نہ پہنچایا تو ہم کل تیری شکایت شہر کے حاکم اور قاضی کے سامنے کریں گے یہودی نے پوچھا کہ تمہارے پاؤں میں بیڑیاں کس نے اتاریں؟ اب میں تم میں سے ہر ایک کے لئے دس دس رطل کی بیڑیاں بنوا کر تمہیں شہر کے گرد پھراؤں گا۔ ہیوب بولی جو کنواں تو ہمارے لئے کھود رہا ہے خدا نے چاہا تو تو خود اس میں گرے گا۔ تو نے وطن سے ہمیں بے وطن کیا ہے خیر کل ہمارا اور تیرا فیصلہ شہر کے حاکم کے سامنے ہو گا۔ رات بھر اسی طرح کی باتیں ہوتی رہیں' صبح ہوتے ہی یہودی لوہار کے پاس گیا کہ ان کے لئے بیڑیاں بنوائے۔ ادھر زین المواصف اوراس کی کنیزیں قاضی کے محکمے میں پہنچیں۔ زین المواصف نے قاضیوں کو دیکھتے ہی سلام کیا سب نے سلام کا جواب دیا۔ قاضی القضاۃ نے اپنے آس پاس کے لوگوں سے کہا کہ یہ لڑکی زہرہ کی طرح ہے

جو اسے دیکھتا ہے عاشق ہو جاتا ہے اور اس کی خوبصورتی کے آگے گردن جھکا لیتا ہے۔ اس کے بعد قاضی نے لڑکی کے ہمراہ چار پیادے بھیجے جو بڑے عہدے کے تھے اور ان سے کہا کہ مجرم کو بری طرح سے پکڑ کر لے آؤ۔

یہ تو ان کا ماجرا ہوا' اب یہودی کا حال سنو۔ جب وہ ان کے لئے بیڑیاں بنوا کر گھر لوٹا تو دیکھا کہ وہ غائب ہیں' حیران و پریشان ہو گیا۔ اتنے میں پیادے آ پہنچے۔ انہوں نے پہلے تو اسے پکڑ کر خوب مارا' پھر منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے قاضی کے پاس لے گئے۔ قاضی نے اسے دیکھتے ہی چلا کر کہا اے مردود' خدا کے دشمن' تیری یہ ہمت ہوئی کہ تو نے ایسے ایسے کام کئے اور عورتوں کو وطن سے بے وطن کر دیا ان کا مال چرا لیا اور اب چاہتا ہے کہ وہ یہودی ہو جائیں' تو مسلمانوں کو کافر بنانا چاہتا ہے؟ یہودی بولا اے میرے مولا' یہ میری بیوی ہے۔ اس کی یہ بات سن کر سارے قاضی اسے ڈانٹنے لگے اور کہا اس کتے کو زمین پر دے پٹکو' اس کے منہ پر جوتیاں مارو اور جتنا پیٹا جائے اسے خوب پیٹو کیونکہ اس کا گناہ معافی کے قابل نہیں۔ لوگوں نے اس کے ریشمی کپڑے اتار کر بالوں کا لباس پہنایا' اسے زمین پر پٹک کر اس کی داڑھی نوچنے اور اس کے منہ پر جوتیاں مارنے لگے۔ اس کے بعد انہوں نے اسے الٹے گدھے پر سوار کیا گدھے کی دم اس کے ہاتھ میں دے کر سارے شہر کا چکر لگایا اور ڈھنڈورا پیٹ کر نہایت ذلت کے ساتھ اسے پھر قاضی کے گھر لائے۔ چاروں قاضیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی چڑھا دیا جائے۔ یہ فیصلہ سن کر وہ ملعون گھبرا گیا اس کے ہوش و حواس جاتے رہے اور اس نے کہا اے بزرگ قاضیو! تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ کہہ یہ میری بیوی نہیں ہے' میرا تمام مال اس کا مال ہے میں نے اس پر ظلم کیا ہے اور اسے وطن سے بے وطن کیا ہے۔ یہودی نے اس کا اقرار کر لیا اور انہوں نے اس اقرار کو ایک دستاویز میں درج کر لیا اور اس کا سارا مال لے کر زین المواصف کو مع دستاویز کے دے دیا اور وہ لے کر چلتی ہوئی جو اسے دیکھتا اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو جاتا اور ہر قاضی یہی سمجھتا کہ بس اب وہ میرے

قبضے میں آ گئی۔ گھر پہنچ کر اس نے سارے سامان میں سے جس جس کی ضرورت تھی باندھا۔ دن ختم ہونے کا انتظار کیا اور تمام چیزیں جو ہلکی اور قیمتی تھیں لے کر رات کے اندھیرے میں اپنی کنیزوں کے ساتھ روانہ ہو گئی اور تین رات تین دن برابر چلتی رہی۔ ادھر قاضیوں نے یہودی کو قید خانے میں ڈال دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # آٹھ سو ساٹھ ویں رات

آٹھ سو ساٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ قاضیوں نے یہودی کو جو زین المواصف کا شوہر تھا قیدخانے میں ڈال دیا' صبح ہوئی تو قاضی اور گواہ سب اس انتظار میں رہے کہ زین المواصف اس کے پاس آتی ہو گی لیکن وہ کسی کے پاس بھی نہ آئی۔ اس کے بعد وہ قاضی جس کے پاس لڑکی سب سے پہلے گئی تھی یہ کہہ کر مجھے شہر میں آج کچھ کام ہے اپنے خچر پر سوار ہو گیا اور غلام کو ساتھ لے کر شہر کے گلی کوچوں میں پھرنے اور زین المواصف کو ڈھونڈنے لگا لیکن کہیں اس کا پتا نہ چلا۔ وہ چکر لگا ہی رہا تھا کہ دیکھا باقی تین قاضی بھی اسی طرح پھر رہے ہیں۔ اس نے ان سے پوچھا کہ تم خچروں پر سوار شہر کے بازار میں کیوں پھر رہے ہو؟ جب انہوں نے اپنا قصہ سنایا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ بھی اسی مصیبت میں گرفتار ہیں جس میں وہ گرفتار ہے وہ بھی اسی کی تلاش میں ہیں جسے وہ ڈھونڈ رہا ہے۔ اب چاروں نے مل کر لڑکی کو ڈھونڈنا شروع کیا لیکن کہیں سراغ نہ چلا۔ آخر سب کے سب واپس اپنے اپنے گھر چلے اور بیمار ہو کر بچھونے پر لیٹ گئے۔ قاضی القضاہ کو پڑے پڑے لوہار کا خیال آیا اور اسے بلوا کر پوچھنے لگا اے لوہار! تجھے اس لڑکی کا کچھ پتا ہے جسے تو ہمارے پاس لایا تھا؟ اگر تو ہمیں اس کا پتہ نہ دے گا تو میں تیرے کوڑے ماروں گا۔ لوہار نے کہا اے میرے مولا' خدا کی قسم جب میں تیرے پاس سے آیا ہوں میں نے اسے بالکل نہیں دیکھا۔ میرا دل اسی میں لگا ہوا ہے' یہ سن کر قاضی نے اتنے زور سے چیخ ماری کہ قریب تھا کہ اس کی روح نکل جائے اور وہ کہنے لگا واللہ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔

ادھر لوہار وہاں سے رخصت ہوا اور ادھر قاضی بچھونے پر لیٹ گیا اور لڑکی کے عشق میں بیمار پڑ گیا۔ یہی حالت باقی تینوں قاضیوں اور گواہوں کی بھی ہوئی۔ حکیم برابران کا علاج

کرتے تھے مگر ان کی بیماری ایسی تھی جس کا علاج حکیموں کے بس کا نہ تھا۔ اس کے بعد بڑے بڑے لوگ پہلے قاضی کی عیادت کے لئے گئے اور مزاج پرسی کی۔ قاضی نے اپنا دل کھول کر ان کے آگے رکھ دیا' رونے اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا اور پھر زور سے ایک چیخ ماری اور اس کی روح بدن سے پرواز کر گئی۔ لوگوں نے اسے غسل دے کر کفن پہنایا اور جنازے کی نماز پڑھا کر دفن کر آئے اور اس کے لئے دعا کرکے دوسرے قاضی کے پاس پہنچے' ایک حکیم کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ اسے بھی کوئی بیماری نہیں جس کے لئے کسی حکیم کی ضرورت ہو۔ لوگوں نے اس کی مزاج پرسی کی اور اس نے انہیں سارا ماجرا سنا دیا۔ جب لوگوں نے اسے لعنت ملامت کی تو اس نے ایک چیخ ماری اور اس کی روح جسم سے پرواز کر گئی اور لوگ اس کی تجہیز و تکفین کرکے اسے بھی دفن کر آئے اور اس کے لئے دعا کی۔ پھر تیسرے قاضی کے پاس گئے۔ دیکھا کہ وہ بھی بیمار ہے اس کا بھی وہی حال تھا جو دوسروں کا۔ یہی قصہ چوتھے قاضی کے ساتھ بھی پیش آیا اور چاروں کے چاروں اسی کی محبت کے شکار نکلے اور اسی طرح تمام گواہ بھی۔ غرض کہ جس جس نے اسے دیکھا تھا سب نے اس کی محبت میں جان دے دی اور جو نہ مرا وہ اس کی محبت کی آگ میں جلتا رہا۔

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو اکسٹھ ویں رات

آٹھ سو اکسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جو نہ مرا وہ اس کی محبت کی آگ میں جلتا رہا' خدا ان سب پر رحم کرے! ادھر زین المواصف کئی روز تک تیز تیز چلتی رہی یہاں تک کہ دور پہنچ گئی۔ اتفاقاً اس کا گزر ایک دیر پر ہوا جہاں ایک بہت بڑا راہب رہتا تھا۔ اس کا نام دانس تھا اور اس کے نیچے چالیس بطریق تھے۔ راہب نے دیکھا کہ زین المواصف اتنی حسین ہے تو وہ نکل کر اس کے پاس آیا اسے دعوت دی اور کہا کہ ہمارے ہاں اتر کر دس دن تک آرام کر لو پھر آگے چلنا' لڑکی اور اس کی کنیزیں خانقاہ میں ٹھہر گئیں۔ اسے دیکھ کر راہب کے ایمان میں خلل آ گیا اور اسے پرچانے کے لئے اس نے بطریقوں کو ایک ایک کرکے اس کے پاس بھیجنا شروع کیا۔ جو بطریق اس کے پاس جاتا وہ اس کی محبت کے جال میں پھنس جاتا اور اسے پھسلاتا لیکن وہ ان کے آگے عذر پیش کرتی اور انہیں منع کرتی۔ اسی طرح دانس نے ایک ایک کرکے چالیسوں کو بھیجا جو اسے دیکھتا لٹو ہو جاتا اس کی بڑی آؤ بھگت کرتا اور اسے پھسلاتا' دانس کا نام تک نہ لیتا۔ وہ انہیں اس فعل سے روکتی اور سخت جواب دیتی۔ جب دانس کو بالکل صبر نہ رہا اور اس کی محبت کی آگ بھڑکنے لگی تو اس نے اپنے دل میں کہا' کیا خوب مثل ہے کہ میرے بدن کو میرے ناخنوں سے بہتر کوئی کھجا نہیں سکتا' میری مراد کو سوائے میرے اور کوئی پورا نہیں کر سکتا! یہ کہہ کر وہ اٹھا نفیس کھانا تیار کرکے لڑکی کے پاس لایا اور کہا کہ بسم اللہ نوش کر۔ بہترین کھانا وہی ہے جو نصیب ہو۔ لڑکی نے ہاتھ بڑھا کر بسم اللہ الرحمن الرحیم کہا اور اپنی کنیزوں کے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ وہ کھا چکی تو راہب نے اپنے عشق کا اظہار کیا' زین المواصف نے کہا خام خیالات کو اپنے دل سے نکال ڈال۔ راہب اپنی خانقاہ میں جا کر سوچ میں پڑ گیا اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے اور رات بری طرح

سے گزری۔ رات بالکل اندھیری ہو گئی تو زین المواصف اٹھی اور اس نے کنیزوں سے کہا کہ چلو چالیس رہبانوں کے مقابلے میں ہم کچھ نہیں کر سکتے' سب کے سب مجھے پھسلانا چاہتے ہیں۔ کنیزیں بولیں کہ سر آنکھوں پر اور اپنے خچروں پر سوار ہو کر دیر کے دروازے سے نکل کھڑی ہوئیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## آٹھ سو باسٹھ ویں رات

آٹھ سو باسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ زین المواصف اور اس کی کنیزیں چلی جا رہی تھیں کہ انہیں ایک قافلہ دکھائی دیا' قافلے کے قریب پہنچیں تو معلوم ہوا کہ وہ عدن سے آ رہا ہے جہاں وہ خود تھی اور اس نے سنا کہ لوگ زین المواصف کا ذکر کر رہے ہیں کہ قاضیوں اور گواہوں نے اس کی محبت میں جان دے دی اور شہر والوں نے دوسرے قاضی اور گواہ مقرر کر لئے اور زین المواصف کے شوہر کو قید خانے سے چھوڑ دیا۔ یہ سن کر زین المواصف نے اپنی کنیزوں سے کہا سنتی ہو یہ باتیں؟ ہیوب نے کہا اگر راہب جن کے مذہب میں عورتوں سے کنارہ کشی ہے تیری محبت کے شکار ہو گئے تو قاضی تو معافی کے قابل ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اسلام میں رہبانیت نہیں۔ بہرحال چپکے سے وطن چلی چل کیونکہ اب تک ہمارا حال کسی کو معلوم نہیں۔ یہ کہہ کر وہ اور زیادہ تیزی سے سفر کرنے لگیں۔

یہ تو زین المواصف اوراس کی کنیزوں کا قصہ ہوا۔ اب راہبوں کا حال سنو۔ صبح ہوئی اور وہ زین المواصف کو سلام کرنے کے لئے آئے تو انہوں نے دیکھا کہ مکان خالی پڑا ہے ان کا دل بیٹھ گیا پہلے راہب نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اس کی محبت میں رونے لگا۔ یہی حال باقی بطریقوں اور راہبوں کا بھی تھا' وہ سب کے سب رو رہے تھے۔ ان میں شیخ وانس کی کیفیت سب سے بدتر تھی۔ جب وہ سب مایوس ہو گئے تو انہوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ اس کی تصویر بنا کر اپنے پاس رکھیں۔ اس پر سب نے اتفاق کیا یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا کرنے والی موت آ پہنچی۔

یہ تو خانقاہ کے رہبانوں کا قصہ ہوا' اب زین المواصف کا ماجرا سنو' وہ برابر اپنے محبوب مسرور کی طرف سفر کرتی رہی' چلتے چلتے آخر اپنے گھر پہنچ گئی اور گھر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ پھر اس نے اپنی بہن نسیم کو بلا بھیجا۔ نسیم بہت خوش ہوئی اس

کے لئے فرش اور نفیس کپڑے لائی اور مکان کو عود' عنبر اور مشک سے اس قدر بسایا کہ وہ مہک اٹھا۔ غرض کہ اس سے بہتر ہونا ممکن نہ تھا۔ اس کے بعد زین المواصف نے بہترین لباس پہنا اور خوب بناؤ سنگار کیا۔ ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر مسرور کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ وہ آ گئی ہے بلکہ وہ بے حد رنج و غم میں مبتلا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو تریسٹھ ویں رات

آٹھ سو تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ مسرور کو اس کے آنے کی خبر نہ تھی وہ رنج و غم میں مبتلا تھا۔ زین المواصف اپنے گھر میں بیٹھ کر اپنی ان کنیزوں سے باتیں کرنے لگی جو سفر میں اس کے ساتھ نہ تھیں۔ پھر اس نے ہیوب کو چند درہم دے کر کہا کہ جا کر میرے اور کنیزوں کے لئے کھانے کی چیزیں خرید لا۔ ہیوب جا کر وہ تمام چیزیں کھانے پینے کی لے آئی جو اس نے کہی تھیں۔ سب کھا پی چکیں تو زین المواصف نے ہیوب سے کہا' اب جا کر دیکھ کہ مسرور کہاں ہے اور کس حالت میں ہے۔ مسرور کی یہ حالت تھی کہ نہ اسے چین آتا تھا نہ صبر۔ جب اس کا شوق زور پکڑتا تو وہ زین المواصف کے گھر جا کر دیوار کو بوسے دیتا۔ اس وقت بھی وہ اسی کے گھر سے ہو کر آیا تھا۔ مایوسی کے عالم میں روتے روتے اسے نیند آ گئی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ زین المواصف اپنے گھر لوٹ کر آ گئی ہے' وہ روتا ہوا اٹھ کر زین المواصف کے گھر کی طرف چل دیا اس کی گلی میں پہنچا تو اسے خوشبوئیں آنے لگیں اور اس کا دل محبت سے اور بے چین ہو گیا۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ ہیوب کسی کام کے لئے جا رہی ہے اور ابھی گلی سے نکلی ہے اسے دیکھ کر وہ خوش ہو گیا۔ ہیوب کی نظر اس پر پڑی تو اس نے قریب آ کر سلام کیا' زین المواصف کے آنے کی خوشخبری دی اور کہا کہ اس نے مجھے تیری تلاش میں بھیجا ہے۔ مسرور یہ سن کر بہت خوش ہوا اور ہیوب اسے لے کر اپنی آقا کے پاس گئی۔ مسرور کو دیکھتے ہی زین المواصف اپنے تخت سے اتر پڑی اور اسے چومنے لگی' وہ اسے چومنے لگا اور دونوں ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے اور اتنی دیر تک بوسے دیتے اور گلے ملتے رہے کہ انہیں غش آ گیا۔ جب انہیں ہوش آیا تو زین المواصف نے اپنی کنیز ہیوب سے کہا کہ ایک کوزے میں شکر کا اور ایک میں نیبو کا شربت

لے آئے' کنیز لے آئی اور انہوں نے کھایا پیا۔ کھاتے پیتے انہیں رات ہو گئی پھر دونوں نے اپنی اپنی داستانیں شروع سے لے کر آخر تک سنائیں۔ لڑکی نے اس سے کہا کہ میں اسلام لے آئی ہوں۔ اس پر مسرور کو بڑی خوشی ہوئی' وہ بھی مسلمان ہو گیا اور کنیزیں بھی' سب نے مل کر خدا کے آگے توبہ کی۔ صبح ہوئی تو اس نے قاضی اور گواہوں کو بلوایا اور ان سے کہا کہ میں بیوہ ہوں' عدت پوری ہو چکی ہے' انہوں نے اس کا نکاح نامہ لکھ دیا اور وہ نہایت عیش و عشرت سے رہنے لگے۔

یہ تو زین المواصف اور مسرور کا قصہ ہوا' اب اس کے شوہر یہودی کا ماجرا سنو۔ جب شہر والوں نے اسے قید سے رہا کر دیا تو وہ وہاں سے اپنے وطن کی طرف چل دیا اور چلتے چلتے اتنے قریب پہنچ گیا کہ محض تین دن کی راہ اور باقی رہ گئی زین المواصف کو اس کی خبر ملی تو اس نے اپنی کنیز ہیوب کو بلا کر کہا کہ یہودیوں کے قبرستان میں جا کر ایک قبر کھدوا اور اس پر پھول رکھ کر اس کے آس پاس پانی چھڑکوا دے۔ یہودی آئے اور میرے بارے میں دریافت کرے تو کہیوکہ میری آقا تجھ سے اتنی ناراض تھی کہ مر گئی اور اسے مرے بیس دن ہو چکے ہیں۔ اگر وہ کہے کہ چل کر اس کی قبر دکھا تو اسے اسی قبر کے پاس لئے آئیو اور کسی چال سے اسے زندہ دفن کر دیجیو۔ کنیز نے کہا بسر و چشم۔ اس کے بعد تمام فرش اٹھا دیا گیا اور زین المواصف محمل میں بیٹھ کر مسرور کے گھر چلی گئی دونوں کھانے پینے میں مشغول ہو گئے اور تین دن تک برابر انکا یہی شغل رہا۔

یہ تو ان لوگوں کا ماجرا ہوا' اب یہودی کا حال سنو۔ جب وہ سفر سے لوٹ کر گھر پہنچا تو اس نے دروازہ کھٹکھٹایا ہیوب نے اندر سے پوچھا کہ دروازے پر کون ہے؟ اس نے جواب دیا تیرا آقا۔ ہیوب نے آ کر دروازہ کھولا' یہودی نے دیکھا کہ اس کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے ہیں' پوچھا کہ تو کیوں رو رہی ہے' اور تیری آقا کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ وہ تیرے اوپر اتنی ناراض تھی کہ مر گئی۔ یہ سن کر اسے سخت حیرت ہوئی وہ بلک بلک کر رونے لگا اور کہا اے ہیوب' اس کی قبر کہاں ہے؟ ہیوب اسے لے

کر قبرستان گئی اور وہ دکھائی جو اس نے کھدوائی تھی۔ اب وہ اور زیادہ رونے پیٹنے اور واویلا کرنے لگا اور غش کھا کر گر پڑا۔ اسی غشی کی حالت میں ہیوب نے اسے کھینچ

کر زندہ قبر میں ڈال دیا قبر پاٹ کر اپنی آقا کے پاس آ گئی اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ آقا یہ سن کر بہت خوشی ہوئی اور دونوں کھانے پینے اور لہو و لعب میں عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی اور لڑکوں لڑکیوں کو مارنے والی موت آ پہنچی......

○ علی نور الدین اور مریم زناریہ کی کہانی

پرانے زمانے میں مصر میں ایک تاجر تاج الدین رہتا تھا۔ بہت بڑا تاجر ہونے کے علاوہ اس کی شرافت کی بھی بڑی دھوم تھی۔ اسے شوق تھا کہ ہر ملک کا سفر کرے اور درہم و دینار کی خواہش میں جنگل بیابان‘ میدان‘ پہاڑ اور سمندر کے جزیرے چھانتا پھرے۔ اس کے پاس بہت سے غلام نوکر چاکر اور کنیزیں تھیں سفر میں اس نے اتنی تکلیفیں اور خطرے اٹھائے تھے کہ جن سے بچے بوڑھے ہو جائیں وہ اپنے زمانے کے تمام تاجروں سے زیادہ مال دار اور خوش گفتار تھا۔ اس کے پاس بہت سے گھوڑے‘ خچر‘ اونٹ‘ اونٹنیاں‘ سامان‘ مال اور لاجواب کپڑے تھے۔ مثلاً حمص کی ململ‘ بطبک کی زربفت‘ سندس کی روئی کے کپڑے‘ مرد کے تھان‘ بغداد کی جالی‘ مغرب کی شالیں‘ ترکی غلام‘ حبشی نوکر چاکر‘ رومی کنیزیں اور مصری لڑکے۔ اس کا تجارتی سامان ریشم کے گٹھوں میں باندھا جاتا تھا کیونکہ اس کی دولت مندی کی کوئی انتہا نہ تھی۔

اس تاجر کا علی نور الدین نام کا ایک بیٹا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند حسین و جمیل خوش قامت اور سڈول۔ ایک روز یہ لڑکا اپنے باپ کی دکان پر بیٹھا ہوا دستور کے مطابق خرید و فروخت اور لین دین کر رہا تھا‘ دوسرے تاجر زادے اس کے سامنے ایسے معلوم ہوتے

تھے جیسے چاند کے آگے تارے۔ تاجرزادوں نے اسے دعوت دی اور کہا اے ہمارے آقا نور الدین ہم چاہتے ہیں کہ آج فلاں باغ میں چل کر سیر کریں۔ اس نے جواب دیا پہلے میں اپنے باپ سے اجازت لے لوں کیونکہ اس کی بے اجازت میں نہیں جا سکتا۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اس کا باپ آ گیا اور اس نے کہا اے ابا جان' تاجر زادے مجھے فلاں باغ میں سیر و تفریح کے لئے دعوت دیتے ہیں' کیا میں جا سکتا ہوں؟ باپ نے کہا ہاں بیٹا۔ اس کے بعد اس نے بیٹے کو کچھ دام دیئے اور کہا کہ ان کے ساتھ جا۔ تاجر زادے گدھوں اور خچروں پر سوار ہو گئے اور نور الدین بھی ایک خچر پر بیٹھ گیا اور ان کے ساتھ ایک ایسے باغ میں پہنچا جہاں دماغ اور آنکھوں کی لذت میں تمام چیزیں موجود تھیں۔ اس کے ستون مضبوط اورعمارت بلند تھی' اسکا ایک دروازہ محراب دار تھا گویا وہ ایک محل سرا تھی اور ایک دروازہ آسمانی رنگ کا' گویا وہ جنت کے دروازے تھے اور اس کے دربان کا نام رضوان تھا۔ اس کے اوپر طرح طرح کے انگور تھے بعض مرجان کی طرح لال' بعض حبشیوں کی ناکوں کی طرح کالے اور بعض کبوتر کے انڈوں کی طرح سفید۔ باغ میں ناشپاتی' انار' امرود' شفتالو اور سیب تھے۔ یہ سارے میوے مختلف رنگ کے تھے بعض خوشوں میں اور بعض اکیلے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # آٹھ سو چونسٹھ ویں رات

آٹھ سو چونسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب سوداگر زادے باغ کے اندر گئے تو انہیں رنگ رنگ کے انگور دکھائی دیئے۔ چلتے چلتے وہ ایک برساتی

کے پاس پہنچے دیکھا کہ باغ کا رکھوالا رضوان اس میں بیٹھا ہوا ہے گویا وہ واقعی جنت کا دربان رضوان ہے۔ اس باغ میں طرح طرح کے میوے اور رنگ بہ رنگ کی چڑیا تھیں' مثلاً فاختہ' بلبل' قمری' کبوتر جو ٹہنیوں پر گا رہی تھیں۔ نہروں میں پانی بہہ رہا تھا اور ان کے اردگرد پھول اور پھل لدے پڑے تھے۔ ہر میوہ شاداب' انار جیسی قیروانی گیند' سیب میٹھے اور خوشبودار' شفتالو بادامی' کافوری' جیلانی اور غتابی بیر اور شاہ دانے' انگور جو بیماروں کو شفا دیں اور سر کے چکر اور صفرے کو دور کریں۔ لال اور ہرے انجیر جنہیں دیکھ کر عقل دنگ ہو جائے۔ علاوہ ازیں اس باغ میں طوری' حلبی اور رومی امرود تھے طرح کے اور رنگ بہ برنگ۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو پینسٹھ ویں رات

آٹھ سو پینسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب سوداگر زادے باغ میں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ وہاں طوری' جلی اور رومی امرود ہیں۔ بعض

زرد' بعض ہرے' سلطانی شفتالو' کچھ زعفرانی' کچھ لال' ہرے بادام بہت میٹھے اور ایسے جیسے کرم کلے اس کی گری تین تین غلافوں کے اندر خدا کی صنعت طرح طرح کے بیر گچھوں میں اور الگ الگ' نارنگیاں خولنجاں کی طرح' نیبو جن کا رنگ سونے کی طرح جو ڈالیوں میں جھولتے تھے' کھٹ مٹھے ٹہنیوں سے نکلے ہوئے گویا غزالوں کی سی کنواری لڑکیوں کے سینے۔ غرض کہ اس باغ میں ہر طرح کے میوے' خوشبو دار بوٹیاں' سبزیاں اور پھول تھے۔ مثلاً چنبیلی' مہندی' مرچ' عنبری سنبل' طرح طرح کے گلاب اور کیلے۔ یہ باغ بے تشبیہ جنت کا ایک ٹکڑا تھا اگر اس میں کوئی بیمار بھی داخل ہو جائے تو تیوری چڑھائے ہوئے شیر کی طرح نکلے' اس کی تعریف سے زبان قاصر تھی' اس میں اتنی عجیب و غریب چیزیں تھیں جو سوائے جنت کے اور کہیں پائی نہیں جاتیں۔ اس کے دربان کا نام رضوان تھا۔ اگرچہ دونوں رضوانوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سیر و تفریح کرنے کے بعد سوداگر زادے آ کر ایک چبوترے پر بیٹھ گئے اور نور الدین کو بارہ دری کے بیچ میں بٹھایا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # آٹھ سو چھیاسٹھ ویں رات

آٹھ سو چھیاسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سوداگر زادوں نے نور الدین کو بارہ دری کے بیچ میں چمڑے کے فرش پر بٹھایا جس پر زردوزی کا کام تھا اور اسے ایک تکیہ لگانے کو دیا جس میں شترمرغ کے پر بھرے ہوئے تھے اور ایک پنکھا جو شترمرغ کے پروں کا تھا۔ اس کے بعد سوداگر زادوں نے اپنے اپنے عمامے اور قبائیں اتار ڈالیں اور بیٹھ کر باتیں چیتیں کرنے لگے لیکن ہر ایک کی نظر نور الدین ہی کی طرف لگی ہوئی تھی اور وہ سب اس کی خوبصورتی میں محو تھے جب انہیں بیٹھے بیٹھے کچھ وقت گزر گیا تو ایک غلام اپنے سر پر کھانے کی سینی لئے پہنچا جس میں چینی اور بلوری برتن تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ باغ جانے سے پہلے ایک سوداگر زادہ اپنے گھر کھانے کا حکم دے آیا۔ اس سینی میں زمین پر چلنے والے ' ہوا میں اڑنے والے اور پانی میں تیرنے والے جانوروں کا گوشت تھا۔ دستر خوان بچھایا گیا سب نے پیٹ بھر کر کھایا اور کھانے سے فارغ ہو کر صاف پانی اور مشکی صابون سے ہاتھ دھوئے' ریشمی رومالوں سے منہ پونچھے اور نور الدین کو ہاتھ پونچھنے کے لئے ایک رومال دیا۔ جس پر سرخ سونے کا کام تھا۔ اس کے بعد قہوہ آیا سب نے جی بھر کر پیا اور پھر باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں باغبان ایک ٹوکری بھر گلاب کے پھول لے آیا اور کہنے لگا اے میرے آقا' کہو ان خوشبودار پھولوں کی کیسی رہی؟ ایک سوداگر زادے نے کہا خوب رہی خاص کر گلاب کے پھول جو ہمیشہ دل پسند ہیں۔ باغبان بولا ٹھیک ہے لیکن ہمارا دستور ہے کہ ہم گلاب کے پھول اس وقت تک نہیں دیتے جب تک کہ مزے مزے کی باتیں نہ ہوں۔ لہٰذا جو شخص گلاب کے پھول لینا چاہے وہ مناسب شعر سنائے۔ سوداگر زادے دس تھے' ان میں سے ایک بولا اچھا مجھے دے' مناسب شعر سناتا ہوں۔ باغبان نے اسے ایک گل دستہ دیا اور اس نے گل دستے پر کچھ شعر سنائے۔

جب سب کے پاس پھولوں کا ایک ایک گل دستہ پہنچ گیا تو باغبان نے شراب کا دسترخوان بچھایا' پہلے ایک جام بھر کر خود پیا' پھر دوسروں کو دینا شروع کیا۔ تاج الدین تاجر کے بیٹے نور الدین کا نمبر آیا اور باغبان جام بھر کر سامنے لایا تونور الدین نے کہا تو جانتا ہے کہ یہ چیز میرے لئے غیر معروف ہے میں نے کبھی نہیں پی کیونکہ اس کے پینے میں بڑا گناہ ہے اور خدا نے اسے اپنی کتاب میں حرام کر دیا ہے۔ باغبان بولا اے میرے آقا نور الدین' اگر تو محض گناہ کی وجہ سے نہیں پیتا تو جان لے کہ خدا کریم' حلیم' غفور اور رحیم ہے' بڑے بڑے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے' اس کی رحمت سب پر حاوی ہے۔ ساتھ ہی ایک تاجر زادے نے کہا اے میرے آقا نور الدین تجھے میری جان کی قسم اس جام کو پی لے۔ اس کے بعد ایک دوسرا جوان آگے بڑھا اور اسے سخت قسم دی' پھر تیسرا آ کر عاجزی سے کھڑا ہو گیا۔ نور الدین نے شرم کے مارے باغبان کے ہاتھ سے پیالہ لے کر ایک گھونٹ منہ میں لے کر تھوک دیا اور کہا' یہ کڑوی ہے۔ نوجوان باغبان بولا اے میرے آقا نور الدین' اگر کڑوی نہ ہوتی تو اس میں اتنے فائدے بھی نہ ہوتے۔ تجھے معلوم نہیں کہ میٹھی چیز بھی اگر دوا کے طور پر پی جائے تو وہ کڑوی لگتی ہے شراب میں بہت سے فائدے ہیں' منجملہ ان کے وہ کھانا ہضم کرتی' رنج و غم دور کرتی ہے' ریح کو زائل اور خون کو صاف کرنے والی ہے' رنگ نکھارتی ہے اور جسم کو چست و چاق کرتی ہے۔ بزدل کو دلیر بناتی اور جماع کی قوت دیتی ہے اگر میں اس کے تمام فائدے بیان کروں تو ایک دفتر ہو جائے۔

اب باغبان فوراً اٹھا اور بارہ دری کا ایک کمرہ کھول کر قند کا کوزہ لے آیا' ایک بڑا سا ٹکڑا توڑ کر نور الدین کے پیالے میں ڈال دیا اور کہنے لگا میرے آقا' اگر تو شراب کی تلخی سے ڈرتا ہے تو اب یہ میٹھی ہو گئی ہے پی جا۔ یہ سن کر نور الدین نے پیالہ اٹھایا اور پی گیا۔ اس کے بعد ایک تاجر زادے نے پیالہ بھرا اور کہا اے میرے آقا نور الدین میں تیرا غلام ہوں۔ اسی طرح دوسرا بولا کہ میں تیرے نوکروں میں سے ہوں'

تیسرا بولا کہ میری خاطر۔ چوتھے نے کھڑے ہو کر کہا اے میرے آقا نور الدین' میری دل شکنی نہ کر اسی طرح دسوں نوجوانوں نے نور الدین کو ایک ایک کرکے دس پیالے پلا دیئے' چونکہ نور الدین کے پیٹ میں اس دن سے پہلے کبھی شراب نہیں گئی تھی اس کا دماغ چکرانے لگا' اسے خوب نشہ ہو گیا' وہ اٹھ کھڑا ہوا' اس کی زبان موٹی پڑ گئی وہ کہنے لگا اے لوگو' تم خوب صورت ہو اور تمہاری باتیں پیاری ہیں اور یہ تمہاری جگہ خوبصورت ہے مگرایک عمدہ گانے کی کمی ہے۔ اگر شراب کے ساتھ گانا بجانا نہ ہو تو خالی پینا پلانا کس کام کا۔ یہ سن کر جوان باغبان اٹھا اور ایک سوداگر زادے کے ساتھ خچر پر چڑھ کر غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک مصری لڑکی لے کر لوٹا جو ایسی تھی جیسے دنبے کی موٹی تازی دم یا صاف چاندی یا سینی پر دینار یا جنگل میں غزال' اس کے چہرے کے آگے روشن سورج مات تھا' آنکھیں جادو بھری اوربھنویں جیسے کھنچی ہوئی کمانیں' رخسار گلابی' دانت موتیوں کی لڑی' ہونٹ قندکے' آنکھیں متوالی' سینہ ہاتھی دانت سا' کمر پتلی اور شکن دار' کولہے جیسے بھرے ہوئے تکیے۔ رانیں شاہی ستونوں کی مانند' الغرض وہ لڑکی ایسی تھی جیسے چودھویں رات کا چاند' اس کی پوشاک نیلی تھی' نقاب سبز اور چہرہ آن بان والا جسے دیکھ کر عقل دنگ ہو جائے اور سمجھ دار لوگ حیران رہ جائیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو سڑسٹھ ویں رات

آٹھ سو سڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- سوداگر نے لڑکی سے کہا اے حسینوں کی سرتاج' میں تجھے یہاں محض اس غرض سے لایا ہوں کہ تو اس خوبصورت نوجوان نور الدین کے ساتھ نشست و برخاست کرے کیونکہ آج پہلی بار ہمارے ہاں آیا ہے۔ لڑکی بولی کاش تو نے پہلے سے کہہ دیا ہوتا تاکہ میں اپنے ساتھ اور کچھ بھی لیتی آتی! باغبان نے کہا اے میری آقا' میں جا کر لئے آتا ہوں لڑکی بولی جیسی تیری مرضی۔ اس نے کہا مجھے کوئی نشانی دے دے' لڑکی نے اسے ایک رومال دے دیا۔ رومال لے کر وہ چل دیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ سنہری رنگ کی ایک تھیلی لے کر لوٹا جو اطلس کی تھی جس پر سونے سے دو تصویریں کڑھی ہوئی تھیں۔ لڑکی نے تھیلی کو کھولا اس میں سے بتیس ٹکڑے لکڑی کے نکلے۔ اب اس نے ان ٹکڑوں کو آپس میں جوڑا او وہ ایک ایسی سارنگی بن گئی جیسی کہ ہندوستان والے بناتے ہیں۔
سارنگی جوڑ کر لڑکی اس پر ایسی جھکی جیسے ماں بچے پر اور اس پر اپنی انگلیاں چلانے لگی' سارنگی اپنی پرانی جگہوں کو یاد کرکے رونے لگی' اسے اس پانی کی یاد آئی جس نے اسے سینچاتھا' اس زمین کی جہاں وہ اگ کر بڑی ہوئی تھی' ان بڑھیوں کو جنہوں نے اسے کاٹا چھانٹا تھا' ان روغن سازوں کو جنہوں نے اس پر روغن چڑھایا تھا' ان تاجروں کو جو اسے لے کر آئے تھے اور ان کشتیوں کی جن پر وہ لد کر آئی تھی ان تمام باتوں کو یاد کرکے وہ گریہ زاری کرنے لگی۔ اس کے بعد لڑکی نے بجانا بند کردیا۔ پھر اسے دوبارہ اپنی گود میں رکھ کر اور کئی طرح کے راگ بجائے لڑکی کو گاتے بجاتے دیکھ کر نور الدین اسے محبت بھری نگاہ سے دیکھنے لگا گویا اس کادل ہاتھ سے جاتا رہا۔ ادھر لڑکی کا بھی یہی حال تھا کیونکہ جب اس نے تمام سوداگر زادوں کی طرف نظر کی تو وہ نور الدین کے سامنے ایسے معلوم ہوئے جیسے پرندے کے آگے تارے۔ وہ نہایت شیریں

گفتار، آن بان والا، سڈول بدن کا اور حسین و جمیل تھا۔ نسیم سے زیادہ لطیف اور تسنیم سے زیادہ رقیق۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

آٹھ سو اڑسٹھ ویں رات

آٹھ سو اڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- لڑکی کا گانا بجانا نور الدین کو بہت پسند آیااور نشے کے چڑھاؤ میں وہ اس کی تعریف کرنے لگا۔ نور الدین کے منہ سے اپنی تعریف سن کر لڑکی کی آنکھیں بھی محبت میں لڑکھڑانے لگیں' اس کا عشق دوبالا ہو گیا' اس کے حسن و جمال اور رعنائی و زیبائی کو دیکھ کر دنگ ہو گئی اور بے ساختہ سارنگی دوبارہ اپنی گود میں لے کر گانے بجانے لگی۔ نور الدین کو اس کی شیریں بیانی اور خوش سرائی پر نہایت تعجب ہوا' مارے محبت اور شوق کے اس کے ہوش جاتے رہے' صبر ہاتھ سے جاتا رہا اور وہ اس کی طرف جھکا اسے اپنے سینے سے لگا لیا لڑکی بھی اس سے لپٹ گئی اس کی پیشانی اور منہ چومنے لگی گویا ایک دوسرے کو چوم رہے تھے جو وہ کرتا وہ بھی کرتی تھی۔ یہاں تک کہ حاضرین مزے میں آ کر کھڑے ہو گئے اور نور الدین نے شرما کر ہاتھ کھینچ لیا۔ اس کے بعد لڑکی نے سارنگی کے مختلف راگ بجائے۔ نور الدین مارے خوشی کے سرتاپا اس کی طرف متوجہ ہو گیا' تعجب کے مارے اس کی عقل ٹھکانے نہ رہی' سارنگی لے کر وہ خود گانے بجانے لگا اور ایسا گایا بجایا کہ لڑکی دنگ ہو گئی۔ پھر لڑکی نے سارنگی لے کر گانا بجانا شروع کیا۔ بعدازاں نور الدین نے اور پھر لڑکی نے گایا بجایا اور نور الدین نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس کی تعریف پر لڑکی کو اتنی خوشی ہوئی کہ اس نے اپنا لباس اور گہنا اتار ڈالا اور اکڑوں بیٹھ کر اس کی پیشانی اور رخسار کے تل کو بوسے دینے لگی اور ساری چیزیں اس کے نذر کر دیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو انترویں رات

آٹھ سو انترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- لڑکی نے نور الدین کو ساری چیزیں دے کر کہا کہ ہدیہ' ہدیہ دینے والے کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔

نور الدین نے اسے قبول کر لیا اور پھر واپس دے دیا۔ اس کے منہ' رخساروں اور آنکھوں کو بوسہ دیا جب یہ سب کچھ ختم ہو چکا' ہمیشہ قائم رہنے والی تو محض خدا کی ذات ہے جو مور اور الو دونوں کی رزاق ہے' تو نور الدین اٹھ کھڑا ہوا۔ لڑکی نے پوچھا اے میرے آقا' کہاں؟ اس نے جواب دیا اپنے باپ کے گھر۔ سوداگر زادوں نے اسے قسم دی کہ وہ ان کے ساتھ سوئے لیکن وہ نہ مانا اور اپنے خچر پر سوار ہو کر گھر چلا گیا۔

جب وہ گھر پہنچا تو اس کی ماں نے اس کے پاس آ کر پوچھا بیٹا' تو اب تک کہاں غائب رہا؟ خدا کی قسم تیرے غائب رہنے سے میں اور تیرا باپ دونوں پریشان تھے' ہمارا دل تجھ ہی میں لگا ہوا تھا۔ یہ کہتے ہوئے اس کی ماں آگے بڑھی کہ اس کے منہ کو بوسہ دے لیکن یہ دیکھ کر کہ اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہے کہنے لگی بیٹا' نماز اور عبادت کے بعد تو نے شراب پینی شروع کر دی اور خدا کی نافرمانی کرنے لگا۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اس کا باپ آ گیا اور نور الدین فرش پر گر کر سو گیا۔

باپ نے پوچھا کہ نور الدین کو کیا ہوا۔ اسے بھی نورالدین کے منہ سے شراب کی بو آنے لگی۔ تاج الدین شراب پینے والوں سے بہت نفرت کرتا تھا بولا بیٹا' بڑے افسوس کی بات ہے' کیا تو اس درجہ گر گیا کہ شراب پینے لگا؟ نور الدین نشے میں تو تھا ہی ہاتھ اٹھا کر اس کے طمانچہ ماردیا۔ خدا کا کرنا کہ طمانچہ اس کی دہنی آنکھ پر پڑا اور وہ پھوٹ گئی۔ تاج الدین غش کھا کر زمین پر گر پڑا لوگوں نے اس پر گلاب چھڑکا' ایک پہر کے بعد اسے ہوش آیا۔

ہوش آتے ہی وہ بیٹے کو مارنے چلا ماں نے اسے روک لیا۔ بیوی کے آڑے آ جانے

سے اس وقت تو تاج الدین رک گیا لیکن اس نے کہا کہ اگر کل سویرا ہوتے ہی اس کا داہنا ہاتھ نہ کاٹ ڈالوں تواس کی ماں کو طلاق۔ یہ سن کر بیوی بہت گھبرائی اور بیٹے کے متعلق ڈرنے لگی۔ بار بار میاں کے پاس جا کر سمجھاتی یہاں تک کہ وہ سو گیا۔ ماں نے چاند نکلنے کا انتظار کیا۔ جب چاند نکلا تو بیٹے کے پاس گئی۔ اس وقت اس کا نشہ اتر چکا تھا' ماں نے کہا اے نور الدین' یہ تو نے اپنے باپ کے ساتھ کیا حرکت کی۔ وہ بولا میں نے باپ کے ساتھ کیا کیا۔ ماں بولی تو نے اس کی دہنی آنکھ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ وہ پھوٹ گئی۔ اب اس نے قسم کھائی ہے کہ اگر وہ کل صبح تیرا دہنا ہاتھ نہ کاٹ ڈالے تو مجھے طلاق ہے۔ نور الدین یہ سن کر سخت پشیمان ہوا لیکن• اب پشیمان ہونے سے کیا بنتا تھا۔ ماں نے کہا بیٹا' اب پشیمانی سے کوئی فائدہ نہیں' بہتر یہ ہے کہ تو فوراً اٹھ کر بھاگ جا اپنے آپ کو بچا اپنے جانے کی کسی کو خبر نہ کر۔ کسی اپنے دوست کے پاس جا کر چھپ رہ اور دیکھ کہ خدا کیا کرتا ہے کیونکہ وہ حالتیں بدلتا رہتا ہے۔ یہ کہہ کر اس کی ماں نے ایک صندوق کھولا اور اس میں سے سو دینار کا ایک توڑا نکال کر بیٹے سے کہا ان سے اپنا کام چلائیو اور جب یہ ختم ہو جائیں تو مجھے خبر بھیجنو۔ ممکن ہے کہ خدا تیری تقدیر میں خوشی لکھ دے اور تو گھر لوٹ آئے۔

یہ کہہ کرماں نے نور الدین کو رخصت کیا اور بلک بلک کر رونے لگی نور الدین توڑا لے کر باہر جانے والا ہی تھا کہ اس نے صندوق کے ایک کونے میں ایک اور توڑا دیکھا جس میں ایک ہزار دینار تھے جسے اس کی ماں بھول گئی تھی۔ نور الدین نے اسے بھی لے لیا اور دونوں کو کمر سے باندھ کر دن نکلتے نکلتے شہر سے نکل گیا اور بولاق کی طرف چل دیا۔ لوگ نماز پڑھنے اورکام پر جانے لگے تو وہ بولاق پہنچ چکاتھا۔ وہاں پہنچ کر وہ سمندر کے کنارے ٹہلنے لگا' اس کی نظر ایک کشتی پر پڑی جس کے بادبان اٹھے ہوئے تھے۔ لوگ اس میں آ جا رہے تھے چاروں لنگر زمین میں دھنسے ہوئے اور

ملاح کھڑے ہوئے تھے نور الدین نے ان سے پوچھا تم کہاں جاتے ہو؟ وہ بولے اسکندریہ' نور الدین بولا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لیتے چلو۔ وہ بولے اے حسین جوان' اہلاً سہلاً و مرحبا۔ نور الدین فوراً اٹھا اور بازار جا کر کھانا' بچھونا اور اوڑھنا غرض کہ جن جن چیزوں کی اسے ضرورت تھی لے آیا۔ جب وہ لوٹا تو کشتی لنگر اٹھانے والی تھی۔ نور الدین کشتی پر چڑھا ہی تھا کہ وہ چل دی اور چلتے چلتے رشید جا پہنچی۔ نور الدین نے دیکھا کہ ایک چھوٹی کشتی اسکندریہ جا رہی ہے وہ اس میں بیٹھ کر خلیج کے پار ہو گیا اور ایک پل کے پاس پہنچا جس کا نام قنطرہ الجامی تھا۔ وہاں نور الدین کشتی سے اترا اور باب السدرہ سے داخل ہوا' خدا نے اس کی پردہ پوشی کی اور جتنے لوگ دروازے پر کھڑے تھے ان میں سے کسی کی نظر اس پر نہیں پڑی اور نور الدین اسکندریہ میں داخل ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو سترویں رات

آٹھ سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب نور الدین اسکندریہ میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس کی شہر پناہ بڑی مضبوط ہے' سیرگاہیں خوش نما ہیں اور وہاں رہنے کو جی چاہتا ہے۔ سردیاں جا چکی ہیں' بہار کا موسم گلاب کے پھولوں کو لے آگیا ہے کلیاں کھل رہی ہیں' درختوں پر جوبن ہے' پھل پک گئے ہیں اور نہریں ابل رہی ہیں' شہر نہایت خوب صورت ہے اور شہر والے بہترین لوگ۔

جب اس کا دروازہ بند ہو جاتا ہے تو لوگ محفوظ ہو جاتے ہیں۔ سیر کرتا نور الدین تاجروں کے بازار میں پہنچا وہاں سے صرافوں کے بازار میں اور وہاں سے عطر فروشوں کے بازار میں' شہر کو دیکھ کر نور الدین کی حیرت بڑھتی جاتی تھی کہ جیسا اس کا نام سنا تھا ویسا ہی پایا۔ وہ عطر فروشوں کی دکان سے گزر ہی رہا تھا کہ ایک بوڑھے نے اپنی دکان سے اتر کر اسے سلام کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گیا۔ نور الدین نے دیکھا کہ گلی صاف ستھری' پانی چھڑکا ہوا' ہوا ٹھنڈی' درختوں کے پتوں کا سایہ' اس گلی میں تین مکان ہیں جو مکان صدر میں ہے اس کی بنیاد بڑی مضبوط ہے اور دیواریں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ اس کے آگے کا چوک نہایت اجلا' پاکیزہ' آنے جانے والوں کو پھولوں کی خوشبو آ رہی ہے' گویا جنت کا ایک ٹکڑا ہے۔ چوک کے آگے مکان ڈیوڑھی تک مرمر کا فرش ہے۔ بوڑھا' نور الدین کو لئے ہوئے مکان کے اندر گیا اس کے آگے کھانا پیش کیا دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔

کھا پی چکے تو بوڑھے نے نور الدین سے پوچھا تو قاہرہ سے یہاں کب آیا؟ نور الدین نے جواب دیا چچا' آج ہی رات آیا ہوں۔ بوڑھا بولا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا علی نور الدین' بوڑھا کہنے لگا بیٹا نور الدین اگر تو یہاں رہ کر مجھ سے الگ رہا تو میری بیوی کو تین طلاقیں' میں تیرے رہنے کے لیے ایک الگ مکان دیئے دیتا ہوں۔ نور الدین نے کہا اے میرے آقا' بتا کہ تو ہے کون؟ بوڑھے نے کہا بیٹا' میں ایک بار قاہرہ

گیا تھا وہاں میں نے خرید و فروخت کی' اسی اثناء میں مجھے ایک ہزار دینار کی ضرورت پڑ گئی اور تیرے باپ تاج الدین نے بے اس کے کہ وہ مجھے جانتا ہو دینار تول کر دے دیئے۔ رسید تک نہ لی یہاں تک کہ میں اسکندریہ پہنچا اور ایک غلام کے ہاتھ وہ قرضہ اور اس کے ساتھ ایک ہدیہ تیرے باپ کے پاس بھیجا۔ میں نے تجھے بھی دیکھا تھا لیکن اس وقت تو بہت چھوٹا تھا۔ اگر خدا کو منظور ہے تو میں اس کے احسان کے بدلے میں تیرے ساتھ بھی کچھ احسان کروں گا۔ یہ سن کر نور الدین خوش ہو گیا اس کی باچھیں کھل گئیں' اس نے وہ توڑا نکالا جس میں ایک ہزار دینار تھے اور اسے بوڑھے کو دے کر کہا کہ اسے اپنے پاس بہ طور امانت کے رکھے' کچھ مدت کے بعد میں اس سے تجارت کروں گا۔ اس کے بعد نور الدین کئی دن تک اسکندریہ میں رہا' ہر روز وہاں کی گلیوں میں سیر کرتا' کھاتا پیتا اور مزے اڑاتا یہاں تک کہ وہ سو دینار جو وہ خرچ کے لئے لایا تھا ختم ہو گئے اور وہ بوڑھے عطر فروش کے پاس آیا تاکہ ایک ہزار دینار میں سے کچھ لے جائے اور خرچ کرے' لیکن اسے دکان پر نہ پایا بیٹھ کر واپس آنے کی راہ دیکھنے لگا۔ دائیں بائیں تاجروں کی چہل پہل دیکھنے میں مشغول ہو گیا۔

وہ اسی شغل میں تھا کہ ایک عجمی خچر پر سوار بازار میں آیا اس کے پیچھے ایک لڑکی تھی ایسی جیسے خالص چاندی یا حوض میں بلطیہ مچھلی یا جنگل میں غزال۔ اس کے چہرے کے آگے سورج مات تھا' آنکھیں جادو بھری تھیں' سینہ ہاتھی دانت کی تختی دانت موتی' کمر پتلی' اس کا حسن و جمال مکمل تھا اور قد و قامت سڈول' عجمی نے خچر سے اتر کر لڑکی کو اتارا۔ دلال کو آواز دی اور کہا کہ اس لڑکی کو لے جا کر بولی لگوا۔ دلال اسے لے جا کر بیچ بازار میں پہنچا۔ آبنوس کی ایک کرسی بچھائی جس پر ہاتھی دانت کا کام تھا۔ دلال نے لڑکی کو اس پر بٹھا دیا اور اس کی نقاب الٹ دی' اس کا چہرہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ویلمی ڈھال یا چمک دار تارہ' گویا وہ چودھویں رات کا چاند تھی' نہایت حسین' اب دلال نے تاجروں سے کہا کہ تم اس یگانہ موتی اور سونے کی چڑیا کی کیا

قیمت لگاتے ہو؟ ایک تاجر بولا سو دینار میں' میں لیتا ہوں' دوسرے نے دو سو دینار لگائے' تیسرے نے تین سو۔ اسی طرح لوگ بڑھا بڑھا کر بولیاں بولنے لگے یہاں تک کہ اس کی قیمت نو سو پچاس تک پہنچ گئی۔ یہ آخری بولی تھی اور اب محض ایجاب و قبول کی دیر تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو اکہترویں رات

آٹھ سو اکہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی کے نو سو پچاس دینار لگ چکے ہیں تو دلال نے اس کے مالک عجمی کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا بول' کیا تو ان داموں بیچنا چاہتا ہے؟ عجمی بولا کیا وہ راضی ہے؟ مجھے اس کی خاطر منظور ہے کیونکہ اس سفر میں اس نے میری بہت خدمت کی ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ اسے ایسے شخص کے ہاتھ بیچوں گا جسے وہ چاہے گی اب تو اسی سے مشورہ کر' اگر وہ کہے کہ بیچ ڈال تو بیچ ڈالیو اور اگر وہ کہے کہ نہ بیچ تو نہ بیچیو۔ یہ سن کر دلال لڑکی کے پاس گیا اور کہنے لگا اے حسینوں کی سرتاج' تیرا بکنا تیرے آقا نے تیری مرضی پر چھوڑ دیا ہے اور تیرے دام نو سو پچاس دینار تک پہنچ چکے ہیں کیا تیری اجازت ہے کہ میں تجھے بیچ دوں۔ کنیز بولی اس شخص کو مجھے دکھا دے جو مجھے خریدنا چاہتا ہے تاکہ بیع نامے سے پہلے میں اسے دیکھ لوں۔ دلال اسے ایک تاجر کے پاس لے گیا جو بے حد بوڑھا تھا۔ کنیز اس کی طرف تھوڑی دیر تک دیکھتی رہی اور پھر دلال سے کہنے لگی اے دلال' کیا تو پاگل ہو گیا ہے اور تیری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں؟ کیا خدا اس بات کی تجھے اجازت دے سکتا ہے کہ تو مجھ جیسی جوان کو اس بڈھے کھوسٹ کے ہاتھ بیچے!

وہ بوڑھا' تاجروں کا چودھری تھا اس نے کنیز کو اپنی شان میں یہ برے الفاظ کہتے سنا تو بے حد ناراض ہوا اور دلال سے بولا اے منحوس دلال' تو کس کم بخت کنیز کو بازار میں لے آیا ہے کہ وہ میرا مذاق اڑاتی اور تاجروں کے سامنے میری برائی کرتی ہے؟ دلال کنیز کو لے کر وہاں سے چل دیا اور اس سے کہا اے میری آقا' بے ادب نہ بن۔ جس بوڑھے کو تو برا بھلا کہتی ہے وہ بازار کا چودھری' محتسب اور تاجروں کا مشیر ہے۔

کنیز نے دلال سے کہا اے میرے آقا' واللہ میں اس کے ہاتھ بکنا نہیں چاہتی' مجھے کسی دوسرے کے ہاتھ بیچ اگر وہ میرے سامنے شرمندہ ہو گا تو مجھے لے جا کر کسی اور کے ہاتھ بیچ ڈالے گا اور میں محض نوکرانی ہو کر رہ جاؤں گی۔ میں جانتی ہوں کہ اپنے بیچنے کی خود میں مختار ہوں۔ دلال اسے ایک اور بڑے تاجر کے پاس لے گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے کہا اے میری آقا' کیا میں تجھے اپنے آقا شریف الدین کے ہاتھ نو سو پچاس دینار میں بیچ سکتا ہوں؟ کنیز نے اس کی طرف نظر اٹھائی دیکھا وہ بھی بوڑھا ہے مگر اس کی داڑھی رنگی ہوئی ہے۔ لڑکی دلال سے کہنے لگی کیا تو دیوانہ ہے یا تیری عقل ماری گئی ہے تجھے بوڑھوں کے سوا کوئی جوان میسر نہیں' میں کباڑیے کی دکان کا مال تو نہیں کہ تو مجھے ایک بوڑھے سے' دوسرے بوڑھے کے پاس لے جا رہا ہے۔ دونوں کی مثال ایسی دیوار کی ہے جو گرنے والی ہو یا ایسے دیووں کی جنہیں ستاروں نے مار کر گرا دیا ہو۔ اور دوسرا بوڑھا تو مکار بھی ہے اس نے اپنے بڑھاپے کو کالا کر رکھا ہے اور داڑھی رنگ کر لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ لڑکی کی یہ باتیں سن کر خضاب والا بوڑھا بے حد ناراض ہوا اور دلال سے کہنے لگا اے منحوس ترین دلال' آج تو یہ کیسی رذیل کنیز لے کر بازار میں آیا ہے کہ وہ ایک ایک کرکے ہم سب پر فقرے کستی اور ہماری ہجو کرتی ہے؟ یہ کہہ کر تاجر دکان سے اترا اور دلال کے ایک طمانچہ مارا' دلال غصے میں آکر وہاں سے چل دیا۔ لڑکی اس کے ساتھ تھی اس سے کہا خدا کی قسم میں نے تجھ سے زیادہ بے شرم لڑکی نہیں دیکھی۔ تیری وجہ سے آج ہم دونوں کا رزق اٹھ گیا ہے اور سب تاجر مجھ سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ راستے میں ایک اور تاجر کی نظر ان پر پڑی۔ اس نے لڑکی کی قیمت میں دس دینار اور بڑھا دیئے' اس تاجر کا نام شہاب الدین تھا۔ دلال نے لڑکی سے پوچھا کیا تجھے بیچ سکتا ہوں؟ لڑکی بولی میں پہلے اسے ایک نظر دیکھنا اور اس سے ایک چیز کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہوں۔ اگر وہ چیز اس کے پاس ہوئی تو میں اس کے ہاتھ بک جاؤں گی ورنہ نہیں۔ دلال لڑکی کو چھوڑ کر تاجر کے پاس گیا اور بولا اے میرے آقا شہاب الدین' یہ لڑکی مجھ سے

کہتی ہے کہ وہ ایک چیز کے متعلق تجھ سے پوچھنا چاہتی ہے' اگر وہ تیرے پاس ہو گی تو وہ تیرے ہاتھ بک جائے گی لیکن تو سن چکا ہے کہ اس نے اور تاجروں سے کیا کہا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو بہترویں رات

آٹھ سو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- دلال نے تاجر سے کہا کہ تو سن چکا ہے کہ لڑکی نے دوسرے تاجروں سے کیا کہا ہے' واللہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں اسے تیرے پاس لایا تو کہیں وہ تیرے ساتھ بھی وہی حرکت نہ کرے جو اس نے تیرے پڑوسیوں کے ساتھ کی ہے اور مجھے تیرے آگے شرمندگی اٹھانا پڑے۔ تیری اجازت ہو تو میں اسے لے آؤں۔ تاجر بولا لے آؤ۔ دلال' کنیز کو لے آیا۔ کنیز نے اسے دیکھ کر پوچھا اے میرے آقا شہاب الدین' کیا تیرے گھر میں ایسے گول تکیے ہیں جن کے اندر گلہری کی کھال کے ٹکڑے بھرے ہوں؟ اس نے کہا ہاں اے حسینوں کی سرتاج' میرے گھر میں ایسے دس تکیے ہیں' لیکن خدا کے لئے بتا تو سہی کہ تو ان کا کیا کرے گی۔ لڑکی بولی کہ جب تو سو جائے گا تو میں انہیں تیرے منہ اور ناک میں ٹھونس دوں گی تا کہ تو مر جائے۔ یہ کہہ کر وہ دلال کی طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی اے منحوس ترین دلال کیا تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے کہ ایک پہر پہلے تو نے مجھے دو بوڑھوں کے آگے پیش کیا جن میں دو دو عیب تھے اور اب تو مجھے میرے آقا شہاب الدین کے آگے پیش کرتا ہے جس میں تین عیب ہیں' ایک تو وہ پستہ قد ہے دوسرے اس کی ناک بڑی ہے اور تیسرے اس کی داڑھی لمبی ہے۔ لڑکی کی یہ باتیں سن کر شہاب الدین دکان سے اترا دلال کا گریبان پکڑ لیا اور کہنے لگا اے منحوس ترین دلال! تو ایسی کنیز کو لے کر ہمارے پاس آیا جو ہمیں بدنام کرتی اور برا بھلا کہتی ہے۔ دلال کنیز کو لے کر وہاں سے بھی چل دیا اور اس سے کہنے لگا خدا کی قسم میں نے عمر بھر یہی پیشہ کیا ہے لیکن تو سب سے زیادہ بے ادب اور میرے لئے سب سے زیادہ منحوس نکلی۔ میری آج کی روزی تو نے برباد کر دی اور نفع میں مجھے ایک مکا ملا اور میرا گریبان پکڑا گیا۔

اس کے بعد دلال کنیز کو لے کر ایک اور تاجر کے پاس ٹھہرا جس کے پاس بہت سے کالے اور گورے غلام تھے اور اس سے کہنے لگا کہ کیا تو اس تاجر علاء الدین کے ہاتھ بکنا چاہتی ہے۔ کنیز نے دیکھا تو وہ کبڑا تھا۔ کہنے لگی ارے یہ تو کبڑا ہے۔ دلال اسے جلدی سے لے کر ایک اور تاجر کے پاس گیا اور پوچھا تجھے اس کے ہاتھ بیچوں؟ لڑکی نے دیکھا کہ وہ گنجا ہے' کہنے لگی تو مجھے اس گنجے کے ہاتھ کیوں کر بیچ سکتا ہے! پھر دلال اسے لے کر ایک لمبی داڑھی والے کے پاس پہنچا' کنیز نے اس پر مینڈھے کی پھبتی کسی کہ اس کی دم حلق میں آ کر نکلی ہے۔ تو نے سنا نہیں کہ لمبی داڑھی والا کم عقل ہوتا ہے اور داڑھی جتنی لمبی ہوتی جاتی ہے اتنی ہی عقل گھٹتی جاتی ہے۔ یہ بات تو دانش مندوں میں مشہور ہے اب دلال اسے لے کر مڑا۔ لڑکی نے پوچھا تو مجھے کہاں لئے جاتا ہے؟ دلال بولا تیرے آقا عجمی کے پاس جو آج تیرے سبب سے مجھ پر گزری وہ بہت کافی ہے' تیری بے ادبی کی وجہ سے میری اور اس کی روزی جاتی رہی۔ کنیز نے بازار میں دائیں بائیں اور آگے پیچھے نظر دوڑائی خدا کا کرنا کہ اس کی نظر نور الدین علی مصری پر جا پڑی اس نے دیکھا کہ وہ خوش رو جوان ہے' اس کے رخسار صاف ستھرے' قد سڈول ہے' عمر چودہ سال ہو گی' نہایت حسین و جمیل ہے' گویا چودھویں رات کا چاند' اس کی پیشانی بارونق' رخسار سرخ' گلا مرمر کی طرح' دانت جیسے ہیرے اور لعاب' شکر سے زیادہ میٹھا۔ اسے دیکھتے ہی لڑکی اس پر عاشق ہو گئی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو تہترویں رات

آٹھ سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- کنیز علی نور الدین کو دیکھتے ہی اس پر فدا ہو گئی اور دلال سے مخاطب ہو کر کہنے لگی' یہ نوجوان تاجر جو دوسرے تاجروں کے بیچ میں لمبی آستینوں کی مرزئی پہنے بیٹھا ہے کیا اس نے میرے دام بالکل نہیں بڑھائے؟ دلال نے جواب دیا اے حسینوں کی سرتاج' یہ نوجوان قاہرہ کا رہنے والا پردیسی ہے' اس کا باپ وہاں کے سارے تاجروں میں بڑا ہے۔ اسے یہاں آئے تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے اور وہ اپنے باپ کے ایک دوست کے ہاں ٹھہرا ہے اس نے تیرے دام نہ بڑھائے نہ گھٹائے۔ یہ سن کر کنیز نے اپنی انگلی سے یاقوت کی اک قیمتی انگوٹھی اتاری اور دلال سے کہا مجھے اس خوش رو جوان کے پاس لے چل اگر اس نے مجھے خرید لیا تو یہ انگوٹھی تیرا محنتانہ ہے۔ دلال خوش ہو گیا اور نورالدین کے پاس پہنچا۔ لڑکی نے اسے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا وہ گویا پورا چاند ہے۔ اس سے کہنے لگی اے میرے آقا' خدا کی قسم بتا کہ میں خوب صورت نہیں ہوں؟ اس نے کہا اے حسینوں کی سرتاج' دنیا میں تجھ سے زیادہ خوبصورت بھلا کوئی ہو سکتا ہے! کنیز نے کہا پھر یہ کیسے ہوا' تو نے دیکھا کہ تاجر میرے دام بڑھا رہے ہیں اور تو بالکل چپ رہا اور کچھ بھی نہ کہا' میرے داموں میں ایک دینار بھی نہ بڑھایا۔ اے میرے آقا! گویا میں تجھے بالکل پسند نہیں۔ اس نے کہا اے میری آقا' اگر میں اپنے وطن میں ہوتا تو میں اپنی ساری دولت دے کر تجھے خرید لیتا۔ لڑکی بولی میں تجھ سے یہ نہیں کہتی کہ تو مجھے خواہ مخواہ خرید لیکن اگر تو میرے دام بڑھاتا تو میرا دل خوش ہو جاتا خواہ تو مجھے نہ خریدتا لیکن تاجر کہتے ہیں کہ اگر یہ کنیز حسین نہ ہوتی تو یہ قاہرہ کا تاجر اس کے دام نہ بڑھاتا کیوں کہ قاہرہ والوں کو کنیزوں کی پرکھ ہے۔ کنیز کی یہ باتیں سن کر نور الدین شرما گیا۔ اس نے دلال سے پوچھا کہ اس کنیز کے دام کہاں تک

پہنچ چکے ہیں؟ دلال بولا کہ دلالی کے علاوہ نو سو پچاس دینار اور بادشاہ کا حق بیچنے والے پر ہے۔ نور الدین بولا کہ قیمت اور دلالی ملا کر اسے ایک ہزار دینار میں بیچ ڈال۔ کنیز دلال کو چھوڑ کر آگے بڑھی اور کہنے لگی میں اس خوش رو جان کے ہاتھ ایک ہزار دینار میں بک گئی۔

یہ سن کر نور الدین چپ ہو گیا۔ ایک بولا کہ ہم نے اسے بیچ ڈالا' دوسرے نے کہا کہ وہ اس لڑکی کا اہل ہے' تیسرا کہنے لگا کہ جو دام بڑھائے اور نہ خریدے اس پر لعنت اور اس کے باپ پر لعنت! چوتھا بولا کہ خدا کی قسم وہ ایک دوسرے کے لائق ہیں۔

نور الدین کو پتا بھی نہیں چلا کہ دلال قاضیوں اور گواہوں کو لے آیا۔ انہوں نے بیع نامہ لکھ کر نور الدین کے حوالے کیا اور دلال نے کہا کہ کنیز کو لے' خدا اسے تیرے لئے مبارک کرے! وہ سوائے تیرے اور کسی کے لائق نہیں اور تو سوائے اس کے اور کسی کے لائق نہیں۔ تاجروں کی شرم کے مارے نور الدین فوراً اٹھا اور ایک ہزار دینار لا کر جو اس نے امانۃ عطر فروش کے پاس رکھ چھوڑے تھے تول دیئے اور کنیز کو لے کر اس مکان میں گیا۔ جہاں عطر فروش بوڑھے نے اسے ٹھہرایا تھا۔ جب لڑکی مکان میں داخل ہوئی تو اس نے وہاں پھٹا ہوا فرش اور پرانا قالین دیکھا۔ کہنے لگی اے میرے آقا! کیا میری قدر تیرے دل میں بالکل نہیں اور کیا میں اس قابل نہیں کہ تو مجھے اپنے خاص گھر میں لے چلے جہاں تیرا سامان ہے؟ تو نے مجھے اپنے باپ کے گھر لا کر کیوں اتارا؟ نور الدین نے کہا اے حسینوں کی سرتاج! میں اسی مکان میں رہتا ہوں' اس کا مالک ایک عطر فروش بوڑھا ہے جو اسی شہر کا رہنے والا ہے اس نے مجھے یہ مکان رہنے کے لئے دے رکھا ہے۔ میں نے کہا نہ تھا کہ میں پردیسی قاہرہ کا رہنے والا ہوں۔ لڑکی بولی اے میرے آقا! وطن جانے سے پہلے ہمارے لئے چھوٹے سے چھوٹا مکان بھی کافی ہے لیکن اے میرے آقا! خدا کے لئے جا کر کچھ بھنا ہوا گوشت' شراب' خشک میوہ اور تازے پھل لے آ نور الدین نے کہا اے حسینوں کی سرتاج! خدا کی قسم میرے پاس وہی ایک ہزار دینار تھے جو میں نے تول کر تیری قیمت میں دے دیئے ان

کے بعد اب میرے پاس کچھ نہیں اور جو چند درہم تھے بھی وہ کل تک خرچ ہو چکے۔
لڑکی نے کہا کیا اس شہر میں تیرا کوئی دوست نہیں جس سے تو پچاس درہم قرض لے آئے تاکہ میں ان کا مصرف بتاؤں؟ اس نے جواب دیا کہ سوائے عطر فروش کے میرا کوئی دوست نہیں۔ یہ کہہ کر وہ عطر فروش کے پاس گیا اور کہا چچا! السلام علیک' اس نے سلام کا جواب دیا اور کہا بیٹا! تو نے آج ایک ہزار دینار میں کیا خریدا ہے؟ نور الدین نے جواب دیا ایک کنیز' عطر فروش نے کہا بیٹا' کیا تیرا سر پھر گیا ہے کہ تو نے ایک ہزار دینار میں ایک کنیز خریدی؟ نہ معلوم وہ کیسی کنیز ہو گی نور الدین نے کہا چچا' وہ ایک فرنگن کنیز ہے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## آٹھ سو چوہترویں رات

آٹھ سو چوہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ نور الدین نے بوڑھے عطر فروش سے کہا وہ ایک فرنگن کنیز ہے۔ بوڑھا بولا بیٹا' اس شہر میں بہترین فرنگنوں کی قیمت سو دینار ہے' بیٹا اس میں کسی نے تیرے ساتھ چال چلی ہے۔ اگر وہ تجھے پسند ہے تو آج رات کو اس کے ساتھ سو اور اس سے اپنا مطلب نکال کر صبح اسے بازار میں بیچ ڈالیو' خواہ اس میں تجھے دو سو دینار کا ٹوٹا ہی کیوں نہ ہو اور سمجھ لیجیو کہ وہ پانی میں گر پڑے یا ڈاکو راہ سے لے اڑے۔ نور الدین نے کہا تو ٹھیک کہتا ہے لیکن چچا' تو جانتا ہے کہ میرے پاس وہی ہزار دینار تھے جن سے میں نے کنیز خرید کی اور اب میرے پاس خرچ کرنے کے لئے ایک درہم تک نہیں۔ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے پچاس درہم ادھار دے دے تاکہ کل تک خرچ چلے' کل میں کنیز کو بیچ کر اس کے داموں میں تیرا قرضہ ادا کر دوں گا۔ بوڑھے نے پچاس درہم تول کر دے دیئے اور کہا بیٹا' تو ابھی کم سن ہے اور یہ کنیز خوب صورت' اگر تیرا دل پھنس گیا تو اس کا بیچنا تیرے لئے آسان نہ ہو گا اور تیرے پاس خرچ کرنے کے لئے دام نہیں۔ جب یہ پچاس درہم ختم ہو جائیں گے تو تو پھر میرے پاس آئے گا اور میں ایک بار دوں گا دو بار دوں گا تین بار دوں گا دس بار دوں گا اور تو پھر میرے پاس آئے گا تو میں تیرے شرعی سلام کا جواب بھی نہ دوں گا اور جو محبت مجھے تیرے باپ سے ہے وہ بھی اکارت جائے گی یہ کہہ کر بوڑھے نے اسے پچاس درہم دے دیئے اور وہ انہیں لے کر کنیز کے پاس آیا کنیز نے کہا اے میرے آقا ابھی بازار جا کر میرے لئے بیس درہم کا ریشم لے آ جو پانچ مختلف رنگوں کا ہو اور باقی تیس درہم کا گوشت' روٹی' پھل' شراب اور عطر۔

نور الدین بازار جا کر وہ تمام چیزیں خرید لایا جو لڑکی نے کہی تھیں۔ لڑکی نے فوراً آستینیں

چڑھا لیں' خوب اچھی طرح سالن پکایااس کے آگے لا رکھا اور دونوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ اس کے بعد وہ شراب لائی اور دونوں نے پی لڑکی اسے برابر پلاتی جاتی اور پیار کی باتیں کرتی جاتی یہاں تک کہ وہ نشے میں آ کر سو گیا۔ اب لڑکی نے اٹھ کر اپنے بقچے میں سے ایک طائفی چمڑے کی تھیلی نکالی تھیلی میں سے دو بُننے کی سوئیاں اور بُننے لگی۔ تھوڑی دیر میں ایک پٹی بن کر تیار کر دی۔ اسے صاف کر کے استری کی اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر تکیے کے نیچے رکھ دی پھراس نے اٹھ کر اپنے کپڑے اتارے اورنور الدین کے پاس لیٹ کر اسے دابنے لگی یہاں تک کہ اس کی آنکھ کھل گئی اس نے دیکھا کہ اس کے پہلو میں ایک لڑکی ہے گویا وہ خالص چاندی ہے ریشم سے زیادہ نرم اور دنبے کی دم سے زیادہ ترو تازہ' میانہ قد' سینہ ابھرا ہوا' بھنویں جیسے کھنچی ہوئی کمانیں' آنکھیں غزالوں کی سی اور رخسار شقائق النعمان جیسے۔ نور الدین نے اسے دیکھ کر فوراً سینے سے لگا لیا پہلے نیچے کا ہونٹ چوسا پھر اوپر کا اور پھر اس کی بکارت زائل کرکے اس طرح اس کے بوسے لینے لگا جیسے پانی میں سنگریزے گرتے ہوں کیونکہ نور الدین کو تمنا تھی کہ وہ اس حور کو گلے سے لگائے اور اس کے ہونٹ چوسے' بال کھولے' کمر میں ہاتھ ڈالے اور رخسار کاٹے۔ اس کے بعد نور الدین اور کنیز بڑے مزے سے صبح تک سوتے رہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○